وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا. (البقرة:۲۷۵)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی لازالت فیوضہم کی معاملات کے موضوع پر
عربی زبان میں شہرۂ آفاق کتاب ''فقہ البیوع'' کا آسان، عام فہم اور سلیس ترجمہ

اسلام کا نظام خرید وفروخت

جلد دوم

زیر نگرانی

امین الفقہ حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی دامت برکاتہم
نائب شیخ الحدیث وصدر مفتی دار العلوم حیدرآباد

مترجم

محمد عبد العلیم قاسمی

استاذ ادارۂ کہف الایمان بورابنڈہ، حیدرآباد

ناشر

....

نام کتاب	اسلام کا نظامِ خرید وفروخت (ترجمہ: فقہ البیوع)
نام مؤلف	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم
نظر ثانی	امین الفقہ حضرت مولانا مفتی محمد جمال الدین صاحب قاسمی مدظلہ العالی نائب شیخ الحدیث وصدر مفتی دار العلوم حیدرآباد
نام مترجم	محمد عبد العلیم قاسمی استاذ ادارۂ کہف الایمان بورابنڈہ، حیدرآباد کال نمبر: 9063802770 واٹس اپ نمبر: 9639736412
صفحات	۷۰۴
کمپوزنگ	مفتی محمد عبد اللہ سلیمان مظاہری، قبا گرافکس، حیدرآباد
ناشر	....

ملنے کے پتے

(۱) ....

(۲) ....

(۳) ....

فہرستِ مضامین

چھٹی بحث: بیع کی نفع کے لحاظ سے تقسیم

ساتویں بحث: بدلین کی نوعیت کے لحاظ سے بیع کی تقسیم

آٹھویں بحث: بیع کے آثار مرتب ہونے کے لحاظ سے تقسیم

۴۶۹۔نویں بحث: آزادانہ تجارت میں حکومتوں کی دخل اندازی

۴۷۵۔دسویں بحث: مال حرام کے احکام

۵۲۴۔گیارہویں بحث: امپورٹ اور ایکسپورٹ کے احکام

۵۶۱۔ بارہویں بحث: اقالہ کا بیان

اسلام کا نظامِ خرید وفروخت - دفعات کی شکل میں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

چھٹی بحث

بیع کی نفع کے لحاظ سے تقسیم

۲۸۵۔نفع کے لحاظ سے بیع کی دوسری تقسیم

بیع کی دوسری تقسیم نفع کے اعتبار سے ہے، اس حیثیت سے بیع کی چار قسمیں ہوجاتی ہیں:

۱) مساومہ: یہ ایسی بیع ہے جس میں عاقدین بائع کی لاگت اور نفع کی جانب نظر کیے بغیر ایک متعین ثمن پر اتفاق کر لیتے ہیں، مطلب یہ کہ عقد میں یہ تصریح نہیں ہوتی کہ کہ مبیع بائع کو کتنے میں پڑی ہے اور اس کو کتنا نفع مل رہا ہے؟

عام طور پر لوگ اسی طریقہ پر خرید وفروخت کرتے ہیں، اور سابق ولاحق میں ذکر کردہ بیع عامہ کے تمام احکام اسی پر منطبق ہوتے ہیں، مستقل ان کے احکام کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۲) مرابحہ: ایسی بیع ہے جس میں طرفین کا اس پر اتفاق ہوتا ہے کہ بائع مبیع کو اس کی لاگت اور معلوم نفع کے اضافہ کے ساتھ فروخت کرے گا، مثلاً: بائع کہے: میں نے تجھے یہ چیز بیچی، جس کا ثمن وہی ہے جتنے میں میں نے خریدا تھا، دس روپے/ دس فیصد کے اضافہ کے ساتھ۔

اصطلاح میں لاگت کو رأس المال اور اضافہ کو ربح کہا جاتا ہے، آگے احکام کے بیان میں انہی اصطلاحات کا استعمال ہوگا۔

۳) تولیہ: ایسی بیع ہے جس میں طرفین کا اس پر اتفاق ہوتا ہے کہ بائع مبیع کو اپنی لاگت کے ہی عوض فروخت کرے گا، اور کوئی نفع نہیں لے گا، اسی کی ایک قسم اشراک ہے۔(۱) وہ یہ کہ طرفین میں سے کسی نے اپنے لیے کوئی چیز خریدی، پھر دوسرے شخص کو اس کے ایک حصہ میں اسی کے ثمن کے تناسب سے شریک کرلیا، مثلاً: ایک لاکھ میں کوئی

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۲۲۰

زمین خریدی، پھر نصف زمین میں ۵۰؍ہزار کے عوض کسی کو شریک کرلیا، محیط میں مذکور ہے: جب ایک شخص کوئی چیز خریدے اور دوسرا اس کو شریک کرنے کے لیے کہے اور وہ شریک کرلے تو یہ بیع کے درجہ میں ہے، پھر اگر ثمن معلوم نہ ہو تو ایک قول بیع کے فاسد ہونے کا ہے، اور دوسرا قول صحیح ہونے کا؛ کیوں کہ ثمن فی نفسہٖ معلوم ہے، اگر چہ مشتری کو خبر نہیں ہے؛ لٰہذا یہ ایسی چیز کی خریداری ہوگی جس کو ابھی تک نہیں دیکھا۔(۱)

لیکن علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

وَالْإِشْرَاكُ تَوْلِيَةٌ لَكِنَّهُ تَوْلِيَةٌ بَعْضِ الْمَبِيعِ بِبَعْضِ الثَّمَنِ وَالْعِلْمُ بِالثَّمَنِ كُلِّهِ شَرْطُ صِحَّةِ الْبَيْعِ. (۲)

اشراک تولیہ ہے؛ لیکن یہ بعض مبیع کا بعض ثمن کے عوض تولیہ ہے، اور کل ثمن کا علم صحت بیع کے لیے شرط ہے۔

۴) وضیعہ: ایسی بیع ہے جس میں طرفین کا اس پر اتفاق ہوتا ہے کہ بائع لاگت سے کم کے عوض فروخت کرے گا۔

آخر الذکر تینوں اقسام بیوع الامانۃ کہلاتے ہیں؛ کیوں کہ ان کے اکثر احکام کا مدار لاگت کے بیان میں سچائی پر ہے، چوں کہ تولیہ اور وضیعہ کا رواج بہت کم ہے؛ اس لیے فقہاء نے مرابحہ کے بیان ہی پر زیادہ توجہ مرکوز کی ہے، آئندہ انہی مباحث میں سے اہم کو بیان کیا جائے گا، نیز مرابحہ کے سیاق میں اگر چہ تمام امور کا ذکر آئے گا؛ لیکن لاگت بیان کرنے سے متعلق بحث تولیہ اور وضیعہ پر بھی منطبق ہوگی۔

---

(۱) المحیط البرہانی ۶/ ۱۴

(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۲۲۰

مرابحہ، تولیہ اور وضیعہ کے احکام

۲۸۶۔ مرابحہ کے صحیح ہونے کے شرائط

مرابحہ کے جواز کی شرائط درج ذیل ہیں:

پہلی شرط

۱) اگر رأس المال نقد ہو تو مرابحہ کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے، مثلاً بائع نے سو درہم کے عوض کوئی چیز خریدی، تو اس کے لیے دس درہم نفع کے ساتھ فروخت کرنا درست ہے، اور اگر رأس المال عرض ہو تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ کے یہاں رأس المال کا ذوات الامثال میں سے ہونا ضروری ہے، مثلاً: گیہوں، جو، مکیلات، موزونات اور عددیات متقاربہ جیسے: انڈا اور اخروٹ؛ لہٰذا جو شخص اس قسم کا رأس المال خریدے اس کے لیے وہ چیز بطورِ مرابحہ فروخت کرنا جائز ہے، مثلا اس نے ایک کلو گیہوں کے بدلہ میں کپڑا خریدا تو اس کا مشتری سے یہ کہنا جائز ہے کہ میں نے تجھے یہ کپڑا ثمن اول اور مزید ایک درہم کے عوض فروخت کیا، یا مزید پاؤ کلو گیہوں کے عوض۔

اور اگر رأس المال ذوات الامثال میں سے نہ ہو، جیسے: جانور تو اس کو مرابحۃً فروخت کرنا جائز نہیں ہے، مثلاً: ایک بکری کے عوض کپڑا خریدے، تو اس کو مرابحۃً فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا، کہ مشتری سے یہ کہے: میں نے تجھے یہ کپڑا ثمن اول اور اتنے نفع کے عوض فروخت کیا؛ کیوں کہ ثمن اول بکری ہے جو کہ اس کی ملکیت سے جا چکی ہے، اور مشتری ثانی کے لیے بعینہ وہ بکری دینا ممکن نہیں ہے، اور نہ مثل دینا ممکن ہے؛ کیوں کہ بکری ذوات الامثال میں سے نہیں ہے، پس بکری کی قیمت کی جانب رجوع متعین ہے، اور اس بکری کی قیمت مجہول ہے، اس کی تعیین میں قیمت لگانے والوں کا اختلاف ہوسکتا

ہے؛ لٰہذا حقیقی لاگت کا اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے، جب کہ مرابحہ اور تولیہ کی بنیاد حقیقی لاگت بیان کرنے پر ہوتی ہے، پس جب بیان کرنا متعذر ہے تو مرابحہ بھی متعذر ہے، اور ایسی صورت میں وہ بیع مساومہ ہی کرسکتا ہے، بیع مرابحہ، تولیہ اور وضیعہ نہیں کرسکتا؛ کیوں کہ ان تینوں میں حقیقی لاگت بیان کرنا شرط ہے۔

رأس المال کے غیر مثلی ہونے کے باوجود اس میں مرابحہ اور تولیہ کے جواز کی واحد صورت یہ ہے کہ بعینہ راس المال مشتری ثانی کی ملک میں ہو، مثلاً: زید نے عمرو سے ایک کپڑا بکری کے عوض فروخت کیا، پھر عمرو نے یہ بکری خالد کو بیچ دی، پھر زید نے خالد کو مرابحۃً کپڑا فروخت کرنا چاہا تو وہ یہ کہ سکتا ہے: میں نے تجھے یہ کپڑا ثمن اول اور مزید ایک درہم کے عوض فروخت کیا؛ کیوں کہ ثمن اول اگرچہ مثلی نہیں ہے؛ لیکن خالد کے پاس بعینہٖ موجود ہے؛ لٰہذا لاگت بیان کرنے کی جو شرط ہے وہ یہاں پائی جارہی ہے؛ اس لیے مرابحہ اور تولیہ جائز ہوگا؛ لیکن وضیعہ جائز نہ ہوگا؛ کیوں کہ اس میں قیمت کے ذریعہ بکری کو تقسیم کرنا پڑے گا؛ لٰہذا وہی محظور پایا جائے گا۔

مذکورہ صورت میں مرابحہ اس وقت جائز ہے جب کہ ربح ایک مستقل رقم ہو، مثلا ایک یا دو درہم، اگر ربح لاگت کا مشاع فیصد ہو، مثلا دس فیصد، تو مرابحہ ناجائز ہے۔ (۱) کیوں کہ راس المال کے غیر مثلی ہونے کی صورت میں مشاع فیصد کی تعیین کے لیے قیمت لگانے کی ضرورت پڑے گی، جو کہ مجہول ہے؛ لٰہذا مرابحہ اور تولیہ متعذر ہے۔

یہ ساری تفصیل حنفیہ کے مذہب کے مطابق تھی، مالکیہ کے نزدیک امام اشہب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق ظاہر یہ ہوتا ہے کہ عروض میں مرابحہ کے جواز کی شرط مبیع کا مشتری کے پاس موجود ہونا ہے، جیسا کہ سابق میں زید اور خالد کی مثال میں آچکا ہے؛ لٰہذا اگر مبیع مشتری ثانی کے پاس نہ ہو تو مرابحہ ناجائز ہے، خواہ مبیع مثلی ہو یا غیر مثلی؛ کیوں کہ عدم موجودگی کی صورت میں مرابحہ سلم حال کا سبب بنتا ہے، علامہ ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے

---

(۱) ہدایہ ۵۶/۳

ان سے اختلاف کرتے ہوئے مبیع موجود نہ ہونے کی صورت میں بھی جائز قرار دیا ہے، خواہ مبیع مثلی ہو یا نہ ہو، اور غیر مثلی کی صورت میں بیع اس کے مثل کے عوض ہوگی، نہ کہ قیمت کے عوض۔(۱)

شوافع کے یہاں مبیع کا مثلی ہونا شرط نہیں ہے؛ بلکہ ان کے یہاں یہ جائز ہے کہ بائع کہے: میں نے یہ چیز ایک سامان کے عوض خریدی جس کی قیمت اتنی تھی، اور اتنے نفع کے عوض میں تمہیں فروخت کرتا ہوں۔(۲) حنابلہ کے یہاں عروض کے سلسلہ میں کوئی تفصیل نہیں مل سکی، ظاہر یہی ہے کہ ان کا مذہب بھی شوافع کے مذہب کی مانند ہے۔

دوسری شرط

رأس المال کی مقدار مشتری ثانی کو معلوم ہو، اگر معلوم نہ ہو تو بیع فاسد ہے، تا آں کہ مجلس ہی میں وہ جان لے، اور معلوم ہونے کے بعد اس کو خیار حاصل ہوگا، چاہے تو بیع کرے یا نہ کرے۔(۳)

تیسری شرط

ربح معلوم ہو، اور ربح نقود میں سے ایک مستقل رقم بھی ہوسکتا ہے، یا معلوم عرض بھی، یا رأس المال کا فیصد بھی، اگر ایک مستقل رقم ربح ہو تو یہ بالاجماع بلا کراہت جائز ہے، اور اگر فیصد ہو، مثلاً: دس فیصد جس کو فقہاء نے دہ یازدہ سے تعبیر کیا ہے تو یہ بھی درست ہے؛ لیکن امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مکروہ تنزیہی کہا ہے۔(۴)

چوتھی شرط

رأس المال سے اس کی جنس کی کوئی چیز ــ جو کہ اموال ربویہ میں سے ہو ــ نہ

(۱) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/ ۱۶۰

(۲) مغنی المحتاج ۲/ ۴۷۹

(۳) بدائع الصنائع ۵/ ۲۲۰

(۴) المغنی ۴/ ۱۳۶، دہ یازدہ فارسی جملہ ہے، جس کا مطلب ہے کہ ہر دس کے عوض گیارہ لوں گا، یعنی ایک درہم کا نفع لوں گا، بالفاظِ دیگر سو میں دس درہم کا ربح لوں گا۔

خریدی گئی ہو، مثلاً: گیہوں گیہوں کے عوض خریدے تو مرابحۃً فروخت کرنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ اس عقد میں ربح ربا ہوگا، اسی طرح مواضعۃً فروخت کرنا بھی درست نہیں؛ کیوں کہ تماثل مفقود ہے؛ لیکن تولیۃً فروختگی درست ہے؛ کیوں کہ تولیہ ثمن اول کے عوض بلا کمی بیشی فروخت کرنے کا نام ہے؛ لہٰذا تماثل کی شرط مفقود نہیں ہوگی۔

پانچویں شرط

عقد اول صحیح ہو، اگر وہ فاسد ہو تو بیع مرابحہ جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ مرابحہ ثمن اول اور مزید نفع کے ساتھ فروخت کرنے کا نام ہے، اور بیع فاسد حنفیہ کے نزدیک اگرچہ فی الجملہ ملکیت کا فائدہ دیتی ہے؛ لیکن مبیع کی قیمت یا مثل کے عوض فائدہ دیتی ہے نہ کہ ثمن کے عوض؛ کیوں کہ ثمن کی تعیین فاسد ہے۔(۱)

۲۸۷۔ رأس المال کے احکام

۱) رأس المال میں اصل یہ ہے کہ وہ ایسی چیز ہو جو عقد کی وجہ سے واجب ہوئی ہو، یا اس کے ساتھ ملحق ہو، وہ نہ ہو جس کو مشتری نے استبدال کے طور پر دیا ہو، چنانچہ اگر عقد ایک کرنسی مثلاً دس دراہم پر واقع ہو؛ لیکن مشتری ایک دینار دے اور بائع اس کو قبول کرلے تو مرابحہ دس دراہم پر جاری ہوگا، نہ کہ دینار پر؛ کیوں کہ بیع کا ثمن دس دراہم ہیں، پھر عاقدین کے درمیان ایک دوسرا عقد ہوا ہے جس میں دراہم کو دینار سے بدل دیا گیا، جب کہ مرابحہ کی بنیاد عقد اول پر ہوتی ہے، نہ کہ اس کے بعد ہونے والے استبدال پر۔

اور اگر عقد کسی دوسرے ملک کی کرنسی پر واقع ہو، مثلا سو ڈالر تو اگر ربح کی تحدید مستقل رقم کی اساس پر ہو، مثلاً بائع کہے: میں نے تجھے ثمن اول اور پاکستانی سو روپے نفع کے عوض فروخت کیا تو مرابحہ کا ثمن سو ڈالر اور پاکستانی سو روپے ہیں، اور اگر ربح کی تحدید فیصد کے اعتبار سے ہو، مثلا دس فیصد کا نفع تو مرابحہ کا ثمن ایک سو دس ڈالر ہوگا۔

موجودہ زمانہ میں امپورٹ اور بیرون ملک سے خریداری کسی اجنبی کرنسی کے

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۲۲۲

ذریعہ ہوتی ہے، جو کہ عموماً ڈالر ہوتی ہے، اگر امپورٹ کرنے والا درآمد کیا ہوا سامان اپنے ملک میں فروخت کرنا چاہے تو اس کے لیے اسی طریقہ پر مرابحہ کرنا جائز ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں، ڈالر کے علاوہ کسی اور کرنسی کا مرابحہ کا کل ثمن ہونا ناجائز ہے؛ لیکن جب مرابحہ کے ثمن کی ڈالر کے ذریعہ تحدید ہو جائے، جیسے: مذکورہ مثال میں ایک سو دس ڈالر، پھر ثمن کی ادائیگی کے وقت طرفین کا پاکستانی روپوں سے تبادلہ پر اتفاق ہو تو یہ تین شرائط کے ساتھ جائز ہے:

الف: عقدِ مرابحہ میں تبادلہ کی شرط نہ لگائی جائے۔

ب: تبادلہ میں ادائیگی کے دن کی قیمت کا اعتبار کیا جائے، نہ کہ وجوب کے دن کا۔

ج: کل ثمن کا تصفیہ کیا جائے، یا اس مقدار کا جس کے تبادلہ کا ارادہ ہے، اور ذمہ میں اس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے جس کا تبادلہ مقصود ہے۔

چنانچہ اگر ثمن ایک سو دس ڈالر ہو، اور عاقدین کل ثمن کا پاکستانی روپوں سے تبادلہ کرنا چاہیں، اور ادائیگی کے دن تبادلہ کی قیمت ایک ڈالر کے پچاس روپے ہوں تو پانچ ہزار پانچ سو کے ذریعہ تبادلہ جائز ہے؛ لیکن اسی مجلس میں ان پیسوں کی ادائیگی ضروری ہے، مجلس کے بعد تک تاخیر نہ کی جائے، اور اگر طرفین نصف ثمن کا تبادلہ کرنا چاہیں، مثلاً: ان کا اس پر اتفاق ہو کہ مشتری نصف ثمن دے گا جو کہ پچپن ڈالر ہیں، اور بقیہ ڈالر کے پاکستانی روپے دے گا، جو کہ دو ہزار سات سو پچاس روپے ہیں تو یہ بھی جائز ہے، بشرطیکہ اسی مجلس میں ان دو ہزار سات سو پچاس کی ادائیگی ہو، کوئی مقدار مؤجل نہ کی گئی ہو۔

اس حکم کی بنیاد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت پر ہے:

كُنْتُ أَبِيعُ الْإِبِلَ بِالْبَقِيعِ فَأَبِيعُ بِالدَّنَانِيرِ، وَآخُذُ الدَّرَاهِمَ وَأَبِيعُ بِالدَّرَاهِمِ وَآخُذُ الدَّنَانِيرَ، آخُذُ هَذِهِ مِنْ هَذِهِ وَأُعْطِي هَذِهِ مِنْ هَذِهِ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ فِي بَيْتِ حَفْصَةَ فَقُلْتُ: يَا

رَسُولَ اللّٰهِ، رُوَيْدَكَ أَسْأَلُكَ إِنِّي أَبِيعُ الْإِبِلَ بِالْبَقِيعِ فَأَبِيعُ بِالدَّنَانِيرِ، وَآخُذُ الدَّرَاهِمَ وَأَبِيعُ بِالدَّرَاهِمِ، وَآخُذُ الدَّنَانِيرَ آخُذُ هَذِهِ مِنْ هَذِهِ وَأُعْطِي هَذِهِ مِنْ هَذِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا بَأْسَ أَنْ تَأْخُذَهَا بِسِعْرِ يَوْمِهَا مَا لَمْ تَفْتَرِقَا وَبَيْنَكُمَا شَيْءٌ.(۱)

میں بقیع میں اونٹ بیچتا تھا، ان کو دنانیر کے عوض بیچ کر دراہم لیتا تھا، اور دراہم کے عوض بیچ کر دنانیر لیتا تھا، اِس کے عوض اُس کو اور اُس کے عوض اِس کو لیتا تھا، تو میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا، آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے، تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرا ایک سوال ہے کہ میں بقیع میں اونٹ بیچتا ہوں، ان کو دنانیر کے عوض بیچ کر دراہم، اور دراہم کے عوض بیچ کر دنانیر لیتا ہوں، اِس کے عوض اُس کو اور اُس کے عوض اِس کو لیتا ہوں، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسی دن کی قیمت کے مطابق لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ تم اور مشتری اس حال میں علاحدہ ہوں کہ تمہارے درمیان کوئی چیز باقی نہ ہو۔

دوسرا حکم

اگر بائع نے ایک ہی صفقہ میں دو چیزیں خریدیں، پھر ان میں سے ایک کو مرابحۃً بیچنے کا ارادہ کیا، تو اگر وہ چیزیں ایسی مثلیات میں سے ہوں جن پر اجزاء کے ذریعہ ثمن تقسیم ہو جاتا ہو، جیسے: گیہوں اور جو، تو ان میں سے بعض کو مرابحۃً اس کے حصۂ ثمن کے عوض بیچنا جائز ہے، یہ فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہے، اور اگر ذوات القیم میں سے ہوں

(۱)　ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۳۵۴

کہ جن پر ثمن اجزاء کے ذریعہ تقسیم نہ ہوتا ہو، جیسے: جانور، کپڑا اور پھل دار درخت وغیرہ، ان میں سے بعض کی مرابحۃً بیع امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک جائز نہیں ہے۔(۱) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت میں بھی ہے جب کہ متعدد لوگوں نے کوئی چیز خرید کر آپس میں بانٹ لی ہو، پھر ان میں سے ایک اپنے حصہ کو مرابحۃً اس ثمن کے عوض بیچنا چاہے جو اس نے ادا کیا تھا؛ البتہ اگر اس نے مشتری کو اس صورت حال سے آگاہ کر دیا تو مرابحۃً بیع کرنا جائز ہوگا، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام ثوری، اسحاق رحمۃ اللہ علیہما اور اصحاب رائے کا یہی مذہب ذکر کیا ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بعض کی مرابحۃً بیع جائز ہے۔(۲) یہی صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے۔(۳)

تیسرا حکم

بیع اول میں جب بیع کے بعد عاقدین کا ثمن میں کمی یا زیادتی پر اتفاق ہو تو حنفیہ کے نزدیک یہ کمی زیادتی اصل عقد کے ساتھ لاحق ہوتی ہے، گویا کہ عقد اس کمی یا زیادتی کے ساتھ ہی منعقد ہوا ہے؛ لٰہذا رأس المال میں یہ زیادتی بھی شامل ہوگی، اور اس پر ربح کا اضافہ ہوگا، مثلاً: زید نے عمرو سے سو درہم میں کپڑا خریدا، اور خالد کو ایک سو دس درہم میں مرابحۃً فروخت کر دیا، پھر عمرو نے اپنے ثمن میں سے دس کم کیا تو وہ زید پر نوے میں پڑا، تو زید خالد کو دس درہم لوٹا دے گا، جب کہ ربح ایک مستقل رقم ہو یعنی دس، اور اگر ربح فیصد کے اعتبار سے متعین کیا گیا ہو، مثلاً: دس فیصد تو ایک درہم لوٹائے گا۔(۴)

ظاہر یہ ہے کہ مالکیہ بھی اس امر میں حنفیہ کے ساتھ ہیں کہ مرابحہ میں بائع پر وہ رقم لوٹانا ضروری ہوگا جس کو بائع اول نے کم کر دیا ہے، انہوں نے اس کا نام اگرچہ ہبہ رکھا

---

(۱) فتح القدیر ۶ / ۵۰۳

(۲) المغنی ۴ / ۱۳۸

(۳) المبسوط للامام محمد ۵ / ۱۷

(۴) بدائع الصنائع ۵ / ۲۲۲، یعنی ہر دس پر ایک درہم، گویا کل گیارہ درہم لوٹائے گا۔

ہے، بشرطیکہ اس ہبہ کا تاجروں کے درمیان عرف ہو، اگر ایسا نہ ہو یا کل ثمن کا ہبہ کیا گیا ہو تو مرابحہ اس ثمن پر ہوگا جس پر اصل عقد میں اتفاق ہوا تھا۔(۱)

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک کمی اور زیادتی اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوتی؛ بلکہ زیادتی مشتری کی جانب سے اور کمی بائع کی جانب سے ہبہ ہے؛ لہٰذا مرابحہ ثمن اول پر ہی ہوگا؛ الا یہ کہ کمی یا زیادتی خیارِ مجلس یا خیارِ شرط کی مدت میں واقع ہو تو یہ اصل عقد کے ساتھ لاحق ہوگی، اور مرابحہ میں اس کمی یا زیادتی کا بھی اعتبار ہوگا۔(۲)

چوتھا حکم

رأس المال کے ساتھ وہ خرچے بھی لاحق ہوتے ہیں جو بائع مبیع کی خریداری اور حصول یابی کے لیے اٹھاتا ہے، جیسے: مال برداری اور سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے خرچے، اس کو اسٹاک رکھنے کا خرچہ جب کہ اسٹاک کے لیے کرایہ دینا پڑتا ہو، دلال کی اجرت، مبیع میں تبدیلی کا خرچہ، مثلاً اس کو رنگنا یا کپڑا اسلنا یا گھر کو پینٹ کرنا، درخت لگانے کا خرچہ اور مبیع کی نگہداشت کی اجرت جب کہ مبیع کو اس کی ضرورت ہو، بشرطیکہ یہ تمام ایسے مالی خرچے ہوں جو دوسرے کو دیے گئے ہوں؛ لہٰذا مرابحہ میں اس کام کے خرچہ کا اضافہ درست نہیں ہوگا جو خود اس نے کیا ہو یا اپنے ذاتی نوکر سے کرایا ہو جس کو اس خاص کام کے لیے اجرت نہیں دی گئی۔

اسی طرح رأس المال کے ساتھ وہ ٹیکس بھی لاحق ہوتے ہیں جو بائع نے اس چیز کی خریداری کی وجہ سے حکومت کو دیے ہیں، بشرطیکہ وہ ٹیکس براہ راست شراء پر لگائے گئے ہوں، جیسے: **ضريبة القيمة المضافة** (value added tax) اور **ضرائب التسجيل** (stamp duty) اسی طرح وہ پیسے بھی جو اس نے کسٹم ہاؤز یا سڑکوں پر دیے ہیں، فقہاء نے مرابحہ کی لاگت کے ساتھ ان ٹیکسوں کے اضافہ کا ذکر نہیں کیا ہے؛ کیوں

---

(۱) حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۶۵

(۲) المغنی ۴/ ۷/ ۱۳

کہ ان کے زمانہ میں اس کا چلن نہیں تھا جیسا کہ آج ہے؛ مگر فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ حکومت اگر مصلحت عامہ کی بنا پر ٹیکس مقرر کر دے تو اس کو دین واجب شمار کیا جائے گا، اس کا مقتضی یہ ہے کہ زکوۃ کے حساب کے وقت اس رقم کا اعتبار نہ ہوگا، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ قنیہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ الْبَلْخِيّ مَا يَضُرُّ بِهِ السُّلْطَانُ عَلَى الرَّعِيَّةِ مَصْلَحَةً لَهُمْ يَصِيرُ دَيْنًا وَاجِبًا وَحَقًّا مُسْتَحَقًّا كَالْخَرَاجِ. وَقَالَ مَشَايِخُنَا وَكُلُّ مَا يَضْرِبُهُ الْإِمَامُ. عَلَيْهِمْ لِمَصْلَحَةٍ لَهُمْ فَالْجَوَابُ هَكَذَا حَتَّى أُجْرَةُ الْحَرَّاسِينَ لِحِفْظِ الطَّرِيقِ وَاللُّصُوصِ وَنَصْبِ الدُّرُوبِ وَأَبْوَابِ السِّكَكِ وَهَذَا يُعْرَفُ وَلَا يُعْرَفُ خَوْفُ الْفِتْنَةِ ثُمَّ قَالَ: فَعَلَى هَذَا مَا يُؤْخَذُ فِي خُوَارِزْمَ مِنَ الْعَامَّةِ لِإِصْلَاحِ مُسَنَّاةِ الْجَيْحُونِ أَوِ الرَّبَضِ وَنَحْوِهِ مِنْ مَصَالِحِ الْعَامَّةِ دَيْنٌ وَاجِبٌ لَا يَجُوزُ الِامْتِنَاعُ عَنْهُ. وَلَيْسَ بِظُلْمٍ وَلَكِنْ يُعْلَمُ هَذَا الْجَوَابُ لِلْعَمَلِ بِهِ وَكَفِّ اللِّسَانِ عَنِ السُّلْطَانِ وَسَعَاتِهِ فِيهِ لَا لِلتَّشْهِيرِ حَتَّى لَا يَتَجَاسَرُوا فِي الزِّيَادَةِ عَلَى الْقَدْرِ الْمُسْتَحَقِّ. (۱)

حضرت ابو جعفر بلخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مصلحت کی بنا پر سلطان رعایا پر جو ٹیکس لگاتا ہے وہ خراج کی طرح دین واجب اور حق مستحق ہوتا ہے، ہمارے مشائخ کہتے ہیں: امام المسلمین جو بھی ٹیکس مصلحت کی بنا پر لگائے اس کا یہی حکم ہے، حتی کہ راستہ کی

(۱) الدر مع الرد ۲/ ۳۶او ۱۳۷

حفاظت، چوروں سے بچاؤ اور گلی کوچوں کی حفاظت کے لیے چوکیداروں کی اجرت بھی، اور یہ معروف ہے، پھر وہ کہتے ہیں: اس بنیاد پر خوارزم میں عوام سے پل اور عمارتوں کی اصلاح اور دیگر مصالح عامہ کے لیے جو پیسے لیے جاتے ہیں وہ واجب ہیں، انہیں نہ دینا ناجائز ہے، اور یہ ظلم نہیں ہے؛ لیکن یہ مسئلہ اس پر عمل کرنے اور سلطان اور اس کے کارندوں کے خلاف زبان درازی سے روکنے کے لیے ہے، تشہیر کے لیے نہیں ہے؛ تاکہ وہ مستحق مقدار سے زیادہ لینے کی جرأت نہ کریں۔

یہ تفصیل ان ٹیکسوں سے متعلق ہے جن کو مصلحت عامہ کی بنا پر لازم کیا گیا ہو، رہے وہ ٹیکس جن کو ناحق لازم کیا گیا ہو تو یہ ظلم ہوگا، جیسا کہ خود علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد علماء کے حوالہ سے یہ بات ذکر کی ہے؛ لیکن عوام کو حق و ناحق کے درمیان امتیاز کی گنجائش نہیں ہے؛ بلکہ وہ بہر صورت ادائیگی پر مجبور ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے ظالمانہ ٹیکسوں کے متعلق کہا ہے:

وَتَصِحُّ الْكَفَالَةُ بِهَا وَيُؤَجِّرُ مَنْ قَامَ بِتَوْزِيعِهَا بِالْعَدْلِ وَإِنْ كَانَ الْأَخْذُ بَاطِلًا. (۱)

ان میں کفالت جائز ہے، اور جو شخص عادلانہ تقسیم کرے اس کو اجرت دی جائے گی؛ اگرچہ لینا ناجائز ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت لکھتے ہیں:

أَوْ كَانَتْ بِغَيْرِ حَقٍّ كَجِبَايَاتِ زَمَانِنَا فَإِنَّهَا فِي الْمُطَالَبَةِ كَالدُّيُونِ بَلْ فَوْقَهَا. (۲)

---

(۱) الدر مع الرد ۲/ ۳۳۶

(۲) حوالہ سابق

یا وہ ناحق ہوں، جیسا کہ ہمارے زمانہ کے ٹیکس، ان کا دیون کی
طرح؛ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر مطالبہ کیا جاتا ہے۔

تاجروں کے عرف میں ان کو بھی لاگت میں داخل مانا جاتا ہے؛ لہٰذا وہ لاگت میں داخل اور رأس المال کے ساتھ لاحق ہوں گے، ثمن کے ساتھ ان خرچوں کو شامل کر لینے کے بعد بائع یہ نہیں کہے گا کہ میں نے اتنے میں خریدا ہے؛ بلکہ کہے گا کہ مجھے اتنے میں پڑا ہے یا اس کی لاگت اتنی ہے۔(۱)

پانچواں حکم

اگر بائع ہبہ یا میراث یا وصیت کے ذریعہ کسی چیز کا مالک ہو، اور اس کی قیمت لگائے، پھر اس قیمت کی بنیاد پر مرابحۃً فروخت کرے تو یہ جائز ہے، اس کی صورت یہ ہوگی کہ وہ کہے: اس سامان کی قیمت یا رقم اتنی ہے، میں تمہیں اتنے نفع کے ساتھ بیچ رہا ہوں، رقم کا مطلب یہ ہے کہ کپڑے پر ایک قیمت درج ہو، خواہ وہ ثمن کے بقدر ہو یا اس سے زائد، پھر اس پر مرابحہ کرے، چنانچہ جب بائع رقم کے ذریعہ فروخت کرے اور وہ سچا ہو، اس کے باوجود مشتری کو غبن ہو جائے تو یہ مشتری کی کوتاہی و نادانی شمار ہوگی۔(۲)

چھٹا حکم

مرابحۃً فروخت کرنے والے پر مشتری کے سامنے ہر ایسی چیز بیان کرنا ضروری ہے جو اس کی رغبت پر اثر انداز ہو، مثلاً: اگر بائع نے دوسرے سے ادھار یہ مبیع خریدی تو مشتری کے سامنے اس ادھار معاملہ کا ذکر ضروری ہے؛ کیوں کہ اجل اگرچہ حقیقۃً مبیع نہیں ہے؛ مگر اس کو مبیع کے ساتھ مشابہت ہے؛ کیوں کہ وہ مرغوب فیہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اجل کی بنا پر ثمن میں اضافہ کیا جاتا ہے، تو یہاں اجل کے مقابلہ میں بھی ثمن کا ایک حصہ ہونے کا شبہ ہے، تو یہ ایسا ہو گیا جیسے اس نے دو چیزیں خریدیں، پھر ان میں سے ایک

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۲۲۳

(۲) فتح القدیر ۶/ ۴۹۶

چیز کل ثمن پر مرابحۃً فروخت کی؛ کیوں کہ اس باب میں شبہہ حقیقت کے ساتھ لاحق ہوتا ہے؛ لہٰذا یہاں ادھار معاملہ کا ذکر کرنا ضروری ہوگا۔(۱)

۲۸۸۔مرابحہ میں خیانت کے احکام

اگر مرابحہ میں بائع کذب بیانی سے کام لے، یا مشتری کے سامنے ضروری امور بیان نہ کرے تو یہ خیانت ہے، پس اگر بیع کے بعد خیانت ظاہر ہوجائے تو اگر صفتِ ثمن میں خیانت ہوئی ہو، مثلاً: بائع نے ادھار خرید اتھا؛ لیکن اس کو بیان کیے بغیر مرابحۃً یا تولیۃً فروخت کیا تو مشتری کو اختیار ہوگا، چاہے تو اسی ثمن پر خرید لے یا واپس کردے، یہ متفق علیہ ہے۔(۲)

اور اگر ثمن کی مقدار میں خیانت ہوئی ہو، مثلاً نو میں خریدی ہوئی چیز دس بول کر مرابحۃً یا تولیۃً فروخت کی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مرابحہ میں مشتری کو کل ثمن کے عوض لینے یا واپس کردینے کا اختیار ہوگا، اور تولیہ میں خیار نہ ہوگا؛ البتہ خیانت کے بقدر قیمت میں کمی ہوجائے گی، اور باقی میں عقد لازم ہوگا جو کہ مذکورہ مثال میں نو ہے، امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقاً خیار نہیں ہوگا؛ بلکہ مرابحہ اور تولیہ میں خیانت کے بقدر ثمن میں کمی کردی جائے گی، جو کہ تولیہ میں ایک درہم اور مرابحہ میں ایک درہم اور اس کا فیصدی حصہ ہے، یہی حنابلہ، امام ثوری، ابن ابی لیلیٰ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کا ایک قول (۳) اور مالکیہ کا مسلک ہے۔(۴) اور ظاہر یہی ہے کہ یہ مسلک مرابحہ کے مقاصد کے زیادہ موافق ہے، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرابحہ اور تولیہ دونوں میں مشتری کو یہ اختیار ہوگا کہ مبیع واپس کردے یا کل ثمن کے عوض لے۔(۵)

---

(۱) ہدایہ ۳/ ۵۸

(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۲۲۵ والمغنی ۴/ ۱۳۶

(۳) المغنی ۴/ ۱۳۶

(۴) حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۶۸ و ۱۶۹

(۵) بدائع الصنائع ۵/ ۲۲۶

۲۸۹-مرابحہ مؤجلہ

جس طرح مرابحہ ثمن حال کے عوض ہوسکتا ہے اسی طرح ثمن مؤجل کے ذریعہ بھی کیا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ یہ بیع ہے؛ لہٰذا اس میں دونوں صورتیں جائز ہوں گی، جیسا کہ تمام بیوع میں ہے، اور کیا ربح کا ثمن کی ادائیگی کے ساتھ مربوط ہونا جائز ہے؟ متاخرین حنفیہ کے یہاں اس کا جواز ملتا ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے:

> مدیون نے وقت سے پہلے دین ادا کردیا، یا اس کا انتقال ہوگیا اور دین اس کے ترکہ میں سے لے لیا گیا تو متاخرین کہتے ہیں کہ ان کے درمیان ہونے والے مرابحہ میں سے وہ گزشتہ ایام کے بقدر ہی لے سکتا ہے، ان سے پوچھا گیا: کیا آپ کا بھی یہی فتوی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! اور اگر مدت گزرنے سے قبل دائن قرض اور مرابحہ لے لے تو مدیون کو باقی ماندہ ایام کے حصہ کے واپس لینے کا اختیار ہوگا، شارح نے کتاب کے آخر میں ذکر کیا ہے کہ مرحوم مفتیٔ روم ابو السعود رحمۃ اللہ علیہ نے اسی پر فتوی دیا ہے، اور اس کی علت رفق من الجانبین بیان کی ہے، میں کہتا ہوں: حانوتی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بھی اسی پر فتوی دیا ہے، اور فتاوی حامدیہ میں ہے: سوال کیا گیا کہ عمرو کے ذمہ زید کی ایک معلوم رقم قرض ہے، اور اس نے ایک سال تک کے لیے اس سے مرابحہ کیا، پھر بیس دن بعد عمرو کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد دین کی ادائیگی کا وقت آ گیا اور زید کو اس کے وارث نے دین ادا کردیا تو کیا مرابحہ میں سے کچھ لیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ متاخرین کا جواب یہ ہے کہ جتنے ایام گزرے ہیں انہی کے

بقدر ربح لیا جاسکتا ہے، علامہ نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا فتوی پوچھا گیا تو انہوں نے یہی فتوی دیا، انقروی اور تنویر میں یہی مذکور ہے، مولانا ابوالسعود رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی فتوی ہے۔(۱)

علامہ حصکفی وشامی رحمۃ اللہ علیہما نے کتاب الفرائض سے قبل بھی یہ مسئلہ ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

مدیون نے مقررہ وقت آنے سے قبل دین ادا کیا یا مر گیا، جس کی وجہ سے دین کی ادائیگی کا وقت آ گیا، اور اس کے ترکہ سے دین لے لیا گیا تو ان دونوں کے درمیان جاری مرابحہ میں گزشتہ ایام کے بقدر ہی لیا جائے گا، یہی متاخرین کا فتوی ہے، مرحوم ابوالسعود آفندی مفتیٔ روم نے اسی پر فتوی دیا ہے، اور اس کے علت یہ بیان کی اس میں جانبین پر شفقت ہے، اور قرض کی فصل کے تحت سابق میں اس کا ذکر میں نے کر دیا ہے۔

اس کی صورت یہ ہے کہ دس درہم کے عوض کوئی چیز نقد خریدے اور دوسرے کو مؤجل دس ماہ تک کے لیے بیس میں فروخت کرے، پانچ ماہ گزرنے کے بعد اس نے ثمن ادا کر دیا یا اس کا انتقال ہو گیا تو وہ پانچ لے گا اور پانچ واپس کر دے گا، میں کہتا ہوں: ظاہر ہے کہ اس کے مثل وہ صورت بھی ہے جب کہ وہ اس کو ثمن معلوم کے عوض کوئی سامان مؤجل فروخت کرے یا قرض دے تو سامان کے ثمن کا گزشتہ ایام ہی سے حساب لیا جائے گا۔

علامہ حانوتی رحمۃ اللہ علیہ نے علت شبہہ ربا سے بچنا ذکر کی ہے؛ کیوں کہ شبہہ ربا کے باب میں حقیقت کے ساتھ لاحق ہوتا ہے، اس

---

(۱) ردعلی الدر ۵/ ۱۶۰

کی وجہ یہ ہے کہ ربح اجل کے مقابل ہے؛ کیوں کہ اجل اگرچہ مال نہیں ہے اور ثمن بھی اس کے مقابلہ میں نہیں ہے؛ لیکن فقہاء نے مرابحہ میں اجل کو مال مانا ہے جب کہ زائد ثمن کے مقابلہ میں اجل کا ذکر کیا جائے، پس اگر مدت سے قبل ہی کل ثمن لیا جائے تو یہ بلاعوض لینا ہوگا، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔(۱)

یہ مسئلہ فتاوی انقرویہ اور فتاوی حامدیہ میں بھی مذکور ہے، اور اس پر کچھ مسائل کی تفریع بھی کی گئی ہے۔

حنابلہ کا ایک قول بھی اس کا مؤید ہے، علامہ مرداوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

الثَّالِثَةُ: مَتَى قُلْنَا بِحُلُولِ الدَّيْنِ الْمُؤَجَّلِ، فَإِنَّهُ يَأْخُذُهُ كُلَّهُ. عَلَى الصَّحِيحِ مِنَ الْمَذْهَبِ. وَهُوَ ظَاهِرُ كَلَامِ الْأَصْحَابِ. وَقَدَّمَهُ فِي الْفَائِقِ، وَقَالَ: وَالْمُخْتَارُ سُقُوطُ جُزْءٍ مِنْ رِبْحِهِ مُقَابِلِ الْأَجَلِ بِقِسْطِهِ. وَهُوَ مَأْخُوذٌ مِنَ الْوَضْعِ وَالتَّأْجِيلِ.(التعجيل) انْتَهَى. قُلْت: وَهُوَ حَسَنٌ. (۲)

جب دین مؤجل کی ادائیگی کا وقت آ جائے تو وہ صحیح مذہب کے مطابق کل ثمن لے گا، یہی ظاہر ہے، اور الفائق میں اسی کو مقدم بیان کیا ہے، اور کہا ہے: مختار قول اجل کی بقیہ قسطوں کے عوض ربح کے اجزاء کے سقوط کا ہے، اور یہ وضع وتعجیل سے ماخوذ ہے، میں کہتا ہوں: یہ بہتر ہے۔

دو قابلِ ذکر پہلو

اس مسئلہ میں دو پہلو ہیں:

(۱) الدر مع الرد ۶/ ۷۵۷

(۲) الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف ۵/ ۳۰۸

پہلا یہ کہ مرابحہ میں ربح کا ادائیگی کی مدت کے ساتھ مربوط ہونا جائز ہے، اور اس پر وہ تمام شرائط منطبق ہوں گے جنہیں ہم نے اجل کی بنا پر ثمن میں اضافہ کی بحث (۱) میں ذکر کیا تھا، ان میں سے ایک شرط یہ ہے کہ عقد کے وقت ہی اجل اور اس کے ثمن پر عاقدین کا اتفاق ہو گیا ہو، اور ثمن دو اجلوں کے مابین متردد نہ ہو؛ بلکہ یقینی اور باتّ ہو، مرابحہ میں اس کی تطبیق کا حاصل یہ ہے کہ طرفین کا اس پر اتفاق کر لینا جائز ہے کہ بائع مشتری سے جس ربح کا مطالبہ کرے گا وہ سالانہ دس فیصد ہے، مطلب یہ کہ مشتری نے اگر ایک سال تک مؤجل کوئی چیز خریدی تو بائع اس سے دس فیصد ربح کا مطالبہ کرے گا، اور اگر چھ ماہ تک مؤجل خریدی تو ربح پانچ فیصد ہوگا، وہکذا؛ لیکن یہ باہمی سمجھوتہ اور اتفاق ہے، عقد نہیں ہے، درمختار کی گزشتہ عبارت **مِنَ الْمُرَابَحَةِ الَّتِي جَرَتْ بَيْنَهُمَا** سے یہی مراد ہے، اور جب عاقدین مرابحہ کے عقد باتّ میں داخل ہوں گے تو وہ کسی اجل پر اور اس ربح پر جو مشتری پر اس حساب سے لازم ہوگا جزم کریں گے، مثلاً چھ ماہ کے اجل کے ساتھ پانچ فیصدی نفع کے ساتھ عقد ہو تو یہ جائز ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ مشتری نے اگر مدت سے قبل ہی ثمن ادا کر دیا تو ثمن بدل جائے گا، اور اس ربح کو کم کر دیا جائے گا جو باقی ماندہ زمانہ سے متعلق ہے۔

دو مسئلوں میں تعارض

یہ حکم جس کا ذکر متاخرین حنفیہ وحنابلہ نے کیا ہے اس حکم سے متعارض ہو جاتا ہے جس کی اصحاب مذہب نے **ضع وتعجل** کے تحت صراحت کی ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مَنْ وَجَبَ لَهُ دَيْنٌ عَلَى إِنْسَانٍ إِلَى أَجَلٍ فَسَأَلَ أَنْ يَضَعَ عَنْهُ وَيُعَجِّلَ لَهُ مَا بَقِيَ لَمْ يَنْبَغِ ذَلِكَ، لأَنَّهُ يُعَجِّلُ قَلِيلا بِكَثِيرٍ دَيْنًا، فَكَأَنَّهُ يَبِيعُ قَلِيلا نَقْدًا بِكَثِيرٍ

---

(۱) رقم: ۲۵۰

دَيْنًا. وَهُوَ قَوْلُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، وَزَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ. (۱)

جس شخص پر کسی کا مؤجل دین لازم ہو، پھر وہ اس سے کہے کہ میں کچھ مقدار ساقط کر دیتا ہوں تم باقی معجّل ادا کر دوتو یہ ناجائز ہے؛ کیوں کہ وہ کثیر دین کے عوض قلیل کی تعجیل کر رہا ہے، گویا کہ دین کثیر کے بدلہ میں قلیل نقد فروخت کر رہا ہے، یہی حضرت عمر بن خطاب، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ حانوتی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے جو وجہ ذکر کی ہے کہ ربح اجل کے بالمقابل ہے، تو حقیقی بات یہ ہے کہ اجل کے بالمقابل ربح اگر چہ ثمن کی تعیین کے وقت ملحوظ ہے؛ لیکن تعیین کے بعد سارا ثمن مبیع کے مقابل ہے نہ کہ اجل کے، یہی وجہ ہے کہ اجل میں اضافہ کے لیے ثمن میں اضافہ کرنا بالاتفاق ناجائز ہے، اسی طرح کمی بھی ناجائز ہے۔

اصحاب مذہب کی تصریح سے جو سمجھ آتا ہے وہ یہ ہے کہ مدت سے قبل ادائیگی کی صورت میں ثمن میں کمی کے وجوب کا حکم نہیں ہوگا؛ بلکہ بائع کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اگر چاہے تو مشتری کے لیے تطوعاً ایسا کر دے، اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا؛ اگر چہ متاخرین کے قول (جلد ادائیگی کی صورت میں ثمن میں کمی لازم ہے) کے مطابق مجبور کیا جاسکتا ہے، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

۲۹۰۔ مرابحہ للآمر بالشراء

اسلامی بینکوں میں سودی معاملہ کے متبادل کے طور پر مرابحہ مؤجلہ کا طریقہ رائج ہے، یہ ان تاجرین کے لیے ہوتا ہے جو کوئی سامان خریدنا چاہتے ہیں، سودی بازاروں میں

---

(۱) مؤطا امام محمد، حدیث نمبر: ۷۶۹ کے ذیل میں

ہوتا یہ ہے کہ تاجرین سودی فائدہ کے اساس پر بینکوں سے قرض لیتے ہیں، اور اس سے مطلوبہ سامان خریدتے ہیں؛ البتہ غیر سودی بینک تاجرین کو نقد روپے دینے کے بجائے خود ان سامانوں کو فی الحال خریدتا ہے، پھر ثمن زائد مؤجل کے عوض وہ سامان تاجر کو فروخت کر دیتا ہے، چوں کہ لوگ بینکوں کے پاس یہ مطالبہ لے کر آتے ہیں کہ وہ خود سامان خرید کر انہیں مرابحہ مؤجلہ کے طور پر فروخت کر دیں؛ اس لیے اس عقد کو مرابحہ للآمر بالشراء کہا جاتا ہے۔

اس قسم کی بیع کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مکروہ قرار دیا ہے، مؤطا مالک میں مذکور ہے:

أَنَّ رَجُلاً قَالَ لِرَجُلٍ: ابْتَعْ لِي هذَا الْبَعِيرَ بِنَقْدٍ. حَتَّى أَبْتَاعَهُ مِنْكَ إِلَى أَجَلٍ. فَسُئِلَ عَنْ ذٰلِكَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ. فَكَرِهَهُ، وَنَهَى عَنْهُ.(۱)

ایک شخص نے دوسرے سے کہا: میرے لیے یہ اونٹ نقد خریدو؛ تاکہ میں تم سے مؤجل خریدلوں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا گیا تو آپ نے اس کو مکروہ وممنوع قرار دیا۔

ظاہر ہے کہ یہ بیع امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے؛ اگرچہ وہاں عاقدین پر الزام نہ ہو؛ لیکن علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

والمحظورة أن يراوضه على الربح فيقول له:... اشتر لی سلعة كذا وكذا بعشرة نقدا، وأنا أبتاعها منك باثنى عشر نقدا. والثانية: أن يقول له: اشترها لی بعشرة نقدا وأنا أشتريها منك باثنى عشر إلى أجل. والثالثة عكسها، وهى أن يقول له: اشترها لی باثنى عشر إلى أجل وأنا أشتريها منك بعشرة نقدا.(۲)

---

(۱) حدیث نمبر: ۲۴۴۵

(۲) المقدمات الممهدات ۲/۵۶

ممنوع یہ ہے کہ وہ اس کو بیع پر راضی کرے، مثلاً اس سے کہے:
فلاں سامان نقد دس کے عوض خریدو، میں بارہ نقد کے عوض
خریدوں گا، دوسری صورت یہ ہے کہ کہے: دس نقد کے عوض خریدو،
میں بارہ مؤجل کے عوض خریدوں گا، تیسری صورت یہ ہے کہ
کہے: بارہ کے عوض ادھار خریدو میں دس کے عوض نقد خریدوں گا۔

مذکورہ عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک ممنوع مراوضہ ہے، یعنی ایسا وعدہ جو طرفین پر لازم ہو، یہ ان کے یہاں ناجائز ہے، اگر ایک ہی جانب سے وعدہ ہو تو یہ ان کے یہاں لازم ہوتا ہے، جیسا کہ وعدہ کی بحث میں ہم علامہ حطاب رحمۃ اللہ علیہ کی درج ذیل عبارت نقل کر چکے ہیں:

وَأَصْلُ الْمَسْأَلَةِ فِي نَوَازِلِ أَصْبَغَ مِنْ جَامِعِ الْبُيُوعِ.وَنَقَلَهَا ابْنُ عَرَفَةَ بِاخْتِصَارٍ. فقال : الطَّوعُ بِهَا أي الثُّنيا بعدَ تمامِ العَقدِ و قَبضِ عِوضَيه دُونَ توطِئَةٍ ولا مُواعَدَةٍ ولا مُراوَضةٍ مؤقَّتةٍ و مُطلقَةٍ حَلالٌ في كُلِّ شيءٍ سِوى الفُروج.(۱)

اصل مسئلہ نوازل اصبغ میں جامع البیوع کے تحت مذکور ہے، جس کو
علامہ ابن عرفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے، وہ کہتے
ہیں: عقد کے تام ہونے اور عوضین پر قبضہ کے بعد کسی سابقہ مؤقتہ
یا مطلقہ باہمی وعدہ یا سمجھوتہ اور اتفاق کے بغیر اگر ازراہِ تطوع بیع
ثنیا کی جائے تو یہ فروج کے علاوہ ہر چیز میں حلال ہے۔

علاوہ ازیں بیوع مؤجلہ کے اندر سد ذرائع کے سلسلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا توسع معروف ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مرابحۃ للآمر بالشراء کی اس شرط کے ساتھ

---

(۱) تحریر الکلام فی مسائل الالتزام، ص: ۲۴۰

اجازت دی ہے کہ مامور کی خریداری کے بعد آمر کو خیار حاصل ہو، وہ لکھتے ہیں:

وَلَا بَأْسَ فِي أَنْ يُسْلِفَ الرَّجُلُ فِيمَا لَيْسَ عِنْدَهُ أَصْلُهُ، وَإِذَا أَرَى الرَّجُلُ الرَّجُلَ السِّلْعَةَ فَقَالَ اشْتَرِ هٰذِهٖ وَأُرْبِحُكَ فِيهَا كَذَا فَاشْتَرَاهَا الرَّجُلُ فَالشِّرَاءُ جَائِزٌ وَالَّذِي قَالَ أُرْبِحُكَ فِيهَا بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ أَحْدَثَ فِيهَا بَيْعًا، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُ وَهٰكَذَا إِنْ قَالَ اشْتَرِ لِي مَتَاعًا وَوَصَفَهُ لَهُ أَوْ مَتَاعًا أَيَّ مَتَاعٍ شِئْتَ وَأَنَا أُرْبِحُكَ فِيهِ فَكُلُّ هٰذَا سَوَاءٌ يَجُوزُ الْبَيْعُ الْأَوَّلُ وَيَكُونُ هٰذَا فِيمَا أَعْطَى مِنْ نَفْسِهِ بِالْخِيَارِ وَسَوَاءٌ فِي هٰذَا مَا وَصَفْتُ إِنْ كَانَ قَالَ أَبْتَاعُهُ وَأَشْتَرِيهِ مِنْكَ بِنَقْدٍ أَوْ دَيْنٍ يَجُوزُ الْبَيْعُ الْأَوَّلُ وَيَكُونَانِ بِالْخِيَارِ فِي الْبَيْعِ الْآخَرِ، فَإِنْ جَدَّدَاهُ جَازَ، وَإِنْ تَبَايَعَا بِهِ عَلَى أَنْ أَلْزَمَا أَنْفُسَهُمَا الْأَمْرَ الْأَوَّلَ فَهُوَ مَفْسُوخٌ مِنْ قِبَلِ شَيْئَيْنِ: أَحَدُهُمَا: أَنَّهُ تَبَايَعَاهُ قَبْلَ أَنْ يَمْلِكَهُ الْبَائِعُ وَالثَّانِي أَنَّهُ عَلَى مُخَاطَرَةٍ أَنَّكَ إِنِ اشْتَرَيْتَهُ عَلَى كَذَا أُرْبِحُكَ فِيهِ كَذَا.(۱)

آدمی کے پاس جو چیز موجود نہیں ہے اس میں بیع سلف کرنے کی اجازت ہے، اور جب ایک شخص دوسرے کو سامان دکھلائے اور کہے: تم اس کو خرید لو اور میں تمہیں نفع بھی دوں گا، آدمی نے وہ چیز خرید لی تو یہ جائز ہے، اور جس شخص نے کہا تھا کہ میں مرابحہ کروں گا تو اس کو اختیار ہوگا، خواہ بیع کرے یا نہ کرے،

---

(۱) الام ۳/۳۹

اسی طرح اگر کوئی دوسرے سے کہے: میرے لیے فلاں سامان خریدو، اور اس کے اوصاف بھی بتلا دیے، یا کہا: جو سامان چاہے خریدلو اور میں تم سے بیع مرابحہ کروں گا، تو ان سب کا حکم ایک ہی ہے، پہلی بیع جائز ہے، اور یہ اس صورت میں ہوگا جب کہ اپنی طرف سے خیار دیا ہو، اور اس میں وہ صورت بھی برابر ہے جب کہ صفت بیان کی ہو، اگر اس نے کہا تھا: میں تم سے نقد یا دین کے عوض خریدوں گا، بیع اول جائز ہے اور دوسری بیع میں دونوں کو خیار ہوگا، اگر از سر نو بیع کریں تو جائز ہے، اور اگر اس بنیاد پر بیع کریں کہ انہوں نے اس کو اپنے اوپر لازم کرلیا تھا تو دو وجوہ کی بنا پر یہ بیع فسخ ہوجائے گی: پہلی وجہ یہ ہے کہ بائع کی ملکیت میں وہ چیز آنے سے قبل ہی انہوں نے بیع کرلی، دوسری یہ کہ یہ مخاطرہ ہے کہ اگر تو اتنے میں خریدے گا تو اتنا نفع دوں گا۔

زیرِ بحث مسئلہ میں معاصرین کی رائے

بعض معاصر علماء نے اس عبارت سے استدلال کرتے ہوئے المرابحۃ للآمر بالشراء کی اس شرط کے ساتھ اجازت دی ہے کہ وہاں آمر پر الزام نہ ہو، اگر اس پر لازم کردیا گیا تو یہ ناجائز ہے؛ لیکن معاصر علماء کی ایک جماعت نے اس کی بھی اجازت دی ہے، اور یہ آمر کی طرف سے ایک لازم شدہ وعدہ ہوگا کہ وہ بائع کے خریدنے اور قبضہ کرنے کے بعد ضرور اس سے خریدے گا، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ اس میں جس الزام کی ممانعت ہے وہ الزام بطریق عقد ہے، نہ کہ بطریق وعدہ؛ کیوں کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عدم جواز کی دو علتیں بیان کی ہیں:

۱) بائع کی ملکیت میں آنے سے قبل عقد بیع۔

۲) مخاطرہ پر مشتمل ہونا۔

اور ظاہر ہے کہ یہ اس صورت میں ہوسکتا ہے جب کہ یہ فرض کیا جائے کہ مامور کی خریداری سے قبل انہوں نے بیع کرلی؛ لہٰذا یہ غیر مملوک کی بیع ہوگی جو کہ بالاجماع ممنوع ہے، یا بیع معلق ہوگی جو کسی بھی امام کے نزدیک جائز نہیں ہے، حاصل یہ کہ یہ دونوں علتیں مامور کی ملکیت میں شیٔ آنے سے قبل بیع میں پائی جاتی ہیں، اگر خریداری کا حکم دیتے وقت عقد نہ کیا جائے؛ بلکہ محض وعدہ ہو، اور عقدِ بیع اس وقت کی جائے جب کہ بائع وہ چیز خرید لے تو یہ نہ غیر مملوک کی بیع ہوگی اور نہ معلق کی بیع، اور وعدہ کی بحث میں عقد اور وعدہ کے درمیان بنیادی فروق کا ذکر آچکا ہے۔

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ایک مسئلہ نقل کیا ہے جو مرابحہ للآمر بالشراء کے مثل ہے، وہ لکھتے ہیں:

رَجُلٌ أَمَرَ رَجُلًا أَنْ يَشْتَرِيَ دَارًا بِأَلْفِ دِرْهَمٍ وَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ إِنْ فَعَلَ اشْتَرَاهَا الْآمِرُ مِنْهُ بِأَلْفٍ وَمِائَةٍ فَخَافَ الْمَأْمُورُ إِنِ اشْتَرَاهَا أَنْ لَا يَرْغَبَ الْآمِرُ فِي شِرَائِهَا قَالَ: يَشْتَرِي الدَّارَ عَلَى أَنَّهُ بِالْخِيَارِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِيهَا وَيَقْبِضُهَا ثُمَّ يَأْتِيهِ الْآمِرُ فَيَقُولُ لَهُ قَدْ أَخَذْتُهَا مِنْكَ بِأَلْفٍ وَمِائَةٍ... وَإِنْ لَمْ يَرْغَبِ الْآمِرُ فِي شِرَائِهَا يُمَكِّنُ الْمَأْمُورَ مِنْ رَدِّهَا بِشَرْطِ الْخِيَارِ فَيَنْدَفِعُ الضَّرَرُ عَنْهُ بِذَلِكَ. (۱)

ایک آدمی نے دوسرے کو ایک ہزار درہم کے عوض گھر خریدنے کا حکم دیا اور کہا کہ اگر اس نے ایسا کیا تو وہ اس سے گیارہ سو درہم کے عوض خرید لے گا، پھر اس کو اندیشہ ہوا کہ گھر خرید لینے کے بعد آمر اس کے خریدنے میں کہیں دلچسپی نہ لے، تو اس کا حل

(۱) المبسوط ۳۰/ ۲۳۷ و ۲۳۸

یہ ہے کہ تین دن کا خیار لے کر گھر خرید لے اور اس پر قبضہ
کر لے، پھر آمر کے پاس آئے، اگر وہ خرید لے تو ٹھیک؛ ورنہ
وہ خیار کی بنا پر واپس کر سکتا ہے؛ لہٰذا اس کو بھی ضرر نہیں ہوگا۔

مذکورہ جزئیہ میں بیع اول کے اندر خیار کی شرط اس لیے لگائی گئی کہ آمر کے نہ خریدنے کی صورت میں مشتری بائع کو لوٹا سکے، یہاں یہ ذکر نہیں ہے کہ آمر پر خریدنا لازم ہوگا، اور نہ وعدۂ لازمہ کا ذکر ہے، یہ بھی ان حضرات کی دلیل ہے جو مرابحہ للآمر بالشراء میں وعدۂ لازمہ کو ممنوع قرار دیتے ہیں؛ لیکن مجوزین اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ امام محمد وشافعی نے وعدہ کی صورت کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ وعدہ قضاءً لازم نہیں ہوتا، یہی ان دونوں حضرات کا مذہب ہے، یہی وجہ ہے کہ وعدہ کی صورت کا انہوں نے ذکر نہیں کیا، اور ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ وعدہ عام حالات میں اگرچہ قضاءً لازم نہیں ہوتا؛ لیکن حاجت عامہ کی وجہ سے لازم ہو جاتا ہے، بڑے معاملات میں اسی حاجت کی بنا پر فقہاء معاصرین نے اس کی اجازت دی ہے، جیسا کہ فقہائے حنفیہ ومالکیہ نے بیع الوفاء کی اجازت دی ہے، وعدہ کی بحث میں ہم ان تفصیلات کا ذکر کر چکے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ مرابحہ للآمر بالشراء میں احوط یہ ہے کہ وہاں آمر کی طرف سے کوئی وعدۂ لازمہ نہ ہو؛ لیکن حاجت کی صورت میں جواز کی گنجائش ہو سکتی ہے، اور اس کی وجہ سے غیر مملوک یا معلق کی بیع لازم نہیں آتی جو کہ ممانعت کی علت ہے؛ بلکہ وعدہ کا اثر صرف اتنا رہے گا کہ واعد پر وعدہ وفا کرنا لازم ہوگا؛ ورنہ وہ اس نقصان کی تلافی کرے گا جو وعدہ خلافی کی وجہ سے موعود لہ کو لاحق ہوا ہے، جیسا کہ تفصیلاً وعدہ کی بحث میں آ چکا ہے، اسی بنیاد پر اس معاملہ کے جواز کے فیصلے متعدد فقہی مجالس اور اکیڈمیوں سے صادر ہوئے ہیں، انہی میں سے مجمع الفقہ الاسلامی الدولی ہے جس نے اس موضوع پر درج ذیل قرار دادیں پاس کیں:

اکیڈمی نے اپنے پانچویں اجلاس، منعقدہ کویت، مؤرخہ ۱-۶

جمادی الاول ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۰-۱۵ دسمبر ۱۹۸۸ء میں مذکورہ موضوعات (ایفائے وعدہ اور مرابحہ للآمر بالشراء) پر ارکان وماہرین کی جانب سے آنے والے مقالات کے جائزہ اور بحث ومباحثہ کے بعد درج ذیل امور طے کیے:

اول: خریداری کا حکم دینے والے سے مرابحہ کا معاملہ کسی سامان پر اس وقت جائز ہے جب وہ سامان مامور کی ملکیت میں آچکا ہو اور اس پر شرعی قبضہ حاصل ہو چکا ہو، جب تک کہ آمر کو سامان حوالہ کرنے سے پہلے ہونے والے نقصان کی ذمہ داری مامور پر آتی ہو، نیز حوالہ کرنے کے بعد پوشیدہ عیب وغیرہ واپسی کے متقاضی اسباب کی بنا پر بیع کو رد کرنے کی ذمہ داری بھی مامور پر ہو، اور بیع کی دیگر شرائط موجود ہوں اور موانع نہ پائے جاتے ہوں۔

دوم: وعدہ (جو انفرادی طور پر آمر یا مامور کی جانب سے ہو) پورا کرنا عذر کے علاوہ صورت میں وعدہ کرنے والے کے حق میں دیانۃً لازم ہے، اور اگر وہ وعدہ کسی ایسے سبب کے ساتھ وابستہ ہو کہ وعدہ کے نتیجہ میں وہ شخص جس کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے کوئی جدوجہد انجام دیتا ہو تو ایسی صورت میں قضاءً بھی وعدہ پورا کرنا لازم ہے، اور ایسی حالت میں لزوم کے اثر کی تحدید یا تو وعدہ کی تکمیل سے ہوگی یا بلا عذر وعدہ پورا نہ کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے نقصان کا معاوضہ ادا کرنے سے ہوگی۔

سوم: باہمی وعدہ (جو فریقین کی جانب سے ہو) بیع مرابحہ میں جائز ہے، بشرطیکہ دونوں یا کسی ایک فریق کو اختیار حاصل ہو، اگر

کسی کو اختیار نہ ہو تو جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ بیع مرابحہ میں ایسا باہمی وعدہ جس کا پورا کرنا لازم ہو خود بیع کے مشابہ ہو جاتا ہے، اور اس وقت یہ شرط ہوگی کہ بائع سامان کا مالک ہو؛ تا کہ معدوم کی بیع سے ممانعت کے حکم نبوی کی مخالفت لازم نہ آئے۔

چوں کہ اجلاس نے محسوس کیا کہ بیشتر اسلامی بینک اپنی سرمایہ کاری کے اکثر معاملات میں مرابحہ للآمر بالشراء ہی کا طریقہ اپناتے ہیں، اس روشنی میں یہ اجلاس سفارش کرتا ہے:

اول: تمام اسلامی بینک اپنی سرگرمی کو اقتصادی ترقی کے مختلف طریقوں تک وسیع کریں، خاص طور پر اپنی مخصوص کوشش کے ذریعہ یا دیگر اداروں کے ساتھ شرکت اور مضاربت کے ذریعہ صنعتی یا تجارتی پروجیکٹس کے قیام کی جانب توجہ مبذول کریں۔

دوم: اسلامی بینکوں میں مرابحہ للآمر بالشراء کے نفاذ کے لیے عملی حالات کا جائزہ لیا جائے؛ تا کہ ایسے وصول وضع کیے جاسکیں جن سے نفاذ میں خلل سے تحفظ ہو، اور شریعت کے عمومی احکام یا مرابحہ کے خصوصی احکام کی رعایت رکھتے ہوئے ان کا تعین کیا جائے۔(۱)

---

(۱) مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی ۵ / ۱۵۱۷

ساتویں بحث

بدلین کی نوعیت کے لحاظ سے
بیع کی تقسیم

۲۹۱۔ بدلین کی نوعیت کے اعتبار سے بیع کی تیسری تقسیم

بیع کی تیسری تقسیم بدلین کی نوعیت کے لحاظ سے ہے، اس اعتبار سے بیع کی تین قسمیں ہوتی ہیں:

۱) بیع مطلق: یہ رائج ثمنوں جیسے دراہم ودنانیر یا سکوں کے عوض عین کی بیع ہے، خواہ ثمن مؤجل ہو یا حال، اور جب بھی مطلقاً لفظ بیع بولا جائے تو عام احوال میں یہی قسم مراد ہوتی ہے۔

۲) عروض کی عروض کے ذریعہ بیع، یہ اصطلاح میں مقایضہ کہلاتی ہے۔

۳) نقود کی نقود کے عوض بیع، یہ اصطلاح میں صرف کہلاتی ہے۔

سابق میں بیع کے جو احکام ذکر کیے گئے ان کا تعلق پہلی قسم سے ہے، مقایضہ اور صرف سے متعلق احکام کا آگے ذکر کیا جائے گا۔

پہلا باب

۲۹۲۔مقایضہ کا بیان

مجلۃ الاحکام العدلیۃ کے دفعہ نمبر ۱۲۲ میں مقایضہ کی یہ تعریف کی گئی ہے:

بَیْعُ الْعَیْنِ بِالْعَیْنِ أَیْ مُبَادَلَةُ مَالٍ بِمَالٍ غَیْرِ النَّقْدَیْنِ. (۱)

عین کی عین کے عوض بیع، یعنی مال کا مال سے تبادلہ جو کہ نقد نہ ہوں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ کپڑے کو کپڑے کے عوض، زمین کو زمین کے عوض اور جانور کو جانور کے عوض فروخت کیا جائے، مقایضة قیض سے ماخوذ ہے، جس کے معنی عوض کے ہیں، اس کی دلیل حضرت ذی الجوشن رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

أَتَیْتُ النَّبِيَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ أَنْ فَرَغَ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ بِابْنِ فَرَسٍ لِي یُقَالُ لَهَا: الْقَرْحَاءُ، فَقُلْتُ: یَا مُحَمَّدُ إِنِّي قَدْ جِئْتُكَ بِابْنِ الْقَرْحَاءِ لِتَتَّخِذَهُ. قَالَ: لَا حَاجَةَ لِي فِیهِ، وَإِنْ شِئْتَ أَنْ أَقِیضَكَ بِهِ الْمُخْتَارَةَ مِنْ دُرُوعِ بَدْرٍ فَعَلْتُ، قُلْتُ: مَا كُنْتُ أَقِیضُهُ الْیَوْمَ بِغُرَّةٍ قَالَ: فَلَا حَاجَةَ لِي فِیهِ. (۲)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بدر سے فارغ ہونے کے بعد میں آپ کی خدمت میں اپنا ایک گھوڑی کا بچہ لے کر حاضر ہوا، جسے

---

(۱) ص:۳۱

(۲) ابوداؤد، حدیث نمبر:۲۷۸۶

قرحاء کہا جاتا تھا، میں نے عرض کیا: میں آپ کے پاس قرحاء کا
بچہ لایا ہوں؛ تاکہ آپ اسے اپنے استعمال میں لائیں، آپ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر تم چاہو
کہ میں اس کے عوض چند بدر کی بہترین زرہیں دے دوں تو
ٹھیک ہے، میں نے کہا: میں تو آج چمکتی پیشانی والے گھوڑے
کے عوض بھی اسے فروخت نہ کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
مجھے اس کی حاجت نہیں ہے۔

بیع مقایضہ اور بیع مطلق کے درمیان فروق

مقایضہ اور بیوع مطلقہ میں بنیادی فروق کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱) مقایضہ میں بدلین میں سے ہر ایک مبیع یا ثمن بن سکتا ہے، چوں کہ ہر ایک میں مبیع ہونے کی صلاحیت ہے تو عقد بیع کے وقت اس کا متعین ہونا ضروری ہے، اگر ان میں سے ایک دین ہو مثلاً: کوئی شخص ایک متعین گھوڑا ایک ٹن ادھار گیہوں کے عوض فروخت کرے تو یہ مقایضہ نہیں؛ بلکہ سلم ہوگا اور اس میں سلم کے شرائط کی رعایت کرنی ہوگی۔ (۱)

جب کہ بیع مطلق میں عروض مبیع اور نقود ثمن ہوتے ہیں، تو عروض کی تعیین تو ضروری ہے؛ کیوں کہ وہ مبیع ہے؛ لیکن نقود کی تعیین ضروری نہیں ہے۔

۲) مقایضہ کے اندر بدلین میں سے ہر ایک عین ہوتا ہے؛ اس لیے دونوں کی ایک ساتھ سپردگی ضروری ہے؛ کیوں کہ سپردگی سے قبل ان دونوں میں سے ہر ایک حق کے متعین ہونے میں برابر ہے؛ لہٰذا کسی ایک کو دوسرے پر مقدم کرنا تحکم ہوگا؛ اس لیے دونوں کی ایک ساتھ سپردگی ہوگی۔ (۲) جب کہ بیع مطلق میں حنفیہ کے نزدیک اولاً ثمن

---

(۱) البحر الرائق ۵/ ۳۳۴

(۲) ہدایہ ۳/ ۲۹

کی ادائیگی ضروری ہے، اور دیگر ائمہ کے نزدیک مبیع کی سپردگی ضروری ہے، جیسا کہ بیع حال کی بحث (۱) میں اس کی تفصیل آ چکی ہے۔

۳) اگر کوئی شخص شراب یا خنزیر مقایضۃً ایسی چیز کے عوض فروخت کرے جو متقوم ہو، جیسے: کپڑے، تو حنفیہ کے مشہور مذہب کے مطابق شراب اور خنزیر میں بیع باطل ہے، اور کپڑوں میں فاسد ہے؛ لہٰذا مشتری قبضہ کے ذریعہ شراب یا خنزیر کی قیمت کے عوض کپڑوں کا مالک ہوجائے گا، برخلاف جب کہ شراب یا خنزیر کی نقود کے عوض فروختگی ہو تو یہ باطل اور غیر مفید ملک ہے، شراب وخنزیر میں بھی اور نقود میں بھی۔(۲)

۴) بیع مطلق میں اصل یہ ہے کہ اگر مشتری کے قبضہ کرنے کے بعد مبیع ہلاک ہوجائے تو اقالہ نہیں ہوسکتا، مقایضہ میں اگر کوئی ایک بدل ہلاک ہوجائے تو یہ دوسرے بدل کے اقالہ سے مانع نہیں ہے، اور اس میں اس طرح اقالہ کیا جاسکتا ہے کہ مشتری ہلاک شدہ بدل کی قیمت جب کہ ذوات القیم میں سے ہو یا مثل جب کہ ذوات الامثال میں سے ہو سپرد کر کے اس عین کو واپس لے لے جو ہلاک نہیں ہوا۔(۳)

۵) عاقدین نے مقایضہ کرنے کے بعد اقالہ کیا، پھر ان میں سے ایک نے اقالہ کردہ چیز خریدی تو وہ نفس عقد کی وجہ سے قابض ہوجائے گا؛ کیوں کہ دونوں بدل موجود ہیں، اور ان میں سے ہر ایک مضمون بالقیمۃ ہوگا، جیسا کہ مغصوب میں ہوتا ہے، اور اگر ایک بدل کے ہلاک ہوجانے کے بعد اقالہ ہوا، پھر ان میں سے ایک نے باقی بدل میں تجدید عقد کیا تو وہ نفس عقد کی وجہ سے قابض نہیں ہوگا؛ کیوں کہ وہ دوسرے عوض کی قیمت کے ذریعہ مضمون ہے، پس یہ مرہون کے مشابہ ہوگیا۔(۴)

---

(۱) رقم: ۲۴۴

(۲) ہدایہ ۳/ ۴۳

(۳) البحر الرائق ۶/ ۱۱۵

(۴) البحر الرائق ۶/ ۱۱۲

۶) اگر مقایضہ اموال ربویہ میں نہ ہوتو مقدار یا قیمت میں تساوی شرط نہیں ہے، اور نہ بیع کا معجّل ہونا ضروری ہے؛ بلکہ مذکورہ فروق کا لحاظ رکھتے ہوئے اس پر بیع کے تمام احکام منطبق ہوں گے، اور اگر مقایضہ اموال ربویہ میں ہوتو اس کے مخصوص احکام ہیں، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اس کے لیے ایک مستقل باب قائم کیا ہے، ہم تفصیل سے ان احکام کا ذکر کریں گے، **واللہ سبحانہ وتعالیٰ ھو الموفق للصواب والسداد.**

دوسرا باب

۲۹۳۔ ربا کا بیان

قرآن کریم (۱) میں جس ربا کو حرام قرار دیا گیا ہے امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ تعریف کی ہے:

هُوَ الْقَرْضُ الْمَشْرُوطُ فِيهِ الْأَجَلُ وَزِيَادَةُ مَالٍ عَلَى الْمُسْتَقْرِضِ. (۲)

ایسا قرض جس میں اجل، اور قرض لینے والے پر مزید مال مشروط ہو۔

اس قسم کا سود ربا القرض یا ربا القرآن کہلاتا ہے؛ کیوں کہ قرآن کریم میں اس کی حرمت آئی ہے، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ساتھ بیع کی ایک دوسری قسم کو لاحق کیا جو ربا الفضل یا ربا النسیئۃ کہلاتی ہے، اس کی دلیل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ، مِثْلًا بِمِثْلٍ، يَدًا بِيَدٍ، فَمَنْ زَادَ، أَوِ اسْتَزَادَ، فَقَدْ أَرْبَى، الْآخِذُ وَالْمُعْطِي فِيهِ سَوَاءٌ. (۳)

سونا سونے کے عوض، چاندی چاندی کے عوض، گیہوں گیہوں

(۱) البقرۃ:۲۷۵

(۲) احکام القرآن ۲/ ۱۸۹

(۳) مسلم، حدیث نمبر:۱۵۸۴

کے عوض، جو جو کے عوض، کھجور کھجور کے عوض اور نمک نمک کے عوض
برابر سرابر، ہاتھ در ہاتھ فروخت کیا جائے، جو شخص زیادہ دے، یا
لے تو وہ سود خور ہے، لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح منقول ہے؛ البتہ اس کے اخیر میں ہے:

فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هَذِهِ الْأَصْنَافُ، فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ، إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ. (۱)

جب یہ اصناف مختلف ہو جائیں تو جیسے چاہو بیچو، بشرطیکہ ہاتھ در ہاتھ ہو۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھ چیزوں کا ذکر فرما کر دو حکم بیان فرمائے:

ایک یہ کہ جب ان چھ چیزوں میں سے کسی چیز کی اس کے جنس کے عوض فروختگی ہو تو بدلین میں سے ہر ایک کی مقدار کا مساوی ہونا ضروری ہے، اس میں کمی بیشی جائز نہیں ہے۔

دوسرا یہ کہ اگر ان کی فروختگی ان کے جنس کے عوض نہ ہو؛ بلکہ غیر جنس کے عوض ہو، مثلاً: کھجور کے عوض گیہوں کی فروخت تو اس میں کمی بیشی جائز ہے؛ لیکن بیع کا نقد ہونا ضروری ہے، ادھار درست نہیں ہے؛ کیوں کہ ادھار بھی ربا ہے جو کہ **ربا النسیئۃ** کہلاتا ہے۔

کیا ربا صرف چھ چیزوں میں منحصر ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف چھ چیزوں کا ذکر فرمایا، اس وجہ سے سلف کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ یہ حکم انہی چھ چیزوں میں منحصر ہے، یہ قول حضرت طاؤس، قتادہ، شعبی، مسروق اور عثمان بتی رحمۃ اللہ علیہم سے منقول ہے، ابو داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ اور منکرین

---

(۱) مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۸۷

قیاس کا بھی یہی کہنا ہے۔(۱)

قائلین قیاس کا ان چھ چیزوں کی حرمت کے کسی علت کے ساتھ معلول ہونے پر اتفاق ہے، ان چیزوں کے علاوہ میں بھی اگر وہ علت پائی جائے گی تو حرمت ثابت ہوجائے گی؛ کیوں کہ قیاس ایک دلیل شرعی ہے؛ لہٰذا ضروری ہے کہ اس حکم کی علت نکال کر اس حکم کو ہر اس جگہ ثابت کیا جائے جہاں یہ علت پائی جائے، پس جس جس میں علت پائی جائے گی وہ ان اموال ربویہ میں شمار ہوگا جن میں بجنسہٖ فروخت کرنے کی صورت میں تفاضل ونسیئہ دونوں حرام ہوتے ہیں، اور بخلاف جنسہٖ بیچنے کی صورت میں صرف نسیئہ حرام ہوتا ہے، پھر فقہاء کا اس حکم کی تعلیل میں اختلاف ہے جس کی وجہ سے اموال ربویہ بھی مختلف فیہ ہیں۔

---

(۱) عمدۃ القاری ۱۱/ ۲۵۲

۲۹۴۔ ربوی اشیاء کی تعیین

حنفیہ کا مذہب

حنفیہ کے نزدیک سونے اور چاندی میں علت وزن مع الجنس ہے؛ لہٰذا وزن کے ذریعہ جو بھی چیز فروخت کی جائے وہ اموال ربویہ میں داخل ہے، اور بقیہ چار چیزوں میں علت کیل مع الجنس ہے؛ لہٰذا کیل کے ذریعہ فروخت کی جانے والی چیزیں اموال ربویہ میں داخل ہیں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت اور امام ثوری، نخعی، زہری اور اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہم کا یہی قول ہے۔

اس قول کی بنیاد پر ربا ہر اس کیلی یا وزنی چیز میں جاری ہوگا جس کو بجنسہٖ فروخت کیا جائے، خواہ وہ مطعومات کے قبیل سے ہو یا نہ ہو، جیسے: غلے، چونا، روئی، اون، مہندی، عطر، لوہا، پیتل، گوشت اور پھل وغیرہ، کیل اور وزن کی تعبیر قدر سے بھی کی جاتی ہے، اور کہہ دیا جاتا ہے کہ قدر مع الجنس حنفیہ کے نزدیک علت ہے، جب یہ دونوں ایک ساتھ ہوں، مثلاً: گیہوں گیہوں کے عوض فروخت کیا جائے تو تفاضل اور نسیئہ دونوں حرام ہوں گے، جید اور ردی دونوں اس حکم میں برابر ہیں؛ کیوں کہ شریعت نے اموال ربویہ میں اوصاف کا لحاظ نہیں کیا ہے، اور اگر صرف ایک علت پائی جائے، مثلاً: قدر ہو؛ لیکن جنس نہ ہو، جیسے گیہوں جو کے عوض فروخت ہو تو تفاضل جائز ہے اور نسیئہ حرام ہے؛ لہٰذا ایک بکری کو دو بکریوں کے عوض بیچا جا سکتا ہے، بشرطیکہ بیع معجّل ہو، اور اگر جنس وقدر دونوں نہ پائے جائیں تو تفاضل ونسیئہ دونوں جائز ہیں، مثلاً: دو انڈوں کے عوض ایک سیب مؤجل فروخت کیا جائے تو یہ درست ہے؛ کیوں کہ یہاں نہ قدر ہے اور نہ اتحادِ جنس۔

شوافع کا مذہب

شوافع کے نزدیک سونے اور چاندی میں علت ثمنیت مع الجنس ہے، اور ان کے علاوہ میں طعم مع الجنس ہے، یہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت بھی ہے، ان کا استدلال حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طعام کو طعام کے عوض کمی بیشی کے ساتھ بیچنے سے منع فرمایا ہے۔(۱) نیز طعم ایک وصفِ شرف ہے؛ کیوں کہ اس سے بدن کو تقویت ملتی ہے، اور ثمنیت بھی وصفِ شرف ہے؛ کیوں کہ اس سے اموال کو قوام ملتا ہے، پس ان دونوں کے ذریعہ تعلیل مناسب ہے۔

اس قول کی بنیاد پر تمام مطعومات میں ربا الفضل جاری ہوگا، خواہ کیلی ہوں یا وزنی یا عددی، اور خواہ وہ بطور غذا کھائی جاتی ہوں، جیسے: گیہوں، جو اور تمام دانے، یا تفکہ کے لیے، جیسے: کھجور، سیب، انار، انگور اور انجیر وغیرہ، یا علاج کے لیے، جیسے: نمک، ادرک اور دیگر جڑی بوٹیاں، اور جو مطعوم نہ ہو، جیسے: لوہا تو یہ اموال ربویہ میں سے نہیں ہے؛ لہٰذا لوہے کو لوہے کے عوض کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔(۲)

اسی طرح سونے چاندی میں بھی شافعیہ کے نزدیک ربا جاری ہوگا؛ کیوں کہ اس میں ثمنیت موجود ہے، خواہ وہ ڈھلے ہوئے ہوں یا نہ ہوں، پس ڈھلے ہوئے زیورات اور سونے کی بسکٹ دونوں ربوی اموال میں داخل ہیں؛ لہٰذا زیور کو بسکٹ کے عوض فروخت کرنے میں تساوی ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اور ثمن سے مراد جوہریت ثمن ہے؛ لہٰذا اس میں فلوس داخل نہیں ہوں گے؛ کیوں کہ شافعیہ کے نزدیک وہ اموال ربویہ میں سے نہیں ہیں۔(۳) اور مزید تفصیل صرف کے بیان (۴) میں آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

---

(۱) مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۹۲

(۲) مغنی المحتاج ۲/ ۳۶۵

(۳) مغنی المحتاج ۲/ ۳۶۹

(۴) رقم: ۳۲۰

مالکیہ کا مذہب

مالکیہ کے نزدیک سونے اور چاندی میں علت ثمنیت مع الجنس ہے، ان کے علاوہ مطعومات میں ان کے نزدیک علت حرمت نسیئہ اور حرمت تفاضل کے لحاظ سے مختلف ہے، حرمت نسیئہ میں علت محض طعم ہے جب کہ بطورِ علاج نہ ہو، خواہ اقتیات وادخار پایا جائے یا نہیں، مثلاً: مختلف قسم کی سبزیاں: ککڑی، خربوزہ، لیموں اور گاجر، مختلف قسم کے تر پھل، جیسے: سیب اور موز، پس جن مطعومات میں ادخار نہیں ہوتا ان میں تفاضل تو درست ہے؛ لیکن نسیئہ حرام ہے۔(۱)

حرمتِ تفاضل کی علت مالکیہ کے نزدیک اقتیات وادخار ہے، اقتیات کا مطلب یہ ہے کہ اس سے جسم میں تقویت حاصل ہو اور اسی پر انحصار کی صورت میں جسم میں کوئی فساد در نہ آئے، مثلاً: گیہوں، جو اور سارے غلہ جات، اسی کے حکم میں مصالحہ جات بھی داخل ہیں، جیسے: نمک وغیرہ، اور ادخار کا مطلب یہ ہے کہ ایک مدت تک اس کو رکھنے کی صورت میں اس میں کوئی خرابی نہ آئے، ظاہر مذہب کے مطابق اس کی کوئی حد نہیں ہے؛ بلکہ اس کا اعتبار ہر چیز میں اسی کے لحاظ سے ہوگا، اس بنیاد پر سبزیاں اور تر میوے جن میں ادخار نہیں ہوتا ان میں تفاضل جائز ہے، شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مصفیٰ (۲) میں اسی جانب اپنا رجحان ظاہر کیا ہے۔

مالکیہ کی دلیل یہ ہے کہ اگر صرف طعم ہی مقصود ہوتا تو حدیث میں کسی ایک صنف کا ذکر کر کے اس پر تنبیہ کر دی جاتی؛ لیکن جب متعدد اشیاء کا ذکر کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ان میں سے ہر ایک چیز کے ذریعہ اس میں موجود خاصیت پر تنبیہ مقصود ہے، اقتیات وادخار ان سب کو جامع ہے، چنانچہ جو اور گیہوں سے ان غلوں پر تنبیہ کی گئی ہے جن میں ادخار ہوتا ہے، کھجور کے ذریعہ تمام ادخار کی جانے والی میٹھی چیزوں پر تنبیہ ہے، جیسے: شکر، شہد

(۱) حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۴۷

(۲) ۱/ ۳۴۷

اور کشمش، اور نمک کے ذریعہ کھانے کی اصلاح کے لیے قابل ادخار مصالحہ جات پر تنبیہ ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ ربا کی حرمت سے مقصود لوگوں کو غبن سے بچانا اور ان کے مال کی حفاظت کرنا ہے، اور یہ مقصد تبھی حاصل ہوسکتا ہے کہ جب کہ اصول معاش میں ربا کو حرام قرار دیا جائے جو کہ اقوات ہیں، علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے بدایۃ المجتہد (۱) میں یہی بات ذکر کی ہے۔

حنابلہ کا مذہب

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے متعدد روایات منقول ہیں، ایک روایت حنفیہ کے موافق ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ یہی ان کے نزدیک راجح ہے، اور دوسری شوافع کے مذہب کے موافق ہے، تیسری روایت یہ ہے کہ سونے چاندی کے علاوہ میں علت طعم وقدر مع الجنس ہے؛ لہٰذا غیر قدری مطعوم میں ربا جاری نہیں ہوگا، جیسے: انڈا اور تمام عددیات مطعومہ، اسی طرح جب کہ کوئی چیز قدری ہو؛ لیکن مطعوم نہ ہو، جیسے: زعفران، لوہا اور پیتل وغیرہ، یہی حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قدیم قول ہے، جیسا کہ مغنی (۲) میں ہے۔

ان کا استدلال حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے ہے:

لَا رِبًا إِلَّا فِي ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ أَوْ مِمَّا يُكَالُ أَوْ يُوزَنُ وَيُؤْكَلُ وَيُشْرَبُ. (۳)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد اس کو مرسل قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ اس میں مبارک بن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ راوی کو وہم ہوا کہ یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مرفوعاً

(۱) ۱۵۱/۳

(۲) ۶/۴

(۳) سنن دارقطنی، حدیث نمبر: ۲۸۳۴

منقول ہے، حالاں کہ یہ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلاً مروی ہے۔

اس باب میں مذکورہ چار مذاہب مشہور ہیں، اور مزید چھ اقوال بھی ہیں؛ لیکن وہ نہ مشہور ہیں اور نہ ان پر عمل کیا جاتا ہے، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری کے **باب بیع الطعام والحکرۃ** (۱) میں ان کا ذکر کیا ہے۔

۲۹۵۔ جنس سے متعلق مسائل

تمام فقہاء کے نزدیک حرمتِ تفاضل کے لیے بدلین کی جنس کا متحد ہونا شرط ہے؛ لہٰذا جنس کے متحد اور مختلف ہونے کے مفہوم سے واقفیت ضروری ہے، اس سلسلہ میں فقہاء نے جو تفصیلات ذکر کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ درج ذیل امور میں سے کسی امر کی وجہ سے اختلاف جنس کا تحقق ہوجاتا ہے:

۲۹۶۔ ماہیت کا اختلاف

ایک چیز دوسری چیز سے نام، ماہیت اور عرف کے لحاظ سے الگ ہو، جیسے: گیہوں اور جو، اگرچہ ان کا مقصود کلی ایک ہی ہے، یعنی تغذیہ، یہی جمہور کا قول ہے، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مقصود کی جانب نظر کرتے ہوئے دونوں کو جنس واحد قرار دیا ہے۔ (۲)

۲۹۷۔ اصل کا اختلاف

کبھی جنس کا اختلاف اس طور پر ہوتا ہے ان دو چیزوں کی اصل مختلف ہوتی ہے؛ اگرچہ ایک کلی نام کا دونوں پر اطلاق ہوتا ہے، جیسے: انگور کا سرکہ اور کھجور کا سرکہ، دونوں کی جنس الگ ہے، گائے کا دودھ اور بکری کا دودھ دونوں کی جنس مختلف ہے، گائے کا گوشت اور بکری کا گوشت، دونوں کی جنس الگ ہے؛ لہٰذا حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک گائے کے گوشت اور بکری کے گوشت کے درمیان تفاضل جائز ہے؛ البتہ ان حضرات نے گائے اور بھینس، اسی طرح بکری، بھیڑ اور دنبہ کو جنس واحد قرار دیا ہے۔ (۳) علامہ

---

(۱) ۱۱/ ۲۵۲

(۲) القوانین الفقہیۃ، ص: ۱۶۸

(۳) ہدایہ ۳/ ۶۵ ومغنی المحتاج ۲/ ۳۶۷

ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہی راجح مذہب قرار دیا ہے، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری روایت یہ ہے کہ تمام گوشت جنس واحد ہیں؛ لہٰذا تفاضل ناجائز ہے۔

مالکیہ کے نزدیک تمام چوپائے جنس واحد ہیں؛ لہٰذا ایک کا گوشت دوسرے کے گوشت کے عوض کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح سر کے بھی جنس واحد ہیں؛ کیوں کہ ان کا مقصود کھٹاپن ہے۔ (۱)

۲۹۸۔ مقاصد کا اختلاف

کبھی جنس مقاصد کے مختلف ہونے کی وجہ سے الگ ہوجاتی ہے، جیسے: بکری اور بھیڑ کے گوشت کو اگرچہ جنس واحد شمار کیا گیا تھا؛ لیکن ان کے بالوں کے مقاصد مختلف ہیں، بکری کے بال سے جو سامان بنائے جاسکتے ہیں وہ بھیڑ کے اون سے نہیں؛ اس لیے ان کی جنس الگ ہے، اسی طرح چربی اور گوشت دو الگ جنس ہیں، نیز پیٹ اور سرین دونوں کی چربی کی جنس مختلف ہے؛ لہٰذا کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے؛ لیکن حنفیہ کے یہاں نسیئہ ناجائز ہوگا؛ اس لیے کہ قدر یعنی وزن دونوں میں متحد ہے، دونوں کو وزن کر کے بیچا جاتا ہے، اسی طرح سرے اور پائے مختلف جنس ہیں (۲) ان میں تفاضل جائز ہے، نسیئہ نہیں؛ کیوں کہ ان کو وزن کے ذریعہ بیچا جاتا ہے، پس قدر متحد ہے۔ (۳) حنفیہ نے ان مسائل کی تصریح کی ہے، حنابلہ کا بھی یہی ایک قول ہے؛ لیکن انہوں نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ نام اور خلقت کے لحاظ سے ان میں اختلاف ہے۔ (۴)

علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب نقل کیا ہے:

وَمَالِكٌ يَعْتَبِرُ فِي الصِّنْفِ الْمُؤَثِّرِ فِي التَّفَاضُلِ فِي الرِّبَوِيَّاتِ، وَفِي النَّسَاءِ فِي غَيْرِ الرِّبَوِيَّاتِ اتِّفَاقَ

---

(۱) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/۴۸و۴۹

(۲) یہ اُس زمانہ کی بات ہے، موجودہ زمانہ میں سرے پائے عددی ہیں۔ از مترجم

(۳) فتح القدیر ۷/۳۶

(۴) کشاف القناع ۳/۲۵۵

الْمَنَافِعِ، وَاخْتِلَافِهَا، فَإِذَا اخْتَلَفَتْ جَعَلَهَا صِنْفَيْنِ، وَإِنْ كَانَ الِاسْمُ وَاحِدًا. (۱)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ربویات کے اندر تفاضل اور غیر ربویات کے اندر نساء میں اثر انداز ہونے والے صنف کے سلسلہ میں منافع کے متفق اور مختلف ہونے کا لحاظ کرتے ہیں، اگر منافع مختلف ہوں تو ان کو دو صنف قرار دیتے ہیں؛ اگر چہ نام ایک ہو۔

۲۹۹۔ صنعت میں زیادتی

کبھی دو چیزوں کی اصل ایک ہوتی ہے؛ لیکن ایک میں زیادہ کاریگری ہوتی ہے، جیسے: روٹی اور آٹا، تو روٹی کی اصل آٹا ہی ہے؛ لیکن اس میں کاریگری کی وجہ سے اس کا مستقل نام ہو گیا اور وہ عددی ہو گئی؛ لہٰذا یہ دو جنس ہیں، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے، اور ظاہر یہی ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ صنعت کی وجہ سے جنس مختلف ہو جاتی ہے، مدونہ (۲) میں مذکور ہے: ستو اور آٹے یا گیہوں میں تفاضل جائز ہے؛ کیوں کہ صنعت مختلف ہے۔

البتہ جمہور حنفیہ آٹے کے عوض گیہوں کی بیع کو ایک دوسرے سبب کی وجہ سے جائز قرار نہیں دیتے، اور وہ تماثل کا ممکن نہ ہونا ہے، اس کی تفصیل آگے (۳) آ رہی ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۳۰۰۔ صنعت کا اختلاف

کبھی دو چیزوں میں سے ہر ایک مصنوع ہوتی ہے؛ لیکن ان میں صنعت کا اختلاف ہوتا ہے، فقہاء نے اس کی مثال ہروی اور مروی کپڑے سے دی ہے، علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

---

(۱) بدایۃ المجتہد ۳/ ۱۵۳

(۲) ۳/ ۱۵۱

(۳) رقم: ۳۰۷

وَالثَّوْبُ الْهَرَوِيُّ وَالْمَرْوِيُّ وَهُوَ بِسُكُونِ الرَّاءِ جِنْسَانِ لِاخْتِلَافِ الصَّنْعَةِ وَقِوَامِ الثَّوْبِ بِهَا، وَكَذَا الْمَرْوِيُّ الْمَنْسُوجُ بِبَغْدَادَ وَخُرَاسَانَ وَاللِّبْدُ الْأَرْمَنِيُّ وَالطَّالَقَانِيُّ جِنْسَانِ.(۱)

صنعت کے اختلاف کی وجہ سے ہروی اور مروی کپڑے دو الگ جنس ہیں، اسی طرح بغداد وخراسان میں بنا ہوا مروی کپڑا اور آرمینیا وطالقان میں بنا ہوا مروی کپڑا دونوں کی جنس مختلف ہے۔

اس بنیاد پر مختلف ملکوں یا کمپنیوں کے بنے ہوئے کپڑے مختلف الاجناس شمار ہوں گے، جب کہ صنعت میں تفاوت ہو، اسی طرح گاڑیاں، سائیکل اور بجلی کی مشینیں جو کہ مختلف ملکوں یا کمپنیوں میں بنائی گئی ہوں، اور ظاہر ہے کہ مختلف کتابیں مختلف جنس شمار ہوں گی، علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے جو ضابطہ ذکر کیا ہے اس کی بنیاد پر ایک کتاب کی مختلف طباعتیں بھی مختلف جنس ہوں گی، اگر ان کے درمیان کاغذ کی نوعیت اور طباعت وتصحیح کے معیار کے لحاظ سے فرق ہو؛ کیوں کہ یہ صنعت میں اختلاف کے درجہ میں ہے؛ لہٰذا ان کے درمیان عدمِ قدر اور جنس کے مختلف ہونے کی وجہ سے تفاضل اور نسیہ جائز ہوگا؛ البتہ ایک ہی مطبع کے متعدد نسخے جنس واحد کہلائیں گے؛ لہٰذا حنفیہ کے نزدیک تبادلہ میں نسیہ کی اجازت نہیں ہوگی؛ کیوں کہ اتحادِ جنس حرمتِ نسیہ کا سبب ہے، دیگر فقہاء جو فقط اتحاد جنس کو حرمت نسیہ کا سبب قرار نہیں دیتے تو ان کتابوں کے تبادلہ میں ان کے نزدیک نسیہ بھی جائز ہوگا۔

۳۰۱۔ پھلوں کے پکنے میں اختلاف

فقہائے حنفیہ نے پھل کے پکنے میں اختلاف کو بھی جنس کے اختلاف میں مؤثر مانا ہے، بشرطیکہ ان کے نام اور مقاصد مختلف ہوں، خواہ اصل ایک ہو، چنانچہ کچا اور پکا

---

(۱) فتح القدیر ۷/ ۱۴

کھجور دو جنس ہیں۔(۱)

۳۰۲۔ کیا جنس متحد ہونے سے نسیہ حرام ہو جاتا ہے؟

سابق میں حنفیہ کا مذہب آ چکا ہے کہ تنہا جنس کی وجہ سے نسیہ حرام ہو جاتا ہے، خواہ اس میں قدر نہ پایا جائے، مثلاً: وہ عددی ہو، جیسے: جانور کو اگر اسی کی جنس کے عوض فروخت کیا جائے تو قدر نہ ہونے کی وجہ سے تفاضل جائز ہے؛ لیکن اتحادِ جنس کی وجہ سے نسیہ حرام ہوگا، یہ قول حضرت ابن عمر، عمار رضی اللہ عنہم، ابن الحنفیہ، ابن عمیر، عطاء، عکرمہ، ابن سیرین اور ثوری رحمۃ اللہ علیہم سے منقول ہے، حنابلہ کی بھی یہی ایک روایت ہے؛ لیکن ان کا راجح مذہب اور شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ تنہا جنس کے متحد ہونے سے نسیہ حرام نہیں ہوتا؛ بلکہ دوسری علت کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔(۲)

حنفیہ اور ان کے موافقین کی دلیل حضرت سمرہ بن جندب و ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيئَةً.(۳)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانور کو جانور کے عوض ادھار فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دو روایتیں ہیں: ایک یہ کہ حیوان کی حیوان کے بدلہ بیع میں تفاضل کے ساتھ بیچا جائے تو نسیہ ناجائز ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ تفاضل نہ ہو تب بھی نسیہ ناجائز ہے، علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

---

(۱) الدر مع الرد ۷/ ۲۵۵ مع تقریرات الرافعی ۱۴۰، یہاں الگ نسخہ (مکتبہ زکریا دیوبند) سے حوالہ دیا گیا ہے؛ کیوں کہ دیگر جگہوں پر جس نسخہ کا حوالہ دیا جا رہا تھا اس میں علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریرات موجود نہیں ہیں۔ از مترجم

(۲) المغنی ۴/ ۱۰ و ۱۱

(۳) نسائی، حدیث نمبر: ۴۶۲۰ و ترمذی، حدیث نمبر ۱۲۳۷

وَأَمَّا غَيْرُ الْمَطْعُومَةِ فَإِنَّهُ لَا يَجُوزُ فِيهَا النَّسَاءُ عِنْدَهُ فِيمَا اتَّفَقَتْ مَنَافِعُهُ مَعَ التَّفَاضُلِ، فَلَا يَجُوزُ عِنْدَهُ شَاةٌ وَاحِدَةٌ بِشَاتَيْنِ إِلَى أَجَلٍ إِلَّا أَنْ تَكُونَ إِحْدَاهُمَا حَلُوبَةً وَالْأُخْرَى أَكُولَةً. هَذَا هُوَ الْمَشْهُورُ عَنْهُ؛ وَقَدْ قِيلَ: إِنَّهُ يُعْتَبَرُ اتِّفَاقُ الْمَنَافِعِ دُونَ التَّفَاضُلِ فَعَلَى هَذَا لَا يَجُوزُ عِنْدَهُ شَاةٌ حَلُوبَةٌ بِشَاةٍ حَلُوبَةٍ إِلَى أَجَلٍ. فَأَمَّا إِذَا اخْتَلَفَتِ الْمَنَافِعُ فَالتَّفَاضُلُ وَالنَّسِيئَةُ عِنْدَهُ جَائِزَانِ، إِنْ كَانَ الصِّنْفُ وَاحِدًا؛ وَقِيلَ: يُعْتَبَرُ اتِّفَاقُ الْأَسْمَاءِ مَعَ اتِّفَاقِ الْمَنَافِعِ، وَالْأَشْهَرُ أَنْ لَا يُعْتَبَرَ. (۱)

غیر مطعوم اشیاء میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نسیہ جائز نہیں ہے، جب کہ ان کے منافع متحد ہوں اور تفاضل بھی ہو؛ لہٰذا ایک بکری کی دو بکریوں کے عوض مؤجل بیع جائز ہے؛ الّا یہ کہ ایک حلوبہ (دودھ دینے والی) ہو اور دوسری اکولہ (جس سے صرف گوشت حاصل کیا جاسکتا ہو) یہی مشہور قول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ صرف منافع کا اعتبار ہے تفاضل کا نہیں، اس بنیاد پر حلوبہ کی حلوبہ کے عوض بیع مؤجل ناجائز ہوگی، اور منافع کے اختلاف کی صورت میں تفاضل ونسیہ دونوں جائز ہوں گے؛ اگرچہ صنف ایک ہو، اور تیسرا قول یہ ہے کہ منافع کے اتحاد کے ساتھ ناموں کا اتحاد بھی ملحوظ ہوگا؛ لیکن یہ قول غیر معتبر ہے۔

---

(۱) بدایۃ المجتہد ۳/۱۵۳

قدر سے متعلق مسائل

۳۰۳۔ وہ مقدار جس میں ربا کا تحقق ہوتا ہے

متونِ احناف کی تصریح کے مطابق جس مقدار میں حنفیہ کے نزدیک ربا کا تحقق ہوتا ہے وہ نصف صاع اور اس سے زائد ہے، اگر نصف صاع سے کم ہو تو تفاضل جائز ہے؛ کیوں کہ شریعت میں اس سے کم کا اعتبار نہیں ہے؛ لہٰذا ایک لپ گیہوں کی دو لپ گیہوں کے عوض بیع درست ہے، اور ایک ذرہ سونے اور چاندی کی دو گنے کے عوض بیع جائز ہے؛ لیکن علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے:

وَالصَّحِيحُ ثُبُوتُ الرِّبَا، وَلَا يَسْكُنُ الْخَاطِرُ إِلَى هٰذَا بَلْ يَجِبُ بَعْدَ التَّعْلِيلِ بِالْقَصْدِ إِلَى صِيَانَةِ أَمْوَالِ النَّاسِ تَحْرِيمُ التُّفَّاحَةِ بِالتُّفَّاحَتَيْنِ وَالْحَفْنَةِ بِالْحَفْنَتَيْنِ، أَمَّا إِنْ كَانَتْ مَكَايِيلُ أَصْغَرُ مِنْهَا كَمَا فِي دِيَارِنَا مِنْ وَضْعِ رُبْعِ الْقَدَحِ وَثُمُنِ الْقَدَحِ الْمِصْرِيِّ فَلَا شَكَّ، وَكَوْنُ الشَّرْعِ لَمْ يُقَدِّرْ بَعْضَ الْمُقَدَّرَاتِ الشَّرْعِيَّةِ فِي الْوَاجِبَاتِ الْمَالِيَّةِ كَالْكَفَّارَاتِ وَصَدَقَةِ الْفِطْرِ بِأَقَلَّ مِنْهُ لَا يَسْتَلْزِمُ إِهْدَارَ التَّفَاوُتِ الْمُتَيَقَّنِ، بَلْ لَا يَحِلُّ بَعْدَ تَيَقُّنِ التَّفَاضُلِ مَعَ تَيَقُّنِ تَحْرِيمِ إِهْدَارِهِ، وَلَقَدْ أُعْجِبُ غَايَةَ الْعَجَبِ مِنْ كَلَامِهِمْ هٰذَا. وَرَوَى الْمُعَلَّى عَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ كَرِهَ التَّمْرَةَ بِالتَّمْرَتَيْنِ وَقَالَ: كُلُّ شَيْءٍ حَرُمَ فِي الْكَثِيرِ فَالْقَلِيلُ مِنْهُ حَرَامٌ. (۱)

---

(۱) فتح القدیر ۷/ ۹و۱۰

صحیح قول ثبوتِ ربا کا ہے، دوسرے قول پر دل مطمئن نہیں ہوتا؛
بلکہ لوگوں کے اموال کی حفاظت کی خاطر تعلیل کے بعد ایک
سیب کی دو کے عوض اور ایک لپ کی دو لپ کے عوض بیع ناجائز
ہوگی؛ البتہ اگر اس سے چھوٹے مکیال ہوں، جیسا کہ ہمارے
دیار میں ربع قدح اور ثمن قدح مصری ہے، تو اس میں کوئی
شک نہیں ہے، اور شریعت کا واجبات مالیہ جیسے: کفارات اور
صدقۂ فطر میں نصف صاع سے کم مقدار کی تعیین نہ کرنا یقینی
تفاوت کے غیر معتبر ہونے کو مستلزم نہیں ہے؛ بلکہ اس کے کالعدم
ہونے کی حرمت کے یقین کے ساتھ تفاضل کے یقین کے بعد
یہ حرام ہوگا، مجھے فقہاء کے کلام پر بہت تعجب ہوتا ہے، اور معلّٰی
رحمۃ اللہ علیہ نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک کھجور کی دو کے عوض بیع کی
کراہت نقل کی ہے، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ہر وہ چیز جو
زائد مقدار میں حرام ہو اس کا قلیل بھی حرام ہوگا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فَهَذَا كَمَا تَرَى تَصْحِيحٌ لِهَذِهِ الرِّوَايَةِ وَقَدْ نُقِلَ مِنْ بَعْدِهِ كَلَامُهُ هَذَا وَأَقَرُّوهُ عَلَيْهِ كَصَاحِبِ الْبَحْرِ وَالنَّهْرِ وَالْمِنَحِ وَالشُّرُنْبُلَالِيَّةِ وَالْمَقْدِسِيِّ. (۱)

یہ اس روایت کی تصحیح ہے، اور متاخرین نے اسی کلام کو نقل کیا
اور برقرار رکھا ہے، جیسے صاحبِ بحر، نہر، منح، شرنبلالیہ اور
مقدسی رحمۃ اللہ علیہم۔

معلوم ہوا کہ متاخرین حنفیہ کے نزدیک راجح قول قلیل وکثیر مقدار میں تفاوت کا

(۱) ردعلی الدر ۵/۱۷۶

حرام ہونا ہے؛ لہٰذا ایک لپ، ایک کھجور اور ایک ذرہ سونے چاندی کی دولپ، دو کھجور اور دو ذرہ سونے چاندی کے عوض بیع ناجائز ہوگی، یہی امام شافعی وامام احمد رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب ہے۔(۱) اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قول مَثَلًا بِمَثَلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ سے ہم آہنگ ہے۔

۳۰۴۔کیل اور وزن میں عرف کی تاثیر

اکثر فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ جن چیزوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بطورِ کیل حرمت تفاضل کی صراحت فرمائی ہے وہ شریعت میں ہمیشہ کے لیے مکیلی ہی رہیں گے، اور مجانسۃً تبادلہ کی صورت میں کیل کے ذریعہ برابری لازم ہوگی، اور جن چیزوں میں بطور وزن حرمتِ تفاضل کی تصریح ہے وہ ہمیشہ وزنی رہے گی، اور وزن کے ذریعہ ان میں برابری ضروری ہے، خواہ ایک یا بہت سارے ملکوں کا عرف تبدیل ہوجائے، اور مکیلی موزونی ہوجائے، جیسے گیہوں، جو اور کھجور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں مکیلی تھے؛ لیکن اکثر ملکوں کا عرف بدل گیا اور ان کی خرید وفروخت وزن کے ذریعہ ہونے لگی؛ لیکن شریعت میں یہ کیلی ہی رہیں گی؛ لہٰذا کیل کے ذریعہ مساوات ضروری ہوگی، وزن کا اعتبار نہ ہوگا، یہ مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ میں طرفین رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان اشیاء میں عرف کا اعتبار ہوگا، خواہ عرف نص کے خلاف ہو؛ کیوں کہ نص میں بھی عادت ہی کا لحاظ کیا گیا تھا جو کہ اب تبدیل ہوچکی ہے، اسی بنا پر اگر گیہوں، جو اور کھجور وغیرہ میں عرف بدل جائے اور وزن کے ذریعہ ان کو خریدا اور بیچا جانے لگے تو وزن کے لحاظ سے تساوی ضروری ہے نہ کہ کیل کے لحاظ سے۔

جمہور کی دلیل یہ ہے کہ نص عرف سے قوی ہوتا ہے؛ لیکن علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے، وہ لکھتے ہیں:

وَلَا يَخْفَى أَنَّ هَذَا لَا يَلْزَمُ أَبَا يُوسُفَ لِأَنَّ قُصَارَاهُ أَنَّهُ

---

(۱) المغنی ۴/۷

كَنَصِّهِ عَلَى ذَٰلِكَ وَهُوَ يَقُولُ: يُصَارُ إِلَى الْعُرْفِ الطَّارِئِ بَعْدَ النَّصِّ بِنَاءً عَلَى أَنَّ تَغَيُّرَ الْعَادَةِ يَسْتَلْزِمُ تَغَيُّرَ النَّصِّ، حَتَّى لَوْ كَانَ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - حَيًّا لَنَصَّ عَلَيْهِ عَلَى وِزَانِ مَا ذَكَرْنَا فِي سُنِّيَّةِ التَّرَاوِيحِ، مَعَ أَنَّهُ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - لَمْ يُوَاظِبْ عَلَيْهِ بَلْ فَعَلَهُ مَرَّةً ثُمَّ تَرَكَ، لَكِنْ لَمَّا بَيَّنَ عُذْرَ خَشْيَةِ الِافْتِرَاضِ عَلَى مَعْنَى لَوْلَاهُ لَوَاظَبَ حُكِمَ بِالسُّنِّيَّةِ مَعَ عَدَمِ الْمُوَاظَبَةِ، لِأَنَّا أَمِنَّا مِنْ بَعْدِهِ النَّسْخَ فَحَكَمْنَا بِالسُّنِّيَّةِ، فَكَذَا هَذَا لَوْ تَغَيَّرَتْ تِلْكَ الْعَادَةُ الَّتِي كَانَ النَّصُّ بِاعْتِبَارِهَا إِلَى عَادَةٍ أُخْرَى تَغَيَّرَ النَّصُّ. (۱)

ظاہر ہے کہ یہ دلیل امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف نہیں ہے؛ کیوں کہ زیادہ سے زیادہ اس سے ان کے مکیلی ہونے کی تصریح ہوتی ہے، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عرف طاری کا اس بنیاد پر لحاظ کیا جائے گا کہ عادت کی تبدیلی نص میں تبدیلی کو مستلزم ہے، حتی کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باحیات ہوتے تو ضرور اس کی تصریح فرماتے، جیسا کہ ہم نے تراویح کے مسنون ہونے کے باب میں ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر مواظبت نہیں فرمائی؛ بلکہ ایک یا دو بار کر کے ترک کر دیا؛ لیکن جب آپ نے فرض ہونے کا عذر بیان فرمایا کہ اگر یہ خدشہ نہ ہوتا تو ضرور پابندی کرتا؛ اس لیے عدمِ مواظبت کے باوجود سنت ہونے کا حکم

(۱) فتح القدیر ۷/۱۵

لگایا گیا؛ کیوں کہ آپ کے بعد نسخ کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، اسی
طرح یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر نص میں جس عادت کا اعتبار کیا گیا
ہے وہ تبدیل ہو جائے تو نص میں بھی تبدیلی ہوگی۔

اکثر متاخرین حنفیہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتوی دیا ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

وَلَا یَخْفَی أَنَّ هَذَا فِیهِ تَقْوِیَةٌ لِقَوْلِ أَبِي یُوسُفَ.(۱)

اس سے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا قوی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اور اپنے رسالہ نشر العرف (رسائل ابن عابدین جلد دوم) میں لکھتے ہیں:

وعلی هذا ، فلو تعارف الناس بیع الدراهم بالدراهم ، أو استقراضها بالعدد ، کما فی زماننا ، لا یکون مخالفاً للنص ، فالله تعالی یجزی الإمام أبا یوسف عن أهل هذا الزمان خیر الجزاء ، فلقد سد عنهم باباً عظیماً من الربا.

اس بنیاد پر اگر لوگوں میں دراہم کی دراہم کے عوض بیع یا
استقراض کا عرف ہو جائے، جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ہے تو یہ
نص کے خلاف نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ ہم سب کی طرف سے امام
ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ نے ربا کا
ایک بڑا دروازہ بند فرما دیا۔

آگے لکھتے ہیں:

سونا اور چاندی وزنی ہیں، پس اگر کوئی چیز مثلاً: بیس ریال میں
خریدے تو طرفین کے قول کے مطابق یہ بیان کرنا ضروری ہے

(۱) رد علی الدر ۵/ ۱۷۷

کہ مذکورہ ریال فلاں سال کا ڈھالا ہوا ہے؛ تا کہ وزن میں اتحاد ہو جائے ، اسی طرح اگر سونے سے خریداری کی جائے، جیسا کہ ہمارے زمانہ میں محمودی جہادی سونا اور عدلی سونا، چوں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک میں وزن کے لحاظ سے تفاوت ہوتا ہے، اسی طرح فرنگی ریال کی انواع میں بھی اختلاف ہوتا ہے؛ اس لیے طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے قول کی بنا پر اس زمانہ میں کیے جانے والے سارے عقود: بیع ،قرض ،صرف، حوالہ، کفالہ، اجارہ ،شرکت، مضاربہ اور صلح سب فاسد ہوں گے، اسی طرح نکاح، خلع ،عتق علی مال میں تسمیہ فاسد ہوگا، اور مال کے سلسلہ میں دعوی، شہادت اور قضاء وغیرہ فاسد ہوں گے؛ کیوں کہ اس زمانہ میں اس تفاوت کی جانب التفات نہیں کیا جاتا؛ بلکہ ایک شخص مطلقاً سونے اور ریال سے خریداری کرتا ہے اور ثقیل یا خفیف دے دیتا ہے، یہی حال اجارہ اور دعوی میں بھی ہے، نیز ثقیل قرضہ لیتا ہے اور خفیف واپس کرتا ہے، اور اس کے برعکس، اور مقرض بھی قبول کر لیتا ہے، اس سے ربا کا تحقق لازم آتا ہے؛ کیوں کہ وزن میں تفاوت ہے؛ بلکہ ظاہر ہے کہ سونے میں رتی برابر ہمارے زمانہ میں معیار ہے؛ کیوں کہ سلطان کی طرف سے ڈھالے ہوئے سکوں کے معیار سے اگر رتی برابر کم ہو جائے تو اس پر گرفت کی جاتی ہے، اور زائد کا اعتبار نہیں ہوتا، جیسے ذہب مشخص کہ وہ رتی برابر یا اس سے بھی زائد ہوتا ہے، اور طرفین کے قول میں مذکورہ محظورات کے لازم آنے کی وجہ سے حرج عظیم ہے، اور یہ عرف ان کے عقلوں میں خواہ عالم ہو

یا جاہل، نیک ہو یا بد' سما گیا ہے، اس سے اہل زمانہ کی تفسیق لازم آتی ہے؛ لہٰذا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتوی دینا متعین ہے۔

مذکورہ اختلاف تو ان اشیاء میں ہے جن کے مکیلی یا موزونی ہونے کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے، رہی وہ چیزیں جن کے کیلی یا وزنی ہونے کے سلسلہ میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی، جیسے: چاول، تو تمام حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب ہے کہ اس میں عرف و عادت کا اعتبار ہوگا۔(۱) حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک تمام چیزوں میں اس عرف کا اعتبار ہوگا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اہل حجاز کا تھا، خواہ اس پر نص وارد ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، ان کا استدلال حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الْمِكْيَالُ عَلَى مِكْيَالِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، وَالْوَزْنُ عَلَى وَزْنِ أَهْلِ مَكَّةَ.(۲)

اہل مدینہ کے مکیال اور اہل مکہ کے میزان کا اعتبار کیا جائے گا۔

اور علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَمَا لَا عُرْفَ لَهُ بِالْحِجَازِ يَحْتَمِلُ وَجْهَيْنِ، أَحَدُهُمَا، يُرَدُّ إِلَى أَقْرَبِ الْأَشْيَاءِ شَبَهًا بِهِ بِالْحِجَازِ...وَالثَّانِي، يُعْتَبَرُ عُرْفُهُ فِي مَوْضِعِهِ... وَمَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ عَلَى هَذَيْنِ الْوَجْهَيْنِ.(۳)

اور جن اشیاء میں اہل حجاز کا عرف نہ ہو ان میں دو صورتیں ہیں:

---

(۱) فتح القدیر ۷/۱۶ والفروق للقرافی ۳/۲۶۴ و ۲۶۵

(۲) نسائی، حدیث نمبر: ۴۵۹۴

(۳) المغنی ۴/۱۶

جن چیزوں کا حجاز میں عرف ہے ان میں جس چیز سے اس کو مشابہت ہے اس کے ساتھ لاحق کردیا جائے گا، دوسرا یہ کہ اس جگہ کے عرف کا اعتبار ہوگا، شافعی مذہب میں بھی یہی دوصورتیں ہیں۔

۳۰۵۔آلۂ وزن بدلنے سے قدر کا تغیر

بعض فقہائے احناف کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اتحادِ قدر کا اعتبار اس وقت ہوگا جب کہ دونوں کا آلۂ وزن ایک ہو؛ کیوں کہ فقہاء نے زعفران یا لوہے میں نقود کے عوض بیع سلم کو جائز قرار دیا ہے، حالاں کہ ان میں سے ہر ایک وزنی ہے، اور انہوں نے یہ علت بیان کی ہے کہ نقود کا وزن مثقال اور سنجات سے کیا جاتا ہے، اور زعفران ولوہے کا من سے؛ لہٰذا آلۂ وزن کا اختلاف ان کو متحد فی القدر قرار دینے سے مانع ہے؛ لیکن علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس تعلیل کو ضعیف قرار دیا ہے، اور اس علت کی تصحیح کی ہے کہ اس کے جواز پر اجماع ہے؛ تاکہ سلم کے اکثر دروازے بند نہ ہوجائیں۔ (۱) اس کی تائید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے بھی ہوتی ہے:

مَنْ أَسْلَفَ فِي شَيْءٍ، فَفِي كَيْلٍ مَعْلُومٍ، وَوَزْنٍ مَعْلُومٍ. (۲)

جو شخص کسی چیز میں بیع سلم کرے تو معلوم کیل اور معلوم وزن میں بیع کرے۔

اور اِسلاف عموماً نقود کے عوض ہی ہوتا ہے؛ لہٰذا حدیث میں تمام مکیلات وموزونات کی نقود کے عوض بیع سلم کی اجازت ہے؛ اس لیے یہ موزونات میں حرمتِ نسیہ کے اندر تخصیص ہوگی۔

۳۰۶۔اموال ربویہ میں مجازفہ

فقہاء کا اموال ربویہ میں تفاضل کے عدم جواز کی طرح بدلین یا کسی ایک میں

---

(۱) فتح القدیر ۷/ ۱۴

(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۲۲۴۰

مجازفہ کے ناجائز ہونے پر بھی اتفاق ہے، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَلَوْ بَاعَ بَعْضَهُ بِبَعْضٍ جُزَافًا أَوْ كَانَ جُزَافًا مِنْ أَحَدِ الطَّرَفَيْنِ، لَمْ يَجُزْ. قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ: أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ عَلَى أَنَّ ذَلِكَ غَيْرُ جَائِزٍ إِذَا كَانَا مِنْ صِنْفٍ وَاحِدٍ.(۱)

اگر دونوں چیزوں کا مجازفۃً تبادلہ ہو یا کوئی ایک عوض مجازفۃً فروخت ہوتو یہ ناجائز ہے، علامہ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اگر بدلین صنف واحد ہوں تو عدم جواز پر علماء کا اجماع ہے۔

کیوں کہ تماثل مجہول ہے، جس کی وجہ سے تفاضل کا احتمال ہے، اور ربا کے باب میں شبہہ 'حقیقت کے ساتھ لاحق ہوتا ہے، اس کی دلیل حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الصُّبْرَةِ مِنَ التَّمْرِ، لَا يُعْلَمُ مَكِيلَتُهَا، بِالْكَيْلِ الْمُسَمَّى مِنَ التَّمْرِ.(۲)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھوہارے کے ڈھیر — جس کی مقدار معلوم نہ ہو — کو ان چھوہاروں سے بیچنے کی ممانعت فرمائی ہے جن کی مقدار معلوم ہو۔

نیز اس پر وہ احادیث بھی دلالت کرتی ہیں جن میں مزابنہ اور محاقلہ کی حرمت کا ذکر ہے، مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر لگے ہوئے کھجوروں کا اندازہ کر کے توڑے ہوئے کھجوروں کے عوض فروخت کیا جائے، خواہ ان کا کیل کیا گیا ہو یا مجازفہ سے ہی فروخت کیا گیا ہو، اور محاقلہ بھی اسی طرز پر کھیتیوں میں ہوتا ہے، مثلاً: کٹے ہوئے گیہوں کے عوض کھیت میں لگے ہوئے گیہوں کو فروخت کیا جاتا ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے

(۱) المغنی ۴/ ۱۴

(۲) مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۳۰

ساتھ منقول ہے:

نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُزَابَنَةِ: أَنْ يَبِيعَ ثَمَرَ حَائِطِهِ إِنْ كَانَ نَخْلًا بِتَمْرٍ كَيْلًا، وَإِنْ كَانَ كَرْمًا أَنْ يَبِيعَهُ بِزَبِيبٍ كَيْلًا، وَإِنْ كَانَ زَرْعًا، أَنْ يَبِيعَهُ بِكَيْلِ طَعَامٍ، وَنَهَى عَنْ ذَلِكَ كُلِّهِ. (۱)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا ہے، وہ یہ کہ اپنے باغ کا پھل فروخت کرے کہ اگر کھجور کا درخت ہو تو اس کو چھوہارے کے عوض کیل کر کے فروخت کرے، انگور کا درخت ہو تو کشمش کے عوض کیل کر کے فروخت کرے، کھیت ہو تو غلہ کے عوض کیل کر کے فروخت کرے، ان سب سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

ان معاملات کی ممانعت کی علت یہ ہے کہ درخت پر لگے ہوئے کھجور اور کھیت میں لگے ہوئے ہوئے گیہوں کی مقدار مجہول ہے، یہ اموال ربویہ میں مجازفہ ہے؛ لیکن مزابنہ اسی صورت میں فاسد ہے جب کہ درخت کا پھل توڑے ہوئے پھل ہی کی جنس سے ہو، مثلاً: دونوں رطب ہوں، اگر درخت پر بُسر ہو اور توڑے ہوئے رطب ہوں تو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بحر کے حوالہ سے جواز نقل کیا ہے؛ کیوں کہ دونوں کی جنس مختلف ہے۔ (۲)

۳۰۷۔ دو ہم جنس اشیاء کے مابین تماثل کا ممکن ہونا شرط ہے

اموال ربویہ میں دو ہم جنس اشیاء کے درمیان تماثل کا ممکن ہونا بھی ان کی بیع کے جائز ہونے کے لیے بالاتفاق شرط ہے، اگر تماثل ممکن نہ ہو تو بیع ناجائز ہے، پھر فقہاء کا اختلاف ہے کہ کس چیز میں تماثل ممکن ہے اور کس چیز میں نہیں؟ حنفیہ کے نزدیک

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۲۲۰۵

(۲) رقم: ۳۰۱ کی جانب مراجعت کریں۔

گیہوں کی بیع آٹے یا ستو کے عوض ناجائز ہے، صاحب ہدایہ نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے:

لِأَنَّ الْمُجَانَسَةَ بَاقِيَةٌ مِنْ وَجْهٍ لِأَنَّهُمَا مِنْ أَجْزَاءِ الْحِنْطَةِ وَالْمِعْيَارُ فِيهِمَا الْكَيْلُ، لَكِنَّ الْكَيْلَ غَيْرُ مُسَوٍّ بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ الْحِنْطَةِ لِاكْتِنَازِهِمَا فِيهِ وَتَخَلْخُلِ حَبَّاتِ الْحِنْطَةِ فَلَا يَجُوزُ وَإِنْ كَانَ كَيْلًا بِكَيْلٍ. (۱)

یہاں مجانست من وجہٍ باقی ہے؛ کیوں کہ دونوں گیہوں کے ہی اجزاء ہیں، اور ان دونوں میں معیار کیل ہے؛ لیکن کیل کے ذریعہ تساوی ممکن نہیں ہے؛ اس لیے کہ آٹے اور ستو کے اجزاء آپس میں ملے ہوئے ہوتے ہیں، اور گیہوں کے دانوں کے درمیان خلا ہوتا ہے؛ لہٰذا یہاں کیل کے لحاظ سے برابر ہونے کے باوجود ناجائز ہوگا۔

اور علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت لکھتے ہیں:

وَقَوْلُنَا قَوْلُ الشَّافِعِيِّ فِي الْأَظْهَرِ عَنْهُ، وَسُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَأَحْمَدَ فِي رِوَايَةٍ خِلَافًا لِمَالِكٍ وَأَحْمَدَ فِي أَظْهَرِ قَوْلَيْهِ، لِأَنَّ الدَّقِيقَ نَفْسُ الْحِنْطَةِ فُرِّقَتْ أَجْزَاؤُهَا فَأَشْبَهَ بَيْعَ حِنْطَةٍ صَغِيرَةٍ جِدًّا بِكَبِيرَةٍ جِدًّا، وَمَا ذَكَرْنَاهُ مِنْ عُرُوضِ الْجَهْلِ بِالْمُسَاوَاةِ بِعُرُوضِ الطَّحْنِ يَدْفَعُهُ. وَبَيْعُ النُّخَالَةِ بِالدَّقِيقِ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ، إِلَّا أَنَّ الشَّافِعِيَّ أَجَازَهُ لِأَنَّ النُّخَالَةَ لَيْسَتْ مِنْ أَمْوَالِ الرِّبَا لِأَنَّهَا لَا تُطْعَمُ. (۲)

---

(۱) ہدایہ ۳/ ۶۳

(۲) فتح القدیر ۷/ ۲۳

ہمارے قول کے موافق امام شافعی اور ثوری رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے، جب کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا راجح قول اس کے برخلاف ہے؛ کیوں کہ آٹا گیہوں ہی ہے، جس کے اجزاء الگ الگ کردیے گئے ہیں؛ لہٰذا یہ چھوٹے گیہوں کی بڑے گیہوں کے عوض بیع کی مانند ہے، بھوسے کی آٹے کے عوض فروخت میں بھی اختلاف ہے؛ البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جائز قرار دیا ہے؛ کیوں کہ بھوسہ غیر مطعوم ہونے کی وجہ سے اموال ربویہ میں سے نہیں ہے۔

نیز حنفیہ نے بھنے ہوئے گیہوں کو بنا بھنے ہوئے گیہوں کے عوض بیچنے کو ممنوع قرار دیا ہے؛ کیوں کہ اس میں بھی تماثل ممکن نہیں ہے، ایک کے اجزاء آپس میں ملے ہوئے ہوتے ہیں، اور دوسرے کے دانوں کے درمیان خلا ہوتا ہے۔(۱)

ظاہر ہے کہ اس حکم کی بنیاد گیہوں کے ہمیشہ کیلی ہونے پر ہے، جیسا کہ طرفین رحمۃ اللہ علیہما اور جمہور کا قول ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق اگر عرف بدل جائے، اور آٹا وگیہوں وزنی ہوجائیں، جیسا کہ موجودہ زمانہ میں ہے تو تماثل ممکن ہونے کی وجہ سے مذکورہ معاملات جائز ہوں گے۔

۳۰۸۔تماثل کا اعتبار صرف عقد کے وقت ہوگا یا عقد کے بعد بھی؟

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تماثل کا اعتبار عقد کے وقت ہوگا، اگر عقد کے وقت تماثل ممکن ہو تو بیع جائز ہے، خواہ بعد میں تفاوت ہوجائے، یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تساوی کے ساتھ رطب کی تمر کے عوض فروخت جائز ہے؛ اگرچہ رطب سوکھنے کے بعد گھٹ جاتا ہے؛ اس لیے کہ عقد کے وقت تساوی موجود ہے، ائمہ

(۱) فتح القدیر ۷/ ۲۴

ثلاثہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اس قسم کی بیع ناجائز ہے، خواہ عقد کے وقت برابری ملحوظ ہی کیوں نہ ہو، اسی بنا پر ان حضرات نے رطب کی تمر کے عوض اور ہر رطب کی یابس کے عوض مثلاً: انگور کی کشمش کے عوض فروخت کو ناجائز قرار دیا ہے، علامہ خرقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَلَا يُبَاعُ شَيْءٌ مِنَ الرَّطْبِ بِيَابِسٍ مِنْ جِنْسِهِ إِلَّا الْعَرَايَا. (۱)

عرایا کے علاوہ کوئی تر چیز خشک چیز کے عوض فروخت نہیں کی جاسکتی۔

علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت لکھتے ہیں:

أَرَادَ الرَّطْبَ مِمَّا يَجْرِي فِيهِ الرِّبَا، كَالرُّطَبِ بِالتَّمْرِ، وَالْعِنَبِ بِالزَّبِيبِ، وَاللَّبَنِ بِالْجُبْنِ، وَالْحِنْطَةِ الْمَبْلُولَةِ أَوِ الرَّطْبَةِ بِالْيَابِسَةِ، أَوِ الْمَقْلِيَّةِ بِالنِّيئَةِ، وَنَحْوِ ذٰلِكَ. وَبِهِ قَالَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ، وَسَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ، وَاللَّيْثُ، وَمَالِكٌ، وَالشَّافِعِيُّ، وَإِسْحَاقُ، وَأَبُو يُوسُفَ، وَمُحَمَّدٌ. (۲)

تر سے مراد وہ اشیاء ہیں جن میں ربا جاری ہوتا ہے، جیسے: رطب کی تمر کے عوض، انگور کی کشمش کے عوض، دودھ کی پنیر کے عوض، بھیگے ہوئے یا تر گیہوں کی خشک کے عوض اور بھنے ہوئے کی بنا بھنے ہوئے کے عوض، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سعید بن مسیب، مالک، شافعی، اسحاق اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے۔

ان حضرات کا استدلال حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے:

(۱) المغنی ۴/ ۱۲
(۲) المغنی ۴/ ۱۲

سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْأَلُ عَنْ اشْتِرَاءِ التَّمْرِ بِالرُّطَبِ، فَقَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ: أَيَنْقُصُ الرُّطَبُ إِذَا يَبِسَ، قَالُوا: نَعَمْ، فَنَهَى عَنْ ذَلِكَ. (۱)

میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جب کہ آپ سے تر کھجور کو خشک کھجور کے عوض خریدنے کے متعلق سوال کیا گیا، تو آپ نے اہل حلقہ سے دریافت کیا: کیا تر کھجور خشک ہونے کے بعد گھٹ جاتا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! تو آپ نے اس سے منع فرمایا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ کے مجہول ہونے کی وجہ سے اس حدیث کو معلول قرار دیا ہے، اور حدیث کو صحیح ماننے کی صورت میں اس کو نسیئہ پر محمول کیا ہے، جیسا کہ ابوداؤد (۲) اور سنن بیہقی (۳) کی روایت میں اس کی تصریح ہے:

نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الرُّطَبِ بِالتَّمْرِ نَسِيئَةً.

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تر کھجور کو خشک کھجور کے عوض ادھار بیچنے سے منع فرمایا ہے۔

تکملہ فتح الملہم (۴) میں اس مسئلہ پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

۳۰۹۔ کیا تمام ربوی اشیاء میں تقابض شرط ہے؟

حنفیہ نے نقود اور دیگر کیلی اور وزنی اشیاء کے درمیان یہ فرق بیان کیا ہے کہ کیلی

---

(۱) ترمذی، حدیث نمبر: ۱۲۲۵

(۲) حدیث نمبر: ۳۳۶۰

(۳) حدیث نمبر: ۱۰۵۶۰

(۴) ۷/ ۳۸۳تا۳۸۷

اور موزونی اشیاء کی جب آپس میں فروخت ہو تو بدلین میں سے کسی ایک کا مؤجل ہونا ممنوع ہے، اور اگر بیع حال ہو اور بدلین متعین ہوں تو مجلس میں باہمی قبضہ ضروری نہیں ہے، چنانچہ اگر عاقدین گیہوں کی گیہوں کے عوض خرید وفروخت کریں اور ان میں سے ہر ایک معقود علیہ کو مثلاً اشارہ سے متعین کردے، پھر قبضہ سے قبل وہ دونوں علیحدہ ہوجائیں تو یہ عقد درست ہے، بشرطیکہ تاجیل کی شرط نہ لگائی گئی ہو، اسی طرح غائب کی حاضر کے عوض بیع بھی درست ہے، مثلاً: موجود گیہوں کو متعینہ جو کے عوض فروخت کیا جائے جو کہ مجلس میں نہ ہو، یہ بیع بھی جائز ہے جب کہ تاجیل کی شرط نہ ہو، اور نقود میں یہ جائز نہیں ہے؛ بلکہ مجلس میں باہمی قبضہ ضروری ہے۔

وجہِ فرق یہ ہے کہ اموال ربویہ میں نسیئہ کے عدم جواز کا مقصد یہ ہے کہ مجلس کے اندر بدلین متعین ہوجائیں اور ان میں سے کوئی دین باقی نہ رہے، اور یہ تعیین غیر نقود میں ممکن ہے؛ لہٰذا تعیین کے بعد بیع درست ہوگی؛ اگرچہ بلا کسی شرط قبضہ میں تاخیر ہو، اور نقود حنفیہ کے نزدیک متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے؛ بلکہ قبضہ سے متعین ہوتے ہیں؛ لہٰذا مجلس ہی میں قبضہ ضروری ہے؛ تاکہ بدلین میں سے کوئی دین نہ رہے۔

امام شافعی واحمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک تمام اموال ربویہ میں باہمی قبضہ ضروری ہے، خواہ وہ نقود ہوں یا نہ ہوں۔ (۱) اور مالکیہ کی دونوں روایتیں ہیں، اور تصحیح میں بھی اختلاف ہے۔ (۲) ان کا استدلال حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

الْبُرُّ بِالْبُرِّ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ. (۳)

گیہوں کو گیہوں کے عوض بیچنا سود ہے؛ الاّ یہ کہ ہاتھ در ہاتھ ہو۔

---

(۱) المجموع ۹/ ۴۰۳ والمغنی ۱۰/ ۶۹

(۲) دیکھیں: الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۲۸ وبدایۃ المجتہد ۳/ ۱۵۴

(۳) بخاری، حدیث نمبر: ۲۱۳۴

اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے:

اَلْمِلْحُ بِالْمِلْحِ، مِثْلًا بِمِثْلٍ، سَوَاءً بِسَوَاءٍ، یَدًا بِیَدٍ۔ (۱)

نمک کو نمک کے عوض برابر سرابر، ہاتھ در ہاتھ فروخت کیا جائے۔

حنفیہ کا استدلال مسلم میں مذکور حدیث سے ہی ہے، مکمل حدیث یوں ہے:

إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنْ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةِ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرِّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرِ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرِ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحِ بِالْمِلْحِ، إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ، عَيْنًا بِعَيْنٍ، فَمَنْ زَادَ، أَوِ ازْدَادَ، فَقَدْ أَرْبَى. (۲)

میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: سونا سونے کے عوض، چاندی چاندی کے عوض، گیہوں گیہوں کے عوض، جو جو کے عوض، کھجور کھجور کے عوض اور نمک نمک کے عوض بیچنا ممنوع ہے؛ اِلّا یہ کہ برابر سرابر متعین کر کے فروخت کیا جائے، جو شخص زیادہ دے یا لے تو وہ سودی معاملہ کرنے والا ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد **عَيْنًا بِعَيْنٍ** مجلس کے اندر تعیین کے واجب ہونے کی دلیل ہے، اور یہ ان احادیث کی وضاحت ہے جن میں **یَدًا بِیَدٍ** اور **هَاءَ وَهَاءَ** کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، پس جب نقود کے علاوہ میں اشارہ وغیرہ سے تعیین ممکن ہے تو تعیین کے بعد بیع درست ہوگی، اور نقود میں قبضہ ہی کے ذریعہ تعیین ممکن ہے؛ اس لیے مجلس میں باہمی قبضہ ضروری ہے، علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے مدلل طور پر حنفیہ کا مذہب بیان کیا ہے اور اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ (۳)

---

(۱) مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۸۷

(۲) حوالہ سابق

(۳) فتح القدیر ۷/۱۹

۳۱۰۔ مدعجوہ کا مسئلہ

اگر مبیع دو ربوی مالوں سے مخلوط ہو اور ثمن ربوی مال ہو یا ربوی اور غیر ربوی کے ساتھ مخلوط ہو، تو یہ مسئلہ 'مسئلۂ مدعجوہ کہلاتا ہے، اس کی بہت سی صورتیں ہیں، مشہور صورت یہ ہے کہ مبیع ایک مدِ عجوہ کھجور اور ایک درہم ہو، اور ثمن دو دراہم ہوں، اسی صورت کی بنا پر مسئلہ کا نام مدعجوہ پڑ گیا۔

لیکن یہاں تین ملتے جلتے مسائل ہیں جن میں سے ہر ایک کا حکم مذاہب اربعہ میں الگ الگ ہے، ہم مستقل طور پر ان تین مسائل کا ذکر کریں گے اور ائمہ مذاہب کے اقوال بھی ذکر کریں گے۔

پہلا مسئلہ

اگر دو ربوی اموال کو صفقۂ واحدہ میں جمع کرلیا جائے اور ان کی بیع دوسرے ربوی مال کے عوض ہو، مثلاً مبیع ایک مد کھجور کو ایک درہم کے ساتھ ملالیا جائے اور ثمن دو درہم ہوں تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ بیع ناجائز ہے؛ الَّا یہ کہ دو الگ صفقوں میں درہم اور کھجور کی بیع کی جائے، مثلاً کھجور کی بیع ایک درہم کے عوض اور ایک درہم کی بیع باقی ایک درہم کے عوض ہو، ان دونوں میں سے ہر ایک قدر کے لحاظ سے مساوی ہو اور دو مستقل صفقے ہوں، اس حکم میں مالکیہ اور حنابلہ بھی شافعیہ کے ساتھ ہیں۔(۱)

حنفیہ کے نزدیک یہ بیع جائز ہے، اور یہ مانا جائے گا کہ کھجور کا ثمن ایک درہم اور ایک درہم کا ثمن باقی ایک درہم ہے، اس طرح عقد درست ہوجائے گا۔

دوسرا مسئلہ

مبیع ایسی ربوی چیز ہو جو غیر ربوی شئ سے مرکب ہو، اس طور پر کہ وہ مرکب چیز شئ واحد بن گئی ہو، مثلاً: سونے کے زیورات میں نگینے جڑے ہوئے ہوں یا کوئی اور کشیدہ کاری ہو، اور ثمن سونے کی جنس سے ہو، تو سونے کے دینار یا خالص سونے کے عوض

---

(۱) المغنی ۴/۲۸

ان کی بیع ناجائز ہے، بیع تبھی جائز ہوگی جب کہ سونے کے زیور اور اس میں جڑی ہوئی چیز کو الگ کر دیا جائے، یہ شوافع کے نزدیک ہے؛ لہٰذا بیع دو صفقوں میں ہوگی، پہلا صفقہ مرکب سونے کا خالص سونے کے عوض وزن کی مماثلت کے ساتھ، اور دوسرا صفقہ نگینہ وغیرہ کا باقی سونے کے عوض، یا کسی دوسری شئ کے عوض جب کہ پہلے صفقہ میں تماثل کے بعد سونا باقی نہ رہا ہو۔

یہ حکم شوافع اور حنابلہ کے نزدیک عام ہے، خواہ زیورات کو الگ کرنا کسی نفقہ یا مؤنت کے بغیر ممکن ہو یا نہ ہو، اس لحاظ سے ان کے نزدیک پہلے اور دوسرے مسئلہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مالکیہ کا مذہب

مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر سونا نگینہ وغیرہ کے تابع ہو یا نگینہ سونے کے تابع ہو تو سونے کی جنس کے علاوہ کے عوض صفقۂ واحدہ میں بیع درست ہے، مثلاً چاندی کے عوض فروخت کیا جائے، اور سونے کے عوض اسی صورت میں فروختگی جائز ہے جب کہ سونے کو الگ کر کے دو صفقوں میں عقد کیا جائے؛ البتہ اگر سونا دوسری چیز کے ساتھ اس طرح ڈھالا ہوا ہو کہ اس کو نکالنے کی وجہ سے وہ چیز خراب ہو جائے گی یا مؤنت آئے گی، اور شریعت میں اس کا بنوانا جائز ہو، مثلاً عورتوں کے زیورات، تلوار اور انگوٹھی کا زیور، اور سونا اس میں تلوار یا زیور یا انگوٹھی کے تابع ہو تو دینار کے عوض فروختگی جائز ہے؛ کیوں کہ شارع نے اس کا زیور بنانے کی اجازت دی ہے، اور اس کے نکالنے میں مشقت ہے، اور یہ قلیل تابع ہے، اور عقود میں تابع چیزیں مقصود نہیں ہوتیں۔

یہ تفصیل علامہ ابی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے (۱) ذکر کی ہے، پھر تابع کے سلسلہ میں اختلاف نقل کیا ہے، کہ یہ ثلث یا اس سے کم یا نصف ہے، اور علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے ثلث کا قول ذکر کیا ہے، اور قیمت سے اس کا اعتبار کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

(۱) اکمال اکمال المعلم ۴/ ۲۷۲

مَنِ اشْتَرَى مُصْحَفًا أَوْ سَيْفًا أَوْ خَاتَمًا وَفِي شَيْءٍ مِنْ ذَٰلِكَ ذَهَبٌ أَوْ فِضَّةٌ بِدَنَانِيرَ أَوْ دَرَاهِمَ فَإِنَّ مَا اشْتُرِيَ مِنْ ذَٰلِكَ وَفِيهِ الذَّهَبُ بِدَنَانِيرَ فَإِنَّهُ يُنْظَرُ إِلَى قِيمَتِهِ فَإِنْ كَانَتْ قِيمَةُ ذَٰلِكَ الثُّلُثَيْنِ وَقِيمَةُ مَا فِيهِ مِنَ الذَّهَبِ الثُّلُثَ فَذَٰلِكَ جَائِزٌ لَا بَأْسَ بِهِ... وَلَمْ يَزَلْ ذَٰلِكَ مِنْ أَمْرِ النَّاسِ عِنْدَنَا.(۱)

جو شخص قرآن کریم یا تلوار یا انگوٹھی خریدے اور اس میں سونا یا چاندی جڑی ہوئی ہو، اور ثمن دینار یا درہم ہوں تو اگر سونا جڑا ہوا ہو اور دینار کے عوض خریدے تو قیمت دیکھی جائے گی، اگر دو ثلث قیمت ہو اور سونے کی قیمت ایک ثلث ہو تو یہ جائز ہے، اور ہمارے یہاں لوگوں کا یہی معمول رہا ہے۔

غرض مالکیہ کے نزدیک پہلے اور دوسرے مسئلہ میں فرق ہے، پہلے مسئلہ یعنی مد عجوہ میں مد اور درہم کے درمیان دو صفقے ضروری ہیں، اور دوسرے مسئلہ یعنی زیورات کی بیع میں انہوں نے سونے کے زیورات کو سونے کے عوض بیچنے کی اجازت دی ہے جب کہ تابع ثلث سے زائد نہ ہو۔

حنفیہ کا مذہب

حنفیہ کے نزدیک دونوں مسئلوں میں عقد کو درست قرار دینے کے لیے ہر جنس کو اس کے خلاف جنس کا ثمن مانا جائے گا، مد عجوہ کے مسئلہ میں مدٗ درہم کے مقابل ہوگا، اور درہمٗ درہم کے مقابل؛ لہٰذا عقد درست ہے، اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ مفرد کی مقدار مقرون سے زائد ہو، جیسا کہ مذکورہ مثال میں دو درہم ایک درہم سے زائد ہیں، اگر مفرد کی مقدار کم یا مساوی ہو، مثلاً مد عجوہ اور ایک درہم کی بیع نصف درہم سے کی جائے

(۱)　الاستذکار ۶/ ۳۶۰

تو تماثل نہ ہونے کی وجہ سے بیع ناجائز ہے، اور اگر مد عجوہ اور درہم کی ایک درہم کے عوض بیع کی جائے تو یہ بھی فاسد ہے؛ اس لیے کہ درہم تو درہم کے مقابل ہے اور مد عجوہ کے عوض کچھ نہیں ہے۔

اسی طرح اگر مفرد سونا مرکب سونے سے زائد ہو تو عقد درست ہے، اور زائد مفرد سونا تلوار وغیرہ کے مقابلہ میں ہوگا، اس سے بقدرِ امکان عقد درست ہو جائے گا اور تبادلہ میں تفاضل کا بھی تحقق نہ ہوگا، اور اگر مفرد سونا مرکب سونے کے مساوی یا کم ہو تو بیع فاسد ہے، اقل ہونے کی صورت میں فساد ظاہر ہے کہ تفاضل ہے، اور تساوی کی صورت میں اس لیے کہ سونے کے علاوہ چیز بلا عوض رہی، اور اگر مرکب کی مقدار معلوم نہ ہو تب بھی بیع فاسد ہے؛ اس لیے کہ ربوی اموال میں قدر کا مجہول ہونا شبہہ تفاضل کی وجہ سے مفسدِ عقد ہے۔(۱) یہ قول امام شعبی، نخعی، حماد اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم سے منقول ہے۔(۲)

شافعیہ کی دلیل

شوافع کا استدلال حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے جس کی تخریج امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

أُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِخَيْبَرَ بِقِلَادَةٍ فِيهَا خَرَزٌ وَذَهَبٌ، وَهِيَ مِنَ الْمَغَانِمِ تُبَاعُ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالذَّهَبِ الَّذِي فِي الْقِلَادَةِ فَنُزِعَ وَحْدَهُ، ثُمَّ قَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَزْنًا بِوَزْنٍ.(۳)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر میں تشریف فرما تھے، آپ کے پاس

---

(۱) المبسوط ۱۴/۵

(۲) المغنی ۴/۲۹

(۳) مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۹۱

ایک ہار لایا گیا جس میں سونا اور موتیاں تھیں، وہ مال غنیمت میں ملا تھا اور اسے فروخت کیا جارہا تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے ہار کے سونے کو علاحدہ کرنے کا حکم دیا، پھر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: سونا سونے کے عوض وزن کر کے فروخت کیا جائے۔

مذکورہ دلیل کا جواب

حنفیہ نے اس استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ یہی حدیث حضرت حنش صنعانی رحمۃ اللہ علیہ کی طریق سے یوں مروی ہے:

اشْتَرَيْتُ يَوْمَ خَيْبَرَ قِلَادَةً بِاثْنَيْ عَشَرَ دِينَارًا، فِيهَا ذَهَبٌ وَخَرَزٌ، فَفَصَّلْتُهَا، فَوَجَدْتُ فِيهَا أَكْثَرَ مِنِ اثْنَيْ عَشَرَ دِينَارًا، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: لَا تُبَاعُ حَتَّى تُفَصَّلَ. (۱)

میں نے خیبر کے دن ایک ہار بارہ دینار میں خریدا، اس میں سونا اور موتیاں تھیں، میں نے موتیاں الگ کیں تو سونا بارہ دینار سے زائد پایا، میں نے نبی ﷺ کے سامنے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ہار کو سونا علاحدہ کر کے ہی فروخت کیا جائے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قلادہ کا ثمن قلادہ کے سونے سے کم تھا، اور یہ صورت بالاتفاق ممنوع ہے، اور رہا حضور ﷺ کا یہ کہنا: لَا تُبَاعُ حَتَّى تُفَصَّلَ. تو ممکن ہے کہ یہ خاص اسی صورت میں ہو؛ اس لیے کہ حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ کو قلادہ کے سونے کی مقدار معلوم نہ تھی، اور مذکورہ روایت کے مطابق یہی واقعہ ہے، اور اس کو ارشاد پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے نہ کہ تشریع پر؛ کیوں کہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ عوام معاملات میں ان دقیق فروق

(۱) حوالہ سابق

کا لحاظ رکھیں؛ اس لیے اس طرح معاملہ کرنے کی ہدایت دی؛ تاکہ تفاضل کا اندیشہ نہ رہے۔

حنفیہ نے صحابہ اور تابعین کے متعدد آثار سے بھی استدلال کیا ہے جن کا ذکر میں نے تکملۂ فتح الملہم (۱) میں کر دیا ہے، مجمع الفقہ الاسلامی سے حنفیہ کے مذہب کے موافق قرار داد پاس ہوئی ہے، اس کی عبارت ہے:

> تجوز المبادلة بين مقدار من الذهب ومقدار آخر أقل منه مضموم إليه جنس آخر، وذلك على اعتبار أن الزيادة في أحد العوضين مقابلة بالجنس الآخر في العوض الثاني. (۲)
>
> سونے کی ایک مقدار کو اس سے کم مقدار کے عوض فروخت کرنا کہ جس کے ساتھ کوئی دوسری جنس ملی ہوئی ہو جائز ہے، اور یہ مانا جائے گا کہ ایک عوض میں زائد مقدار دوسرے عوض کی دوسری جنس کے عوض ہے۔

تیسرا مسئلہ

غلام کو اس کے مال کے ساتھ خریدا جائے، اس سلسلہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے:

> مَنِ ابْتَاعَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ، فَمَالُهُ لِلَّذِي بَاعَهُ، إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ. (۳)
>
> جو شخص کوئی غلام خریدے جس کے پاس مال ہو، تو اس کا مال بائع کے لیے ہوگا؛ الّا یہ کہ مشتری مال کی شرط لگائے۔

---

(۱) ۷/ ۵۶۱و۵۶۲

(۲) مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی ۹/ ۲۵۶

(۳) بخاری، حدیث نمبر: ۲۳۷۹

حدیث میں استثناء اس بات کی دلیل ہے کہ غلام کے خریدار کے لیے یہ شرط لگانا جائز ہے کہ غلام کے پاس موجود مال بھی بیع میں داخل ہوگا، اور اس صورت میں غلام اور مال دونوں کی بیع ہوگی۔

شافعیہ اور حنفیہ کا مذہب

شوافع اور احناف نے اس مسئلہ میں بھی مدعجوہ کے ضابطہ کو ملحوظ رکھا ہے، اور اس میں بھی ان کا وہی اختلاف ہے، شافعیہ کہتے ہیں: اگر غلام کا مال نقود کی قبیل سے ہو تو یہ بیع جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ مال ربوی ہے، جس کو غیر ربوی یعنی غلام کے ساتھ ملالیا گیا ہے، اور بیع ان کے مجموعہ پر ان نقود کے عوض واقع ہوئی ہے جو کہ ربوی ہیں؛ لہٰذا یہ مدعجوہ کے مسئلہ کی مانند ہوگیا، پس دو صفقوں میں ہی بیع کی اجازت ہوگی، اور ثمن کے نقود غلام کے نقود کے مساوی ہوں گے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث مال کے غیر ربوی ہونے کی صورت پر محمول ہے۔(۱)

اور حنفیہ کہتے ہیں: اگر غلام کے نقود سے ثمن کے نقود زائد ہوں تو بیع جائز ہے، اور غلام کے نقود کے مقابل ثمن کے نقود ہوں گے، اور باقی نقود ثمن غلام کے مقابل ہوں گے، ثمن کے نقود کی مقدار اقل یا مساوی ہونے کی صورت میں بیع درست نہ ہوگی۔

مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب

مالکیہ اور حنابلہ کی رائے اس مسئلہ میں سابقہ دو مسئلوں سے الگ ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: غلام کی بیع اور اس کے مال کی شرط بہر حال جائز ہے، خواہ غلام کی قیمت غلام کے پاس موجود نقود سے اقل ہو، ان کی عبارت ہے:

الْأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا، أَنَّ الْمُبْتَاعَ إِنِ اشْتَرَطَ مَالَ الْعَبْدِ، فَهُوَ لَهُ. نَقْداً كَانَ، أَوْ دَيْناً، أَوْ عَرْضاً. يُعْلَمُ، أَوْ لاَ يُعْلَمُ. وَإِنْ كَانَ لِلْعَبْدِ مِنَ الْمَالِ أَكْثَرُ

(۱) فتح الباری ۵/۵۱

مِمَّا اشْتُرِيَ بِهِ، كَانَ ثَمَنُهُ نَقْداً، أَوْ دَيْناً، أَوْ عَرْضاً.(۱)

ہمارے یہاں متفق علیہ مسئلہ ہے کہ مشتری اگر غلام کے مال کی شرط لگائے تو وہ اسی کا ہوگا، نقد ہو، یا دین، یا عرض، معلوم ہو یا مجہول؛ اگرچہ غلام کا مال غلام کے ثمن سے زائد ہو، اور ثمن خواہ نقد ہو یا دین یا عرض۔

اس قول کی بنیاد ان کے اس مذہب پر ہے کہ غلام مال کا مالک ہوتا ہے؛ اگرچہ مولیٰ کو لے لینے کا حق ہے، علامہ باجی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

يُرِيدُ أَنَّ اشْتِرَاطَ الْمُبْتَاعِ هَذَا الْمَالَ لَا يُفْسِدُ الْعَقْدَ بِأَنْ يَكُونَ الْمَالُ الْمُشْتَرَطُ عَيْنًا أَكْثَرَ مِمَّا اُشْتُرِيَ بِهِ مِنَ الْعَيْنِ أَوْ يَكُونَ دَيْنًا مُؤَجَّلًا فَيُشْتَرَى بِالدَّيْنِ أَوْ بِالنَّقْدِ أَوْ يَكُونَ الْمُشْتَرَطُ مِنَ الْمَالِ مَجْهُولًا عِنْدَ الْمُتَبَايِعَيْنِ أَوْ أَحَدِهِمَا؛ لِأَنَّ مَا اُشْتُرِطَ مِنْ ذَلِكَ لَيْسَ بِعِوَضٍ فِي الْبَيْعِ فَيُؤَثِّرُ فِيهِ الْفَسَادَ بِشَيْءٍ مِمَّا ذَكَرْنَاهُ؛ لِأَنَّ الْمُبْتَاعَ لَمْ يَشْتَرِطْهُ لِنَفْسِهِ، وَإِنَّمَا اشْتَرَطَ بَقَاءَهُ عَلَى مِلْكِ الْعَبْدِ فَلَيْسَ بِعِوَضٍ فِي الْبَيْعِ. (۲)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہ ہے کہ مشتری کا یہ مال خریدنا مفسدِ عقد نہیں ہے، خواہ مشروط مال عین ہو اور غلام کے ثمن عین سے زائد ہو، یا وہ دین مؤجل ہو اور دین کے عوض خریدا جائے یا نقد کے عوض، یا مشروط مال عاقدین یا کسی ایک کے نزدیک مجہول

---

(۱) مؤطا امام مالک، حدیث نمبر: ۲۲۶۵

(۲) المنتقی ۴/ ۱۷۲

ہو؛ کیوں کہ مشروط مال بطورِ عوض نہیں ہے کہ مذکورہ اسباب کی وجہ سے اس میں فساد در آئے؛ کیوں کہ مشتری نے اپنے لیے شرط نہیں لگائی؛ بلکہ صرف مال کے غلام کی زیر ملکیت رہنے کی شرط لگائی ہے؛ لہٰذا یہ بطورِ عوض نہ ہوگا۔

حنابلہ کا مذہب بھی اسی کے قریب ہے، انہوں نے یہ بیع جائز قرار دی ہے جب کہ مشتری کا مقصود غلام ہو نہ کہ مال، اور مال کی شرط تبعاً ہو، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

إِذَا بَاعَ عَبْدًا بِأَلْفِ دِرْهَمٍ، وَمَعَهُ أَلْفُ دِرْهَمٍ، فَالْبَيْعُ جَائِزٌ إِذَا كَانَتْ رَغْبَةُ الْمُبْتَاعِ فِي الْعَبْدِ لَا فِي الدَّرَاهِمِ، وَذٰلِكَ لِأَنَّهُ دَخَلَ فِي الْبَيْعِ تَبَعًا غَيْرَ مَقْصُودٍ... فَأَمَّا إِنْ كَانَ الْمَالُ مَقْصُودًا بِالشِّرَاءِ، جَازَ اشْتِرَاطُهُ إِذَا وُجِدَتْ فِيهِ شَرَائِطُ الْبَيْعِ، مِنَ الْعِلْمِ بِهِ، وَأَنْ لَا يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الثَّمَنِ رِبًا.(۱)

غلام کے پاس ایک ہزار درہم تھے، اور غلام کو ایک ہزار درہم کے عوض فروخت کیا تو بیع جائز ہے، بشرطیکہ مشتری کی رغبت غلام میں ہو نہ کہ مال میں؛ اس لیے کہ مال بیع میں تبعاً داخل ہے مقصود نہیں ہے، اور اگر مال ہی مقصود ہو تو شرط لگانا جائز ہے، اور بیع کی شرائط کی رعایت ضروری ہوگی، مثلاً مال معلوم ہو اور ربا کا تحقق نہ ہو۔

مالکیہ اور حنابلہ کے مذہب میں فرق

مالکیہ اور حنابلہ کے مذہب میں فرق یہ ہے کہ مالکیہ نے اس مسئلہ کی تخریج غلام کے مال کے مالک ہونے پر کی ہے، یہی وجہ ہے کہ آقا پر اس کی زکوۃ واجب نہیں ہوتی،

(۱) المغنی ۴/ ۱۳۰

گویا مشتری نے اپنے لیے شرط نہیں لگائی؛ بلکہ غلام کے مال کے مالک رہنے کی شرط لگائی ہے، جیسا کہ وہ بیع سے قبل مالک تھا؛ لہٰذا اس کے مال کے عوض حصہ ثمن نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا ذکر یوں کیا ہے:

وَكَأَنَّهُ لَا حِصَّةَ لِلْمَالِ مِنَ الثَّمَنِ. (۱)

گویا مال کا ثمن میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

اور اس سے زیادہ صریح علامہ باجی رحمۃ اللہ علیہ کی گزشتہ عبارت ہے۔

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جواز بیع کی بنیاد غلام کے مال کے مالک ہونے پر نہیں رکھی ہے؛ بلکہ غلام کے مقصود بالبیع ہونے پر رکھی ہے، اور مال غلام کا تابع ہے؛ اسی لیے اگر مال مقصود ہو تو بیع کے تمام شرائط کی رعایت کو لازم قرار دیا ہے، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی صراحت کی ہے، اور ان لوگوں کی تردید کی ہے جنہوں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی اساس کو ہی امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی اساس قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

هَذَا خِلَافُ نَصِّ أَحْمَدَ وَقَوْلِ الْخِرَقِيِّ، لِأَنَّهُمَا جَعَلَا الشَّرْطَ الَّذِي يَخْتَلِفُ الْحُكْمُ بِهِ قَصْدَ الْمُشْتَرِي دُونَ غَيْرِهِ، وَهُوَ أَصَحُّ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى، وَاحْتِمَالُ الْجَهَالَةِ فِيهِ لِكَوْنِهِ غَيْرَ مَقْصُودٍ، كَمَا ذَكَرْنَا، كَاللَّبَنِ فِي ضَرْعِ الشَّاةِ الْمَبِيعَةِ، وَالْحَمْلِ فِي بَطْنِهَا، وَالصُّوفِ عَلَى ظَهْرِهَا، وَأَشْبَاهِ ذَلِكَ، فَإِنَّهُ مَبِيعٌ. (۲)

یہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح اور علامہ خرقی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے خلاف ہے؛ اس لیے کہ ان دونوں نے مشتری کے قصد وعدم قصد پر حکم

(۱) شرح نووی علی مسلم ۱۰ / ۱۹۲

(۲) المغنی ۴ / ۱۳۰

کے مختلف ہونے کا مدار رکھا ہے، یہی اصح ہے، اور اس میں
جہالت کا تحمل اس کے غیر مقصود ہونے کی وجہ سے ہی کیا گیا
ہے، جیسے مبیع بکری کے ثمن میں دودھ، پیٹ میں حمل اور پیٹھ پر
اون وغیرہ؛ کیوں کہ یہ مبیع ہے۔

مقصود اور غیر مقصود میں امتیاز

مقصود بالشراء کی معرفت کے سلسلہ میں شیخ محمد بن صالح عثیمین رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر عمدہ کلام کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

ہمیں کیسے معلوم ہو کہ مشتری کا مقصد غلام ہے یا مال؟ ہمیں
قرائن سے اس کا علم ہو سکتا ہے، اگر مشتری کو خادم کی ضرورت
ہو اور وہ کسی مملوک غلام کی تلاش میں ہو؛ تا کہ وہ اس کا خادم بن
سکے؛ لیکن اس نے تبعاً اس کے مال کی بھی شرط لگائی؛ اس لیے
کہ اس کو یہ بات پسند تھی کہ غلام کو سابقہ تصرفات پر برقرار
رکھے؛ کیوں کہ بائع اول کا غلام کا مال لے لینا بسا اوقات غلام
پر گراں گزرتا ہے، چنانچہ غلام کی راحت کی خاطر اس نے
تبعاً اس کے مال کی بھی شرط لگائی، ایسی صورت میں مال کا معلوم
ہونا شرط نہیں ہے، اور نہ تفاضل سے احتیاط ضروری ہے، نہ کوئی
اور شرط، پھر اگر مشتری سے کہا جائے: تم نے تبعاً مال کی شرط
لگائی ہے تو کیا تمہیں مال کی مقدار معلوم ہے؟ اور وہ کہے: مجھے
نہیں معلوم، میرا مقصود تو غلام ہے نہ کہ مال، ہم کہیں گے: مال کا
مجہول ہونا غیر مضر ہے؛ کیوں کہ مقصود غلام ہے؛ لیکن اگر
مشتری مال ہی کو مقصود قرار دے، اور کہے کہ میں نے غلام کو
فلاں جگہ تجارت کرتے دیکھا تھا، اور اس کو اس میں اچھا نفع بھی

ہوا تھا، تو ہم کہیں گے: اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے، جب مال تمہارا مقصود ہے تو سارا مال الگ کرنا ضروری ہے، حتی کہ گندھک کا کھلونا، اور یہاں تفاضل سے اجتناب بھی ضروری ہے؛ لہٰذا مال اور غلام دونوں کے لیے مستقل عقد کیا جائے گا؛ تا کہ مدعجوہ کے مسئلہ سے اعتراض نہ کیا جاسکے، اور مبیع کا مشاہد ومعلوم ہونا بھی لازم ہے، غرض یہ کہ بیع کی تمام شرائط ملحوظ رکھنی ہوں گی۔(۱)

اس مسئلہ پر ایسی شئ کو قیاس کیا جاسکتا ہے جو متعدد چیزوں سے مرکب ہو جن میں سے بعض ربوی اور بعض غیر ربوی ہوں۔

۱۱۳۔ نقود و دیون پر مشتمل شیئرز کی بیع

اسی بنیاد پر تجارتی کمپنی کے شیئرز کی بیع کے حکم کی بھی تخریج ہوگی؛ اس لیے کہ شیئرز کمپنی کی تمام مملوکہ اشیاء میں حصۂ مشاع کی نمائندگی کرتے ہیں، اور ان اشیاء میں بعض اعیان ہیں، بعض نقود اور بعض دیون بھی، غرض ہر شیئر اعیان، نقود اور دیون میں حصۂ مشاع سے مرکب ہے۔(۲) اعیان، جیسے: عمارت، فرنیچر اور سامان وغیرہ، ان کی بیع مطلقاً جائز ہے؛ لیکن نقود خواہ معدنی ہوں یا ورقی ان میں تفاضل ناجائز ہے، جیسا کہ بیع صرف کی بحث (۳) میں اس کی تحقیق آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ؛ لہٰذا شیئر۔ جو کہ ایسی چیزوں سے مرکب ہے جن میں بعض میں تفاضل جائز ہے اور بعض میں ناجائز۔ کی بیع پر مدعجوہ کے مسئلہ میں مذکور ضابطہ منطبق ہوگا، شافعیہ کے قول کا تقاضہ یہ ہے کہ شیئر کی بیع بالکل جائز نہ ہو، حتی کہ اعیان کو نقود اور دیون سے الگ کرلیا جائے، اور شیئرز کمپنیوں میں

---

(۱) الشرح الممتع علی زاد المستقنع ۹/ ۴۶ و ۴۷

(۲) مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی ۷/ ۴۱۹

(۳) رقم: ۳۲۶

یہ محال ہے، حنفیہ کے نزدیک شیئرز کی بیع درست ہے، بشرطیکہ شیئر کا ثمن ان نقود و دیون سے زائد ہو جس کی شیئر نمائندگی کر رہا ہے، اگر ثمن کم یا برابر ہو تو بیع درست نہ ہوگی۔

مثلاً: اگر کمپنی کے پاس ایک ملین ڈالر کی قیمت کے سامان ہوں، اور نقود و دیون کی مجموعی تعداد بھی ایک ملین ہو تو تمام مملوکہ اشیاء کی قیمت دو ملین ڈالر ہوئی، اور کمپنی نے ایک ملین شیئر جاری کیے تو ہر شیئر دو ڈالر کا نمائندہ ہے، ایک ڈالر اعیان کی قیمت کا اور دوسرا ڈالر نقود و دیون کا نمائندہ ہے، تو اس شیئر کی بیع اگر ایک ڈالر سے کم میں کی جائے تو یہ ناجائز ہے؛ کیوں کہ یہ ڈالر کی ڈالر سے کم کے عوض بیع ہے جو کہ ربا ہے، اسی طرح اگر ثمن ایک ڈالر ہو تو ڈالر تو ڈالر کے مقابل ہے اور باقی اعیان بلا عوض ہوں گے، یہ بھی ناجائز ہے؛ لیکن ایک ڈالر سے زائد کے عوض بیع درست ہوگی، مثلاً بیع ڈیڑھ ڈالر کے عوض کی جائے تو ایک ڈالر نقود و دیون کے حصہ کے مقابل ہوگا اور آدھا اعیان کے حصہ کے مقابل۔

شیئرز کی بیع میں تقابض

رہی ڈالر کی ڈالر کے عوض بیع میں باہمی قبضہ کی شرط تو وہ بائع کی طرف سے فعلاً متحقق ہو جاتی ہے، اس طور پر کہ وہ ثمن کے ڈالر پر قبضہ کر لیتا ہے، اور مشتری کے قبضہ کی توجیہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے (۱) یہ کی ہے کہ مشتری کی جانب سے بائع کو دیا جانے والا ڈالر قرض ہوگا، پھر بائع اس قرض کی وصول یابی کے لیے کمپنی پر احالہ کرتا ہے، اور شیئر سرٹیفکٹ کے لے لینے سے بھی قبضہ ہو جاتا ہے، اس کی تخریج اس اساس پر بھی کی جا سکتی ہے کہ مشتری جب سرٹیفکٹ وصول کرتا ہے تو چوں کہ اس سے کمپنی میں موجود اعیان و نقود کی نمائندگی ہوتی ہے؛ اس لیے وہ سرٹیفکٹ لینے سے قبضہ بھی متحقق ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ نقود کی مقدار فی الفور اس کے حصہ میں مقید کر دی گئی ہے، اور بیع صرف کی بحث میں آئے گا کہ کسی کے اکاؤنٹ میں رقم بھیج دینا قبضہ شمار کیا

(۱) امداد الفتاوی ۸/۸۶

شمار کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ اس میں تاخیر نہ ہو؛ بلکہ فی الفور ہو۔

یہ تفصیل اس صورت میں ہے جب کہ کمپنی میں موجود نقود کی جنس سے ہی ثمن ہو، اگر ثمن کی جنس مختلف ہو، مثلاً کمپنی کے نقود ڈالر کی شکل میں ہوں اور ثمن پاکستانی روپے ہوں، یا اس کے برعکس، تو کسی ایک بدل پر قبضہ کافی ہوسکتا ہے، دونوں پر قبضہ شرط نہیں ہے، جیسا کہ نقدی اوراق کی تکییف کے سلسلہ میں تیسرے موقف (۱) کے تحت اس کا بیان آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مالکیہ اور حنابلہ کے قول پر شیئرز کی بیع کی تخریج

مالکیہ کے قول کے مطابق اگر شیئرز کے مسئلہ کی تخریج مدعوہ کے مسئلہ پر کی جائے تو ان کے نزدیک بھی یہ بیع ناجائز ہوگی، اور نقود واعیان کو الگ کرنا ضروری ہوگا، اور اگر سیف محلّٰی کے مسئلہ پر تخریج کی جائے تو یہ بیع جائز ہوگی، بشرطیکہ نقود ودیون ثلث کے بقدر قلیل ہوں، اور ان کا الگ کرنا دشوار ہو، جیسا کہ شیئر کی بیع میں اعیان کو دیون سے الگ کرنا محال ہوتا ہے۔

بعض معاصرین نے تیسرے مسئلہ یعنی غلام مع مالہ کی بیع میں مالکیہ کے مذہب پر شیئرز کی بیع کی تخریج کی ہے؛ لیکن یہ تخریج محل نظر ہے؛ اس لیے کہ غلام کی مع مال فروختگی کی بنیاد غلام کے مال کے مالک ہونے پر ہے، گویا کہ مال بیع میں داخل ہی نہیں ہے، اور غلام کے ثمن کا کوئی حصہ اس کے مقابل نہیں ہے، جیسا کہ ہم علامہ باجی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کرچکے ہیں۔

ہاں! حنابلہ کے قول کے مطابق غلام کے مسئلہ پر اس کی تخریج کی جاسکتی ہے؛ کیوں کہ انہوں نے تابع ہونے کی بنیاد پر اس کو جائز قرار دیا ہے، مطلب یہ کہ مشتری کے لیے مال کی شرط لگانا جائز ہے، خواہ ثمن اس کے مال کی جنس سے ہو یا نہ ہو، مساوی ہو یا اقل ہو یا اکثر؛ کیوں کہ وہ تابع ہے، شافعیہ اور حنفیہ کے نزدیک تو مدعوہ ہی پر تخریج

---

(۱) رقم: ۳۲۶

ہوگی؛ لہٰذا ربا کے عدمِ تحقق کی شرط کے ساتھ جائز ہوگا۔

شیئرز کی بیع میں ایک شرط

اکثر ہم عصر علماء نے شیئرز کی بیع کی اس شرط کے ساتھ اجازت دی ہے کہ نقود ودیون اعیان کے تابع ہوں، یہ شرط حنابلہ کے مذہب کے مطابق درست ہے، بشرطیکہ اعیان ہی مقصود ہوں، جیسا کہ شیخ عثیمن رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے آچکا ہے، پھر بعض نے تابع ہونے کی یہ تحدید کی ہے کہ اعیان اور منافع کا تناسب غالب ہو(۱) مجمع الفقہ الاسلامی سے اسی کے مطابق سندات مقارضہ اور سندات استثمار کے سلسلہ میں قرار دادیں پاس ہوئی ہیں، اگر اس مقدار سے بھی تناسب کم ہو تو اس کو اگلے سمینار تک مؤخر کیا گیا اور اس کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی؛ لیکن پھر اس تعلق سے سمینار نہیں ہوسکا؛ لیکن اصل قرار داد سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر ۵۱ رفیصد سے کم اعیان ومنافع کا تناسب ہوتو شیئرز کی خرید وفروخت میں بیع صرف کی شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے؛ کیوں کہ جو نقود ودیون مملوکہ اشیاء کے نصف سے زائد ہوں وہ اعیان کے تابع نہیں ہوسکتے۔

لیکن اگر اس قرار داد کی تخریج غلام مع مال کے مسئلہ پر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق کی جائے تو ان کا مختار مذہب یہ ہے کہ جواز کے لیے غلام کی قیمت کا زائد ہونا شرط نہیں ہے؛ بلکہ صحیح مذہب یہ ہے کہ مقصود غلام کی بیع ہو اور مال تابع ہو، خواہ مال قلیل ہو یا زائد، اسی بنیاد پر بعض معاصرین نے شیئرز کی بیع کی بہر صورت اجازت دی ہے، خواہ تناسب اقل ہو یا اکثر۔

حنفیہ کا اصل مذہب یہ ہے کہ ثمن ان نقود ودیون سے کم نہ ہو جس کی شیئر نمائندگی کررہا ہے، جیسا کہ ہم سابق میں بیان کرچکے ہیں، اس حکم میں احناف کے نزدیک اعیان کا کوئی متعینہ تناسب نہیں ہے؛ لہٰذا یہ حکم اس صورت میں بھی ہوگا جب کہ اعیان کا تناسب بہت ہی کم ہو؛ لیکن معاصر علماء نے اعیان اور منافع وحقوق کی بازاری قیمت

---

(۱) مطلب یہ کہ کم از کم ۵۱ رفیصد ہو۔

کے ۳۰ / فیصد سے کم نہ ہونے کی شرط لگائی ہے۔(۱) یہ شرط اس لیے ہے؛ تاکہ مدعجوہ کے مسئلہ کو ربا کا حیلہ نہ بنالیا جائے۔

یہاں اشکال ہوتا ہے کہ کمپنی کے بعض موجودات دوسروں پر دیون ہوتے ہیں؛ لہٰذا شیئرز کی بیع میں دیون بھی شامل ہوں گے، اس پر وہ احکام منطبق ہوں گے جو تجارتی کمپنیوں کے موجودات کے تابع ہوکر دین کی بیع کے مسئلہ میں ہم ذکر کر چکے ہیں، بیع الدین کی بحث (۲) کی جانب مراجعت کرلی جائے۔

۳۱۲۔تیسرا باب: صرف کا بیان

تیسری تقسیم کے لحاظ سے بیع کی تیسری قسم صرف ہے، اس کی اصطلاحی تعریف علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کی ہے:

الصَّرْفُ فِي مُتَعَارَفِ الشَّرْعِ اسْمٌ لِبَيْعِ الْأَثْمَانِ الْمُطْلَقَةِ بَعْضِهَا بِبَعْضٍ وَهُوَ بَيْعُ الذَّهَبِ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ بِالْفِضَّةِ وَأَحَدِ الْجِنْسَيْنِ بِالْآخَرِ. (۳)

عرف شرعی میں صرف مطلق اثمان کی ایک دوسرے کے عوض بیع کا نام ہے، یعنی سونے کو سونے کے عوض اور چاندی کو چاندی کے عوض، یا ایک جنس کو دوسری جنس کے عوض فروخت کرنا۔

بیع صرف کے احکام یہ ہیں: اگر دونوں کی جنس ایک ہو تو بدلین میں تماثل ضروری ہے، اور ادھار بہر صورت ناجائز ہے؛ البتہ بدلین خواہ جنس واحد ہوں یا مختلف الجنس؛ مجلس میں باہمی قبضہ ضروری ہے، اس حکم کی وجہ سے سونا چاندی دیگر اموال ربویہ سے ممتاز ہو جاتے ہیں؛ کیوں کہ ان میں نسیئہ تو ممنوع ہے؛ لیکن مجلس میں باہمی قبضہ لازم

(۱) المعاییر الشرعیۃ، رقم: ۲۱

(۲) رقم: ۱۵۸

(۳) بدائع الصنائع ۵ / ۲۱۵

نہیں ہے، جیسا کہ بیع صرف میں لازم ہے، اور بیع صرف میں خیارِ شرط بالاتفاق ناجائز ہے؛ کیوں کہ یہ حقیقی قبضہ سے مانع ہے، انہی احکام کی وجہ سے بیع صرف کو بیوع عامہ سے الگ مستقل بیان کیا گیا ہے۔

۱۴۳۔ کھوٹے دراہم میں بیع صرف

سونے اور چاندی کی کرنسی میں اگر ملاوٹ نہ ہو تو بالاتفاق ان پر بیع صرف کے احکام جاری ہوں گے، رہے کھوٹے دراہم ودنانیر تو حنفیہ کے نزدیک ان کا حکم یہ ہے کہ اگر کھوٹ کم ہو تو وہ خالص کے حکم میں ہیں، اور ان پر صرف کے احکام جاری ہوں گے؛ لہٰذا بیع صرف کی شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا؛ اس لیے کہ سکوں کو ڈھالنے کی وجہ سے ان میں کچھ نہ کچھ کھوٹ پایا ہی جاتا ہے، اور کبھی یہ خلقی ہوتا ہے، جیسے کہ خراب سونا؛ لہٰذا قلیل کو خراب پر قیاس کیا جائے گا، پس وہ کالعدم ہوجائے گا۔(۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وزن کے لحاظ سے تساوی ہو تو بیع جائز ہے؛ اگرچہ کھوٹ کی مقدار میں تفاوت ہو؛ لیکن بیع صرف ہونے کی وجہ سے باہمی قبضہ مجلس کے اندر ضروری ہے۔

اور جن دراہم میں کھوٹ غالب ہو ان کا حکم حنفیہ کے نزدیک عروض کی مانند ہے؛ لہٰذا خالص کے عوض ان کی بیع کی جاسکتی ہے، بشرطیکہ خالص کی مقدار کھوٹے دراہم سے زائد ہو؛ تاکہ کھوٹے سکوں میں موجود چاندی کے برابر خالص کی چاندی ہوجائے، اور باقی چاندی کھوٹ کے مقابل ہوجائے، اور تفاضل کے ساتھ بھی اس کی بیع جائز ہے، چنانچہ بدلین میں سے ہر ایک کا کھوٹ چاندی کے مقابل ہوگا، اور عقد کو درست کرنے کے لیے جنس کو خلافِ جنس کی جانب پھیرا جائے گا، جیسا کہ مد عجوہ کے مسئلہ میں حنفیہ کا یہی ضابطہ ہے؛ لیکن باہمی قبضہ ضروری ہے؛ کیوں کہ یہ چاندی کے اندر جانبین سے بیع صرف ہے، اور کھوٹ میں بھی اس کی شرط ہوگی؛ کیوں کہ بلاضرر ان کو علاحدہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

---

(۱) ۲۶۶/۵

مالکیہ کا مذہب

مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ کھوٹے سکوں کی ان کی جنس کے عوض مراطلۃً یا مبادلۃً دونوں طرح بیع درست ہے۔(۱) علامہ حطاب وابن رشد رحمۃ اللہ علیہما کے کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے، اور کھوٹے سکوں کی خالص کے عوض بیع کے سلسلہ میں مالکیہ کے دو قول ہیں، جواز کا بھی اور عدم جواز کا بھی، اور علامہ حطاب رحمۃ اللہ علیہ نے توضیح کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ فقہاء کا اختلاف ان کھوٹے سکوں میں ہے جو لوگوں کے درمیان نہ چلتے ہوں (یعنی کرنسی کے طور پر ان کا استعمال نہ ہوتا ہو) البتہ اگر ان کا (کرنسی کے طور پر) چلن ہو تو انہوں نے صاحب شامل کے حوالہ سے جواز نقل کیا ہے۔(۲) اور مجھے مالکیہ کے نزدیک ایسی عبارت نہیں مل سکی جس سے یہ پتہ چلے کہ ان کے یہاں کم کھوٹ اور زیادہ کھوٹ میں فرق ہے، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کھوٹے سکے کرنسی کے طور پر عوام میں رائج ہوں تو کھوٹ اصل کے تابع ہوگا، اور مالکیہ کے نزدیک تابع پر حکم نہیں لگتا؛ لہٰذا جب تک وہ تابع ہوں غالب اور مغلوب کے درمیان کوئی فرق نہیں رہے گا، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

شافعیہ کے نزدیک کھوٹے سکوں کی نہ ان کے جنس کے عوض بیع جائز ہے اور نہ خالص کے عوض؛ البتہ اگر کھوٹ اتنا کم اور گھل مل گیا ہو کہ چاندی کے مقابلے میں وہ کالعدم ہو تو اس سے بیع پر کوئی فرق نہیں پڑے گا؛ کیوں کہ اس کا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب تک چاندی میں کوئی دوسری دھات نہ ملالی جائے اس کو ڈھالنا متعذر رہوتا ہے۔(۳)

حنابلہ کے نزدیک اس مسئلہ میں یہ تفصیل ہے کہ کھوٹے سکوں کی خالص کے عوض بیع ناجائز ہے؛ کیوں کہ کھوٹے سکوں کے اندر سونا چاندی خالص کی بہ نسبت کم ہے؛ لہٰذا

---

(۱) مواہب الجلیل ۴/ ۲۲۶ وحاشیۃ الدسوقی ۳/ ۲، مراطلۃً کا مطلب وزناً اور مبادلۃً کا مطلب عدداً ہے، دیکھیں: القوانین الفقہیۃ، ص: ۱۶۵۔ از مترجم

(۲) مواہب الجلیل ۴/ ۳۳۵

(۳) تکملۃ المجموع للسبکی ۱۰/ ۴۱۰

تفاوت معلوم ہے، اور یہ ربا ہے، رہی کھوٹے سکوں کی کھوٹے سکوں کے عوض بیع تو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ کھوٹ کی مقدار کا مساوی ہونا معلوم ہو، اگر کھوٹ میں تفاوت کا علم ہو یا مقدار ہی معلوم نہ ہو تو ناجائز ہے؛ کیوں کہ بیع صرف میں تفاوت اور جہالت دونوں ممنوع ہیں۔(۱) مدعجوہ کے مسئلہ میں حنابلہ کے مذہب سے ظاہر ہوتا ہے کہ سونے اور کھوٹ میں فصل کیے بغیر بیع بالکل جائز نہ ہو؛ لیکن انہوں نے تصریح کی ہے کہ خالص کی کھوٹے کے عوض بیع مدعجوہ کے قبیل سے نہیں ہے؛ کیوں کہ مدعجوہ کا مسئلہ ان کے یہاں اس صورت میں جاری ہوتا ہے جب کہ مرکب کا ہر جزء بیع سے مقصود ہو، اور یہاں چوں کہ کھوٹ مقصود نہیں ہے؛ لہٰذا وہ مسئلہ یہاں نہیں آئے گا۔

۳۱۴۔ بیع صرف کے صحیح ہونے کے شرائط

جب کسی عقد کا صرف ہونا ثابت ہوجائے تو اس عقد کے صحیح ہونے کے لیے درج ذیل شرائط ضروری ہیں:

پہلی شرط: مجلس میں باہمی قبضہ

عقد صرف کے صحیح ہونے کے لیے عاقدین کا مجلسِ عقد میں بدلین پر باہمی قبضہ ضروری ہے؛ اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ رِبًا إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ. (۲)

سونا سونے کے عوض بیچنا سود ہے؛ اِلَّا یہ کہ ہاتھ در ہاتھ ہو۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَا تَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيعُوا الوَرِقَ بِالوَرِقِ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَلَا تُشِفُّوا بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيعُوا مِنْهَا

---

(۱) المغنی ۴/۳۱و۳۲

(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۲۱۳۴

غَائِبًا بِنَاجِزٍ.(۱)

سونے کو سونے کے عوض برابر سرابر ہی بیچو، ان کی بیع میں کمی بیشی نہ کرو، چاندی کو چاندی کے عوض برابر سرابر ہی بیچو، ان کی بیع میں کمی بیشی نہ کرو، اور اس طرح نہ بیچو کہ ایک بدل موجود ہو اور دوسرا غائب۔

لہٰذا بیع صرف کے صحیح ہونے کے لیے تفرق بالابدان سے قبل باہمی قبضہ ضروری ہے، تفرق کی تفسیر یہ ہے کہ عاقدین مجلس سے علاحدہ ہوجائیں، خواہ ہر ایک الگ الگ جہت میں چلا جائے یا ایک چلا جائے اور دوسرا اسی جگہ بیٹھا رہے، چنانچہ اگر دونوں مجلس ہی میں ہوں تو خواہ کتنی ہی طویل مجلس ہوجائے تفرق کا تحقق نہیں ہوگا، اور اگر ایک دوسرے کو دور سے یا دیوار کے پیچھے سے آواز لگائے تو عقد کے وقت تفرق ابدان ہونے کی وجہ سے بیع صَرف درست نہ ہوگی۔(۲)

دیگر بیوع میں حنفیہ کے نزدیک قبضہ کے تحقق کے لیے اگرچہ تخلیہ کافی ہے، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک روایت یہی ہے۔(۳) لیکن بیع صرف میں بالاجماع تخلیہ کافی نہیں ہے؛ بلکہ فعلاً اور حقیقتاً باہمی قبضہ ہونا ضروری ہے، درمختار میں بیع صرف کی صحت کی شرائط کے تحت مذکور ہے:

(وَالتَّقَابُضُ) بِالْبَرَاجِمِ لَا بِالتَّخْلِيَةِ.(۴)

تقابض بالبراجم شرط ہے، تخلیہ کافی نہیں ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے ذیل میں لکھتے ہیں:

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۲۱۷۷

(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۲۱۶

(۳) الشرح الکبیر علی متن المقنع ۴/ ۱۲۰

(۴) الدر مع الرد ۵/ ۲۵۸

(قَوْلُهُ: لَا بِالتَّخْلِيَةِ) أَشَارَ إِلَى أَنَّ التَّقْيِيدَ بِالْبَرَاجِمِ لِلِاحْتِرَازِ عَنِ التَّخْلِيَةِ، وَاشْتِرَاطِ الْقَبْضِ بِالْفِعْلِ لَا خُصُوصِ الْبَرَاجِمِ، حَتَّى لَوْ وَضَعَهُ لَهُ فِي كَفِّهِ أَوْ فِي جَيْبِهِ صَارَ قَابِضًا.(۱)

مصنف رحمۃ اللہ علیہ لَا بِالتَّخْلِيَةِ. سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ براجم کی قید تخلیہ سے احتراز کے لیے ہے، اور بالفعل قبضہ ضروری ہے، خاص براجم مراد نہیں ہیں، چنانچہ ہتھیلی یا جیب میں رکھ لینے سے بھی قابض شمار ہوگا۔

اور علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَإِنْ كَانَ الْمَبِيعُ دَرَاهِمَ أَوْ دَنَانِيرَ، فَقَبْضُهَا بِالْيَدِ. (۲)

اگر مبیع دراہم یا دنانیر ہوں تو قبض بالید ضروری ہے۔

اور علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ولا يجوز في شيء من الصرف تأخير ساعة فما فوقها، ولا أن يتوارى أحدهما عن صاحبه قبل التقابض، ولا تجوز فيه حوالة ولا ضمان ولا خيار ولا عدة ولا شيء من النظرة، ولا يجوز إلا هاء وهاء، ويتقابضان في مجلس واحد ووقت واحد. (۳)

بیع صرف میں ایک ساعت یا اس سے زائد کی تاخیر ناجائز ہے، اور تقابض سے قبل ایک کا دوسرے سے الگ ہوجانا بھی، حوالہ،

---

(۱) حوالہ سابق

(۲) المغنی ۴/ ۸۵

(۳) الکافی فی فقہ اہل المدینۃ ۲/ ۶۳۵

ضمان، خیار، وعدہ اور مہلت بھی ناجائز ہے، ایک ہاتھ سے دینا
اور دوسرے ہاتھ سے لینا ضروری ہے، اور دونوں وقت واحد
میں مجلس واحد کے اندر قبضہ کریں گے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فون کے ذریعہ بیع صرف بطریق وکالت ہی ہوسکتی ہے، بایں طور کہ دونوں وکیل بالقبض بنالیں جو فون پر بات چیت کے وقت قبضہ کریں۔

حنفیہ نے باہمی قبضہ کے شرط ہونے پر یہ تفریع کی ہے کہ بیع صرف کے ثمن پر قبضہ سے قبل اس میں تصرف کرنا مثلاً ہبہ یا صدقہ یا فروخت کرنا ناجائز ہے، چنانچہ اگر دراہم کے عوض دینار فروخت کیا، پھر ان دراہم پر قبضہ سے قبل ان سے کپڑا خرید لیا تو ظاہر مذہب کے مطابق کپڑے کی بیع فاسد ہے، جیسا کہ ہدایہ (۱) میں ہے، اور یہ اس صورت میں ہے جب کہ کپڑے کی خریداری میں یہ صراحت کردے کہ جن دراہم سے بیع صرف ہوئی ہے انہی سے کپڑا خرید رہا ہے؛ کیوں کہ دراہم پر قبضہ حق اللہ کے طور پر واجب ہے، اور کپڑے کی خریداری کو جائز قرار دینے سے یہ حق فوت ہوجاتا ہے، اس میں امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے، انہوں نے کپڑے میں عقد کو درست قرار دیا ہے؛ کیوں کہ دراہم متعین نہیں ہوتے؛ لہٰذا عقد کو بدلِ صرف کی جانب منسوب کرنا کالعدم ہے، پس کپڑے کی خریداری کے درست ہونے سے کوئی مانع نہیں ہے، اور بدلِ صرف کی جانب اس کا نسبت کرنا کپڑے کے ثمن کا اندازہ لگانے کے لیے مانا جائے گا، چنانچہ وہ بائع کو ان دراہم کا مثل دے گا؛ لہٰذا قبضہ فوت نہیں ہوگا، علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔ (۲)

۳۱۵۔ ذمہ میں لازم چیز کی بیع صرف

ذمہ میں موجود چیز کی بیع صرف میں بھی باہمی قبضہ کرنا شرط ہے، اس کی دو صورتیں ہیں:

---

(۱) ۳/۸۲

(۲) فتح القدیر ۷/۱۳۹ و ۱۴۰

۱) زید کے عمرو کے ذمہ دس دینار ہوں، عمرو دینار کے بدلہ دراہم دینا چاہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے ذمہ میں موجود دس دینار کی دراہم کے عوض بیع صرف کرنا چاہتا ہے، ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم اور جمہور کے نزدیک یہ دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے: ایک یہ ہے کہ بیع صرف اداء کے دن کی قیمت پر ہو، دوسری یہ کہ جس پر بیع صرف واقع ہوئی ہے مجلس عقد میں اس کا تصفیہ کرلیا جائے، ذمہ میں کوئی چیز باقی نہ رہے، مثلاً اگر دین کی مقدار دس دینار تھی، اور کل دین کے دراہم تبادلہ کا ارادہ تھا، اور ادائیگی کے دن ایک دینار کی قیمت دس درہم تھی تو سو درہم کے عوض تبادلہ جائز ہے؛ لیکن مجلس ہی میں تمام دراہم کی ادائیگی لازم ہے، مجلس کے بعد تک تاخیر درست نہیں ہے، اور اگر جانبین نصف دین ہی میں تبادلہ کرنا چاہتے ہوں، مثلاً ان کا اس پر اتفاق ہو کہ عمرو نصف دین تو دین ہی کی جنس سے دے گا، یعنی پانچ دینار کے عوض پانچ دینار، اور باقی دین دراہم سے ادا کرے گا، چنانچہ پچاس دراہم دے گا، یہ بھی جائز ہے، بشرطیکہ اسی مجلس میں پچاس دراہم کی ادائیگی ہو، مجلس کے بعد تک اس کو مؤخر نہ کیا جائے۔

اس حکم کی بنیاد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث پر ہے، وہ فرماتے ہیں:

كُنْتُ أَبِيعُ الْإِبِلَ بِالْبَقِيعِ فَأَبِيعُ بِالدَّنَانِيرِ، وَآخُذُ الدَّرَاهِمَ وَأَبِيعُ بِالدَّرَاهِمِ وَآخُذُ الدَّنَانِيرَ، آخُذُ هَذِهِ مِنْ هَذِهِ وَأُعْطِي هَذِهِ مِنْ هَذِهِ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ فِي بَيْتِ حَفْصَةَ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، رُوَيْدَكَ أَسْأَلُكَ إِنِّي أَبِيعُ الْإِبِلَ بِالْبَقِيعِ فَأَبِيعُ بِالدَّنَانِيرِ، وَآخُذُ الدَّرَاهِمَ وَأَبِيعُ بِالدَّرَاهِمِ، وَآخُذُ الدَّنَانِيرَ آخُذُ هَذِهِ مِنْ هَذِهِ وَأُعْطِي هَذِهِ مِنْ هَذِهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا بَأْسَ أَنْ تَأْخُذَهَا بِسِعْرِ يَوْمِهَا مَا لَمْ تَفْتَرِقَا وَبَيْنَكُمَا شَيْءٌ. (۱)

---

(۱) ابوداود، حدیث نمبر: ۳۳۵۴

میں بقیع میں اونٹ بیچتا تھا، ان کو دنانیر کے عوض بیچ کر دراہم لیتا تھا، اور دراہم کے عوض بیچ کر دنانیر لیتا تھا، اِس کے عوض اُس کو اور اُس کے عوض اِس کو لیتا تھا، تو میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا، آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے، تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرا ایک سوال ہے کہ میں بقیع میں اونٹ بیچتا ہوں، ان کو دنانیر کے عوض بیچ کر دراہم، اور دراہم کے عوض بیچ کر دنانیر لیتا ہوں، اِس کے عوض اُس کو اور اُس کے عوض اِس کو لیتا ہوں، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسی دن کی قیمت کے مطابق لینے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ تم اور مشتری اس حال میں علاحدہ ہوں کہ تمہارے درمیان کوئی چیز باقی نہ ہو۔

۲) عاقدین میں سے ہر ایک کے ذمہ دوسرے کا مختلف کرنسی کا دین ہو اور وہ دونوں بیع صرف کرنا چاہیں، یعنی اپنے دین کا مقاصّہ کرنا چاہیں، مثلاً: زید کے عمرو کے ذمہ دس دینار اور عمرو کے زید کے ذمہ سو دراہم تھے، تو کیا زید عمرو سے کہہ سکتا ہے: میرے ذمہ جو تیرے سو درہم ہیں ان کو تیرے ذمہ میرے دس دینار کے عوض فروخت کردے؟ حاصل یہ کہ دونوں مقاصّہ کے ذریعہ دین ادا کرنا چاہتے ہیں، علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں اختلاف کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

وَاخْتَلَفُوا فِي الرَّجُلَيْنِ يَكُونُ لِأَحَدِهِمَا عَلَى صَاحِبِهِ دَنَانِيرُ، وَلِلْآخَرِ عَلَيْهِ دَرَاهِمُ، هَلْ يَجُوزُ أَنْ يَتَصَارَفَاهَا وَهِيَ فِي الذِّمَّةِ؟ فَقَالَ مَالِكٌ: ذٰلِكَ جَائِزٌ إِذَا كَانَا قَدْ حَلَّا مَعًا. وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: يَجُوزُ فِي الْحَالِ وَفِي غَيْرِ الْحَالِ. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَاللَّيْثُ: لَا يَجُوزُ ذٰلِكَ

حَلًّا أَوْ لَمْ يَحِلًّا. وَحُجَّةُ مَنْ لَمْ يُجِزْهُ: أَنَّهُ غَائِبٌ بِغَائِبٍ، وَإِذَا لَمْ يَجُزْ غَائِبٌ بِنَاجِزٍ كَانَ أَحْرَى أَنْ لَا يَجُوزَ غَائِبٌ بِغَائِبٍ. وَأَمَّا مَالِكٌ: فَأَقَامَ حُلُولَ الْأَجَلَيْنِ فِي ذَٰلِكَ مَقَامَ النَّاجِزِ بِالنَّاجِزِ، وَإِنَّمَا اشْتَرَطَ أَنْ يَكُونَا حَالَّيْنِ مَعًا، لِئَلَّا يَكُونَ ذَٰلِكَ مِنْ بَيْعِ الدَّيْنِ بِالدَّيْنِ. وَبِقَوْلِ الشَّافِعِيِّ قَالَ ابْنُ وَهْبٍ، وَابْنُ كِنَانَةَ مِنْ أَصْحَابِ مَالِكٍ. (۱)

فقہاء کا ایسے دو آدمیوں کے متعلق اختلاف ہے جن میں سے ایک کے دوسرے کے ذمہ دینار اور دوسرے کے اس کے ذمہ درہم ہوں، اور وہ ان کی بیع صرف کرنا چاہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے جب کہ دونوں دین ایک ساتھ ادا ہوں، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نقد میں جائز ہے غیر نقد میں نہیں، امام شافعی ولیث رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک بہر صورت ناجائز ہے، مانعین کی دلیل یہ ہے کہ یہ غائب کی غائب کے عوض بیع ہے، اور جب غائب کی موجود کے بدلہ بیع صرف جائز نہیں تو یہ بیع تو بدرجۂ اولی ناجائز ہوگی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اجل کے حلول کو حاضر ہونے کے قائم مقام قرار دیا ہے، اور حلول کی شرط اس لیے ہے؛ تاکہ یہ بیع الدین بالدین نہ ہوجائے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے ابن وہب اور ابن کنانہ رحمۃ اللہ علیہما نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اختیار کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ جانبین سے مصارفہ (۲) کی صورت میں مصارفہ کے دن کی قیمت بھی

---

(۱) بدایۃ المجتہد ۳/ ۲۱۵

(۲) یعنی سونا چاندی کا ہم جنس کے عوض وزناً تبادلہ۔

مشروط ہے، جیسا کہ پہلی صورت میں تھا، بالخصوص امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق جب کہ ایک کے ذمہ موجود دین مؤجل ہو، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فَإِنْ كَانَ الْمَقْضِيُّ الَّذِي فِي الذِّمَّةِ مُؤَجَّلًا، فَقَدْ تَوَقَّفَ أَحْمَدُ فِيهِ. وَقَالَ الْقَاضِي: يَحْتَمِلُ وَجْهَيْنِ؛ أَحَدُهُمَا الْمَنْعُ وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ، وَمَشْهُورُ قَوْلَيْ الشَّافِعِيِّ؛ لِأَنَّ مَا فِي الذِّمَّةِ لَا يُسْتَحَقُّ قَبْضُهُ، فَكَانَ الْقَبْضُ نَاجِزًا فِي أَحَدِهِمَا، وَالنَّاجِزُ يَأْخُذُ قِسْطًا مِنَ الثَّمَنِ وَالْآخِرُ الْجَوَازُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ؛ لِأَنَّهُ ثَابِتٌ فِي الذِّمَّةِ بِمَنْزِلَةِ الْمَقْبُوضِ، فَكَأَنَّهُ رَضِيَ بِتَعْجِيلِ الْمُؤَجَّلِ. وَالصَّحِيحُ الْجَوَازُ، إِذَا قَضَاهُ بِسِعْرِ يَوْمِهَا، وَلَمْ يَجْعَلْ لِلْمَقْضِيِّ فَضْلًا لِأَجْلِ تَأْجِيلِ مَا فِي الذِّمَّةِ؛ لِأَنَّهُ إِذَا لَمْ يَنْقُصْهُ عَنْ سِعْرِهَا شَيْئًا، فَقَدْ رَضِيَ بِتَعْجِيلِ مَا فِي الذِّمَّةِ بِغَيْرِ عِوَضٍ، فَأَشْبَهَ مَا لَوْ قَضَاهُ مِنْ جِنْسِ الدَّيْنِ، وَلَمْ يَسْتَفْصِلِ النَّبِيُّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - ابْنَ عُمَرَ حِينَ سَأَلَهُ، وَلَوْ افْتَرَقَ الْحَالُ لَسَأَلَ وَاسْتَفْصَلَ.(۱)

اگر ذمہ میں موجود دین مؤجل ہو تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں توقف کیا ہے، قاضی رحمۃ اللہ علیہ نے دو صورتیں بیان کی ہیں: ایک ممانعت کی جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور قول ہے؛ کیوں کہ ذمہ میں موجود چیز مستحق قبضہ نہیں ہے؛ لہٰذا ان میں سے ایک میں قبضہ ناجز ہوگا، اور ناجز، ثمن کا ایک

(۱) المغنی ۴/۳۸

حصہ لے لیتا ہے، دوسری صورت جواز کی ہے جو کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے؛ کیوں کہ ذمہ میں ثابت شئ مقبوض کے درجہ میں ہوتی ہے، گویا کہ وہ مؤجل کی تعجیل پر راضی ہوگیا، اور صحیح قول اس صورت میں جواز کا ہے جب کہ اس دن کی قیمت کا اعتبار کیا جائے، اور تاجیل کی وجہ سے کوئی زیادتی نہ کی جائے؛ کیوں کہ جب قیمت میں کچھ کمی نہیں ہوئی تو وہ بلاعوض تعجیل پر راضی ہے، یہ اس صورت کے مشابہ ہوگیا جب کہ دین کی جنس سے دین ادا کرے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سوال کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تفصیل دریافت نہیں کی، اگر مسئلہ الگ ہوتا تو ضرور پوچھتے اور تفصیل دریافت کرتے۔

۳۱۶۔ دوسری شرط: دو ہم جنس اشیاء کی بیع صرف میں تماثل

اگر بیع صرف میں بدلین جنس واحد سے ہوں، مثلاً سونے کی سونے کے عوض یا چاندی کی چاندی کے عوض فروخت ہو، تو وزن میں تساوی ضروری ہے؛ اگرچہ عمدگی اور صناعت میں تفاوت ہو، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے حدیث آچکی ہے، جس میں اس بات کی تصریح ہے، اسی شرط کی بنا پر تمام فقہاء کے نزدیک بیع صرف میں مجازفہ بالاجماع ناجائز ہے؛ کیوں کہ تماثل مجہول ہے۔

۳۱۷۔ تیسری شرط: خیارِ شرط نہ لگایا جائے

عقدِ صرف میں خیار کی شرط نہ لگائی گئی ہو؛ کیوں کہ خیار شرط ثبوتِ ملک یا تمامِ ملک سے مانع ہے، دونوں قول ہیں، اور یہ قبضہ کے تام ہونے میں مخل ہے، اور تعیین کا حصول قبضہ کے بعد ہی ہوا کرتا ہے؛ البتہ خیارِ عیب ثابت ہوگا؛ کیوں کہ وہ عقد کے وقت قبضہ کے تام ہونے سے مانع نہیں ہے، اور خیارِ رؤیت کا ثبوت ڈھالے ہوئے زیورات وغیرہ میں ہوگا، سونے کے دینار اور چاندی کے درہم میں نہیں؛ کیوں کہ ان کو لوٹانے کا

کوئی فائدہ نہیں ہے؛ اس لیے کہ عقد لوٹانے سے فسخ نہیں ہوتا؛ کیوں کہ عقد بعینہ ان دراہم ودنانیر پر نہیں ہوا؛ بلکہ مثل پر ہوا ہے، اور عقد کا برقرار رہنا اس امر کا تقاضہ کرتا ہے کہ مشتری کو مثل کے مطالبہ کا حق رہے، چنانچہ جب وہ قبضہ کرے گا اور لوٹا دے گا تو دوسرے کا مطالبہ کرے گا، یہی سلسلہ لا الی نہایہ چلتا رہے گا؛ البتہ اگر عقد سونے کے ڈلے وغیرہ پر ہو تو یہاں عقد عین پر واقع ہوتا ہے؛ لہٰذا لوٹانے سے عقد فسخ ہو جائے گا، اسی لیے وہ دوسرے عین کا مطالبہ نہیں کر سکتا، تو یہاں لوٹانا مفید ہے۔(۱)

۳۱۸۔کون سی بیع 'صرف کہلائے گی؟

سونا یا چاندی اگر ڈلے کی شکل میں ہوں یا دینار اور درہم بنا لیے گئے ہوں تو ان کا تبادلہ صرف کہلاتا ہے، خواہ بجنسہٖ تبادلہ ہو، مثلاً دینار کا دینار سے اور سونے کے ڈلے کا سونے کے ڈلے سے، یا بخلاف جنسہٖ تبادلہ ہو، مثلاً دینار کا درہم سے، اور سونے کے ڈلے کا چاندی کے ڈلے سے، پہلی صورت میں تقابض وتماثل دونوں ضروری ہیں، اور دوسری صورت میں تفاضل کی اجازت ہے؛ البتہ تقابض ضروری ہے، یہ تفصیل فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

۳۱۹۔کیا ڈھلے ہوئے کی بنا ڈھلے ہوئے کے عوض بیع 'صرف ہے؟

اگر سونا اور چاندی ڈھلے ہوئے ہوں، جیسے سونے چاندی کے زیورات اور برتن تو جمہور کے نزدیک ان کا تبادلہ بھی صرف ہے، اور ان کا حکم بھی بعینہٖ ڈلے اور سکوں کی طرح ہے؛ لہٰذا اگر سونے کے زیورات 'سونے کے ڈلے یا دینار یا کسی اور زیور کے عوض فروخت کیے جائیں تو تماثل وتقابض دونوں ضروری ہیں، اور جنس کے مختلف ہونے کی صورت میں صرف تقابض ضروری ہے، ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کا یہی مختار مذہب ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول یہ منقول ہے کہ ڈھلے ہوئے سونے کی بیع اس کی جنس سے قیمت کے عوض فروخت کرنا جائز ہے؛ لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب نے اس قول کی

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۲۱۹

نفی کی ہے، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے: بغیر ڈھلے ہوئے سونے کی ڈھلے ہوئے سونے کے عوض بیع ناجائز ہے؛ کیوں کہ کاریگری کی بھی قیمت ہوتی ہے، جیسا کہ تلف کرنے کی صورت میں ہوتا ہے، پس یہ ایسا ہوگیا جیسا کہ اس نے سونے کے ساتھ صناعت کی قیمت کو بھی شامل کیا؛ لیکن مالکیہ اور حنابلہ کا مختار مذہب یہ ہے کہ وزن میں تساوی اور تقابض کی شرط کے ساتھ خرید وفروخت جائز ہے، تفاضل یا عدم تقابض ناجائز ہے۔(۱)

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اور ان کی تردید

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور سے اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ ڈھلے ہوئے سونے کی دینار یا ڈلوں کے عوض کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز ہے، اور تقابض بھی شرط نہیں ہے، غرض انہوں نے اس کو بیع صرف کے حکم میں نہیں رکھا ہے؛ اس لیے کہ صناعت نے انہیں سونے چاندی کے حکم سے نکال کر دیگر عروض کی مانند کر دیا ہے، یہ قول شاذ ہے جو روایۃً ودرایۃً دونوں طرح ناقابل اعتبار ہے۔

روایۃً ناقابل اعتبار ہونے کی وجہ

روایۃً اس طرح کہ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل کی ہے:

أُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِخَيْبَرَ بِقِلَادَةٍ فِيهَا خَرَزٌ وَذَهَبٌ، وَهِيَ مِنَ الْمَغَانِمِ تُبَاعُ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالذَّهَبِ الَّذِي فِي الْقِلَادَةِ فَنُزِعَ وَحْدَهُ، ثُمَّ قَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَزْنًا بِوَزْنٍ. (۲)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر میں تشریف فرما تھے، آپ کے پاس

---

(۱) المغنی ۴/۸

(۲) مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۹۱

ایک ہار لایا گیا جس میں سونا اور موتیاں تھیں، وہ مال غنیمت میں ملا تھا اور اسے فروخت کیا جارہا تھا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہار کے سونے کو علاحدہ کرنے کا حکم دیا، پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سونا سونے کے عوض وزن کرکے فروخت کیا جائے۔

حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ قلادہ ڈھالا ہوا تھا، اگر ڈھلے ہوئے سونے کی بغیر ڈھلے ہوئے کے عوض کمی بیشی کے ساتھ بیع جائز ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سونے کو الگ کرنے کا حکم نہ فرماتے، اور اگر یہ ڈھلا ہوا سونا عروض کی مانند ہوتا جیسا کہ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے تو یہ قلادہ بدرجۂ اولیٰ عروض کی مانند ہونا چاہیے؛ کیوں کہ یہ ایک عرض یعنی موتیوں سے مرکب تھا۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالاشعث رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ایک اور حدیث ذکر کی ہے:

غَزَوْنَا غَزَاةً وَعَلَى النَّاسِ مُعَاوِيَةُ، فَغَنِمْنَا غَنَائِمَ كَثِيرَةً، فَكَانَ فِيمَا غَنِمْنَا آنِيَةٌ مِنْ فِضَّةٍ، فَأَمَرَ مُعَاوِيَةُ رَجُلًا أَنْ يَبِيعَهَا فِي أَعْطِيَاتِ النَّاسِ، فَتَسَارَعَ النَّاسُ فِي ذَلِكَ، فَبَلَغَ عُبَادَةَ بْنَ الصَّامِتِ، فَقَامَ، فَقَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَنْهَى عَنْ بَيْعِ الذَّهَبِ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةِ بِالْفِضَّةِ، وَالْبُرِّ بِالْبُرِّ، وَالشَّعِيرِ بِالشَّعِيرِ، وَالتَّمْرِ بِالتَّمْرِ، وَالْمِلْحِ بِالْمِلْحِ، إِلَّا سَوَاءً بِسَوَاءٍ، عَيْنًا بِعَيْنٍ، فَمَنْ زَادَ، أَوِ ازْدَادَ، فَقَدْ أَرْبَى، فَرَدَّ النَّاسُ مَا أَخَذُوا، فَبَلَغَ ذَلِكَ مُعَاوِيَةَ فَقَامَ خَطِيبًا، فَقَالَ: أَلَا مَا بَالُ رِجَالٍ يَتَحَدَّثُونَ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

أَحَادِيثَ قَدْ كُنَّا نَشْهَدُهُ وَنَصْحَبُهُ فَلَمْ نَسْمَعْهَا مِنْهُ، فَقَامَ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ فَأَعَادَ الْقِصَّةَ، ثُمَّ قَالَ: لَنُحَدِّثَنَّ بِمَا سَمِعْنَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنْ كَرِهَ مُعَاوِيَةُ. (۱)

ہم ایک جنگ میں شریک ہوئے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ امیر تھے، ہمیں بہت سامالِ غنیمت حاصل ہوا، اس مالِ غنیمت میں چاندی کے برتن بھی تھے، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ اسے لوگوں کے وظائف کے عوض بیچ دے، چنانچہ لوگ جلدی مچانے لگے، جب یہ خبر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کو پہونچی تو آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا: میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سونے کی سونے کے عوض، چاندی کی چاندی کے عوض، گیہوں کی گیہوں کے عوض، جو کی جو کے عوض، کھجور کی کھجور کے عوض اور نمک کی نمک کے عوض بیع سے منع فرمایا ہے؛ الّا یہ کہ ان کو برابر سرابر متعین کر کے فروخت کیا جائے، جس شخص نے زیادہ دیا یا لیا تو اس نے سودی معاملہ کیا، یہ سن کر لوگوں نے لی ہوئی چیزیں لوٹا دیں، جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا: لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں جنہیں ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں سنا، حالاں کہ ہم آپ کی مجلسوں میں موجود اور صحبت میں رہے ہیں، تو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے دوبارہ کھڑے ہو کر وہی

(۱) مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۸۷

حدیث دہرائی، پھر کہا: ہم نے جو حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے ہم ضرور اسے بیان کریں گے؛ اگرچہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو ناپسند ہو۔

اور ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم نے حضرت عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

أَنَّ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ بَاعَ سِقَايَةً مِنْ ذَهَبٍ أَوْ وَرِقٍ بِأَكْثَرَ مِنْ وَزْنِهَا. فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنْ مِثْلِ هٰذَا إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ. فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ: مَا أَرَى بِمِثْلِ هٰذَا بَأْسًا. فَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ: مَنْ يَعْذِرُنِي مِنْ مُعَاوِيَةَ؟ أَنَا أُخْبِرُهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيُخْبِرُنِي عَنْ رَأْيِهِ، لَا أُسَاكِنُكَ بِأَرْضٍ أَنْتَ بِهَا ثُمَّ قَدِمَ أَبُو الدَّرْدَاءِ عَلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ. فَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِلَى مُعَاوِيَةَ: أَنْ لَا تَبِيعَ ذٰلِكَ إِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ وَزْنًا بِوَزْنٍ. (۱)

حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما نے سونے یا چاندی کا ایک مشکیزہ اس کے وزن سے زائد سونے چاندی کے عوض فروخت کیا، تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس قسم کی بیع کی ممانعت فرماتے ہوئے سنا ہے؛ الّا یہ کہ برابر سرابر ہو، تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں تو اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے معاویہ رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں کون معذور قرار دے گا، میں انہیں

---

(۱) مؤطا امام مالک، حدیث نمبر: ۳۳

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنا رہا ہوں اور یہ اپنی رائے بتلا رہے ہیں، میں آپ کے ساتھ اس سرزمین پر نہیں رہوں گا جس میں آپ بھی موجود ہوں، پھر حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اس واقعہ کا تذکرہ کیا، تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھ بھیجا: وہ چیز وزن کر کے برابر سرابر ہی بیچو۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی غلط تاویل

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی یہ تاویل کی ہے کہ ان کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نکیر کرنا اس وجہ سے نہیں تھا کہ ان برتنوں کی بیع سے ربا لازم آرہا تھا؛ بلکہ اس وجہ سے تھا کہ ان برتنوں کا استعمال حرام ہے؛ لہٰذا نہ جنس کے عوض بیع جائز ہے اور نہ خلافِ جنس کے عوض؛ لیکن یہ تاویل درست نہیں ہے؛ کیوں کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کا استدلال برتنوں کے استعمال کی حرمت والی نص سے نہیں تھا؛ بلکہ ان کا استدلال حرمتِ ربا کی حدیث سے تھا، اور یہ بات غیر معقول ہے کہ تردید میں ایسی حدیث لائی جائے جس کا تردید سے کوئی تعلق ہی نہ ہو، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دوسرے قصہ میں تماثل کے ساتھ اجازت دینا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ علت تفاضل ونسیہ ہے، نہ کہ سونا یا چاندی کا برتن ہونا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسی باب میں امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ایک اور واقعہ نقل کیا ہے:

كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فَجَاءَهُ صَائِغٌ، فَقَالَ لَهُ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، إِنِّي أَصُوغُ الذَّهَبَ ثُمَّ أَبِيعُ الشَّيْءَ مِنْ ذٰلِكَ بِأَكْثَرَ مِنْ وَزْنِهِ، فَأَسْتَفْضِلُ مِنْ ذٰلِكَ قَدْرَ عَمَلِ يَدِي، فَنَهَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ عَنْ ذٰلِكَ فَجَعَلَ الصَّائِغُ يُرَدِّدُ

عَلَيْهِ الْمَسْأَلَةَ، وَعَبْدُ اللّٰهِ يَنْهَاهُ حَتَّى انْتَهَى إِلَى بَابِ الْمَسْجِدِ أَوْ إِلَى دَابَّةٍ يُرِيدُ أَنْ يَرْكَبَهَا، ثُمَّ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: »الدِّينَارُ بِالدِّينَارِ، وَالدِّرْهَمُ بِالدِّرْهَمِ لَا فَضْلَ بَيْنَهُمَا، هَذَا عَهْدُ نَبِيِّنَا إِلَيْنَا وَعَهْدُنَا إِلَيْكُمْ. (۱)

میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا، تبھی ایک سنار آیا اور عرض کیا: اے ابوعبدالرحمٰن! میں سونے کے زیورات بناتا ہوں، پھر انہیں وزن میں اس سے زائد سونے کے عوض فروخت کرتا ہوں، اور وہ زائد مقدار اپنی کاری گری کے بقدر لیتا ہوں، تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو منع فرمایا، تو سنار بار بار یہی مسئلہ پوچھنے لگا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما انہیں منع فرماتے رہے، حتی کہ وہ مسجد یا اس جانور تک پہونچ گئے جس پر سوار ہونا چاہتے تھے، پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: دینار دینار کے عوض اور درہم درہم کے عوض اس طرح فروخت کیا جائے کہ کمی بیشی نہ ہو، یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں تاکید کی تھی اور ہم تمہیں اس کی تاکید کر رہے ہیں۔

اس حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے صراحت کے ساتھ فرمایا کہ ڈھلے ہوئے اور بغیر ڈھلے ہوئے دونوں حرمتِ تفاضل میں برابر ہیں۔

اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

بُعِثَ إِلَى عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِإِنَاءٍ مِنْ فِضَّةٍ خُسْرَوَانِيٍّ قَدْ أُحْكِمَتْ صَنْعَتُهُ فَأَمَرَ الرَّسُولَ أَنْ يَبِيعَهُ فَرَجَعَ

(۱) مؤطا امام مالک، حدیث نمبر: ۱۳۰

الرَّسُوْلُ فَقَالَ: إِنِّي أُزَادُ عَلىٰ وَزْنِه.قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ:لَا فَإِنَّ الْفَضْلَ رِبًا.(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چاندی کا ایک خسروانی برتن بھیجا گیا جس کی بناوٹ اچھی تھی، تو آپ نے قاصد کو بیچنے کا حکم دیا، تو قاصد نے واپس آ کر کہا: اس کے وزن سے زائد اس کی قیمت لگائی جارہی ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منع فرمایا: اور کہا: زائد مقدار سود ہے۔

اور امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ابورافع رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے:

كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَجْلِسُ عِنْدِي فَيُعَلِّمُنِي الْآيَةَ فَأَنْسَاهَا فَأُنَادِيهِ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ , قَدْ نُسِّيتُهَا فَيَرْجِعُ فَيُعَلِّمُنِيهَا قَالَ: فَقُلْتُ لَهُ: إِنِّي أَصُوغُ الذَّهَبَ فَأَبِيعُهُ بِوَزْنِهِ وَآخُذُ لِعُمَالَةِ يَدِي أَجْرًا. قَالَ: لَا تَبِعِ الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا وَزْنًا بِوَزْنٍ, وَالْفِضَّةَ بِالْفِضَّةِ إِلَّا وَزْنًا بِوَزْنٍ, وَلَا تَأْخُذْ فَضْلًا. (۲)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ میرے پاس بیٹھ کر مجھے آیت سکھلاتے تھے، میں بھول جاتا تو آواز لگاتا: اے امیر المؤمنین! میں آیت بھول گیا، تو وہ واپس آ کر پھر یاد دلاتے تھے، تو میں نے ان سے عرض کیا: میں سونے کا زیور بنا کر اس کو اس کے وزن کے بقدر سونے کے عوض ہی فروخت کرتا ہوں؛ البتہ اپنی کاری گری کی اجرت بھی لیتا ہوں، تو آپ نے فرمایا:

(۱) کتاب الآثار، حدیث نمبر: ۶۷۷

(۲) السنن الکبری، حدیث نمبر: ۱۰۵۴۹

سونا سونے کے اور چاندی چاندی کے عوض برابر سرابر ہی بیچو، زیادہ مت لو۔

مذکورہ احادیث وآثار ڈھلے ہوئے اور بنا ڈھلے ہوئے کے تماثل وتقابض کے سلسلہ میں برابر ہونے کی صریح دلیل ہے، اور یہی صحابہ کا مذہب ہے، رہا حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے جس میں انہوں نے اپنے اس حدیث کے نہ سننے کی صراحت کی ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کو ربا الفضل کی حدیث نہیں پہونچی تھی، اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں ہوسکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ابتداء میں یہ خیال ہو کہ ڈھلے ہوئے اور بنا ڈھلے ہوئے کا حکم الگ الگ ہے، اسی وجہ سے بعض علماء نے ان کی جانب تفاضل ونسیہ کے جواز کا قول منسوب کیا ہے؛ لیکن واقعہ میں یہ بھی ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو منع فرمایا تھا تو ظاہر ہے کہ اس کے بعد انہوں نے رجوع کرلیا ہوگا؛ لہٰذا یقینی طور پر ان کی جانب یہ قول منسوب نہیں کیا جاسکتا، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

درایۃً نا قابل اعتبار ہونے کی وجہ

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک درایۃً غیر معتبر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قول کی یہ عقلی دلیل پیش کی ہے:

أَمَّا إِنْ كَانَتِ الصِّيَاغَةُ مُبَاحَةً - كَخَاتَمِ الْفِضَّةِ وَحِلْيَةِ النِّسَاءِ وَمَا أُبِيحَ مِنْ حِلْيَةِ السِّلَاحِ وَغَيْرِهَا - فَالْعَاقِلُ لَا يَبِيعُ هَذِهِ بِوَزْنِهَا مِنْ جِنْسِهَا فَإِنَّهُ سَفَهٌ وَإِضَاعَةٌ لِلصَّنْعَةِ. وَالشَّارِعُ أَحْكَمُ مِنْ أَنْ يُلْزِمَ الْأُمَّةَ بِذَلِكَ. فَالشَّرِيعَةُ لَا تَأْتِي بِهِ، وَلَا تَأْتِي بِالْمَنْعِ مِنْ بَيْعِ ذَلِكَ وَشِرَائِهِ لِحَاجَةِ النَّاسِ إِلَيْهِ. (۱)

---

(۱) اعلام الموقعین ۲/ ۱۰۷

اگر سونا چاندی مباح طور پر ڈھالے گئے ہوں، مثلاً چاندی کی انگوٹھی، عورتوں کے زیورات اور ہتھیار وغیرہ پر لگایا ہوا سونا، تو عقل مند شخص ان چیزوں کو ان کی جنس کے عوض وزن کے ذریعہ فروخت نہیں کرے گا؛ کیوں کہ یہ حماقت اور ضیاع صنعت ہے، اور شارعؒ امت پر اس طرح کی چیزیں لازم نہیں کرتا، چنانچہ شریعت اس کی ممانعت نہیں کرتی؛ کیوں کہ لوگوں کو اس کی حاجت ہے۔

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ جیسے علامہ سے اس طرح کا کلام بہت ہی عجیب ہے، پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ نصوص ظاہرہ کے مقابلہ میں رائے زنی ہے، اور محض رائے سے حرمت کے قائلین اسلاف کو بے وقوف قرار دینا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس طرح کی بات عمدہ کھجور کے ردی کھجور عوض فروخت میں کہی جا سکتی ہے کہ کوئی عقل مند شخص ایسا نہیں کرے گا، اور یہ حماقت ہے، حالاں کہ نص میں اس کی ممانعت آئی ہے، اور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے، اور علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے جید اور ردی اور مصوغ وغیر مصوغ کو ایک ہی حکم میں رکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّمَ أَشْيَاءَ مِمَّا يَخْفَى فِيهَا الْفَسَادُ لِإِفْضَائِهَا إِلَى الْفَسَادِ الْمُحَقَّقِ كَمَا حَرَّمَ قَلِيلَ الْخَمْرِ؛ لِأَنَّهُ يَدْعُو إِلَى كَثِيرِهَا مِثْلُ رِبَا الْفَضْلِ، فَإِنَّ الْحِكْمَةَ فِيهِ قَدْ تَخْفَى إِذِ الْعَاقِلُ لَا يَبِيعُ دِرْهَمًا بِدِرْهَمَيْنِ، إِلَّا لِاخْتِلَافِ الصِّفَاتِ. مِثْلُ: كَوْنِ الدِّرْهَمِ صَحِيحًا، وَالدِّرْهَمَيْنِ مَكْسُورَيْنِ أَوْ كَوْنِ الدِّرْهَمِ مَصُوغًا أَوْ مِنْ نَقْدٍ نَافِقٍ وَنَحْوِ ذٰلِكَ؛ وَلِذٰلِكَ خَفِيَتْ حِكْمَةُ تَحْرِيمِهِ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ

وَمُعَاوِيَةَ وَغَيْرِهِمَا فَلَمْ يَرَوْا بِهِ بَأْسًا حَتَّى أَخْبَرَهُمُ الصَّحَابَةُ الْأَكَابِرُ كعبادة بْنِ الصَّامِتِ وَأَبِي سَعِيدٍ وَغَيْرِهِمَا - بِتَحْرِيمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرِبَا الْفَضْلِ. (۱)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ ایسی چیزوں کو بھی حرام قرار دیا ہے جن میں فساد مخفی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ حقیقی فساد کا ذریعہ ہیں، جیسے قلیل شراب کی حرمت کثیر کا سبب بننے کی وجہ سے ہے، اسی طرح ربا الفضل کی حکمت مخفی ہے؛ کیوں کہ عقل مند شخص ایک درہم کی دو درہم کے عوض اسی صورت میں فروخت کرے گا جب کہ صفات مختلف ہوں، مثلاً ایک درہم صحیح ہو اور اس کے عوض دو درہم ٹوٹے ہوئے ہوں، یا درہم ڈھلے ہوئے ہوں، اسی وجہ سے حضرت ابن عباس اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم پر حکمت مخفی رہ گئی، اور انہوں نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا، حتی کہ اکابر صحابہ حضرت عبادہ وابوسعید خدری رضی اللہ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت کے متعلق حدیث سنائی۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت اس بات کی دلیل ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں وہ جمہور صحابہ اور ائمہ کے ساتھ ہیں، اور حرمت تفاضل میں ڈھلے اور بنا ڈھلے کا بھی اعتبار ہوگا، اور اس کی حرمت کی حکمت ان پر مخفی ہے، جیسے تمام اموال ربویہ میں ربا الفضل کی حرمت مخفی ہے، اور علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو جو علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے ہم مسلک سمجھا جاتا ہے مجھے علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کی تصریح نہیں مل سکی؛ بلکہ ان کی عبارت تو اس کے خلاف ہے، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

(۱) مجموع الفتاوی ۲۹/ ۲۴و۲۵

پھر علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ربا الفضل کی حرمت کی حکمت ربا کے دروازہ کو بند کرنا ہے، اور یہ حکمت ڈھلے ہوئے کی بیع میں نہیں پائی جاتی؛ لیکن یہ استدلال بھی درست نہیں ہے، پہلی وجہ یہ ہے کہ حکمت اگر منصوص نہ ہو تو اس کی تخریج میں اختلافِ آراء ہو ہی جاتا ہے، اور اس مسئلہ کی حکمت کے بیان میں اختلاف ہوا بھی ہے۔(۱) دوسری وجہ یہ ہے کہ حکم کا مدار علت پر ہوتا ہے، حکمت پر نہیں۔(۲) تیسری وجہ یہ ہے کہ سدّ ذریعہ یہاں بھی موجود ہے؛ اس لیے کہ اگر ڈھلے ہوئے کی بغیر ڈھلے ہوئے کے عوض صنعت کی وجہ سے تفاضل کے ساتھ بیع کی اجازت دی جائے تو یہاں کوئی ایسا معیار نہیں ہے جس کے مطابق صنعت کے مقابل زائد ثمن کی تحدید کی جاسکے؛ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ ڈھلے ہوئے کا بیچنے والا صنعت کے مقابل بہت زائد رقم لے لے، اور اس کا مقصد سود ہو، مثلاً: انگوٹھی، جس میں بہت ہی کم صنعت ہوئی ہو، اس کو اس سے کئی گنا زائد سونے کے عوض فروخت کرے۔

اور علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ کہا ہے کہ لوگوں کو اس کی حاجت ہے تو یہ حاجت اس طور پر پوری ہوسکتی ہے کہ ڈھلے ہوئے کو اس کے خلاف جنس کے عوض فروخت کیا جائے، چنانچہ چاندی کے زیورات سونے کے عوض اور سونے کے زیورات چاندی کے عوض بیچے جائیں، اور یہ بیع تفاضل کے ساتھ بالاجماع جائز ہے، بشرطیکہ مجلس میں قبضہ ہوجائے، اسی طرح زیورات کو اصطلاحی اثمان کے عوض بھی فروخت کیا جاسکتا ہے، اور علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ ذکر کیا ہے:

فَلَمْ يَبْقَ إِلَّا أَنْ يُقَالَ: لَا يَجُوزُ بَيْعُهَا بِجِنْسِهَا أَلْبَتَّةَ، بَلْ يَبِيعُهَا بِجِنْسٍ آخَرَ، وَفِي هَذَا مِنَ الْحَرَجِ وَالْعُسْرِ وَالْمَشَقَّةِ مَا تَتَّقِيهِ الشَّرِيعَةُ؛ فَإِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ

(۱) چنانچہ علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی حکمت "اسراف کی ممانعت" اور شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "حد سے زیادہ مال داری کا مکروہ ہونا" بیان کی ہے۔

(۲) اصول الافتاء وآدابہ، ص: ۲۴۱

لَيْسَ عِنْدَهُمْ ذَهَبٌ يَشْتَرُونَ بِهِ مَا يَحْتَاجُونَ إِلَيْهِ مِنْ ذٰلِكَ، وَالْبَائِعُ لَا يَسْمَحُ بِبَيْعِهِ بِبُرٍّ وَشَعِيرٍ وَثِيَابٍ. (۱)

صرف یہ صورت باقی رہی کہ بجنسہٖ فروخت کرنے کے بجائے اس کے خلاف جنس سے فروخت کیا جائے، اور اس میں حرج، تنگی اور مشقت ہے جس کو شریعت نے دفع کیا ہے؛ کیوں کہ اکثر لوگوں کے پاس سونا نہیں ہوتا کہ وہ اس سے اپنی ضرورت کی چیز خرید لیں، اور بائع جَو، گیہوں اور کپڑوں کے عوض دینے پر راضی نہیں ہوتا۔

تو یہ بات تو تمام ربویات کے باہمی تبادلہ میں بھی کہی جاسکتی ہے کہ اچھے قسم کے کھجور کی خریداری کے لیے مشتری کے پاس خراب قسم کے کھجور ہوتے ہیں، اور بائع جو یا گیہوں کے عوض فروخت کرنے پر راضی نہیں ہے، ظاہر ہے کہ اس طرح کی باتوں سے احادیث وآثار کو رد نہیں کیا جاسکتا، اور حضرت ابوسعید و ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا عَلَى خَيْبَرَ، فَجَاءَهُ بِتَمْرٍ جَنِيبٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَكُلُّ تَمْرِ خَيْبَرَ هٰكَذَا؟، قَالَ: لَا وَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا لَنَأْخُذُ الصَّاعَ مِنْ هٰذَا بِالصَّاعَيْنِ، وَالصَّاعَيْنِ بِالثَّلَاثَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَفْعَلْ، بِعِ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ، ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيبًا. (۲)

---

(۱) اعلام الموقعین ۲/۱۰۷

(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۲۲۰۱

اللہ کے رسول ﷺ نے ایک شخص کو خیبر کا عامل بنایا، وہ آپ کے پاس عمدہ کھجور لے کر آیا، تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: کیا خیبر کی ساری کھجوریں اسی طرح ہوتی ہیں، انہوں نے کہا: نہیں! اے اللہ کے رسول! ہم دو صاع کے عوض اس کا ایک صاع اور تین کے عوض دو صاع لیتے ہیں، تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ایسا مت کرو، ساری کھجوریں دراہم کے عوض بیچو، پھر ان دراہم سے عمدہ کھجور خریدو۔

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ لوگوں میں اچھی قسم کو خراب قسم کے عوض فروخت کرنے کا تعامل تھا، اور یہ تعامل اس لیے تھا کہ اس زمانہ میں نقود سے بہت کم معاملات کیے جاتے تھے، اوران کو اس عادت سے روکنا ان کے لیے باعثِ مشقت بھی تھا، پھر بھی حضور ﷺ نے انہیں منع فرمایا، اور کہا کہ اولاً دراہم کے عوض فروخت کرو، پھر ان دراہم کے عوض اچھی قسم خریدو، معلوم ہوا کہ نصوص کے ذریعہ حرام کردہ اشیاء کو حلال قرار دینے کے لیے اس جیسی تنگی کا اعتبار نہیں ہے؛ لہٰذا اگر کسی کے پاس سونا نہ ہو اور وہ چاندی کے زیورات خریدنا چاہے تو علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق مشتری کو اس سے زائد چاندی دینی پڑے گی جو کہ زیور کے اندر ہے، تو ایسے مشتری کے لیے حضور ﷺ کے حکم پر عمل کرنا چاہیے کہ دراہم سے سونا خرید کر اس سونے سے چاندی کے زیور خریدے، اور یہ حیلہ ممنوع نہیں ہے؛ کیوں کہ خود حضور ﷺ نے یہ حیلہ بتلایا ہے۔

۳۲۰۔ کیا اصطلاحی ثمن کا تبادلہ بھی صرف ہے؟

چاندی کے ڈھلے ہوئے دراہم اور سونے کے ڈھلے ہوئے دینار میں بالاتفاق بیع صرف جاری ہوتی ہے، اگر جنس متحد ہو تو تماثل اور تقابض ضروری ہے، اور اگر جنس مختلف ہو تو تماثل ضروری نہیں ہے؛ لیکن تقابض ضروری ہے۔

مالکیہ کا مذہب

رہے عرفی اثمان یا سونے اور چاندی کے علاوہ سے بنائے گئے سکے، جیسے:

فلوس، تو اس کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ دراہم ودنانیر کے حکم میں ہیں؛ لہٰذا بجنسہٖ تبادلہ کی صورت میں تماثل وتقابض اور بخلاف جنسہٖ تبادلہ کی صورت میں تقابض ضروری ہے، مدونہ کبریٰ میں ہے:

اگر میں دراہم کے عوض فلوس خریدوں اور قبضہ کرنے سے پہلے علاحدہ ہوجاؤں؟ آپ نے کہا: یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درست نہیں ہے؛ بلکہ فاسد ہے، فلوس کے متعلق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے کہا: سونے اور چاندی کے عوض فلوس کی مؤجل بیع میں کوئی خیر نہیں ہے، اگر لوگ چمڑوں کا سکہ بنا کر فروخت کرنے لگیں تو یہ بات مجھے ناپسند ہوگی کہ انہیں سونے چاندی کے عوض مؤجل فروخت کیا جائے، میں نے کہا: اگر میں فلوس کے عوض چاندی یا سونے کی انگوٹھی یا سونے کا ڈلا خریدوں اور قبضہ سے قبل علیحدہ ہوجاؤں تو کیا یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے؟ انہوں نے کہا: جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ایک فلس کی دو کے عوض بیع درست نہیں ہے، اور فلوس کی بیع سونے چاندی اور دنانیر کے عوض مؤجل جائز نہیں ہے، فلوس کے باہمی تبادلہ میں کمی بیشی ہے؛ لہٰذا نہ نقد بیع درست ہے نہ ادھار، اور ہاتھ در ہاتھ لین دین بھی ضروری ہے، حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت یحییٰ بن سعید اور ربیعہ رحمۃ اللہ علیہما کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ فلوس کی فلوس کے عوض کمی بیشی یا ادھار کے ساتھ بیع ممنوع ہے، اور یہ دراہم ودنانیر کے سکوں کے مانند سکے ہیں، اور یزید بن ابی حبیب اور عبید اللہ بن ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہما کے حوالہ سے انہوں نے نقل کیا ہے: ہمارے تمام مشائخ دنانیر ودراہم کے عوض فلوس کی بیع میں تقابض کو ضروری قرار دیتے تھے، اور یحیی بن ایوب

رحمۃ اللہ علیہ نے یحیی بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ جب فلوس کے عوض دراہم کی بیع ہو تو قبضہ سے قبل جدا نہ ہو۔(۱)

شافعیہ کا مذہب

شافعیہ کے نزدیک سونے چاندی میں تفاضل ونسیئہ کی حرمت کی علت اگرچہ ثمنیت ہے؛ لیکن وہ اس کو جوہریتِ ثمن کے ساتھ مقید کرتے ہیں، مطلب یہ کہ جنہیں فطری طور پر ثمن شمار کیا جاتا ہو، اور یہ سونا چاندی ہیں، رہے وہ اثمان جو اصطلاحی ہوں، جیسے: فلوس تو وہ کبھی ثمن ہوتے ہیں اور کبھی نہیں؛ لہٰذا ان میں جوہریتِ ثمن مفقود ہے؛ اس لیے اس میں وہ علت موجود نہیں ہے جس کی بنا پر تفاضل ونسیئہ کو حرام قرار دیا جائے، چنانچہ فلوس کے باہمی تبادلہ میں ان کے نزدیک ربا کا تحقق نہیں ہوگا، اور تفاضل ونسیئہ دونوں جائز ہوں گے۔(۲)

حنابلہ کا مذہب

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے اس مسئلہ میں دو روایتیں ملتی ہیں: ایک یہ کہ ایک فلس کی دو کے عوض بیع جائز ہے؛ کیوں کہ ان کے نزدیک علت وزن ہے جو کہ فلوس میں موجود نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ عددی ہوتے ہیں، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ ان میں ربا اور صرف جاری ہوتا ہے؛ کیوں کہ انہیں پیتل، تانبے اور لوہے سے بنایا جاتا ہے، تو اصل چیز وزنی ہے، اور قاضی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول مختار قرار دیا ہے کہ جو چیز بنائے جانے کے بعد بھی وزناً فروخت ہوتی ہو، جیسے: اسطال (پیتل کا برتن) تو اس میں ربا جاری ہوگا؛ ورنہ نہیں۔(۳)

حنفیہ کا مذہب

حنفیہ کے نزدیک علت وزن ہے نہ کہ ثمنیت، ظاہراً اس کا مقتضی یہ ہے کہ فلوس

---

(۱) المدونۃ الکبری ۳/۵

(۲) تحفۃ المحتاج ۴/۲۷۹

(۳) المغنی ۴/۸

کے عددی ہونے کی وجہ سے ان میں ربا نہ ہو؛ لیکن ایک دوسرے پہلو سے حنفیہ نے فلوس میں تفاضل کو ناجائز قرار دیا ہے، وہ یہ کہ فلوس جب ثمن ہوں تو وہ غیر متعین ہوں گے؛ لہٰذا اگر بلا تعیین انہیں فروخت کیا جائے تو وہ ایک جیسی مساوی اشیاء ہوں گی، پس کسی ایک جانب زیادتی بلا عوض ہوگی جو کہ ربا ہے، علامہ بابرتی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر زید نے عمرو کو دو فلس کے عوض ایک فلس فروخت کیا، اور فلوس متعین نہ ہوں تو زید عمرو سے یہ کہہ سکتا ہے کہ تیرے ذمہ میرے دو فلس ہیں اور میرے ذمہ تیرے ایک فلس؛ لہٰذا میں اپنے فلس کا تیرے فلس سے مقاصّہ کرتا ہوں، اور میں تجھے فلس نہیں دوں گا؛ بلکہ میرے ذمہ جو ایک فلس باقی ہے وہ مجھے دے، اس طور پر زید عمرو کے ایک فلس کا مستحق ہوجائے گا، حالاں کہ اس نے کوئی عوض نہیں دیا ہے، اور اس کا بطلان ظاہر ہے۔(۱)

یہ اس صورت میں ہے جب کہ فلوس غیر متعین ہوں، اگر زید اپنا متعین فلس عمرو کے دو متعین فلس کے عوض فروخت کرے تو اس میں ائمہ احناف کا اختلاف ہے، شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک تعیین کی وجہ سے فلوس عرض کی مانند ہوجاتے ہیں، پس اس میں تفاضل جائز ہوگا، اس کی وضاحت یہ ہے کہ فلوس کی اصل پیتل یا تانبا یا لوہا ہے، ان میں سے ہر ایک عرض ہے جو تعیین سے متعین ہوجاتا ہے؛ لیکن فلوس لوگوں کی اصطلاح کی وجہ سے ثمن بن گئے ہیں؛ لہٰذا ثمنیت پر جس طرح اصطلاح درست ہے عاقدین کے لیے یہ بھی درست ہوگا کہ وہ ثمنیت کے ابطال اور اصل کے اعادہ پر اصطلاح کرلیں، صاحب ہدایہ شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے قول کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَلَهُمَا أَنَّ الثَّمَنِيَّةَ فِي حَقِّهِمَا تَثْبُتُ بِاصْطِلَاحِهِمَا إِذْ لَا وِلَايَةَ لِلْغَيْرِ عَلَيْهِمَا فَتَبْطُلُ بِاصْطِلَاحِهِمَا وَإِذَا بَطَلَتِ الثَّمَنِيَّةُ تَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ وَلَا يَعُودُ وَزْنِيًّا لِبَقَاءِ الِاصْطِلَاحِ عَلَى الْعَدِّ.(۲)

---

(۱) عنایہ ۷/ ۲۰

(۲) ہدایہ ۳/ ۶۳

شیخین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ عاقدین کے حق میں ثمنیت کا ثبوت انہی کی اصطلاح سے ہوا ہے؛ کیوں کہ غیر کو ان پر ولایت نہیں ہے؛ لہٰذا ان کی اصطلاح سے یہ باطل بھی ہو جائے گی، اور جب ثمنیت باطل ہوگئی تو وہ تعیین سے متعین ہو جائیں گے اور وزنی نہیں ہوں گے؛ کیوں کہ عددی ہونے پر اصطلاح باقی ہے۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے اختلاف کرتے ہوئے فلوس میں تفاضل کو ناجائز قرار دیا ہے؛ کیوں کہ ثمنیت کا ثبوت لوگوں کی اصطلاح سے ہوا ہے؛ لہٰذا اس کا بطلان عاقدین کی اصطلاح سے نہیں ہوگا، اور جب فلوس ثمن ہی رہے تو وہ متعین نہیں ہوں گے، پس یہ ایسا ہی ہو گیا جیسا کہ دونوں غیر متعین ہوں اور جیسے ایک درہم کی دو درہم کے عوض بیع۔(۱)

فلوس کے تبادلہ میں باہمی قبضہ

پھر ائمہ احناف کا تفاضل کے سلسلہ میں اگرچہ اختلاف ہے؛ لیکن ان کا فلوس کی فلوس کے عوض بیع کے صرف نہ ہونے پر اتفاق ہے، اسی وجہ سے بعض فقہاء نے تقابض کے عدمِ وجوب کا فتوی دیا ہے، اور صرف یہ شرط لگائی ہے کہ کسی ایک بدل پر قبضہ ہو جائے؛ تا کہ دین بالدین لازم نہ آئے۔

لیکن علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے فلوس کے باہمی تبادلہ میں بھی تقابض کو ضروری قرار دیا ہے، اور اس کی وجہ صرف ہونا نہیں ہے؛ بلکہ اتحادِ جنس ہے جو کہ نسیئہ سے مانع ہے، علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَكَذَا إِذَا تَبَايَعَا فَلْسًا بِعَيْنِهِ بِفَلْسٍ بِعَيْنِهِ فَالْفَلْسَانِ لَا يَتَعَيَّنَانِ، وَإِنْ عُيِّنَا إِلَّا أَنَّ الْقَبْضَ فِي الْمَجْلِسِ شَرْطٌ حَتَّى يَبْطُلَ بِتَرْكِ التَّقَابُضِ فِي الْمَجْلِسِ لِكَوْنِهِ افْتِرَاقًا عَنْ دَيْنٍ بِدَيْنٍ. وَلَوْ قَبَضَ

(۱) ہدایہ ۳/ ۶۳

أَحَدَ الْبَدَلَيْنِ فِي الْمَجْلِسِ فَافْتَرَقَا قَبْلَ قَبْضِ الْآخَرِ ذَكَرَ الْكَرْخِيُّ أَنَّهُ لَا يَبْطُلُ الْعَقْدُ؛ لِأَنَّ اشْتِرَاطَ الْقَبْضِ مِنَ الْجَانِبَيْنِ مِنْ خَصَائِصِ الصَّرْفِ، وَهٰذَا لَيْسَ بِصَرْفٍ فَيُكْتَفَى فِيهِ بِالْقَبْضِ مِنْ أَحَدِ الْجَانِبَيْنِ، لِأَنَّ بِهِ يَخْرُجُ عَنْ كَوْنِهِ افْتِرَاقًا عَنْ دَيْنٍ بِدَيْنٍ، وَذَكَرَ فِي بَعْضِ شُرُوحِ مُخْتَصَرِ الطَّحَاوِيِّ -رَحِمَهُ اللّٰهُ- أَنَّهُ يَبْطُلُ لَا لِكَوْنِهِ صَرْفًا بَلْ لِتَمَكُّنِ رِبَا النَّسَاءِ فِيهِ لِوُجُودِ أَحَدِ وَصْفَيْ عِلَّةِ رِبَا الْفَضْلِ وَهُوَ الْجِنْسُ، وَهُوَ الصَّحِيحُ.(۲)

اگر متعین فلس کی متعین فلس کے عوض فروخت ہو تو دونوں متعین کرنے سے متعین نہیں ہوں گے، اور مجلس میں قبضہ شرط ہے؛ لہٰذا قبضہ نہ کرنے سے بیع باطل ہو جائے گی؛ کیوں کہ یہ دین بالدین ہو جائے گا، اور اگر مجلس میں صرف ایک پر قبضہ کر لیا جائے اور دوسرے پر قبضہ سے قبل علیحدگی ہو جائے تو امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ عقد باطل نہیں ہوگا؛ کیوں کہ تقابض کی شرط بیع صرف کی خصوصیات میں سے ہے، اور یہ بیع صرف نہیں ہے: لہٰذا ایک جانب سے قبضہ کافی ہے، اور اسی سے وہ دین بالدین ہونے سے خارج ہو جائے گا، اور مختصر طحاوی کی کسی شرح میں بطلان کا قول ہے، وجہ بیع صرف ہونا نہیں ہے؛ بلکہ چوں کہ ربا کی علت کے دو اوصاف میں سے ایک وصف یعنی جنس پائے جانے کی وجہ سے ربا النسیہ پایا جا رہا ہے، یہی صحیح ہے۔

---

(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۲۳۷

اگر فلوس کی دراہم کے عوض بیع ہو تو کسی ایک بدل پر قبضہ کافی ہے؛ کیوں کہ جنس مختلف ہے، علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی تصریح کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

وَلَوْ لَمْ يُوجَدْ الْقَبْضُ إِلَّا مِنْ أَحَدِ الْجَانِبَيْنِ دُونَ الْآخَرِ فَافْتَرَقَا مَضَى الْعَقْدُ عَلَى الصِّحَّةِ؛ لِأَنَّ الْمَقْبُوضَ صَارَ عَيْنًا بِالْقَبْضِ فَكَانَ افْتِرَاقًا عَنْ عَيْنٍ بِدَيْنٍ. (۱)

اگر صرف ایک جانب سے قبضہ پایا جائے اور وہ علیحدہ ہو جائیں تو عقد درست ہی رہے گا؛ کیوں کہ قبضہ کی ہوئی چیز قبضہ کرنے سے عین بن گئی، پس یہ عین بالدین پر علیحدگی ہوگی۔

خلاصہ یہ نکلا کہ فلوس کی بیع بالجنس کی صورت میں تقابض شرط ہے؛ اس لیے نہیں کہ وہ بیع صرف ہے؛ بلکہ جنس متحد ہونے کی وجہ سے؛ کیوں کہ یہ نسیئہ سے مانع ہے، اور اگر بیع بخلاف جنسہ ہو تو صرف ایک پر قبضہ کافی ہے۔

۳۲۱۔ فلوس کے اندر بیع سلم

اسی پر فلوس میں بیع سلم کے حکم کی تخریج ہوگی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ممنوع ہے، سابق میں مدونہ کی یہ عبارت آچکی ہے:

الْفُلُوسُ بِالْفُلُوسِ بَيْنَهُمَا فَضْلٌ فَهُوَ لَا يَصْلُحُ فِي عَاجِلٍ بِآجِلٍ وَلَا عَاجِلٌ بِعَاجِلٍ وَلَا يَصْلُحُ بَعْضُ ذَلِكَ بِبَعْضٍ إِلَّا هَاءَ وَهَاءَ قَالَ: اللَّيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ وَرَبِيعَةَ أَنَّهُمَا كَرِهَا الْفُلُوسَ بِالْفُلُوسِ وَبَيْنَهُمَا فَضْلٌ أَوْ نَظِرَةٌ وَقَالَا: إِنَّهَا صَارَتْ سِكَّةً مِثْلَ سِكَّةِ الدَّنَانِيرِ وَالدَّرَاهِمِ. (۲)

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۲۳۷

(۲) المدونۃ الکبری ۳/ ۵

فلوس کے باہمی تبادلہ میں کمی بیشی ہے؛ لہٰذا نہ نقد بیع درست ہے نہ ادھار، اور ہاتھ در ہاتھ لین دین بھی ضروری ہے، حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت یحییٰ بن سعید اور ربیعہ رحمۃ اللہ علیہما کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ فلوس کی فلوس کے عوض کمی بیشی یا ادھار کے ساتھ بیع ممنوع ہے، اور یہ دراہم ودنانیر کے سکوں کے مانند سکے ہیں۔

اور علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی لکھا ہے:

وكره مالك السلم في الفلوس وكذلك كره التفاضل فيها وبيع بعضها ببعض نسيئة ولم يجزها إلا يدا بيد وأجاز ذلك كله غيره من العلماء بالحجاز والعراق. (۱)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فلوس میں بیع سلم کی کراہت کے قائل ہیں، نیز تفاضل اور نسیئہ کو بھی مکروہ قرار دیتے ہیں، صرف تقابض کی صورت میں اجازت دیتے ہیں، اور علماء حجاز وعراق نے فلوس میں مذکورہ تمام چیزوں کو جائز قرار دیا ہے۔

حنابلہ کا مذہب

حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر رأس المال عرض ہو تو فلوس میں بیع سلم جائز ہے، اور اگر نقد ہو تو جائز نہیں ہے، علامہ بہوتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

يَصِحُّ السَّلَمُ (فِي فُلُوسٍ) وَلَوْ نَافِقَةً وَزْنًا وَعَدَدًا عَلَى مَا فِي الْإِقْنَاعِ (وَيَكُونُ رَأْسُ مَالِهَا عَرَضًا) لَا نَقْدًا ؛ لِأَنَّهَا مُلْحَقَةٌ بِالنَّقْدِ. (۲)

---

(۱) الکافی فی فقہ اہل المدینۃ ۲/ ۶۴۴

(۲) شرح منتہی الارادات ۲/ ۸۹

فلوس میں بیع سلم وزناً اور عدداً درست ہے، بشرطیکہ راس المال
عرض ہو نہ کہ نقد؛ کیوں کہ فلوس نقد کے ساتھ لاحق ہیں۔

اس مسئلہ کی بنیاد امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت پر ہے جس میں وہ فلوس میں صرف کے جاری ہونے کے قائل ہیں۔

شافعیہ کا مذہب

شوافع کے نزدیک فلوس میں بیع سلم مطلقاً جائز ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَإِنَّمَا أَجَزْتُ أَنْ يُسْلَمَ فِي الْفُلُوسِ بِخِلَافِهِ فِي الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ بِأَنَّهُ لَا زَكَاةَ فِيهِ وَأَنَّهُ لَيْسَ بِثَمَنٍ لِلْأَشْيَاءِ كَمَا تَكُونُ الدَّرَاهِمُ وَالدَّنَانِيرُ أَثْمَانًا لِلْأَشْيَاءِ الْمُسْتَهْلَكَةِ.(۱)

فلوس میں بیع سلم کی اجازت ہے، اس میں زکوۃ بھی نہیں ہے،
اور جس طرح دراہم و دنانیر تلف کردہ اشیاء کے ثمن ہوتے ہیں
فلوس ان کی مانند ثمن نہیں ہوتے۔

حنفیہ کا مذہب

حنفیہ کے نزدیک فلوس میں عدداً بیع سلم جائز ہے، صحیح یہی ہے کہ شیخین اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم ہر ایک جواز کے قائل ہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے، بعض لوگوں نے ایک فلس کی دو فلس کے عوض بیع کے عدمِ جواز پر قیاس کرتے ہوئے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے عدمِ جواز کا قول نقل کیا ہے؛ کیوں کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں فلوس کو ثمن مانا تھا، اور عاقدین کی اصطلاح سے ثمنیت کو باطل قرار نہیں دیا تھا؛ لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر الروایہ یہ ہے کہ بیع سلم جائز ہے، جامع صغیر (۲) میں آپ نے اس کی صراحت

(۱) الام ۳/۹۸

(۲) ص: ۳۲۴

کی ہے، اور علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے بیع مطلق اور بیع سلم میں وجہ فرق یہ بیان کی ہے کہ سلم کے مقتضیات میں سے یہ ہے کہ مسلم فیہ مبیع ہو، پس جب دونوں نے بیع سلم کیا تو ثمنیت پر ان کی اصطلاح اس کے ابطال کو متضمن ہے، اور بیع سلم تعامل کے مطابق منعقد ہوگی، یعنی عدد کے ذریعہ، برخلاف بیع کے، کہ وہ ثمن پر بھی ہوسکتی ہے؛ لہٰذا ثمنیت سے نکالنے کی کوئی وجہ نہیں ہے؛ اس لیے تفاضل جائز نہیں ہوگا، اور ایک فلس کی دو کے عوض بیع درست نہیں ہوگی۔ (۱)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق سب سے بہتر وجہ فرق یہ ہے کہ ایک فلس کی دو فلس کے عوض بیع کی حرمت ان کے اموال ربویہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے؛ بلکہ وجہ یہ ہے کہ اس طرح کی بیع ان کے قطعاً امثال متساویہ ہونے کی وجہ سے عوض سے خالی زائد کو مستلزم ہوتی ہے، جیسا کہ سابق میں وضاحت آ چکی ہے، اور نسیئہ کی حرمت اتحادِ جنس کی بنا پر ہے، اور فلوس میں دراہم کے ذریعہ بیع سلم کی صورت میں دونوں ممنوعہ امور میں سے کوئی لازم نہیں آتا؛ کیوں کہ فلوس عددی ہیں، پس قدر فوت ہوگیا، اور دراہم وزنی ہیں؛ لہٰذا عوض سے خالی زائد حصہ نہیں ہوگا، اور جنس بھی مختلف ہے؛ لہٰذا جب دونوں نہیں ہیں تو تفاضل ونسیئہ جائز ہوں گے اور سلم بھی جائز ہوگا۔

مذکورہ تفصیل اس صورت میں ہے جب کہ راس المال دراہم یا دنانیر ہوں، اگر فلوس کی فلوس کے عوض بیع سلم کرے تو ناجائز ہے؛ کیوں کہ اتحادِ جنس کی وجہ سے نسیئہ حرام ہوجاتا ہے، مجھے اس صورت کا حکم صراحۃً نہیں مل سکا کہ اگر فلوس مختلف جنس کے ہوں، مثلاً: بعض پیتل کے اور بعض لوہے کے، تو کیا ان کی آپس میں بیع سلم درست ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ جائز ہے؛ کیوں کہ نسیئہ کی حرمت کا سبب عوضین کا جنس واحد ہونا ہے، جب جنس مختلف ہوگئی اور قدر بھی نہیں پایا گیا تو تفاضل ونسیئہ دونوں جائز ہوں گے، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

---

(۱) فتح القدیر ۷/ ۷۵

۳۲۲۔ کاغذی کرنسی

فلوس اور نقود کے سلسلہ میں فقہاء کا مذکورہ اختلاف اس زمانہ میں تھا جب کہ سونا چاندی ہی ثمن تھے، اور اکثر تجارتی معاملات سونے چاندی کے سکے ہی سے رائج تھے، فلوس کا بہت کم معاملات میں استعمال ہوتا تھا، موجودہ زمانہ میں سونے چاندی کے سکے معدوم ہیں، پوری دنیا میں کہیں نہیں پائے جاتے، اور اکثر معاملات میں کاغذی نقود نے ان کی جگہ لے لی ہے، ان کاغذات کی تکییف میں معاصر علماء کی آراء مختلف ہیں۔

۳۲۳۔ کیا یہ کاغذات دین کے وثائق ہیں؟

میں نے اپنے رسالہ احکام الاوراق النقدیۃ میں ان کاغذات کے رواج کی تاریخ ذکر کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کاغذات ابتداء میں اس دین کا وثیقہ ہوتے تھے جو جاری کرنے والے کے ذمہ حامل کا ہوتا تھا، بینک اس بات کے اعتراف کے لیے یہ کاغذات جاری کرتے تھے کہ حامل کا ان کے ذمہ دین ہے، اور حامل کو یہ حق ہوتا تھا کہ وہ جب چاہے کاغذ پر لکھی ہوئی رقم کا مطالبہ کرلے، پھر ان کاغذات کے حاملین انہی کے ذریعہ چیزیں خریدنے لگے، اور بائع کا ان کاغذات کے جاری کرنے والے پر احالہ کر دیتے تھے، اور بائع کو یہ اختیار ہوتا تھا کہ وہ بینک سے رقم کے مطالبہ میں مشتری کا قائم مقام ہوجائے، اس طرح خرید وفروخت میں معدنی نقود کے بجائے یہ کاغذات استعمال ہونے لگے۔

پہلی تکییف

بعض علماء نے اس پہلو کی جانب نظر کرتے ہوئے کہا کہ یہ کاغذات مال نہیں ہیں؛ بلکہ دین کا وثیقہ ہیں۔(۱) اسی پر یہ مسئلہ متفرع ہوا کہ ان کاغذات کے ذریعہ زکوۃ کی ادائیگی اسی صورت میں ہوگی جب کہ فقیر ان کا استعمال کرلے، اسی طرح ان سے سونا نہیں خریدا جاسکتا؛ کیوں کہ کاغذات پر قبضہ ان پر تحریر شدہ رقم پر قبضہ شمار نہیں ہوتا؛ بلکہ

---

(۱) علامہ ساعاتی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول علامہ احمد بک حسینی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔(بلوغ الامانی ۸/۲۵۱)

یہ تو دین کا حوالہ ہے؛ لہٰذا تقابض معدوم ہے جو کہ بیع صرف کے صحیح ہونے کی شرط ہے۔
(۱) اور اس تکییف کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ان کاغذات کا باہمی تبادلہ بھی جائز نہ ہو؛ کیوں کہ یہ بیع الدین بالدین ہے؛ الّا یہ کہ حوالہ کا طریقہ اختیار کیا جائے۔(۲)

دوسری تکییف

بعض علماء کہتے ہیں: یہ کاغذات اگرچہ دین کا وثیقہ ہیں؛ لیکن عرف وقانون کی وجہ سے وہ اصطلاحی ثمن ہو گئے ہیں؛ لہٰذا ان پر اثمان کا حکم جاری ہوگا اور ان سے زکوۃ ادا ہو جائے گی، پھر اگر ان کاغذات کے پس پشت سونا اور چاندی ہوں تو ان پر سونے چاندی کا حکم اور فلوس ہوں تو فلوس کا حکم جاری ہوگا، یہ علامہ فتح محمد لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (۳) اور علامہ سعید احمد لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (۴) کا موقف ہے، اور علامہ فتح محمد لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی موقف مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی نقل کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ مذکورہ دونوں اقوال مختلف زمانوں کے لحاظ سے درست ہیں؛ کیوں کہ یہ بات یقینی ہے کہ یہ کاغذات ابتداء میں دین کا وثیقہ تھے، قانوناً ان کی حیثیت ثمن کی نہیں تھی، ایسی صورت میں پہلا قول متعین ہے، پھر بعد میں جب ان کاغذات نے قانونی حیثیت اختیار کر لی اور مالی حقوق کی ادائیگی میں ان کو قبول کرنے پر مجبور کیا جانے لگا تو دوسرا قول راجح ہے، اس کے تفصیلی دلائل میں نے احکام الاوراق النقدیۃ میں بیان کر دیے ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ کاغذات' جاری کرنے والے کی جانب سے اس

---

(۱) امداد الفتاوی ۳/ ۹۸ و ۴۱۸/۶
(۲) فتاوی رشیدیہ، ص: ۴۶۸
(۳) عطر ہدایہ، ص: ۷۲
(۴) افتقار الناس الی رفع الحوائج بسکۃ القرطاس، مع عطر ہدایہ، ص: ۲۱۷ تا ۲۲۳

وعدہ پر مشتمل ہوتے ہیں کہ جب حامل رقم طلب کرے گا تو جاری کرنے والا ان کی ادائیگی کردے گا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فی نفسہ یہ کاغذ رقم نہیں ہے؛ بلکہ تحریر شدہ رقم کی ادائیگی کا وعدہ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اکثر ملکوں کی کاغذی کرنسیوں سے وعدہ کی عبارت حذف کردی گئی ہے، جیسے متحدہ امارات اور آسٹریلیا کے ڈالرز، یورپی ممالک کے یورو اور سعودی ریالات، ان کاغذی نقود پر ایسا کوئی وعدہ درج نہیں ہوتا؛ بلکہ ڈالر پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

this note is legal tender for all debts public and private.

یہ کاغذ قانونی کرنسی ہے جس سے شخصی یا حکومتی دیون ادا کیے جاتے ہیں۔

اسی طرح کا فقرہ متحدہ عرب امارات کے دراہم پر ہوتا ہے:

ورقة نقدية مضمونة القيمة بموجب القانون۔

اور سعودی ریال کی عبارت ہے:

طبعت في عهد خادم الحرمين الشريفين الملك عبد الله بن عبد العزيز آل سعود بموجب المرسوم الملكي رقم كذا۔

اور اکثر ملکوں کی طرف سے صادر ہونے والے کاغذی نقود میں ایسی عبارت نہیں ملتی جس میں ان کا وثیقۂ دین ہونا درج ہو؛ لہٰذا اس پہلو سے اشکال نہیں ہوگا، اور یہ سو فیصد اصطلاحی ثمن ہیں؛ البتہ جن ملکوں میں کاغذات پر اس طرح کا وعدہ لکھا ہوتا ہے، جیسے: اسٹرلنگ پونڈ اور ہندوستانی و پاکستانی روپے، تو اس وعدہ کا موجودہ دور میں یہی مطلب ہوتا ہے کہ بینک حامل کے کاغذات کی قیمت اسمیہ (Face value) کی حفاظت کا ضامن ہے، اگر کوئی شخص مرکزی بینک کے پاس وہ کاغذ لے جائے تو وہ اس کو

سونا، چاندی یا پیتل نہیں دیتا؛ بلکہ علامتی کرنسی یا دوسرے کاغذات دیتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بالفرض اگر ان کاغذات کو وثیقہ مان لیا جائے تو حکومت کے لیے ان کاغذات کو اصطلاحی ثمن قرار دینے سے کوئی مانع نہیں ہے؛ کیوں کہ حکومت کو مطلقاً یہ قدرت ہے کہ جس چیز کو چاہے ثمن قرار دے دے، خواہ وہ پیتل ہو یا لوہا یا چمڑا یا کاغذ، اور ان جیسے امور میں شریعت کی جانب سے وسعت، سہولت اور لوگوں کے درمیان جاری عرف وتعامل پر عمل ہی معہود ہے، نہ یہ کہ ایسی دقیق بحثیں کی جائیں جو کہ موجودہ دور میں فلسفہ نظریہ بن چکے ہیں جن کا روزمرہ کی زندگی میں کوئی اثر نہیں اور نہ ان کا کوئی پتہ ہے۔

موجودہ زمانہ میں جمہور معاصرین ان کاغذات کے حکماً ثمن ہونے پر متفق ہیں؛ لیکن اصل کے سلسلہ میں ان کے درمیان اختلاف ہے، اس سلسلہ میں تین موقف ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:

۳۲۴۔ پہلا موقف

پہلا موقف یہ ہے کہ سونے چاندی کی طرح یہ خلقی طور پر ثمن نہیں ہیں؛ بلکہ اصطلاح سے ان کی ثمنیت کا ثبوت ہوا ہے؛ لہٰذا یہ فلوس کی مانند اصطلاحی ثمن ہیں، اور فلوس کے احکام کے متعلق آچکا ہے کہ شافعیہ کے نزدیک اور حنابلہ کے راجح قول کے مطابق ان میں تفاضل جائز ہے، اور شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک متعین ہونے کی صورت میں لازم نہیں ہے، ان مذاہب کی بنیاد پر بعض علماء نے نقدی اوراق میں تفاضل اور نسیئہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، اور باہمی تبادلہ میں ربا کو غیر متحقق مانا ہے، شیخ عبد اللطیف فرفور رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مقالہ (۱) میں ان آراء کو نقل کیا ہے، یہ ایک سنگین فتویٰ ہے جس سے سود کا دروازہ کھل جاتا ہے، اور اس سے اوراق نقدیہ کے باہمی تبادلہ میں تفاضل ونسیئہ کو سندِ جواز ملتی ہے، مطلب یہ کہ موجودہ دور میں سود کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا؛ کیوں کہ جو شخص

(۱) جو کہ مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی ۳/ ۱۹۴۷ میں موجود ہے۔

ان نوٹوں کو سودی قرض پر دینا چاہتا ہو تو وہ قرض کے بدلہ بیع کا لفظ استعمال کر کے تفاضل ونسیئہ کے ذریعہ فروخت کرے گا، اس سے قرآن وسنت اور سود کے موضوع پر ان کے شدید احکام کو کالعدم کرنا لازم آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے اکابر علماء نے اس قول کی تردید کی ہے، جن میں حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔(۱)

۳۲۵۔دوسرا موقف

مذکورہ فتاویٰ کی سنگینی کے پیش نظر معاصر علماء کی ایک بڑی جماعت کا مذہب یہ ہے کہ ان اوراق کے رائج ہونے کے بعد یہ ثمن ہیں، اور سونے چاندی سے ڈھلے ہوئے اثمان کے مفقود ہونے کے بعد یہ نوٹ تمام احکام میں انہی کے قائم مقام ہو گئے ہیں، ان پر زکوۃ بھی واجب ہوگی اور ان سے ادا بھی کی جاسکتی ہے، بیع سلم میں ان کو راس المال بنایا جاسکتا ہے، اور ان میں سود بھی جاری ہوگا، اور صرف کے احکام بھی اس میں شرط ہوں گے، چنانچہ مجلس میں تقابض اور دیگر احکام کی رعایت ضروری ہے، مطلب یہ کہ یہ نقود سونے چاندی سے الگ مستقل جنس ہیں؛ لیکن سونے چاندی کی مانند ان کے حقیقی ثمن ہونے کی حیثیت سے انہی کے حکم میں ہوں گے؛ لہٰذا بجنسہ تبادلہ میں تماثل وتقابض ضروری ہے، اور بخلاف جنسہ تبادلہ میں تفاضل تو جائز ہے؛ لیکن تقابض ضروری ہے۔

اوراق نقدیہ کے بارے میں اس موقف کو رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے تحت مجمع الفقہ الاسلامی میں ایک تفصیلی قرارداد کے اندر بیان کیا گیا ہے، اس کی عبارت درج ذیل ہے:

> مجمع الفقہ الاسلامی کی مجلس کاغذی کرنسی اور اس کے شرعی احکام کے متعلق مقالات دیکھنے اور ارکانِ مجمع کے درمیان مناقشہ کے بعد درج ذیل قرارداد پاس کرتی ہے:
>
> ۱) نقد میں اصل سونا اور چاندی ہیں، اور دونوں میں ربا جاری

(۱) مجموعۃ فتاوی عبدالحئی ۲/ ۱۳۶

ہونے کی علت اصح قول کے مطابق ثمنیت ہے، اور ثمنیت فقہاء کے نزدیک سونے چاندی میں منحصر نہیں ہے؛ اگرچہ سونا چاندی کا معدن ہی اصل ہے، کاغذی کرنسی ثمن بن چکی ہے، اور تعامل میں سونے چاندی کے قائم مقام ہوگئی ہے، اور آج کل اشیاء کی قیمت انہی سے لگائی جاتی ہے؛ کیوں کہ سونے چاندی کا تعامل مخفی ہو چکا ہے، اور لوگ کاغذی کرنسی ہی کماتے اور جمع کرتے ہیں، اور ذمہ کی ادائیگی وغیرہ اسی سے کی جاتی ہے، حالاں کہ اس کرنسی کی قیمت فی ذاتہ نہیں ہے؛ بلکہ ایک خارجی امر میں ہے، اور وہ اس پر اعتماد کا ہونا ہے، یہی اس کی ثمنیت کا راز ہے۔

تحقیقی قول یہ ہے کہ ثمنیت 'علتِ ربا ہے، اور یہ علت اس کرنسی میں بھی موجود ہے؛ لہٰذا مجمع الفقہ الاسلامی کا فیصلہ یہ ہے کہ کاغذی کرنسی نقد قائم بالذات ہے، سونے چاندی کی مانند اس کا بھی حکم ہے، زکوۃ بھی واجب ہوگی، ربا کی دونوں قسمیں یعنی تفاضل ونسیئہ بھی جاری ہوں گی، جیسا کہ یہ امور سونے اور چاندی میں بھی جاری ہوتے ہیں، سونے چاندی پر قیاس کرتے ہوئے کاغذی کرنسی میں بھی ثمنیت کی علت پائی جارہی ہے، اسی بنا پر شریعت کی جانب سے مقرر کردہ تمام التزامات میں کاغذی کرنسی کا حکم نقود کی مانند ہوگیا۔

۲) نوٹ کو قائم بالذات نقد مانا جائے گا، جیسا کہ سونا چاندی وغیرہ قائم بالذات ہیں، اور نوٹ کی جنس بھی مختلف ملکوں کی جانب سے صادر ہونے کی وجہ سے مختلف ہوگی، مطلب یہ کہ

سعودی نوٹ ایک جنس ہے، اور امریکی ایک جنس، اور سارے کرنسی نوٹ مستقل بالذات جنس ہیں، اسی بنا پر ان میں ربا الفضل والنسیئہ جاری ہوگا، جیسا کہ سونا چاندی وغیرہ میں ہوتا ہے، ان تفصیلات کے جو تقاضے ہیں وہ ذیل میں رقم کیے جاتے ہیں:

الف: نوٹ کی آپس میں یا دیگر اجناس کے عوض بیع نسیئہ کے طور پر مطلقاً ناجائز ہے؛ لہٰذا سعودی ریال کی دوسری کرنسی کے عوض نسیئۃً بیع ناجائز ہوگی۔

ب: نوٹ کی ایک ہی کرنسی کا تفاضل کے ساتھ باہمی تبادلہ ناجائز ہے، خواہ نسیئہ ہو یا معجّل، چنانچہ دس ریال کی گیارہ کے عوض کسی بھی صورت میں بیع جائز نہیں ہے۔

ج: جنس کے اختلاف کی صورت میں تقابض کا خیال رکھتے ہوئے بیع جائز ہے، چنانچہ سوری یا لبنانی لیرہ کی سعودی ریال کے عوض بیع درست ہے، خواہ نوٹ ہو یا چاندی، کم ہو یا زیادہ، اور امریکی ڈالر کی تین ریال یا اس سے کم یا زیادہ کے عوض بیع جائز ہے، بشرطیکہ تقابض ہو، اسی طرح سعودی کا چاندی کا ریال؛ تین یا کم یا زیادہ کاغذی ریال کے عوض فروخت کیا جاسکتا ہے، تقابض کی شرط یہاں بھی ہوگی؛ کیوں کہ دونوں کی جنس مختلف ہے، اور حقیقت میں اختلاف پر نام کا اشتراک مؤثر نہیں ہوتا۔

۳) اگر کاغذی کرنسی کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کو پہونچ جائے یا دیگر تجارتی سامانوں کو ملا کر نصاب کی تکمیل

ہورہی ہو تو زکوۃ واجب ہے۔

۴) نوٹوں کو بیع سلم اور کمپنیوں میں رأس المال قرار دیا جاسکتا ہے، واللہ اعلم، وباللہ التوفیق وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم.(۱)

۳۲۶۔تیسرا موقف

نوٹ کے سلسلہ میں تیسرا موقف بھی ہے، اس کی بنیاد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے، حاصل یہ ہے کہ یہ فلوس کی مانند عرفی یا اصطلاحی ثمن ہے، اور ہر ملک کی کرنسی مستقل جنس ہے، زکوۃ واجب بھی ہوگی اور ادا بھی، بیع سلم میں انہیں راس المال قرار دیا جاسکتا ہے اور ربا بھی جاری ہوگا، بجنسہٖ تبادلہ میں تماثل اور تعجیل ضروری ہے، صرف ہونے کی وجہ سے نہیں ؛ بلکہ حنفیہ کے نزدیک اتحادِ جنس کے محرّمِ نسیہ ہونے کی وجہ سے؛ لیکن صرف کے احکام جاری نہ ہوں گے، یعنی مجلس میں تقابض لازم نہیں ہے، اور بغیر جنسہٖ تبادلہ میں نسیہ جائز ہے، مثلاً: امریکی ڈالر کی پاکستانی روپوں کے عوض فروختگی ہو؛ البتہ شرط یہ ہے کہ تبادلہ میں تبادلہ کے دن کی قیمت کا اعتبار کیا جائے؛ تا کہ یہ سود کا ذریعہ نہ بنے۔

اس قول کی دلیل یہ ہے کہ سونے چاندی اور نوٹ کے درمیان بہت فرق ہے، سونا چاندی ابتدائے تخلیق سے لے کر آج تک ثمن شمار ہوتے ہیں، اسی بنا پر انہیں خلقی ثمن کہا جاتا ہے، اور عرف واصطلاح کی وجہ سے ان کی صفتِ ثمنیت کو باطل قرار نہیں دیا جاتا، جب کہ نوٹ کا ثمن ہونا اصطلاح کی بنا پر ہے، ان کی ثمنیت دائمی نہیں ہے، کسی بھی وقت حکومت کے اس کو قانونی کرنسی نہ ماننے کے اعلان کی صورت میں اس کی ثمنیت باطل ہوسکتی ہے۔

اس لحاظ سے یہ سونے چاندی کے بالمقابل فلوس کے زیادہ مشابہ ہیں؛ لیکن نوٹ پر امام شافعی، امام احمد اور شیخین رحمۃ اللہ علیہم کے مذہب کے مطابق فلوس کے احکام جاری کرنے

(۱) مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی ۳/۹۵۱و۹۵۲

کی صورت میں سود کا دروازہ کھل جائے گا؛ کیوں کہ ان حضرات کے زمانہ میں فلوس کا استعمال بہت کم معاملات میں ہوتا تھا، اور نوٹ موجودہ زمانہ میں تمام معاملات کے لیے ایک واحد کرنسی بن چکے ہیں؛ اس لیے اس کا واحد حل یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول لیا جائے جو فلوس کے باہمی تبادلہ میں تفاضل کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

اور غالب گمان یہ ہے کہ اگر یہ فقہاء موجودہ دور میں ہوتے اور ان متغیر احوال کا مشاہدہ کرتے تو وہ بھی اصطلاحی ثمنوں میں تفاضل کی حرمت کا فتوی دیتے، اور بعض فقہائے متقدمین سے اس کا عملی ثبوت بھی ملتا ہے، چنانچہ مشائخ ماوراء النہر نے عدالی اور غطارفہ میں تفاضل کو ناجائز قرار دیا ہے، ان نقود میں چاندی بالکل کم تھی، زیادہ کھوٹ ہی تھا، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اصل مذہب ان نقود میں تفاضل کے جواز کا ہے، اس طرح کہ جنس کو خلافِ جنس کی جانب پھیر دیا جائے؛ لیکن مشائخ ماوراء النہر نے تفاضل کی حرمت کا فتوی دیتے ہوئے یہ علت بیان کی:

لِأَنَّهَا أَعَزُّ الْأَمْوَالِ فِي دِيَارِنَا، فَلَوْ أُبِيحَ التَّفَاضُلُ فِيهِ يَنْفَتِحُ بَابُ الرِّبَا. (۱)

ہمارے دیار میں یہ سب سے اہم مال ہے، اور تفاضل کو مباح قرار دینے میں سود کا دروازہ کھل جائے گا۔

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت لکھتے ہیں:

فَإِنَّ النَّاسَ حِينَئِذٍ يَعْتَادُونَ التَّفَاضُلَ فِي الْأَمْوَالِ النَّفِيسَةِ فَيَدْرُجُونَ إِلَى ذَلِكَ فِي النُّقُودِ الْخَالِصَةِ فَمُنِعَ ذَلِكَ حَسْمًا لِمَادَّةِ الْفَسَادِ. (۲)

لوگ اس زمانہ میں نفیس اموال میں تفاضل کے عادی تھے، جس

---

(۱) ہدایہ مع فتح القدیر ۷/ ۱۵۳

(۲) حوالہ سابق

کی وجہ سے بتدریج خالص نقود میں بھی یہی عادت ہو جائے
گی؛ اس لیے فساد کے مادہ کو ختم کرنے کے لیے اس کو بھی ممنوع
قرار دیا گیا۔

مذکورہ فتوے کا صدور اس زمانہ میں ہوا تھا جب کہ غطارفہ اور عدالی کا اکثر معاملات میں رواج ہو چکا تھا؛ لیکن سونے چاندی کا بھی رواج تھا، اور اب تو سونا چاندی رہے ہی نہیں تو اصطلاحی اثمان کے متعلق مذکورہ فتوی بدرجۂ اولیٰ جاری ہوگا۔

پھر دلیل کے لحاظ سے بھی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول راجح معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ فلوس کی ثمنیت کو باطل کرنے کے کسی صحیح مقصد کا تصور نہیں کیا جا سکتا، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ فلوس کے مادہ یعنی پیتل یا لوہے کے ٹکڑوں کا کوئی خواہش مند ہو، رغبت تو فلوس میں ثمنیت کی بنیاد پر ہوتی ہے؛ لہٰذا ابطالِ ثمنیت پر عاقدین کا اتفاق محض تفاضل کو حلال قرار دینے کے لیے حیلہ ہوگا، خصوصاً اِس زمانہ میں جب کہ خلقی اثمان کے مفقود و معدوم ہونے کی وجہ سے اصطلاحی اثمان ہی میں سود متصور ہو سکتا ہے۔

ہاں! شیخین رحمۃ اللہ علیہما کا قول ان فلوس میں متصور ہو سکتا ہے جن کی مواد اور صنعت کی حیثیت سے ذخیرہ اندوزی مقصود ہو، تبادلہ مقصود نہ ہو، جیسا کہ ہمارے زمانہ کے کچھ لوگوں کو مختلف ملکوں کی کرنسیاں اور چیزیں تاریخی یادگار کے طور پر رکھنے کی عادت ہے، اس طرح کے فلوس میں شیخین کے قول کا تصور کیا جا سکتا ہے، ظاہر ہے کہ اس طرح کے فلوس میں تفاضل کی اجازت دینے سے شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے مطابق وسعت ہوگی؛ لیکن جن فلوس میں تبادلہ ہی مقصود ہے نہ کہ مادہ تو تساہل غیر مناسب ہے؛ کیوں کہ یہ سود کا سب سے قوی ذریعہ ہے، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

عدد اعتباری میں تماثل ملحوظ رہے گا

غرض ہمارے زمانہ میں صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ ایک ملک کی جانب سے صادر ہونے والے نوٹوں کا تبادلہ تماثل کی شرط کے ساتھ جائز ہے اور تفاضل ناجائز ہے، پھر

تماثل کا اعتبار عددی طور پر نہیں ہوگا؛ بلکہ عدد اعتباری پر ہوگا جو کہ قیمت اسمیہ کا نمائندہ ہے؛ لہٰذا ایک نوٹ جس کی قیمت اسمیہ پچاس روپے ہے' پانچ نوٹوں کے عوض بیچا جا سکتا ہے جن کی قیمت اسمیہ دس روپے ہو؛ کیوں کہ ان پانچوں کی مجموعی قیمت پچاس روپے ہے، اور یہ تماثل میں قیمت کا اعتبار کرنا نہیں ہے؛ بلکہ مقصود تماثل فی العدد ہی ہے؛ اس لیے کہ یہ اعتباری ثمن ہیں، اور ثمن اعتباری ایک حقیقت ہے جس کا ثبوت عرف وچلن سے ہوتا ہے، اور ان نوٹوں میں عرف یہ ہے کہ دس کا نوٹ عدد میں دس نوٹوں کے مساوی ہے، چنانچہ قیمت اسمیہ اسی عدد اعتباری کا نام ہے، اور اسی عدد اعتباری میں تساوی ضروری ہے، اور یہ اس بات کے منافی نہیں ہے جو عنقریب آئے گی کہ اموال ربویہ میں وزن یا کیل یا عدد میں تماثل کا اعتبار ہے نہ کہ قیمت کا؛ کیوں کہ یہاں قیمت سے مراد بازاری قیمت ہے جس کے بدلنے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے، اور نوٹوں پر درج قیمت اسمیہ ہمیشہ ایک ہی رہتی ہے بدلتی نہیں ہے، اور اسی کو عدد اعتباری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ فقہاء نے فلوس کو عددی قرار دیا ہے، حالاں کہ اس کی اصل معدنی وزنی ہے، اور ایسا اس لیے قرار دیا گیا؛ کیوں کہ مقصود بالذات یہ فلوس نہیں ہیں؛ بلکہ مقصود وہ قیمت اعتباری ہے جس کی نمائندہ یہ فلوس ہیں، پس اگر کوئی ٹکڑا دس فلوس کے مساوی ہو تو اس کی بیع ایسے دس ٹکڑوں کے عوض جائز ہوگی جن میں سے ہر ایک کی قیمت ایک فلس ہو، حتی کہ فلس کی دو فلس کے عوض بیع کو ناجائز قرار دینے والوں کے نزدیک بھی؛ کیوں کہ یہاں عدد اعتباری میں تساوی موجود ہے، یا اس وجہ سے کہ دس کا ٹکڑا اگرچہ عدد کے لحاظ سے ایک ہے؛ لیکن حکماً دس ہے، پس وہ دس ٹکڑوں کے مساوی ہے، اسی طرح نوٹ میں بھی ظاہری عدد معتبر نہیں ہے؛ بلکہ حکمی عدد کا اعتبار ہے جس کا ظہور قیمت اسمیہ سے ہوتا ہے، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

۳۲۷۔ مختلف ملکوں کی کرنسیوں کا باہمی تبادلہ

پھر ظاہر یہ ہے کہ ایک ملک کی کرنسی جنس واحد ہے، اور مختلف ملکوں کی کرنسیاں

مختلف الجنس ہیں، جیسا کہ رابطۂ عالم اسلامی کے مجمع فقہی کا یہ فیصلہ ہے، اس کی عبارت آ چکی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ موجودہ دور میں کرنسی سے اس کا مادہ مقصود نہیں ہوتا؛ بلکہ یہ قوتِ خرید کے مخصوص معیار کا نام ہے، اور یہ معیار ملکوں کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے، جیسے: پاکستان کا روپیہ، سعودی ریال اور متحدہ امریکی امارات کے ڈالر وغیرہ، اور ہر ملک کے معیار کی بنیاد اس کے اقتصادی احوال پر ہوتی ہے، اسی طرح ایکسپورٹ اور امپورٹ کی مقدار پر، یہاں ایسی کوئی مادی چیز نہیں ہے جو ان معیاروں کے درمیان تناسب کو بتلائے، یہ نسبت ہر دن؛ بلکہ ہر وقت بدلتی رہتی ہے، جس کی بنیاد مختلف ملکوں میں معاشی حالات کی تبدیلی پر ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مختلف ملکوں کی کرنسیوں کے مابین کوئی ایسی مناسبت موجود نہیں ہے جو تمام کرنسیوں کو جنس واحد قرار دے؛ البتہ ایک ہی ملک کی کرنسی جس کے انواع مختلف ہوں وہ آپس میں ایک تناسب کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں، اس میں تبدیلی نہیں آتی، جیسے پاکستان کا روپیہ اور پیسہ اور سعودیہ کا ریال اور ہللہ، ان کے مابین ایک اور سو کا تناسب ہے، اور یہ ایک ثابت تناسب ہے جو روپیہ کی قیمت بدلنے سے متاثر نہیں ہوتا؛ لیکن پاکستانی روپیہ اور سعودی ریال میں کوئی ثابت نسبت نہیں ہے؛ بلکہ قیمتوں کی تبدیلی کی وجہ سے ہر وقت ان میں تغیر ہوتا رہتا ہے۔

غرض یہ بات واضح ہوگئی کہ مختلف ملکوں کی کرنسیاں مختلف الجنس ہیں، اسی وجہ سے ان کے ناموں، وزنوں اور افراد میں اختلاف ہوتا ہے، اور جب یہ مختلف الاجناس ہیں تو بالاجماع تفاضل کے ساتھ بیع جائز ہوگی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس لیے کہ آپ ایک فلس کی دو فلس کے عوض بیع کو جائز قرار دیتے ہیں جب کہ دونوں کی جنس ایک ہو تو مختلف الاجناس میں جواز بدرجۂ اولیٰ ہوگا، اور حنابلہ کا بھی ایک قول یہی ہے، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس وجہ سے کہ آپ کے نزدیک یہ کرنسیاں اموال ربویہ میں داخل ہیں؛ لہٰذا اختلافِ جنس کی صورت میں تفاضل جائز ہوگا، اور ائمہ احناف کے نزدیک اس وجہ سے کہ ایک فلس کی دو فلس کے عوض بیع کی حرمت کی بنیاد فلوس کے امثال

متساویہ ہونے پر ہے، جس کی وجہ سے تفاضل کی صورت میں عوض سے خالی زیادتی پائی جائے گی؛ لیکن مختلف ملکوں کی کرنسیاں جب مختلف جنس ہیں تو یہ امثال متساویہ نہیں ہوں گے؛ لہٰذا عوض سے خالی زیادتی متصور نہیں ہوگی؛ اس لیے ایک ریال کی کئی پاکستانی روپوں کے عوض بیع ہوسکتی ہے۔

پھر ان کرنسیوں کی قیمتیں دیگر کرنسیوں کی بہ نسبت حکومت کی جانب سے متعین کی جاتی ہیں تو کیا اس متعین شدہ قیمت سے کم یا زیادہ میں فروخت کیا جاسکتا ہے؟ میری رائے یہ ہے کہ اس متعین شدہ قیمت کے برخلاف فروختگی سود نہیں کہلائے گی؛ کیوں کہ یہ مختلف الاجناس ہیں، اور جنس کے مختلف ہونے کی صورت میں تفاضل کا جواز متفق علیہ ہے، اور اس تفاضل کی شرعاً کوئی حد متعین نہیں ہے؛ بلکہ یہ عاقدین کی رضا کے تابع ہے، چنانچہ اگر ملک کا قانون عاقدین کو رضامندی سے تبادلہ کی قیمت کی تعیین کی اجازت دیتا ہو؛ اگرچہ حکومتی قیمت متعین ہو تو طرفین باہمی رضامندی سے اس قیمت کے برخلاف ایک قیمت کی تعیین کرسکتے ہیں، یہ سود نہیں ہوگا۔

البتہ اگر یہ قانون ہو کہ مختلف کرنسیوں کے درمیان تبادلہ کی جو مخصوص قیمت ہے اسی پر معاملہ کیا جائے تو پھر تسعیر کے احکام یہاں جاری ہوں گے، جو حضرات عروض میں تسعیر کو جائز قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک یہ تسعیر بھی جائز ہوگی، اور اس کی مخالفت جائز نہیں ہوگی، یا تو اس وجہ سے کہ غیر امورِ معصیت میں امام کی اطاعت لازم ہے۔(۱) یا اس لیے کہ ہر ملک کا شہری قولی اور عملی طور پر اس ملک کے قوانین کی پاس داری کا التزام کرتا ہے؛ لہٰذا جب تک قوانین کسی معصیت پر مجبور نہ کریں ان کی رعایت ضروری ہوگی۔(۲) ہاں! اس معاملہ کو سودی نہیں کہا جائے گا۔

۳۲۸۔ مختلف الجنس کرنسیوں کے تبادلہ میں نسیئہ

سابق میں آچکا ہے کہ ہم جنس کرنسیوں کے تبادلہ میں نسیئہ ائمہ حنفیہ رحمۃ اللہ علیہم کے

---

(۱) فقہاء نے اس قاعدہ کی تصریح کی ہے، دیکھیں: رد المحتار علی الدر المختار ۲ / ۱۷۲

(۲) احکام القرآن ۵ / ۴۳

نزدیک بالاتفاق ناجائز ہے، اس معاملہ کے بیع صرف ہونے کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ تنہا جنس کے نسیئہ کے لیے محرِّم ہونے کی وجہ سے؛ اگر چہ قدر نہ پایا جائے، رہا مختلف الجنس کرنسیوں کا تبادلہ، مثلاً پاکستانی روپے کا سعودی ریال سے تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق نسیئہ کی اجازت ہوگی؛ کیوں کہ فلوس کی خلافِ جنس کے عوض بیع کی جائے تو تفاضل ونسیئہ دونوں جائز ہوتے ہیں، بشرطیکہ مجلس میں ہی بدلین میں سے کسی ایک پر قبضہ کرلیا جائے؛ تاکہ دین بالدین نہ ہو۔

اس بنا پر نوٹوں کے اندر دوسرے اور تیسرے موقف میں اس لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے کہ نوٹ میں سود جاری ہوگا، زکوۃ واجب ہوگی اور ادا بھی، بیع سلم میں انہیں راس المال بنایا جاسکتا ہے؛ لیکن فرق صرف نسیئہ کے جواز وعدم جواز میں ہے، دوسرے موقف کے مطابق نسیئہ جائز نہیں ہے، تیسرے موقف کے مطابق جائز ہے، بشرطیکہ وہ عقد کے دن کی قیمت پر ہو، میں نے اپنے رسالہ احکام الاوراق النقدیۃ (۱) میں یہی موقف اختیار کیا ہے۔

تیسرے موقف کی وجوہِ ترجیح

اس موقف کی بنیاد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے، اور درج ذیل وجوہ کی بنا پر اس کا قوی ہونا ظاہر ہوتا ہے:

۱) ثمن حقیقی خلقی یعنی سونا چاندی اور ثمن اصطلاحی کے درمیان اس موقف میں بدیہی فرق کا اعتراف ہے، اور دونوں کو مساوی قرار نہیں دیا گیا ہے، شیخ احمد زرقاء رحمۃ اللہ علیہ نے نوٹ کو فلوس کے حکم میں رکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:

وَالَّذِی یظْهر أَن الْوَرق النقدی الْمُسَمّی الْآن بالورق السوری الرائج فِی بِلَادنَا الْآن، وَنَظِیره الرائج فِی الْبِلَاد الْأُخْرَی، هُوَ مُعْتَبر من الْفُلُوس النافقة.

---

(۱) بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ، جلد اول

وَمَا قيل فِيهَا من الْأَحْكَام السَّابِقَة يُقَال فِيهِ، لِأَن الْفُلُوس النافقة هِيَ مَا كَانَ متخذاً من غير النَّقْدَيْنِ ـ الذَّهَب وَالْفِضَّة ـ وَجرى الِاصْطِلَاح على اسْتِعْمَاله اسْتِعْمَال النَّقْدَيْنِ، وَالْوَرق الْمَذْكُور: من هَذَا الْقَبِيل. وَمن يَدعِي تَخْصِيص الْفُلُوس النافقة بالمتخذ من الْمَعَادِن فَعَلَيْهِ الْبَيَان.(۱)

ہمارے ملک اسی طرح دیگر ملکوں میں جو نوٹ رائج ہیں انہیں فلوس مانا جائے گا، اور فلوس کے سابقہ احکام اس پر جاری ہوں گے؛ کیوں کہ فلوس کا اطلاق ایسی چیز پر ہوتا ہے جس کو سونا چاندی کے علاوہ سے بنایا گیا ہو، اور سونا چاندی کے استعمال کی طرح اس کے استعمال کا بھی عرف ہو چکا ہو، مذکورہ نوٹ اسی قبیل سے ہے، اور جو یہ دعوی کرتا ہے کہ فلوس ان ہی اشیاء کے ساتھ خاص ہے جو معادن سے بنائی جاتی ہیں تو اس پر دلیل پیش کرنا لازم ہے۔

موسوعۃ فتاوی المعاملات المالیۃ نامی کتاب جو کہ مصر کے مرکز الدراسات الفقہیۃ والاقتصادیۃ سے شائع ہوئی ہے، اس میں نوٹ کے متعلق تمام آراء کو نقل کرنے کے بعد ان کا فلوس کی مانند ہونا راجح قرار دیا گیا ہے، اس کی عبارت ہے:

وأما القول الثالث الذى يعطى النقود الورقية حكم الفلوس ، فهو قريب من الصواب، ذلك لاوجه الشبه الكبيرة بين الفلوس والنقود الورقية، واهمهما انهما نقدان اصطلاحيان، ولكن

(۱) شرح القواعد الفقہیۃ، ص:۱۷۴

مع ذلك يبقى هناك اوجه اختلاف بينهما يمنع اعطاء هما نفس الحكم، ومنها ان للفلوس قيمة ذاتية غير القيمة النقدية ، واما النقود الورقية فليس لها قيمة ذاتية.(۱)

تیسرا قول جس میں نوٹ کو فلوس کا حکم دیا گیا ہے یہی قریب بہ صواب ہے؛ اس لیے کہ فلوس اور نوٹ میں بہت مشابہت ہے، جن میں سے اہم یہ ہے کہ یہ دونوں اصطلاحی ثمن ہیں؛ لیکن اس کے علاوہ دونوں میں فرق بھی ہے جو نوٹ کو فلوس کا حکم دینے سے مانع ہے، وہ یہ کہ فلوس کی ثمنی قیمت کے علاوہ ذاتی قیمت بھی ہوتی ہے، جب کہ نوٹ کی ذاتی قیمت نہیں ہوتی۔

فلوس اور نوٹ کے درمیان یہ فرق فطری ہے کہ نوٹ فلوس کے بالمقابل اس لحاظ سے ادنیٰ ہوتے ہیں کہ ان کی ذاتی قیمت نہیں ہوتی؛ لیکن اس کے بعد موسوعہ میں سونے چاندی کے تمام احکام کے نوٹ پر جاری ہونے کا قول اختیار کیا گیا ہے جن میں سے ایک تقابض کا واجب ہونا ہے۔

۲) اگر ہم نوٹ کو بہر حال سونے چاندی کے حکم میں قرار دیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نصوص نے سونے چاندی ہی میں صرف کے احکام منحصر کر دیے تھے؛ لیکن ہم نے ان میں ایک چیز نوٹ کا اضافہ کر دیا، اور اس اضافہ کی یہی بنیاد ہوگی کہ فلوس کے اندر پائی جانے والی ثمنیت کو نصوص کی علت قرار دی جائے، جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، اور ایسی صورت میں فلوس پر بھی بیع صرف کے احکام جاری ہوں گے، یہ جمہور کے مذہب کے خلاف ہے۔

۳) اگر نوٹ اور سونے چاندی پر بیع صرف کے احکام جاری ہوں تو اس کا مطلب

---

(۱) ۱۱/۶۸

یہ ہوگا کہ سونے چاندی کی نوٹ سے خریداری بیع صرف ہو، اور یہ بات عجیب ہے کہ سونے یا چاندی کو ایسے دراہم کے عوض خریدا جائے جن میں کھوٹ غالب ہو تو صرف چاندی کے بقدر ہی بیع صرف کہلائے، اور یہاں نوٹ میں سرے سے ہی چاندی نہیں ہے، پھر بھی اس کو بیع صرف کہا جائے۔

۴) جن حضرات نے اس کو بیع صرف قرار دیا ہے اور مختلف الجنس کرنسیوں کے تبادلہ میں تقابض کی شرط لگائی ہے انہیں بعض حالات میں تقابض کی تفسیر میں تاویل کرنی پڑی ہے، اور تسامح سے کام لینا پڑا ہے؛ لہٰذا انہوں نے غیر حقیقی قبضہ کو بھی تکلف کرتے ہوئے قبضہ قرار دیا ہے، مثلاً: دو مختلف ملکوں میں کرنسیوں کے درمیان تبادلہ ہو جس میں عاقدین کا موجود ہونا اور حقیقی قبضہ کرنا ممکن نہ ہو، جیسے: زید نے عمرو کو ایک ہزار ریال دیے ، بشرطیکہ عمرو خالد کو پاکستان جا کر ریال کی مساوی قیمت پاکستانی روپوں سے دے دے گا ، اس صورت میں تقابض ممکن نہیں ہے، حالاں کہ ان معاملات میں عمومِ بلویٰ ہو چکا ہے، بہت سے افراد باہر ملکوں میں نوکری کرتے ہیں اور اپنے وطن میں مقیم اہل خانہ کے لیے کماتے ہیں، اور اپنی کمائی اسی طریقہ سے اہل خانہ کو بھیجتے ہیں، اس کی تخریج استقراض کے اساس پر ہی ہوسکتی ہے؛ کیوں کہ اس کو سفتجہ ماننے کی صورت میں قرض کے اندر یہ شرط لگانا جائز نہ ہوگا کہ وہ قرض لی ہوئی کرنسی کے علاوہ کرنسی سے قرض ادا کرے۔

۳۲۹۔کیا چیک پر قبضہ بیع صرف میں قبضہ شمار ہوگا؟

چنانچہ دوسرے موقف کے قائلین کو یہ کہنے کی ضرورت پڑی کہ عمرو زید کو پاکستانی روپوں کا شخصی چیک دے، اس کی وجہ سے بدلین پر تقابض ہو جائے گا، پھر زید پاکستان میں خالد کے پاس یہ چیک بھیج دے، اس طریقہ میں جو عملی دشواری ہے اس سے قطع نظر اس کی بنیاد اس پر ہے کہ چیک کا وصول کر لینا قبضہ کہلاتا ہے، اور یہ محلِ نظر ہے، اس کی تفصیل سابق (۱) میں آچکی ہے۔

---

(۱) رقم: ۲۰۴

جواز کی دلیل اور اس کا جواب

بعض معاصرین نے جواز پر اس اثر سے استدلال کیا ہے جو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ الزُّبَيْرِ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ قَوْمٍ بِمَكَّةَ دَرَاهِمَ، ثُمَّ يَكْتُبُ بِهَا إِلَى مُصْعَبِ بْنِ الزُّبَيْرِ بِالْعِرَاقِ فَيَأْخُذُونَهَا مِنْهُ، فَسُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنْ ذٰلِكَ فَلَمْ يَرَ بِهِ بَأْسًا، فَقِيلَ لَهُ: إِنْ أَخَذُوا أَفْضَلَ مِنْ دَرَاهِمِهِمْ، قَالَ: لَا بَأْسَ إِذَا أَخَذُوا بِوَزْنِ دَرَاهِمِهِمْ. (۱)

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما مکہ میں لوگوں سے دراہم لیتے تھے، پھر حضرت مصعب بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس عراق میں لکھ بھیجتے تھے، چنانچہ لوگ وہاں جا کر ان سے وصول کر لیتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں، آپ سے کہا گیا: اگرچہ وہ اپنے دراہم سے زائد لیں؟ آپ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اپنے دراہم کے وزن کے بقدر ہی لیں۔

اس سے بعض معاصر علماء نے یہ استدلال کیا کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جو کاغذ پر لکھ کر دیتے تھے وہ ان کی جانب سے دراہم کی سپردگی تھی اور دراہم دینے والے کی طرف سے قبضہ؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ معاملہ حوالہ ہی ہوسکتا ہے، اگر اس جیسے تعامل کی اجازت دی جائے تو دراہم بالدراہم میں نسیئہ جائز ہوجائے گا، حالاں کہ اس کے جواز کا کوئی قائل نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اثر نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

وَرُوِيَ فِي ذٰلِكَ أَيْضًا عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَإِنْ صَحَّ

(۱) السنن الکبریٰ، حدیث نمبر: ۱۰۹۴۷

ذَلِكَ عَنْهُ، وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا. فَإِنَّمَا أَرَادَ وَاللهُ أَعْلَمُ إِذَا كَانَ ذَلِكَ بِغَيْرِ شَرْطٍ، وَاللهُ أَعْلَمُ. (۱)

یہ بات حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، تو اگر یہ حضرت ابن عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے تو ان کی مراد وہ صورت ہوگی جس میں شرط نہ ہو، واللہ اعلم۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ یہ بیع نہیں ہے؛ بلکہ استقراض ہے، اور اس میں عراق میں قرض کی ادائیگی کی شرط نہیں لگائی گئی؛ لیکن شرط کے بغیر ہی عراق میں ادائیگی کا معمول تھا، محدث عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے مصنف میں ان الفاظ سے اثر کی تخریج کی ہے:

ابْنَ الزُّبَيْرِ يَسْتَلِفُ مِنَ التُّجَّارِ أَمْوَالًا، ثُمَّ يَكْتُبُ لَهُمْ إِلَى الْعُمَّالِ. (۲)

حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما تاجرین سے اموال ادھار لیتے تھے، پھر ان کے لیے گورنروں کو لکھتے تھے۔

اور جو مسئلہ زیر بحث ہے اس میں دو شرطیں ہیں:

۱) رقم پاکستان میں دی جائے۔

۲) دوسری جنس یعنی پاکستانی روپوں سے دی جائے۔

اور استقراض میں ان میں سے کوئی بھی شرط ممکن نہیں ہے؛ لہٰذا چیک کو حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے لکھے ہوئے کاغذ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، ہاں! بینک کے چیک میں یہ ممکن ہے؛ کیوں کہ یہ بطریق وکالت قبضہ ہے، اور بینک مستفید کا وکیل ہوگا؛ لیکن مختلف ملکوں میں کام کرنے والوں کے لیے بینک کے چیک پر ہی انحصار دشوار ہوتا ہے۔

---

(۱) حوالۂ سابق

(۲) مصنف عبد الرزاق، حدیث نمبر: ۱۴۶۴۲

اسی طرح جب دو آدمیوں کے درمیان تحویل مصرفی (Bank Transfer) کے ذریعہ تبادلہ ہو تو یہاں تقابض کی شرط کے سلسلہ میں دوسرے موقف والوں کو تسامح سے کام لینا پڑا ہے، مثلاً: زید نے اپنے اکاؤنٹ سے سعودی ریال عمرو کے پاس ٹرانسفر کیے، اور عمرو نے اسی بینک یا دوسرے بینک کے ذریعہ پاکستانی روپے ٹرانسفر کیے، تو یہ کہا جاتا ہے کہ ہر ایک کے اکاؤنٹ میں رقم داخل ہو جانا اس رقم پر قبضہ ہے، اتنی بات میں کوئی اشکال نہیں؛ کیوں کہ ہمارے زمانہ میں قید مصرفی کی حقیقت یہ ہے کہ یہ مستفید کے وکیل بینک کی جانب سے قبضہ ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ اموال کسی کی جیب یا شخصی خزانہ میں رکھے جائیں اور یہ بلا شک قبضہ ہے؛ لیکن قید مصرفی آن واحد میں دونوں کے اکاؤنٹ میں نہیں ہوتا؛ بلکہ اوقات کا فرق ہوتا ہے، اور بعض حالات میں دنوں کا بھی، اسی وجہ سے دوسرے موقف والوں کو تقابض کی شرط کے برخلاف اس زائد مدت کو جائز قرار دینا پڑا، مؤسسات مالیہ اسلامیہ کے معاییر شرعیہ (۱) میں ہے:

ویغتفر تاخیر القید المصرفی - بالصورة التی یتمکن المستفید بها من التسلم الفعلی - إلی المدة المتعارف علیها فی أسواق التعامل، علی أنه لا یجوز للمستفید أن یتصرف فی العملة خلال المدة المغتفرة؛ إلّا بعد أن یحصل أثر القید المصرفی بإمکان التسلیم الفعلی.

قید مصرفی - جس میں مستفید کے لیے فعلاً قبضہ ممکن ہو - میں اتنی تاخیر جس کا بازار میں تعامل ہو معاف ہوگی؛ البتہ اس رقم میں مستفید کے لیے اس دوران تصرف کرنا جائز نہیں ہوگا، حتی کہ فعلاً سپردگی کے ذریعہ قید مصرفی کا اثر حاصل ہو جائے۔

---

(۱) بند ۵/۶/۲

اس عبارت میں یہ اعتراف ہے کہ مستفید کی جانب ابھی عملاً سپردگی نہیں ہوئی ہے، اور نہ اس کو اس رقم میں تصرف کرنے کی اجازت ہے، ظاہر ہے کہ یہ تقابض کے منافی ہے، اور فقہائے احناف کے حوالہ سے آ چکا ہے کہ بیع صرف میں تخلیہ کافی نہیں ہے؛ بلکہ قبض بالبراجم ضروری ہے، علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ولا يجوز في شيء من الصرف تأخير ساعة فما فوقها، ولا أن يتوارى أحدهما عن صاحبه قبل التقابض، ولا تجوز فيه حوالة ولا ضمان ولا خيار ولا عدة ولا شيء من النظرة، ولا يجوز إلا هاء وهاء، ويتقابضان في مجلس واحد ووقت واحد.(۱)

بیع صرف میں ایک ساعت یا اس سے زائد کی تاخیر ناجائز ہے، اور تقابض سے قبل ایک کا دوسرے سے الگ ہو جانا بھی، حوالہ، ضمان، خیار، وعدہ اور مہلت بھی ناجائز ہے، ایک ہاتھ سے دینا اور دوسرے ہاتھ سے لینا ضروری ہے، اور دونوں وقت واحد میں مجلس واحد کے اندر قبضہ کریں گے۔

ان تصریحات کے باوجود دسرے موقف والوں کو عملی مشکلات کی بنا پر کچھ دنوں کی تاخیر معاف قرار دینے پر مجبور ہونا پڑا۔

حاصل یہ کہ اس موقف میں تنگی ہے کہ کاغذی کرنسی کو سونے چاندی کے حکم میں رکھ کر ان پر بیع صرف کے احکام جاری کیے جائیں، طرفہ یہ کہ تقابض کو لازمی قرار دے کر اس کے معنی میں تسامح وتاویل سے کام لیا گیا اور غیر حقیقی قبضہ کو بھی قبضہ مان لیا گیا ہے۔

رہا تیسرا موقف جس کی بنیاد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے جس میں مختلف کرنسیوں کے درمیان تعامل میں تفاضل ونسیئہ کی اس شرط کے ساتھ اجازت ہے کہ عقد کے دن کی

---

(۱) الکافی فی فقہ اہل المدینۃ ۲/ ۶۳۵

بازاری قیمت ملحوظ ہو، اس سے جہاں سود کا دروازہ بند ہو جاتا ہے وہیں عملی مشکلات کا حل بھی نکل آتا ہے۔

نسیئہ کے جواز پر اشکال

نسیئہ کے جواز پر اشکال ہوتا ہے کہ مختلف الجنس کرنسیوں کے تبادلہ میں اگر نسیئہ کی اجازت دی جائے تو یہ سود کا حیلہ بن سکتا ہے، مثلاً اگر قرض دینے والے نے سو روپے پر دس کا مطالبہ کرنا چاہا، تو وہ سو روپے ادھار اتنے ڈالروں کے عوض فروخت کرے گا جن کی قیمت ایک سو دس روپے بنتی ہو، اس طرح وہ قرض دی گئی رقم سے دس روپے زائد لینے کا حیلہ کرلے گا، اس اشکال کا حل یہ ہے کہ نسیئہ کے جواز کے لیے عقد کی دن کی قیمت کا اعتبار شرط ہے، اور عقودِ نسیئہ میں ثمن مثلی کی شرط سودی حیلہ کو ختم کر دیتی ہے، اور تبادلوں میں ثمن مثل کی شرط لگانے کی بہت سی نظیریں ہیں، ان میں ایک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے:

كُنْتُ أَبِيعُ الإِبِلَ بِالبَقِيعِ، فَأَبِيعُ بِالدَّنَانِيرِ فَآخُذُ مَكَانَهَا الوَرِقَ، وَأَبِيعُ بِالوَرِقِ فَآخُذُ مَكَانَهَا الدَّنَانِيرَ، فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدْتُهُ خَارِجًا مِنْ بَيْتِ حَفْصَةَ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذٰلِكَ؟ فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِهِ بِالقِيمَةِ. (۱)

میں بقیع میں اونٹ دنانیر کے عوض بیچ کر ان کی جگہ دراہم اور دراہم کے عوض بیچ کر ان کی جگہ دنانیر لیتا تھا، تو میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا، آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے باہر نکل رہے تھے، تو میں نے یہ مسئلہ دریافت کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیمت کے عوض لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

---

(۱) ترمذی، حدیث نمبر: ۱۲۴۲

یہاں اختلافِ جنس کی وجہ سے تفاضل جائز تھا؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دن کی قیمت کے اعتبار کی شرط لگائی؛ تاکہ اس کو سود کا حیلہ نہ بنالیا جائے۔

اسی طرح چند فقہی مسائل میں بھی فقہاء نے عقد کے دن کی قیمت کے معتبر ہونے کی تصریح کی ہے، مثلاً: فتوی لکھنے کی اجرت کی اجازت فقہاء نے اس شرط کے ساتھ دی ہے کہ اجرت مثل سے تجاوز نہ ہو، اور اس کو فی نفسہٖ فتوی پر اجرت کا طلب کرنے کا حیلہ نہ بنالیا جائے۔(۱)

ثمن مثل کی شرط پر دو اعتراض

ثمن مثل کی شرط لگانے پر دو اعتراض ہوتے ہیں:

پہلا اعتراض یہ ہے کہ یہ تفاضل کے حرام اور نسیئہ کے جائز ہونے کا سبب ہے، اور اموال ربویہ میں اس کی نظیر نہیں ملتی؛ کیوں کہ جہاں تفاضل حرام ہے وہاں نسیئہ بھی حرام ہے، اسی طرح ایسی بھی چیزیں ہیں جن میں نسیئہ حرام؛ مگر تفاضل جائز ہے؛ لیکن ایسی کوئی مثال نہیں جس میں تفاضل حرام اور نسیئہ جائز ہو؟ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ مختلف الجنس کرنسیوں کے تبادلہ میں ثمن مثل کی شرط سے تفاضل کی حلت پر اثر نہیں پڑتا؛ اس لیے کہ پاکستانی روپوں کو سعودی ریالوں سے بدیہی طور پر تفاضل کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے، ممنوع نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں ایک سعودی ریال کا چھبیس روپوں سے تبادلہ ہوتا ہے، اور یہی بازاری قیمت ہے، ظاہر ہے کہ یہ تفاضل ہے، ثمن مثل کی شرط کا حاصل یہ ہے کہ تفاضل ایسی حد تک نہ پہونچ جائے کہ حیلۂ ربا ہوجائے، جیسا کہ دراہم ودنانیر کے تبادلہ میں تفاضل جائز ہے؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف **مافی الذمة** میں تبادلہ کے دن کی قیمت پر تبادلہ کی شرط لگائی۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس جیسے حیلہ کا تصور سلف کے زمانہ میں بھی تھا؛ کیوں کہ فلوس کا دراہم سے تبادلہ ہوتا تھا اور انہوں نے تفاضل ونسیئہ کی اجازت دی؛ لیکن ثمن

---

(۱) الدر مع الرد ۶/ ۹۲

مثل کی شرط ان سے منقول نہیں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سلف کے زمانہ میں فلوس کا بہت کم معاملات میں استعمال ہوتا تھا، چنانچہ یہ احتمال کہ فلوس کے دراہم کے عوض نسیئۃً تفاضل کے ساتھ تبادلہ میں سودی حیلہ ہوسکتا ہے نادر اور ضعیف تھا، اور اس دور میں زندگی کے تمام شعبوں کے اندر معاملات کے لیے نوٹ ایک تنہا ذریعہ ہیں، کوئی دوسری کرنسی موجود نہیں ہے؛ لہٰذا یہ احتمال قوی ہوگیا، اوراس کو ختم کرنے کے لیے ثمن مثل کی شرط لگائی گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ تیسرے موقف پر عالمی سمیناروں میں کما حقہ تفکر وتدبر اور مناقشہ نہیں کیا گیا، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جیسے ہی نوٹ کو فلوس کے حکم میں قرار دیا گیا تو ذہن فوراً پہلے موقف کی جانب منتقل ہوگیا جس میں سودی دروازہ کھل جاتا ہے، حالاں کہ صورت حال ایسی نہیں ہے؛ کیوں کہ اگر نوٹ کو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق فلوس کے حکم میں رکھا جائے تو تفاضل جائز نہیں ہوگا اور نہ اس ممنوع کا ارتکاب لازم آئے گا، نیز نسیہ کی صورت میں جس سودی حیلہ کا تصور کیا جاتا ہے اس کا باب بھی ثمن مثل کی شرط سے بند ہوجاتا ہے؛ لہٰذا یہ موقف حقیقت کے موافق ہے کہ ثمن اصطلاحی وحقیقی کے درمیان فرق ملحوظ رکھا گیا ہے، سود کا سدِّ باب کیا گیا ہے، اور دو ملکوں کے درمیان کرنسیوں کے تبادلہ میں آسانی پیدا کی گئی ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے توسط سے ہندوستانی علماء کے مابین یہ تیسرا موقف رکھا گیا، اور استفتاء کی شکل میں مفتیان کرام کی رائیں طلب کی گئیں، چنانچہ اکثر علماء جن کی تعداد پچاس ہے تیسرے موقف کے موافق تھے، جب کہ دوسرے موقف کے قائلین دس تھے، اور پانچ کی رائے یہ تھی کہ اصلاً نسیہ جائز ہے؛ لیکن ضرورت کی وجہ سے اجازت دی جائے گی، اکیڈمی کا جو فیصلہ صادر ہوا اس میں دونوں موقف کا ذکر کرنے کے بعد آگے کہا گیا ہے:

اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ اجلاس ہر دو موقر آراء کو سامنے رکھتے ہوئے طے کرتا ہے کہ دو ملکوں کی کرنسیوں کے ادھار تبادلہ میں

بہر حال احتیاط برتی جائے؛ لیکن واقعی حاجت وضرورت کی صورت میں اول الذکر رائے پر عمل کیا جا سکتا ہے۔(۱)

یہ بات یقینی ہے کہ اس طرح کے معاملات میں احوط پر عمل کرنا ہی بہتر ہے؛ لیکن احتیاط میں یہ بھی داخل ہے کہ پرسنل چیک پر قبضہ کو رقم پر قبضہ نہ مانا جائے، اور تقیید مصرفی کی مدت معاف نہ کی جائے، اگر تقابض حقیقی سے ان چیزوں کا استثناء کر لیا جاتا ہے تو اس کو احوط کہنا مشکل ہے؛ کیوں کہ تقابض کی جو تفسیر نصوص اور فقہی عبارات میں کی گئی ہے وہ ان مستثنیٰ مسائل پر فٹ نہیں بیٹھتی، جیسا کہ بینک ٹرانسفر کی بحث (۲) میں آئے گا، ان شاء اللہ تعالی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی بنیاد پر ایک اور مسئلہ حل ہو جاتا ہے جس میں عموم بلویٰ ہے، اور یہ کرنسیوں کی قیمت میں اتار چڑھاؤ کی وجہ سے تاجرین کو پیش آنے والی مشکلات ہیں، یہ اس طرح کہ جو لوگ باہر ملک سے سامان درآمد کرنا چاہتے ہیں وہ قوی کرنسی سے معاملہ کرتے ہیں، جیسے ڈالر، پھر اپنے ملک میں مقامی کرنسی کے عوض بیچتے ہیں ، اسی طرح جو لوگ دوسرے ملکوں کو سامان برآمد کرتے ہیں وہ مقامی کرنسی کی اساس پر سامان کی خریداری کرتے ہیں یا از خود بناتے ہیں، اور درآمد و برآمد کے دوران کرنسیوں کی قیمتیں بدل جاتی ہیں جس کی وجہ سے تاجرین کو نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور اس سے بچاؤ کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے گئے جو معاشی استحکام کے طریقے (hedging) کہلاتے ہیں، اس کے اکثر طریقے شرعی پہلو سے ناقابل قبول ہیں ، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق تیسرے موقف کے لحاظ سے ڈالر کی روپوں کے عوض نسیۃً خرید وفروخت ہو سکتی ہے؛ کیوں کہ نسیہ کے حق میں روپے اور ڈالر فلوس کے حکم میں ہیں؛ لیکن جنس مختلف ہونے کی وجہ سے تفاضل جائز ہے، بشرطیکہ تبادلہ میں عقد کے دن

---

(۱) جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے ۱/ ۹۰

(۲) رقم: ۳۳۵

کی قیمت کا اعتبار ہو؛ تاکہ یہ سودی حیلہ کا سبب نہ بنے، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم وعلمہٗ اتم واحکم۔

۳۳۰۔ڈاک یا بینک کے ذریعہ پیسے بھیجنا

ڈاک یا بینک کے ذریعہ پیسے بھیجنا بیع صرف نہیں ہے؛ لیکن اس کی تکییف شرعی کی ضرورت ہے، یہ پیسوں کا بھیجنا تین طریقوں سے ہوتا ہے:

۳۳۱۔بینک ڈرافٹ

پہلا طریقہ یہ ہے کہ ڈاک کے ذریعہ بینک ڈرافٹ (Draft) بھیجا جائے، اور ہم سابق (۱) میں لکھ چکے ہیں کہ ڈرافٹ کا جاری کرنے والا بینک مستفید کے لیے اس رقم کو روکے رکھتا ہے، پس بینک مستفید کا وکیل بالقبض ہوگا اور یہاں قبضہ کا تحقق وکالت کے طور پر ہوگا، اور ڈرافٹ جاری کرنے کے لیے بینک جن فیسوں کا مطالبہ کرتا ہے وہ ان خدمات کی اجرت شمار کی جائے گی جنہیں بینک ڈرافٹ کے اجراء کے لیے پیش کرتا ہے، پھر ڈاک سے چیک بھیجا جاتا ہے، اور پوسٹ آفس جس رقم کا مطالبہ کرتا ہے وہ مرسل الیہ کی جانب چیک پر مشتمل سامان لے جانے کی اجرت ہے۔

۳۳۲۔دوسرا طریقہ

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پیسے منی آرڈر (Money order) کے ذریعہ بھیجے جائیں، اس صورت میں مرسل پوسٹ آفس کو پیسے دیتا ہے اور پوسٹ آفس بعینہٖ ان نقود کو مرسل الیہ کی جانب نہیں بھیجتا؛ بلکہ دیگر اموال کے ساتھ ملا دیتا ہے، اور مرسل الیہ کو اس کا مثل دیتا ہے، اسی بنا پر پیسے پوسٹ آفس کی امانت شمار نہیں کیے جاتے؛ بلکہ وہ مضمون ہوتے ہیں، اسی وجہ سے اس پر مثل دینا لازم ہے؛ اگرچہ اس کی تعدی کے بنا ہی ہلاک ہوجائیں، یہ کاروائی دو باتوں پر مشتمل ہے:

۱) پوسٹ آفس کو قرض دینا۔

۲) مرسل الیہ کا اس قرض پر احالہ کرنا۔

---

(۱) رقم: ۲۰۲

یہاں دو پہلوؤں سے اشکال ہوتا ہے:

۳۳۳۔ منی آرڈر روانہ کرنے پر مرسل سے کمیشن لینا

پہلا اشکال یہ ہے کہ پوسٹ آفس اس کاروائی کو انجام دینے کے لیے مرسل سے کمیشن لیتا ہے، اور آفس کو دی جانے والی رقم اس رقم سے زائد ہوتی ہے جو آفس مرسل الیہ کو ادا کرتا ہے، اور یہ سود ہے، اسی وجہ سے ماضی قریب کے بعض فقہاء نے اس طریقہ پر پیسے بھیجنے کے عدمِ جواز کا فتوی دیا ہے؛ لیکن اکثر معاصر علماء نے اس بنیاد پر جواز کا فتوی دیا ہے کہ آفس کی جانب سے مطالبہ کیا جانے والا کمیشن اس خدمات کی اجرت ہے، جیسے: فارم دینا، رقوم کی رجسٹری، مرسل الیہ کے شہر میں موجود پوسٹ آفس کو ٹیلی گرام یا فارم وغیرہ روانہ کرنا، اسی بنیاد پر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس طریقہ کو جائز قرار دیا ہے۔(۱) معاصر علماء، مثلاً: علامہ زحیلی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔(۲)

عموماً کمیشن فیصد کے لحاظ سے لگتا ہے اور کبھی پوسٹ آفس اس کمیشن کی شرحیں مقرر کر دیتا ہے، مثلاً: ایک ہزار سے کم بھیجنے کی صورت میں ایک مستقل رقم ہوتی ہے، اور ہزار سے پانچ ہزار بھیجنے کی صورت میں اس سے زائد رقم ہوتی ہے، تمام ملکوں میں بلا نکیر اس کا تعامل ہے، رقم اور کمیشن کے درمیان اس ربط کے جواز کی کوئی دلیل نہیں ملتی، سوائے اس عبارت کے جو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے چیک لکھنے کی اجرت کے متعلق ذکر کی ہے، درمختار(۳) میں ہے:

(يَسْتَحِقُّ الْقَاضِي الْأَجْرَ عَلَى كَتْبِ الْوَثَائِقِ) وَالْمَحَاضِرِ وَالسِّجِلَّاتِ (قَدْرَ مَا يَجُوزُ لِغَيْرِهِ كَالْمُفْتِي) فَإِنَّهُ يَسْتَحِقُّ أَجْرَ الْمِثْلِ عَلَى كِتَابَةِ الْفَتْوَى، لِأَنَّ

---

(۱) امداد الفتاوی ۶/ ۵۹۰

(۲) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۶۷۳

(۳) مع الرد ۶/ ۹۲

الْوَاجِبَ عَلَيْهِ الْجَوَابُ بِاللِّسَانِ دُونَ الْكِتَابَةِ بِالْبَنَانِ، وَمَعَ هٰذَا الْكَفُّ أَوْلَى.

قاضی دستاویزات اور رجسٹر لکھنے پر اتنی اجرت کا مستحق ہوگا جیسے غیر قاضی مستحق ہوتا ہے، اور مفتی فتوی لکھنے میں اجرت مثل کا مستحق ہوتا؛ کیوں کہ اس کے ذمہ زبان سے جواب دینا لازم ہے نہ کہ تحریری طور پر، اس کے باوجود نہ لینا اولیٰ ہے۔

اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت لکھتے ہیں:

قَالَ فِي جَامِعِ الْفُصُولَيْنِ: لِلْقَاضِي أَنْ يَأْخُذَ مَا يَجُوزُ لِغَيْرِهِ، وَمَا قِيلَ فِي كُلِّ أَلْفٍ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ لَا نَقُولُ بِهِ وَلَا يَلِيقُ ذٰلِكَ بِالْفِقْهِ، وَأَيُّ مَشَقَّةٍ لِلْكَاتِبِ فِي كَثْرَةِ الثَّمَنِ؟ وَإِنَّمَا أَجْرُ مِثْلِهِ بِقَدْرِ مَشَقَّتِهِ أَوْ بِقَدْرِ عَمَلِهِ فِي صَنْعَتِهِ أَيْضًا كَحَكَّاكٍ وَثَقَّابٍ يَسْتَأْجِرُ بِأَجْرٍ كَثِيرٍ فِي مَشَقَّةٍ قَلِيلَةٍ اهـ. قَالَ بَعْضُ الْفُضَلَاءِ: أَفْهَمَ ذٰلِكَ جَوَازَ أَخْذِ الْأُجْرَةِ الزَّائِدَةِ وَإِنْ كَانَ الْعَمَلُ مَشَقَّتُهُ قَلِيلَةٌ وَنَظَرُهُمْ لِمَنْفَعَةِ الْمَكْتُوبِ لَهُ اهـ. قُلْتُ: وَلَا يَخْرُجُ ذٰلِكَ عَنْ أُجْرَةِ مِثْلِهِ، فَإِنَّ مَنْ تَفَرَّغَ لِهٰذَا الْعَمَلِ كَثَقَّابِ اللَّآلِئِ مَثَلًا لَا يَأْخُذُ الْأَجْرَ عَلَى قَدْرِ مَشَقَّتِهِ فَإِنَّهُ لَا يُقَوَّمُ بِمُؤْنَتِهِ، وَلَوْ أَلْزَمْنَاهُ ذٰلِكَ لَزِمَ ضَيَاعُ هٰذِهِ الصَّنْعَةِ فَكَانَ ذٰلِكَ أَجْرَ مِثْلِهِ. (۱)

جامع الفصولین میں مذکور ہے: قاضی کے لیے اتنی اجرت لینا جائز ہے جتنی دوسرے کے لیے جائز ہے، اور جو کہا جاتا ہے کہ

---

(۱) رد علی الدر ۶/ ۹۲

ہر ہزار پر پانچ دراہم، ہم اس کے قائل نہیں ہیں، اور نہ یہ فقہی اعتبار سے مناسب ہے، اور کاتب کے ثمن کی زیادتی میں کون سی مشقت ہے؟ اس کی اجرت مثل تو اس کی مشقت کے بقدر ہے یا صنعت میں اس کے عمل کے بقدر، جیسے نگینہ ساز کی مشقت کم؛ لیکن اجرت زیادہ ہوتی ہے، بعض فضلاء نے کہا کہ مذکورہ عبارت سے زائد اجرت لینے کا جواز سمجھ میں آتا ہے؛ اگر چہ عمل کی مشقت کم ہو، اور انہوں نے مکتوب لہٗ کی منفعت کی جانب نظر کی ہے، انتہیٰ، میں کہتا ہوں: یہ اجرت مثل سے خارج نہیں ہوگا؛ کیوں کہ جس شخص نے اس کام کے لیے اپنے آپ کو فارغ کرلیا، مثلاً: نگینہ ساز، تو وہ مشقت کے بقدر اجرت نہیں لیتا؛ کیوں کہ وہ اس کی مؤنت برداشت نہیں کرتا، اگر ہم اس کو لازم کریں تو اس صنعت کا ضیاع لازم آئے گا؛ لہٰذا یہی اس کی اجرت مثل ہوگی۔

۳۳۴۔ سفتجہ اور اس کا شرعی حکم

منی آرڈر کے ذریعہ رقم بھیجنے پر دوسرا اشکال یہ ہے کہ یہ بظاہر سفتجہ ہے، فقہاء نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے، اس پہلو پر تھوڑی تفصیل سے ہم گفتگو کریں گے، واللہ سبحانہٗ ہو الموفق۔

سفتجہ سین کے ضمہ اور فتحہ، فاء کے سکون اور تاء کے فتحہ کے ساتھ ہے، فارسی لفظ کا معرَّب ہے، علامہ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ تعریف کی ہے:

قَرْضٌ استفادَ بِهِ المُقْرِضُ سُقوطَ خَطَرِ الطَّرِيقِ بِأَنْ يُقرِضَ مالَه عِنْدَ الخَوْف عليهِ لِيُرَدَّ عَلَيْهِ فِي مَوْضِعِ أَمْنٍ.(۱)

(۱) تاج العروس، مادّہ: سفج

وہ قرض جس میں مقرض راستہ کے خطرات سے محفوظ رہنے کا فائدہ حاصل کرتا ہے، اس طور پر کہ خوف کی حالت میں کسی کو مال قرض دے دے؛ تاکہ موضعِ امن میں اس سے واپس لے لے۔

اور اس کا لغوی معنی یہ ذکر کیا ہے:

الشیءُ المُحکَم، سُمِّیَ بِہٖ ھاذا القَرْضُ لإحکامِ أمرہ.(۱)

ثابت شدہ مضبوط امر، اس قرض پر سفتجہ کا اطلاق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا معاملہ محکم ہے۔

اور علامہ دردیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ تعریف کی ہے:

مَعْنَاهَا الْكِتَابُ الَّذِي يُرْسِلُهُ الْمُقْتَرِضُ لِوَكِيلِهِ بِبَلَدٍ لِيَدْفَعَ لِلْمُقْرِضِ نَظِيرَ مَا أَخَذَهُ مِنْهُ بِبَلَدِهِ. (۲)

اس کا مطلب وہ خط ہے جو قرض لینے والا دوسرے شہر میں موجود اپنے وکیل کو بھیجتا ہے؛ تاکہ وہ مقرض کو اس کا مثل دے دے جو اس نے یہاں لیا ہے۔

علامہ دسوقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے تحت لکھا ہے کہ اس کو ہمارے دور میں بالوصۃ کہا جاتا ہے، اور علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ تعریف کی ہے:

وَهِيَ إِقْرَاضٌ لِسُقُوطِ خَطَرِ الطَّرِيقِ، فَكَأَنَّهُ أَحَالَ الْخَطَرَ الْمُتَوَقَّعَ عَلَى الْمُسْتَقْرِضِ فَكَانَ فِي مَعْنَى الْحَوَالَةِ.(۳)

یہ راستہ کے خطرات سے حفاظت کے لیے قرض دینا ہے، گویا

---

(۱) حوالۂ سابق

(۲) الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/۲۲۵و۲۲۶

(۳) الدر مع الرد ۵/۳۵۰

کہ اس نے متوقع خطرہ کا مستقرض پر احالہ کر دیا؛ لہٰذا یہ حوالہ کے معنی میں ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت لکھتے ہیں:

وَصُورَتُهَا أَنْ يَدْفَعَ إِلَى تَاجِرٍ مَالًا قَرْضًا لِيَدْفَعَهُ إِلَى صَدِيقِهِ، وَإِنَّمَا يَدْفَعُهُ قَرْضًا لَا أَمَانَةً لِيَسْتَفِيدَ بِهِ سُقُوطَ خَطَرِ الطَّرِيقِ وَقِيلَ هِيَ أَنْ يُقْرِضَ إِنْسَانًا لِيَقْضِيَهُ الْمُسْتَقْرِضُ فِي بَلَدٍ يُرِيدُهُ الْمُقْرِضُ لِيَسْتَفِيدَ بِهِ سُقُوطَ خَطَرِ الطَّرِيقِ. (۱)

اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کسی تاجر کو بطور قرض مال دے؛ تا کہ تاجر اس کے دوست کو دے دے، اور یہ دینا قرض کے طور پر ہوتا ہے نہ کہ امانت کے طور پر؛ تا کہ راستہ کے خطرات سے بچاؤ کا فائدہ حاصل کر سکے، اور ایک قول یہ ہے: کسی انسان کو اس مقصد سے قرض دے کہ وہ مستقرض سے ایسے شہر میں وصول کرے گا جہاں وہ چاہتا ہے؛ تا کہ راستہ کے خطرات سے حفاظت ہو سکے۔

مذکورہ تعریفات کا خلاصہ علامہ زحیلی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت میں ملتا ہے:

السُفْتَجة: هي معاملة مالية يقرض فيها إنسان قرضاً لآخر في بلد ليوفيه المقترض أو نائبه أو مدينه إلى المقرض نفسه أو نائبه أو دائنه في بلد آخر معين. (۲)

---

(۱) حوالہ سابق

(۲) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵/ ۳۷۹۷

سفتجہ ایسا مالی معاملہ ہے جس میں ایک شخص دوسرے کو ایک شہر
میں قرض دیتا ہے؛ تاکہ مقترض یا اس کا نائب یا مدیون
دوسرے شہر میں خود مقرض یا اس کے نائب یا مدیون کو وہ قرض
ادا کردے۔

حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کا مذہب

اس معاملہ کے جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کی کتابوں میں اس کا مکروہ ہونا لکھا ہے؛ کیوں کہ یہ ایسے قرض کا ذریعہ ہے جو نفع کا سبب ہے، یعنی راستہ کے خطرات سے امن۔ (۱) کیوں کہ اگر یہ شخص کسی دوسرے کو بطورِ امانت یہ رقم دیتا اور تعدی کے بغیر ہلاک ہو جاتا، مثلاً: راستے میں چور چوری کر لیتے تو امین ضامن نہیں ہوتا؛ بلکہ دینے والے کا نقصان ہوتا؛ لیکن اس نے قرض کے طور پر مال دیا جس کی وجہ سے وہ مقترض کے ضمان میں ہو گیا تو اگر راستے ہی میں ہلاک ہو جائے؛ اگرچہ تعدی کے بغیر ہو تو مقترض ضامن ہوگا، یہی وہ نفع ہے جو قرض سے حاصل ہو رہا ہے۔

حنابلہ کا مذہب

حنابلہ کے نزدیک صحیح قول سفتجہ کے جواز کا ہے، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت کی ہے کہ جو شخص سفتجہ کی شرط لگائے
تو یہ ناجائز ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے شہر میں
ادائیگی کی شرط لگائے، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے جواز بھی منقول
ہے؛ کیوں کہ اس میں دونوں کی مصلحت ہے، اور حضرت علی
رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ ان سے جب اس کے متعلق
سوال کیا گیا تو آپ نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا، اور
حضرت ابن سیرین و امام نخعی رحمۃ اللہ علیہما بھی جواز کے قائل ہیں،

---

(۱)　الدر مع الرد ۵/ ۳۵۰، حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۲۲۶، المہذب ۲/ ۸۴

حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تمام باتیں نقل کی ہیں، اور قاضی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ وصی کو یہ اختیار ہے کہ وہ یتیم کا مال ایک شہر میں بطور قرض دے اور دوسرے شہر میں حاصل کرلے؛ تاکہ خطرات سے حفاظت کا نفع حاصل کرے، صحیح قول جواز ہی کا ہے؛ کیوں کہ اس میں دونوں کی مصلحت ہے اور کسی کا ضرر نہیں ہے، اور شریعت ان مصالح کو حرام نہیں کہتی جن میں ضرر نہ ہو؛ بلکہ انہیں مشروع قرار دیتی ہے، نیز اس کی حرمت منصوص نہیں ہے، اور نہ یہ کسی اور منصوص کے معنی میں ہے؛ لہٰذا اباحت پر باقی رکھنا ضروری ہے۔(۱)

پھر سفتجہ کے مکروہ ہونے کے قائلین مالکیہ نے دو حالتوں کا استثناء کیا ہے:

۱) تمام راستوں میں جان یا مال کا خوف عام ہو تو سفتجہ جائز؛ بلکہ مستحب؛ بلکہ واجب ہوگا، اور جان ومال کی حفاظت کو **كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا حَرَامٌ** (ہر ایسا قرض جو جالبِ نفع ہو وہ حرام ہے) کے ضرر پر مقدم کیا جائے گا۔

۲) اس پر دلیل قائم ہوجائے کہ مقصود صرف قرض لینے والے کا نفع ہے، مقرض کا یا دونوں کا نفع نہیں ہے۔(۲)

سفتجہ اور منی آرڈر

فقہاء کے کلام سے جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ سفتجہ کی کراہت اس میں راستہ کے خطرات سے حفاظت کے قصد کی وجہ سے ہے، اور منی آرڈر میں مقصود قرض کا لین دین نہیں ہے؛ بلکہ مقصود دوسرے شہر رقم بھیجنا ہے، تو اگر پوسٹ آفس وہ رقم بطورِ امانت قبول کرے تو بھیجنے والا اس پر بھی راضی رہتا ہے، بشرطیکہ اس کو اس کی امانت داری

---

(۱) المغنی ۴/ ۲۴۰ و ۲۴۱

(۲) حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۲۲۶

پر بھروسہ ہو، اور بسا اوقات بھیجنے والے کے ذہن میں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ وہ پوسٹ آفس کو بطور قرض یہ پیسے دے رہا ہے؛ لیکن پوسٹ کی ضرورت کی بنا پر یہ قرض ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ یہ ناممکن ہے کہ سینکڑوں افراد کے اموال جدا کردیے جائیں، اور ہر ایک کے رقم کی مستقل طور پر حفاظت کی جائے، اسی حاجت کی بنا پر اموال ملا دیے جاتے ہیں، اور اس ملانے کی وجہ سے وہ رقم قرض کا حکم لے لیتی ہے، تو یہ ابتداءً امانت اور ملانے کی وجہ سے انتہاءً قرض ہے، ظاہر ہے کہ یہ قدیم سفتجہ سے الگ ہے جس میں مقرض کا مقصد ابتداء ہی سے قرض ہوتا ہے اور راستہ کے خطرات سے حفاظت مقصود ہوتی ہے، اور اگر بالفرض یہ سفتجہ کے حکم میں ہو تو حاجت حنابلہ کے مذہب کے مطابق جواز کا قول اختیار کرنے کی داعی ہے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> حتی کہ اگر یہ بھی نقل صحیح سے معلوم ہو جائے کہ سفتجہ کے جواز کی طرف ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم میں سے کوئی امام گئے ہیں تب بھی بہ ضرورت اس پر عمل کرنے کو جائز کہا جاوے گا۔(۱)

مذکورہ تفصیل سے منی آرڈر پر ہونے والے اشکالات حل ہو جاتے ہیں۔

۳۳۵۔ بینک ٹرانسفر

پیسے بھیجنے کا تیسرا طریقہ بینک ٹرانسفر (Bank transfer) ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ بھیجنے والے کا الف بینک میں اکاؤنٹ ہوتا ہے، چنانچہ وہ اس بینک سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس کے اکاؤنٹ سے اتنی رقم فلاں کے شہر میں موجود بینک ب میں ٹرانسفر کردی جائے، اور وہ رقم اسی کے کھاتے میں مقید کی جائے، پھر جو رقم بھیجنا مقصود ہو وہ اسی کرنسی کی ہو جو مرسل کے اکاؤنٹ میں موجود ہے تو اس کی تکییف یہ ہوگی کہ بینک الف مرسل کا مدیون ہے، اور وہ اپنے مدیون کو مرسل الیہ کی جانب دین کی ادائیگی کا حکم دے رہا ہے، اور اس کاروائی پر جس جنس کا مطالبہ کیا جاتا ہے وہ اس ٹرانسفر کے لیے فراہم کی جانے والی

---

(۱) امداد الفتاویٰ ۶/ ۵۹۰

خدمات کی اجرت ہے۔

اور اگر مرسل کا اکاؤنٹ پاکستانی کرنسی میں ہو، اور وہ مرسل الیہ کو دوسری کرنسی مثلاً سعودی ریال حوالہ کرنا چاہتا ہو تو اولاً یہ پاکستانی روپوں کی سعودی ریال کے عوض بیع ہوگی، پھر مرسل الیہ کو بھیجا جائے گا، اس پر تبادلہ اور بیع کے احکام منطبق ہوں گے جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔

اس موضوع میں اکثر علماء عرب کے نزدیک صحیح موقف ــــ جیسا کہ متعدد فقہی اکیڈمیوں کا فیصلہ ہے ــــ یہ ہے کہ نوٹ تمام احکام میں سونے چاندی کی مانند ہے، اور صرف شرعی کی صورت میں تقابض بھی ضروری ہوگا، اس لحاظ سے بینک ٹرانسفر کے ذریعہ رقم کی ترسیل میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہاں تقابض نہیں پایا جاتا جس کی بنا پر اس موقف کے قائلین کو توجیہ کرنی پڑی، مجمع الفقہ الاسلامی کے فیصلہ میں ہے:

إذا كان المطلوب فى الحوالة دفعها بعملة مغايرة للمبالغ المقدمة من طالبها، فإن العملية تتكون من صرف وحوالة بالمعنى المشار إليه فى الفقرة (أ)، وتجرى عملية الصرف قبل التحويل، وذلك بتسليم العميل المبلغ للبنك، وتقييد البنك له فى دفاتره بعد الاتفاق على سعر الصرف المثبت فى المستند المسلم للعميل، ثم تجرى الحوالة بالمعنى المشار إليه. (۱)

اگر حوالہ میں یہ مطلوب ہو کہ جو کرنسی دی گئی ہے اس کے علاوہ دوسری کرنسی بھیجنا ہے تو یہ کاروائی بیع صرف اور حوالہ پر مشتمل ہوگی، اور حوالہ سے قبل صرف کی کاروائی ہوگی، اس طرح کہ

---

(۱) مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی ۹/ ۲۵۶

اکاؤنٹ ہولڈر بینک کو رقم دے دے اور بینک اکاؤنٹ ہولڈر کو رسید دے دینے کے بعد جس میں بیع صرف کی قیمت دونوں کے اتفاق درج کی گئی ہے اپنے رجسٹر میں اس کو لکھ لے، پھر حوالہ جاری ہوگا۔

اس فیصلہ کا حاصل یہ ہے کہ سعودی ریالوں کو پاکستانی روپوں کی شکل میں پاکستان بھیجنے والا بینک کے ساتھ عقد صرف کرے گا، اس طرح کہ بینک کو سعودی ریال دے گا اور اس کے بدلہ میں پاکستانی روپے لے گا، اور ان روپوں کا مالک ہوجانے کے بعد بینک کو حکم دے گا کہ وہ مرسل الیہ کو بھیج دے، چنانچہ صرف وحوالہ دونوں جمع ہوجائیں گے؛ لیکن مذکورہ طور پر کاروائی کو درست قرار دینے کے لیے مجلسِ عقد میں تقابض کا ہونا ضروری ہے، اور فیصلہ میں یہ ذکر تو ہے کہ اکاؤنٹ ہولڈر سعودی ریال دے گا؛ لیکن یہ وضاحت نہیں ہے کہ عقدِ صرف میں اکاؤنٹ ہولڈر کے پاکستانی روپوں پر قبضہ کی کیا صورت ہوگی، اور شاید مقصود یہ ہے کہ اس رسید کو حاصل کر لینے سے جس میں صرف کی قیمت متفقہ طور پر درج ہے قبضہ کا تحقق ہوجاتا ہے، گویا کہ اس رسید پر قبضہ پاکستانی روپوں پر قبضہ ہے، اور اسی سے بیع صرف تام ہوجاتی ہے، پھر حوالہ ہوتا ہے۔

اس توجیہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ رسید پر قبضہ کر لینے سے جو حکمی قبضہ ہوتا ہے وہ بیع صرف میں جائز ہے؛ کیوں کہ یہ تخلیہ کے حکم میں ہے؛ لیکن اعتراض ہوتا ہے کہ فقہاء نے بیع صرف میں قبض بالبراجم کی شرط لگائی ہے، قبضۂ حکمی کو کافی قرار نہیں دیا، حتی کہ حنفیہ جو تخلیہ کو قبضہ کے قائم مقام قرار دیتے ہیں وہ بھی بیع صرف میں تخلیہ کو قبضہ قرار دینے کے روادار نہیں، درمختار میں ہے:

(وَالتَّقَابُضُ) بِالْبَرَاجِمِ لَا بِالتَّخْلِيَةِ (قَبْلَ الِافْتِرَاقِ).(۱)

اور جدا ہونے سے قبل براجم کے ذریعہ باہمی قبضہ ضروری ہے،

---

(۱) الدر مع الرد ۵/ ۲۵۸

تخلیہ کافی نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ تخلیہ کو قبضہ اس صورت میں مانا جاتا ہے جب کہ مبیع متعین ہو اور مشتری کو اس پر جب چاہے قبضہ کی قدرت ہو، اور نقود حنفیہ کے نزدیک قبضہ ہی سے متعین ہوتے ہیں؛ لہٰذا جب تک مشتری قبضہ نہ کرے تب تک وہ دین ہی رہیں گے۔

حنفیہ کے علاوہ دیگر ائمہ کا مذہب اور سخت ہے؛ کیوں کہ وہ عام معاملات کے اندر مکیلی، موزونی اور عددی اشیاء میں تخلیہ کو قبضہ قرار نہیں دیتے، چہ جائے کہ بیع صرف میں مان لیں، اور انہوں نے تصریح کی ہے کہ قبضہ کے لیے عددیات میں گننا اور دراہم ودنانیر میں ہاتھ سے لینا ضروری ہے، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَإِنْ كَانَ الْمَبِيعُ دَرَاهِمَ أَوْ دَنَانِيرَ. فَقَبْضُهَا بِالْيَدِ. (۱)

اگر مبیع دراہم یا دنانیر ہوں تو اس پر ہاتھ سے قبضہ کرنا ضروری ہے۔

اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مَا يُتَنَاوَلُ بِالْيَدِ كَالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ...فَقَبْضُهُ بِالتَّنَاوُلِ بِلَا خِلَافٍ صَرَّحَ بِذَلِكَ الشَّيْخُ أَبُو حَامِدٍ فِي تَعْلِيقِهِ...وَخَلَائِقُ لَا يُحْصَوْنَ. (۲)

جو چیزیں ہاتھ میں لی جاسکتی ہیں جیسے دراہم ودنانیر تو ان پر قبضہ بالاتفاق ہاتھ میں لے لینے سے ہوگا، شیخ ابو حامد رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیق میں اور بہت سے فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے۔

اور علامہ دردیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(كَمَوْزُونٍ وَمَعْدُودٍ) فَإِنَّهُ يَضْمَنُهُ الْبَائِعُ إِلَى أَنْ يَقْبِضَهُ الْمُشْتَرِي بِالْوَزْنِ، أَوِ الْعَدِّ. (۳)

---

(۱) المغنی ۴/ ۸۵

(۲) شرح المہذب ۹/ ۲۷۶

(۳) الدردیر مع الدسوقی ۳/ ۱۴۴

جیسے وزنی اور عددی چیز، تو بائع اس کا ضامن ہوگا، تا آں کہ مشتری وزن کر کے یا گن کر اس پر قبضہ کر لے۔

معلوم ہوا کہ ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم میں سے کسی کے نزدیک بیع صرف میں تخلیہ کافی نہیں ہے تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ رسید پر قبضہ نقود پر قبضہ ہوگیا؟ علامہ زحیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اعتراض کا جواب دینے کی کوشش کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

یہ بات ملحوظ رکھی جائے کہ نوٹ کی بیع کا حکم سونے چاندی کی بیع کی مانند ہے، جیسا کہ فقہی اکیڈمیوں اور بڑے علماء کی مجالس کا فیصلہ ہے، ایک کرنسی کو دوسری کرنسی سے مجلس عقد میں قبضہ کیے بغیر مؤجل فروخت کرنا حرام ہے، خواہ تفاضل ہو یا نہ ہو؛ کیوں کہ یہ ربا النسیئہ ہے؛ لہٰذا نوٹوں کی بیع تاجیل کے ساتھ درست نہ ہوگی، خواہ مساوی قیمت کے عوض ہو یا زائد قیمت کے عوض۔

اس بنیاد پر یہ ضروری ہے کہ بینک یا صراف سے منجز عقد صرف کیا جائے، اس میں تاجیل نہ ہو اور عملاً ایسا ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ صراف مجلس عقد میں عوض سپرد کرنے کے لیے مستعد رہتا ہے؛ لیکن عوض یا بدل صرف پر فعلی قبضہ نہیں ہو پاتا؛ البتہ حکمی قبضہ اس کے قائم مقام ہو جاتا ہے، صرف اتنی کمی رہ جاتی ہے کہ صورۃً قبضہ اور فوراً واپسی کی شکل نہیں پائی جاتی، پھر ایک مستقل عقد کیا جاتا ہے، یعنی ایک شہر سے دوسرے رقم کی منتقلی، اور ایسا قرض کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

اس قرض کی یہ تعبیر ہو سکتی ہے مقرض کا وثیقہ دینا' بدل قرض میں اس کے حق کو ثابت کرتا ہے، اور مقترض جو کہ صراف یا بینک

ہے بدلِ قرض کا ضامن ہوتا ہے، اور جو اجرت یا فیس لی جاتی
ہے وہ پیسے بھیجنے کے اخراجات کے بالمقابل ہے۔
مذکورہ دو عقد یعنی بیع صرف اور قرض کے طور پر ترسیل ہی
میرے نزدیک اس معاملہ کا صحیح طریقہ ہے۔(۱)

خط کشیدہ عبارت میں یہ وضاحت ہے کہ بیع صرف کے قواعد کے مطابق ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جب مرسل نے صراف کو سعودی ریال دیے تو صراف پاکستانی روپے مرسل کو دے؛ تاکہ تقابض واقع ہوجائے، پھر مرسل ان پاکستانی روپوں کو واپس کرے؛ تاکہ صراف پاکستان بھیج دے؛ لیکن اس طرح معاملہ کرنے کے بجائے صراف پاکستانی روپے نہیں دیتا؛ بلکہ صرف پاکستان بھیجنے کا التزام کرتا ہے؛ لہٰذا یہاں دوسری جانب سے قبضہ حکمی ہوگا، مذکورہ توجیہ دو پہلوؤں سے قابلِ اشکال ہے:

۱) ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم میں سے کسی کے نزدیک قبضۂ حکمی کی بیع صرف میں گنجائش نہیں ہے، جیسا کہ ہم ان کی تصریحات نقل کرچکے ہیں۔

۲) یہ کہنا کہ ''صراف مجلسِ عقد میں عوض کی سپردگی کے لیے مستعد رہتا ہے'' بینک ٹرانسفر کے متعلق درست نہیں ہے؛ کیوں کہ بینک کے پاس بسا اوقات وہ کرنسی اتنی مقدار میں موجود نہیں ہوتی جس کی ترسیل مطلوب ہے، مثلاً: اگر کسی نے ایک لاکھ سعودی ریال بینک کو دیے؛ تاکہ وہ پاکستانی روپوں کی شکل میں انہیں پاکستان بھیج دے تو یہاں ڈھائی ملین سے زائد پاکستانی روپوں کی ضرورت ہے، اور عموماً سعودی بینک کے پاس پاکستانی کرنسی کی اتنی مقدار مرسل کے مطالبہ کے وقت موجود نہیں ہوتی؛ بلکہ عام طور پر ڈالروں کے ذریعہ دوسرے بینکوں سے خریدنا پڑتا ہے، تو ہم یہاں یہ نہیں کہہ سکتے کہ بینک مرسل کو یہ مقدار دینے کے لیے مستعد ہے، اور صرف اتنی کمی ہے کہ صورۃً قبضہ نہیں ہے؛ بلکہ درحقیقت اس صورت میں مطلوبہ کرنسی پر ملکیت ہی نہیں ہے، چہ جائے کہ وہ بینک کے

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۵ / ۳۶۷۲

پاس موجود ہوں اور وہ مرسل کو سپرد کرنے پر قادر ہو۔

معلوم ہوا کہ نوٹ پر سونے چاندی کے تمام احکامات کے اجراء اور ان کے تبادلہ کو بیع صرف ماننے کی صورت میں بینک ٹرانسفر کے اندر وہ قبضہ نہیں پایا جاتا جس کا فقہ اسلامی نے تصور دیا ہے، اور قبضہ کے تحقق کے لیے تکلف و تاویل بعید سے کام لینا پڑتا ہے۔

اور اگر نوٹ کے سلسلہ میں تیسرا موقف لیا جائے جس کی بنیاد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے کہ یہ سونے چاندی کے حکم میں من جمیع الوجوہ نہیں ہے، اور ان کا تبادلہ فقہی لحاظ سے صرف نہیں ہے تو مجلس میں تقابض کی شرط ہی نہیں ہوگی، اور بینک ٹرانسفر کی مشکلات آسانی سے حل ہو جائیں گی، اور فقہی اصول وضوابط میں سے کسی اصول کے سلسلہ میں تسامح سے کام نہیں لینا پڑے گا، کاغذی کرنسی میں تیسرے موقف کے بیان (۱) میں ہم تیسرے موقف کے دلائل تفصیل سے بیان کر چکے ہیں اور اعتراضات کا بھی جواب دیا ہے؛ لہٰذا تیسرے موقف کو اختیار کرنا دلائل کے لحاظ سے بھی اور سہولت کے لحاظ سے بھی اولیٰ ہے، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

۳۳۶۔ کاغذی کرنسی سے سونا چاندی خریدنا

دونوں موقف کے لحاظ سے نوٹ کے ذریعہ سونے چاندی کے زیورات کی خریداری کا حکم بھی مختلف ہوگا، پہلا موقف جس میں نوٹ پر صرف کے احکام جاری ہوتے ہیں اس کے مطابق زیورات کی خریداری میں مجلس عقد کے اندر بدلین پر تقابض ضروری ہے، بدلین میں سے کسی ایک پر قبضہ کو مؤخر کرنا درست نہیں ہے، موقف اول کے قائلین کا یہی فتوی ہے؛ لیکن زیورات کے تاجرین کو اس میں شدید تنگی محسوس ہوتی ہے، اور اکثر تاجرین نے میرے پاس اس موقف کی عملی تطبیق کے سلسلہ میں شدید صعوبت کا سامنا کرنے کا ذکر کیا ہے۔

تیسرا موقف جو میرے اور اکثر علمائے ہند کے نزدیک راجح ہے اور جس کے

---

(۱) رقم: ۳۲۶

دلائل سابق میں آچکے ہیں تو اس کے مطابق نوٹ کے ذریعہ سونے چاندی کے زیورات کی خریداری نسیئۃً بھی جائز ہوگی، بشرطیکہ عقد کے دن کی قیمت پر ہو، اس میں تقابض کی شرط نہیں ہے؛ بلکہ زیورات پر حقیقی قبضہ بھی شرط نہیں ہے، صرف ان کی تعیین کافی ہے؛ اس لیے کہ بیع صرف کے احکام کے سلسلہ میں نوٹ کا حکم فلوس کی مانند ہے، اور فلوس کے ذریعہ زیورات کی خریداری میں حنفیہ کے نزدیک تقابض شرط نہیں ہے؛ بلکہ تعیین کافی ہے، امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَإِنْ اشْتَرَى خَاتَمَ فِضَّةٍ أَوْ خَاتَمَ ذَهَبٍ فِيهِ فَصٌّ، أَوْ لَيْسَ فِيهِ فَصٌّ بِكَذَا فَلْسًا، وَلَيْسَتْ الْفُلُوسُ عِنْدَهُ فَهُوَ جَائِزٌ إِنْ تَقَابَضَا قَبْلَ التَّفَرُّقِ أَوْ لَمْ يَتَقَابَضَا؛ لِأَنَّ هَذَا بَيْعٌ، وَلَيْسَ بِصَرْفٍ فَإِنَّمَا افْتَرَقَا عَنْ عَيْنٍ بِدَيْنٍ؛ لِأَنَّ الْخَاتَمَ يَتَعَيَّنُ بِالتَّعَيُّنِ بِخِلَافِ مَا سَبَقَ فَإِنَّ الدَّرَاهِمَ وَالدَّنَانِيرَ لَا تَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ؛ فَلِهَذَا شُرِطَ هُنَاكَ قَبْضُ أَحَدِ الْبَدَلَيْنِ فِي الْمَجْلِسِ. (۱)

اگر سونے یا چاندی کی انگوٹھی خواہ اس میں نگینہ ہو یا نہ ہو فلوس کے عوض خریدے، اور فلوس اس کے پاس نہ ہوں تو یہ جائز ہے، خواہ تفرق سے قبل تقابض ہوا ہو یا نہ ہوا ہو؛ اس لیے کہ یہ بیع ہے، نہ کہ صرف، اور یہاں عین بالدین پر علیحدگی ہوئی ہے؛ اس لیے کہ انگوٹھی تعیین سے متعین ہوجاتی ہے، برخلاف گزشتہ مسئلہ کے؛ کیوں کہ دراہم ودنانیر متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے، یہی وجہ ہے کہ وہاں کسی ایک بدل پر قبضہ شرط ہے۔

۲۳۷۔ فوریکس کے واسطے سے کرنسیوں کی تجارت

موجودہ زمانہ میں کرنسیوں کی تجارت فارن ایکسچینج ٹریڈ (forigen exchange

(۱) المبسوط ۱۴/ ۲۵

(trade) کے واسطہ سے عام ہو چکی ہے، اس کو مخفف کر کے فوریکس (forex) کہہ دیا جاتا ہے، اس بازار کے اندر بڑی مقدار میں کرنسیوں کا تبادلہ ہوتا ہے، یومیہ قیمت ۸ ۳ر ٹریلین تک پہونچتی ہے، اکثر معاملات مجازفہ اور تخمین (speculation) کی کاروائیوں پر مشتمل ہوتے ہیں، ان بازاروں میں تجارت کے مختلف طریقے ہیں، اور اکثر طریقوں میں محظوراتِ شرعیہ موجود ہیں، جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

۱) کرنسیوں اور نقود میں اصل یہ ہے کہ یہ اشیاء کی قیمت لگانے کا وسیلہ ہیں، فی نفسہٖ مقصود نہیں ہیں، شریعت اسلامیہ میں انہیں تجارت کا محل بنانا اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا؛ الَّا یہ کہ کرنسیوں کے تبادلہ کی حقیقی حاجت ہو، اسی وجہ سے نقود کی بیع پر شریعت نے پابندیاں اور حدود عائد کی ہیں جنہیں ہم بیع صرف کے مباحث میں ذکر کر چکے ہیں؛ لیکن اس بازار میں کرنسیوں کو ہی محل تجارت بنایا جاتا ہے، اور اس کی وجہ سے موجودہ مالی نظام میں بڑی خرابی آئی ہے، اور میں نے اپنے مقالہ أسباب الأزمة المالية وعلاجها في ضوء الشريعة الإسلامية میں اس کی تفصیل لکھ دی ہے، اور یہ خرابیاں شرعی احکامات کو پیش نظر نہ رکھنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔

۲) سابق میں ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ نوٹ اکثر معاصر علماء اور فقہی اکیڈمیوں کے نزدیک سونے چاندی کے حکم میں ہے؛ لہٰذا ان کے تبادلہ کے لیے مجلس میں تقابض شرط ہے، اور یہ شرط اکثر معاملات میں مفقود ہے؛ کیوں کہ یہ معاملات بیع عاجل و آجل پر مشتمل ہوتے ہیں، اور ان میں تقابض مفقود ہے؛ کیوں کہ بیع عاجل (spot sale) میں عقد کے دو دن بعد تقابض ہوتا ہے، اور تیسرے موقف کے اندر یہ ضروری ہے کہ مختلف الجنس کرنسیوں کے تبادلہ میں کسی ایک پر مجلس عقد میں قبضہ ہو، اور بازار میں یہ شرط بھی مفقود ہے؛ کیوں کہ خرید و فروخت عموماً کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے ذریعہ ہوتی ہے۔

۳) بازار میں اکثر غیر مملوک کی بیع ہوتی ہے، اور اکثر معاملات میں تسلیم و تسلم نہیں ہوتا، اور قیمتوں کے فرق کے ذریعہ بائع و مشتری معاملہ کا تصفیہ کرتے ہیں۔

۴) کبھی منڈی آدمی کو منڈی میں رقم رکھنے کا موقع دیتی ہے، اور وہ زائد رقم کے ذریعہ تجارت کرتا ہے، اور منڈی باقی رقم کے لیے ضمان اس کرنسی سے ادا کرتی ہے جس کا وہ متعامل بالاکثر سے مطالبہ کرتی ہے، یہ بیع بالہامش (sale on margin) کہلاتی ہے، یہ درحقیقت قرض ہے، جس میں سودی منافع کا مطالبہ ہوتا ہے۔

۵) اس بازار کے واسطہ سے خریداری میں کرنسیاں غیر متعین ہوتی ہیں؛ کیوں کہ کرنسیوں کا تعین قبضہ سے ہوتا ہے، جو کہ اکثر معاملات میں مفقود ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر فوریکس بازار سے شرعاً معاملہ کرنا درست نہیں ہے، رہا ملکی تجارت یا سفر کی وجہ سے کرنسیوں کے تبادلہ کی حقیقی حاجت تو یہ صرافوں سے معمول کے مطابق خرید وفروخت کے ذریعہ پوری ہوسکتی ہے، بشرطیکہ معاملہ کے اندر سابق میں ذکر کردہ شرائط ملحوظ ہوں۔

۳۳۸۔ نقود اور فلوس کی قیمت بڑھنا یا گھٹنا

اموال ربویہ کے تبادلہ یا قرض لینے میں جو تماثل مطلوب ہے وہ قدر یعنی کیل یا وزن میں تماثل کا ہونا ہے، اور یہ ان احادیث سے واضح ہے جن میں تماثل کو لازم قرار دیا گیا ہے، ان میں تصریح ہے:

الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَزْنًا بِوَزْنٍ، مِثْلًا بِمِثْلٍ... فَمَنْ زَادَ أَوِ اسْتَزَادَ فَهُوَ رِبًا. (۱)

سونا سونے کے عوض وزن کر کے برابر سرابر فروخت کیا جائے، جو شخص زیادہ دے یا لے تو وہ سود ہے۔

اسی بنیاد پر فقہاء مطلوبہ تماثل میں قیمت کا اعتبار نہ ہونے پر متفق ہیں؛ اس لیے کہ شریعت نے اموال ربویہ میں جید اور ردی کا لحاظ نہیں کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص چند دراہم قرض لے تو وہ اتنے وزن کے دراہم لوٹائے گا؛ اگرچہ ادائیگی کے وقت

(۱) مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۸۸

قیمت بڑھ یا گھٹ گئی ہو، اتنی بات متفقہ ہے۔

جمہور کے نزدیک اس مسئلہ میں فلوس کا حکم دراہم کی مانند ہے، چنانچہ قرض میں عدد کے اندر تماثل مطلوب ہے، چنانچہ اگر ادائیگی کے وقت قیمت بڑھ گئی یا گھٹ گئی تب بھی وہ اتنا ہی لوٹائے گا جتنا لیا تھا، مثلاً: اگر کسی نے ۱۰۰ رفلس قرض لیے، اور وہ قرض لیتے وقت ایک درہم کے مساوی تھے، تو بعد میں یہ شخص سو فلس ہی لوٹائے گا؛ اگر چہ ان کی قیمت ایک درہم کے ثمن کے مساوی ہوگئی ہو، قرض دینے والے کے لیے سو سے زائد کا مطالبہ جائز نہیں ہے، یہی طرفین، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے۔(۱)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا آخری قول یہ ہے کہ اس مسئلہ میں فلوس کا حکم دراہم کی مانند نہیں ہے، قیمت کے بڑھنے یا گھٹنے کی صورت میں مدیون پر قیمت کے اعتبار سے فلوس دینا لازم ہوگا، مثلاً ایک شخص نے سو فلس میں کوئی چیز خریدی، اور اس دن ان کی قیمت دس درہم تھی، پھر فلوس کی قیمت گھٹ گئی، اور نو درہم ہوگئی تو مشتری پر ایک سو گیارہ فلوس بائع کو دینا ضروری ہوگا؛ تاکہ یہ ان سو فلس کے مساوی ہو جائے جن کی قیمت پر عقد کے دن بیع ہوئی تھی، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ متاخرین کی ایک جماعت نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتوی دیا ہے۔(۲)

البتہ اگر بیع کے بعد ثمن کی ادائیگی سے پہلے فلوس میں کساد ہو گیا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع فاسد ہو جائے گی، اور مشتری نے اگر مبیع پر قبضہ کر لیا ہو تو لوٹانا ضروری ہوگا، اور اگر کسی وجہ سے وہ مشتری کی ملکیت سے نکل جائے یا مبیع میں مشتری کی جانب سے ایسی زیادتی ہو جائے جو لوٹانے سے مانع ہو تو ذوات الامثال ہونے کی صورت میں مثل؛ ورنہ قیمت دینا لازم ہوگا، اور قیمت ایسے نقد سے دے گا جس میں کساد نہ ہوا ہو۔

---

(۱) زرقانی علی مختصر خلیل ۵ / ۶۰، الحاوی للفتاوی، ص: ۱۱۳، الشرح الکبیر علی متن المقنع ۴ / ۳۵۸

(۲) تنبیہ الرقود علی مسائل النقود، رسائل ابن عابدین ۲ / ۶۰

اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک بیع فاسد نہیں ہوگی؛ بلکہ بائع کو اختیار ہوگا، چاہے تو بیع کو فسخ کردے اور چاہے تو جن فلوس پر معاملہ ہوا ہے دراہم کے ذریعہ ان کی قیمت لے لے، پھر صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان قیمت کے وقت کے اعتبار کے سلسلہ میں اختلاف ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ عقد کے وقت کی قیمت کا اعتبار کرتے ہیں؛ کیوں کہ یہی وجوبِ ثمن کا وقت ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کساد کے وقت کا اعتبار کرتے ہیں، اور یہ وہ آخری دن ہے جس میں لوگوں نے فلوس سے معاملہ کرنا ترک کردیا تھا؛ کیوں کہ یہی سپردگی سے عاجز ہونے کا وقت ہے۔

یہ ساری تفصیل بیع کے متعلق ہے، اگر قرض میں یہ صورت حال پیش آئے تو امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

إِنْ اسْتَقْرَضَ عَشَرَةَ أَفْلُسٍ ثُمَّ كَسَدَتْ تِلْكَ الْفُلُوسُ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ إِلَّا مِثْلُهَا فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ قِيَاسًا، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ - رَحِمَهُمَا اللَّهُ -: قِيمَتُهَا مِنَ الْفِضَّةِ - اسْتِحْسَانًا -؛ لِأَنَّ الْوَاجِبَ عَلَيْهِ بِالِاسْتِقْرَاضِ مِثْلُ الْمَقْبُوضِ، وَالْمَقْبُوضُ فُلُوسٌ هِيَ ثَمَنٌ، وَبَعْدَ الْكَسَادِ يَفُوتُ صِفَةُ الثَّمَنِيَّةِ بِدَلِيلِ مَسْأَلَةِ الْبَيْعِ فَيَتَحَقَّقُ عَجْزُهُ عَنْ رَدِّ مِثْلِ مَا الْتَزَمَ فَيَلْزَمُهُ قِيمَتُهُ كَمَا لَوْ اسْتَقْرَضَ شَيْئًا مِنْ ذَوَاتِ الْأَمْثَالِ، فَانْقَطَعَ الْمِثْلُ عَنْ أَيْدِي النَّاسِ. (۱)

اگر دس فلس قرض لیا، پھر وہ فلوس بند ہوگئے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر قیاس کرتے ہوئے مثل لازم ہوگا، اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک استحساناً چاندی کے ذریعہ قیمت لازم ہوگی؛

---

(۱) المبسوط ۱۴/ ۲۹

کیوں کہ مدیون پر قرض لینے کی وجہ سے مقبوض کا مثل واجب ہوا تھا، اور مقبوض فلوس ہے جو کہ ثمن ہیں، اور بند ہو جانے کے بعد فلوس کی صفتِ ثمنیت فوت ہو جاتی ہے، اس کی دلیل بیع کا مسئلہ ہے؛ لہٰذا یہاں مثل کے لوٹانے سے وہ عاجز ہے، پس قیمت لازم ہوگی، جیسا کہ اگر ذوات الامثال کی کوئی چیز قرض لے اور مثل لوگوں کے درمیان سے ختم ہو جائے۔

اور اگر قرض دینے کے بعد فلوس کی قیمت میں کمی یا زیادتی ہوئی ہو تو اس میں بیع کے مسئلہ کی طرح اختلاف ہے، ائمہ احناف کا ضابطہ یہ ہے کہ مدیون نے جتنا لیا تھا اتنا ہی لوٹائے گا، خواہ قیمت بڑھ گئی ہو یا گھٹ گئی ہو، پھر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے رجوع فرمالیا اور کہا: مدیون پر قبضہ کی دن فلوس کی دراہم کے لحاظ سے جو قیمت بنتی تھی وہ دینا لازم ہوگا۔

۳۳۹۔ کاغذی کرنسی کی قیمت میں تبدیلی اور قرضوں پر اس کا اثر

موجودہ دور میں معدنی نقود بالکلیہ ختم ہو چکے ہیں، اور تمام تبادلوں میں نوٹ نے ان کی جگہ لے لی ہے، اور یہ نوٹ کی کرنسی ملکوں کے لحاظ سے مختلف ہے، اسی طرح ایک کرنسی کی قیمت دوسری کی قیمت سے مختلف ہے، نیز سونے چاندی کے لحاظ سے بھی، مؤجل تبادلوں بالخصوص قرض کے معاملات میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قرض لیتے وقت کرنسی کی جتنی قیمت تھی ادائیگی کے وقت وہ گھٹ جاتی ہے، تو اگر اتنی ہی مقدار میں رقم لوٹائی جائے تو یہ قرض دینے والے کے لیے باعثِ ضرر ہے، اس طور پر کہ وہ اس رقم سے اس طرح نفع نہیں اٹھا سکتا جس طرح وہ قرض دیتے وقت اٹھا سکتا تھا۔

اس مشکل کے حل کے لیے بعض ماہرینِ اقتصادیات نے کرنسی کو مخصوص طریقہ پر اس ملک کے نرخ نامہ سے مربوط کرنے کی تجویز پیش کی ہے، اس کی تفصیل کے ساتھ وضاحت میں نے أحكام الأوراق النقدية (۱) میں کردی ہے، اور بعض حضرات نے

(۱) بحوث في قضايا فقهية معاصرة، جلد اول

اس کے جواز کے لیے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو مستدل بنایا ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فلوس کی قیمت لوٹانے کے قائل ہیں، عددی لحاظ سے تماثل ان کے یہاں ضروری نہیں ہے؛ لیکن یہ استدلال درست نہیں ہے؛ کیوں کہ درحقیقت نرخ نامہ کی جو تجویز ہے اس کا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ بات بدیہی طور پر معلوم ہے کہ افراطِ زر، سکہ کے چلن میں کمی، نرخ نامہ کو وضع کرنا اور اس کی بنیاد پر نقود کی قیمت لگانا، یہ سارے امور جدید ہیں جن کا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں تصور نہیں تھا، تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی یہ مراد لینا کہ ''نرخ نامہ کی بنیاد پر متعین شدہ قیمت لوٹانا ضروری ہے''، ممکن نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ان فلوس سے متعلق ہے جو دوسرے ثمن کے ساتھ ہمیشہ مربوط ہوں، اور وہ اس ثمن کے لیے اجزاء اور ریزگاری کے طور پر مستعمل ہوں، اور قدیم زمانہ میں فلوس سونے چاندی کے ساتھ مربوط تھے، اور ان کی قیمت سونے چاندی کی بنیاد پر لگائی جاتی تھی، اور وہ دراہم ودنانیر کے ریزگاری کے طور پر شمار ہوتے تھے، مثلاً دس فلوس ایک درہم کے مساوی ہوتے تھے، چنانچہ ایک فلس ایک درہم کا سواں حصہ ہوتا تھا، اور رہے آج کے نوٹ تو وہ دوسرے ثمن کے ساتھ مربوط نہیں ہیں اور نہ اجزاء اور ریزگاری ہیں؛ بلکہ مستقل اصطلاحی ثمن ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کے مطابق فلوس کی قیمت سے تحقیقی طور پر واقفیت ممکن ہے؛ کیوں کہ وہ ثمن کے ایک مضبوط معیار یعنی درہم کے ساتھ مربوط ہیں، برخلاف نوٹ کی حقیقی قیمت سے موجودہ دور کی معاشی اصطلاح کے مطابق تحقیقی طور پر واقفیت ممکن نہیں ہے، اور اس قیمت کی تعیین مجازفہ اور اندازے کی بنیاد پر ہوتی ہے؛ لہٰذا اس مسئلہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، اور اس نظام کے فاسد ہونے کے عقلی ونقلی دلائل میں نے مذکورہ رسالہ میں بیان کردیے ہیں، ضرورت کے وقت مراجعت کرلی جائے۔

لیکن یہ بات بھی یقینی ہے کہ بعض کرنسیاں جن میں غیر معمولی گراوٹ ہوتی رہتی ہے ان کو ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے، مثلاً: لبنان اور ترکی کا لیرہ اور روسی روبیل؛ اس لیے کہ مختصر عرصوں میں سو سے زائد قیمت گھٹ جاتی ہے؛ لیکن اس مسئلہ کا حل ان کو نرخ نامہ سے مربوط کرنا نہیں ہے؛ بلکہ فقہاءِ عصر کو یہ غور کرنا چاہیے کہ کیا اس گراوٹ کو کساد کے حکم میں رکھا جاسکتا ہے، اور سونے چاندی کی قیمت سے ادا کرنے کا حکم دیا جاسکتا ہے ؟ اس لیے کہ جن ملکوں میں اس طرح گراوٹ ہوتی ہے وہاں مقامی کرنسی سے لوگوں نے معاملات' بالخصوص ادھار معاملات ترک کردیے ہیں، کسی عام قاعدہ سے اس حکم کا انضباط نہیں ہوسکتا؛ بلکہ ہر کرنسی کے احوال پر غور کیا جائے گا، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

۳۴۰۔ دارالحرب میں سود

سود کی حرمت کی سلسلہ میں جمہور فقہاء کے نزدیک دارالاسلام اور دارالحرب میں کوئی فرق نہیں ہے، اور جس طرح ایک مسلمان کے لیے کسی مسلمان سے سودی معاملہ کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح کسی کافر حربی سے بھی سودی معاملہ جائز نہیں ہے، یہ امام مالک، شافعی، احمد، ابو یوسف اور جمہور فقہاء رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب ہے۔(۱) طرفین رحمۃ اللہ علیہما مسلمان اور حربی کے درمیان سود کو نہیں مانتے، اگر کوئی مسلمان دارالحرب چلا جائے تو حربی کے ساتھ سودی عقد کرنا اس کے لیے جائز ہے؛ اس لیے کہ مسلمان کے لیے حربیوں کے اموال ان کی رضامندی سے مباح ہیں، بشرطیکہ اس میں غدر نہ ہو، اور اس سلسلہ میں استدلال اس حدیث سے ہے جو حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مرسلاً مروی ہے:

لَا رِبَا بَيْنَ أَهْلِ الْحَرْبِ، أَظُنُّهُ قَالَ: وَأَهْلِ الْإِسْلَامِ. (۲)

اہل حرب اور اہل اسلام کے درمیان ربا نہیں ہے۔

---

(۱) المجموع شرح المہذب ۹ / ۳۹۱ و ۳۹۲ والمغنی ۴ / ۳۲

(۲) معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ۱۳ / ۲۷۶

لیکن طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہ جواز اس صورت میں ہے جب کہ مسلمان دار الاسلام کا باشندہ ہو، اور دار الحرب میں وہ امان لے کر داخل ہوا ہو، یا اس نے دار الحرب ہی میں اسلام قبول کیا اور ہجرت نہیں کی، تو کافر سے یا حربی غیر مہاجر مسلم سے سودی عقد کرنا جائز ہے، رہا وہ اصلی مسلمان جو دار الحرب میں آنے سے قبل مسلمان تھا، یا جس نے اسلام قبول کر کے ہجرت کر لی پھر دار الحرب چلا گیا تو مسلمان کے لیے اس سے سودی معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔(۱)

پھر بعض علماء احناف نے طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے قول میں تاویل کی ہے، اور جوازِ عقد وحلتِ مال میں فرق کیا ہے، وہ کہتے ہیں: کسی مسلمان کے لیے دار الحرب میں مذکورہ شرائط کی رعایت کے ساتھ بھی سودی عقد کرنا جائز نہیں ہے، اگر کوئی یہ عقد کرے تو گنہ گار ہوگا؛ کیوں کہ یہ ممنوع عقد ہے؛ لیکن اس عقد سے حاصل ہونے والا مال حلال ہوگا؛ کیوں کہ یہ حربی کا مال ہے جو اس کی رضامندی سے غدر کے بغیر حاصل ہوا ہے، اس کی نظیر وہ مال ہے جو عقود وفسوخ میں انسان کو جھوٹی گواہی کے ذریعہ حاصل ہوا ہو، وہ سخت گنہگار تو ہوگا؛ لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ضابطہ — قضاء کا نفاذ ظاہراً وباطناً دونوں طرح ہوجاتا ہے — کی بنا پر وہ قاضی کے فیصلہ کی وجہ سے اس مال کا مالک ہوجائے گا، دوسری نظیر یہ ہے کہ ایک شخص نے دین کے منکر مدیون کو دین کی قیمت کے مثل کے عوض کوئی آزاد شخص فروخت کیا تو یہ عقد باطل ہے اور موجبِ معصیت ہے؛ لیکن وہ مال کا مالک ہوجائے گا، حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی یہی تاویل کی ہے، اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو حسن قرار دیا ہے۔(۲)

پھر مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسرے رسالہ میں اس مسئلہ کی دوبارہ تحقیق فرمائی اور قوتِ دلیل کی بنیاد پر جمہور کے مذہب کو راجح قرار دیا، اور کہا کہ موجودہ زمانہ

---

(۱) الدر مع الرد ۵/۱۸۶

(۲) تحذیر الاخوان عن الربا فی الہندوستان، ص: ۷

میں جمہور کا مذہب ہی فتوی دینے کے لیے راجح اور متعین ہے، اور اس مسئلہ میں اپنی سابقہ آراء سے بھی رجوع کا اعلان فرمایا۔(۱)

موجودہ دور میں علماء احناف کے درمیان امام ابو یوسف اور جمہور رحمۃ اللہ علیہم کے مذہب کے مفتیٰ بہ ہونے پر ایک طرح سے اتفاق ہوگیا ہے، ان کے نزدیک سود ہر حال میں حرام ہے، خواہ مسلمان کے ساتھ ہو یا حربی کے ساتھ؛ لہٰذا اس باب میں طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے قول سے استدلال نہیں کرنا چاہیے۔(۲)

(۱) رسالہ رافع الضنک عن منافع البنک در امداد الفتاوی ۶ / ۶۰۸ تا ۶۱۳

(۲) شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے جو جمہور کے قول پر ایک طرح کا اتفاق نقل کیا ہے وہ درست معلوم نہیں ہوتا؛ کیوں کہ ہندوستان کے اکابر اربابِ افتاء جیسے: علامہ عبدالحیٔ لکھنوی، فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، فقیہ الامت حضرت مولانا محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم نے طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر عمل کی اجازت دی ہے، حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی مدظلہ العالی (جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد) نے اکابر کے حوالے سے اس سلسلہ میں مفصل بحث کی ہے۔(دیکھیں: فتاوی قاسمیہ ۷ ۲۳ تا ۲۴۸)از مترجم۔

آٹھویں بحث

بیع کے آثار مرتب ہونے کے لحاظ سے
بیع کی تقسیم

بیع کے آثار مرتب ہونے کے لحاظ سے چوتھی تقسیم

بیع کی چوتھی تقسیم دنیا وآخرت میں اس کے آثار کے مرتب ہونے کے لحاظ سے ہے، اس اعتبار سے بیع کی پانچ قسمیں ہوتی ہیں:

۱) بیع صحیح: اس سے مراد ایسی بیع ہے جو جائز ہو، انعقاد کے سارے شرائط اس میں موجود ہوں اور گناہ یا محظور لازم نہ آئے۔

۲) بیع باطل: جس میں بیع کا کوئی رکن موجود نہ ہو، اس پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا۔

۳) بیع فاسد: جس میں بیع کے سارے ارکان پائے جا رہے ہوں؛ لیکن کسی خارجی سبب کی وجہ سے فساد در آیا ہو۔

۴) بیع موقوف: جس میں بیع کے آثار کا ترتب کسی کی اجازت پر موقوف ہو۔

۵) بیع مکروہ: صلبِ عقد سے خارج کسی امر کی وجہ سے بیع کی شرعاً ممانعت کی گئی ہو، عاقدین گنہگار تو ہوں گے؛ لیکن بیع منعقد ہو جائے گی۔

ذیل میں تفصیلی کلام آئے گا۔ واللہ سبحانہٗ ہو الموفق للصواب والسداد۔

پہلا باب

بیع صحیح نافذ کے احکام

پہلی قسم یعنی بیع صحیح کی دو قسمیں ہیں:

۱) بیع صحیح نافذ جس میں عاقدین میں سے کسی کے لیے کوئی خیار نہ ہو۔

۲) وہ بیع جس میں عاقدین میں سے کسی ایک کو بیع فسخ کرنے کا خیار ہو۔

۳۴۳۔ بیع نافذ

بیع صحیح جس میں عاقدین میں کسی کے لیے خیار نہیں ہوتا اس کا حکم یہ ہے کہ اگر بیع سلم نہ ہو تو مبیع کی ملکیت مشتری کی جانب منتقل ہو جاتی ہے، اور مشتری پر ثمن اور بائع پر مبیع کی سپردگی لازم ہوتی ہے، اگر سامان کی نقد کے عوض فروخت ہو تو حنفیہ کے نزدیک مشتری پر پہلے ثمن دینا ضروری ہے، اور اگر مقایضہ ہو تو ایک ساتھ سپردگی لازم ہے۔(۱) بیع حال کے تحت (۲) اس موضوع کے اندر فقہاء کے مذاہب ہم بیان کر چکے ہیں۔

اس کے احکام میں سے یہ ہے کہ بیع صحیح اگر حال ہو تو بائع کو ثمن پر قبضہ تک مبیع کو روکے رکھنے کا حق ہوگا، مشتری کو یہ اختیار نہیں ہے کہ جب مبیع موجود ہو تو مبیع پر قبضہ کرنے تک ثمن کی سپردگی سے رکا رہے؛ کیوں کہ بیع عقد معاوضہ ہے، اور معاوضات میں عوضین کے درمیان برابری مطلوب ہوتی ہے، اور عقد میں متعین کرنے سے مبیع کے اندر مشتری کا حق متعین ہو گیا؛ لیکن ثمن میں بائع کا حق متعین نہیں ہوا؛ اس لیے کہ ثمن کا وجوب ذمہ میں ہوتا ہے، متعین کرنے سے وہ متعین نہیں ہوتا؛ بلکہ قبضہ ضروری ہوتا ہے، لہٰذا اولاً ثمن

(۱) البحر الرائق ۵/ ۳۳۴

(۲) رقم: ۲۴۳

کی سپردگی ہوگی؛ تاکہ وہ متعین ہوجائے، پھر برابری کا تحقق ہوگا، اور اگر مبیع موجود نہ ہو تو مبیع کے آنے تک مشتری کو ثمن نہ دینے کا اختیار ہوگا؛ کیوں کہ اولاً ثمن دینے کا پابند برابری کے تحقق کے لیے کیا گیا تھا، اور مبیع کے موجود نہ ہونے کی صورت میں اولاً ثمن کی ادائیگی سے مساوات متحقق نہیں ہوتی؛ بلکہ بائع کا حق مقدم اور مشتری کا حق مؤخر ہوجاتا ہے، اس طرح کہ ثمن تو قبضہ کی وجہ سے متعین ہوجاتا ہے، جب کہ مبیع متعین نہیں ہوتی، دوسری وجہ یہ ہے کہ مبیع کے ہلاک ہونے کی صورت میں مشتری سے ثمن ساقط ہوسکتا ہے؛ لہٰذا مبیع کے آنے تک مشتری کو ثمن دینے کا حکم نہیں دیا جائے گا، خواہ مبیع اسی شہر میں ہو یا کسی اور جگہ کہ اس کو لانے میں مؤنت برداشت کرنی پڑتی ہو۔(۱) بیع حال ومؤجل کی بحث (۲) میں جو تفصیلات ہم رقم کرچکے ہیں اس کی جانب بھی مراجعت کرلی جائے۔

۳۴۴۔ مبیع کا ضمان مشتری کی جانب کب منتقل ہوگا؟

مبیع کا ضمان مشتری کی جانب منتقل ہونے کی دو حالتیں ہیں:

۱) بیع کے منجز ہونے سے قبل ضمان کی منتقلی۔

۲) بیع کے منجز ہونے کے بعد ضمان کی منتقلی۔

دونوں حالتوں کے مخصوص احکام ہیں، پہلی حالت میں ضمان کی منتقلی کی مثال بھاؤ تاؤ کے لیے سامان پر قبضہ ہے، اس میں درج ذیل تفصیل ہے:

۳۴۵۔ مقبوض علی سوم الشراء میں ضمان

اس باب میں یہ بات جاننی ضروری ہے کہ بیع کے منجز ہونے سے قبل سامان پر مشتری کے قبضہ کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم یہ ہے کہ مشتری بائع سے بھاؤ تاؤ یا ثمن بیان کرنے سے قبل صرف دیکھنے کے لیے سامان لے، بعض فقہاء حنفیہ نے ''القابض علی سوم النظر'' کی اصطلاح سے

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۲۴۳

(۲) رقم: ۲۴۳و ۲۴۴

اس کا ذکر کیا ہے، اس قسم میں قبضہ کرنے والا امین ہوتا ہے، اور یہ قبضہ امانت ہے؛ لہٰذا قبضہ امانت کا جو حکم ہے کہ تعدی اور کوتاہی کے بغیر اگر ہلاک ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا یہاں بھی جاری ہوگا۔

دوسری قسم یہ ہے کہ بھاؤ تاؤ اور ثمن بیان کرنے کے بعد خریدنے کی نیت سے سامان پر قبضہ کرلے؛ لیکن ابھی بیع منجز نہ ہوئی ہو، اس کو "القابض علی سوم الشراء" کہا جاتا ہے، اگر بیع کے منجز ہونے سے قبل سامان ہلاک ہوجائے تو مالکیہ کے نزدیک وہ ضامن نہیں ہوگا؛ کیوں کہ ان کے نزدیک یہ بھی قبضہ امانت ہے۔(۱) اور انگریزی قانون بھی مالکیہ کے مذہب کے موافق ہے، اس میں قابض کو امین یا مستعیر (Bailee) کے حکم میں رکھا گیا ہے۔(۲) اور قانوناً اس کا حکم یہ ہے کہ تعدی یا تقصیر کے بغیر ضمان لازم نہ ہوگا۔(۳)

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک قابض ضامن ہوگا؛ اگرچہ اس نے تعدی یا تقصیر نہ کی ہو، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مسلک منقول ہے:

رجل قال لغيره: هذا الثوب لك بعشرة فقال ذلك الرجل: هاته حتى أنظر إليه، فأخذه على هذا فضاع منه فلا شيء عليه، ولو قال: هاته، فإن رضيته أخذته فضاع فهو على ذلك الثمن.(۴)

ایک شخص نے دوسرے سے کہا: دس درہم میں یہ کپڑا تمہیں دیتا ہوں، تو اس نے کہا: لاؤ! دیکھوں ذرا، چنانچہ اس نے لیا، پھر وہ ضائع ہوگیا تو اس پر ضمان نہیں ہے، اور اگر کہے: لاؤ! پسند آیا

---

(۱) الذخیرۃ للقرافی ۹/ ۲۱۷

(۲) pollock & mulla on sale of goods Act sec4 p.77 para.7

(۳) Chitty on contracts chapter,2 para.2205

(۴) المحیط البرہانی ۶/ ۲۷۳

تو لے لوں گا، پھر ضائع ہو گیا تو ثمن اس پر لازم ہو گا۔

اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے قنیہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے:

أَخَذَ مِنْهُ ثَوْبًا وَقَالَ: إِنْ رَضِيتُهُ اشْتَرَيْتُهُ فَضَاعَ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ، وَإِنْ قَالَ: إِنْ رَضِيتُهُ أَخَذْتُهُ بِعَشَرَةٍ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ، وَلَوْ قَالَ: صَاحِبُ الثَّوْبِ هُوَ بِعَشَرَةٍ فَقَالَ: الْمُسَاوِمُ هَاتِهِ حَتَّى أَنْظُرَ إِلَيْهِ وَقَبَضَهُ عَلَى ذٰلِكَ وَضَاعَ لَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ. (۱)

کپڑا لیا، اور کہا: پسند آیا تو خرید لوں گا تو کچھ لازم نہیں ہو گا، اور اگر کہے: پسند آیا تو دس درہم دے کر لے لوں گا تو قیمت لازم ہو گی، اور اگر بائع کہے: یہ دس کا ہے، پھر بھاؤ تاؤ کرنے والا کہے: لاؤ! ذرا دیکھوں تو، پھر اس پر قبضہ کرنے کے بعد وہ ضائع ہو گیا تو ضمان نہیں ہو گا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے:

وَوَجْهُهُ أَنَّهُ فِي الْأَوَّلِ لَمْ يَذْكُرِ الثَّمَنَ مِنْ أَحَدِ الطَّرَفَيْنِ فَلَمْ يَصِحَّ كَوْنُهُ مَقْبُوضًا عَلَى وَجْهِ الشِّرَاءِ وَإِنْ صَرَّحَ الْمُسَاوِمُ بِالشِّرَاءِ، وَفِي الثَّانِي لَمَّا صَرَّحَ بِالثَّمَنِ عَلَى وَجْهِ الشِّرَاءِ صَارَ مَضْمُونًا، وَفِي الثَّالِثِ وَإِنْ صَرَّحَ الْبَائِعُ بِالثَّمَنِ لٰكِنَّ الْمُسَاوِمَ قَبَضَهُ عَلَى وَجْهِ النَّظَرِ لَا عَلَى وَجْهِ الشِّرَاءِ فَلَمْ يَكُنْ مَضْمُونًا، وَبِهٰذَا ظَهَرَ الْفَرْقُ بَيْنَ الْمَقْبُوضِ عَلَى سَوْمِ الشِّرَاءِ وَالْمَقْبُوضِ عَلَى سَوْمِ النَّظَرِ. (۲)

---

(۱) رد علی الدر ۴/ ۵۷۳

(۲) حوالہ سابق

پہلی صورت کی وجہ یہ ہے کہ وہاں عاقدین میں سے کسی نے ثمن کا ذکر نہیں کیا تھا؛ لہٰذا اس کو مقبوض علی وجہ الشراء کہنا درست نہیں ہوگا؛ اگرچہ کہ بھاؤ تاؤ کرنے والے نے خریدنے کی تصریح کی ہو، اور دوسری صورت میں جب ثمن کی صراحت کردی گئی تو وہ شئ مضمون ہوگی، اور تیسری صورت میں اگرچہ بائع نے ثمن کی صراحت کی؛ لیکن قبضہ علی وجہ النظر ہے، نہ کہ علی وجہ الشراء؛ اس لیے یہ مضمون نہ ہوگا، اس تفصیل سے مقبوض علی وجہ النظر اور مقبوض علی سوم الشراء کے درمیان فرق واضح ہو جاتا ہے۔

حنابلہ کا مذہب بھی اسی کے قریب ہے، وہ کہتے ہیں:

يُسَاوِمُ إِنْسَانًا عَلَى عَيْنٍ وَيَقْطَعُ ثَمَنَهَا أَوْ لَمْ يَقْطَعْهُ، ثُمَّ يَأْخُذُهَا لِيُرِيَهَا أَهْلَهُ فَإِنْ رَضُوهَا وَإِلَّا رَدَّهَا ضَمِنَهُ... إِلَّا إِنْ أَخَذَهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ لِيُرِيَهُ أَهْلَهُ فَإِنْ رَضُوهُ أَخَذَهُ وَإِلَّا رَدَّهُ مِنْ غَيْرِ مُسَاوَمَةٍ وَلَا قَطْعِ ثَمَنٍ فَلَا يَضْمَنُهُ. (۱)

ایک شخص دوسرے سے کسی چیز پر بھاؤ تاؤ کرے اور ثمن ابھی طے ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، پھر وہ اپنے گھر والوں کو دکھلانے کے لیے لے جائے کہ اگر انہیں پسند آیا تو لے لوں گا؛ ورنہ واپس کر دوں گا تو ضامن ہوگا؛ البتہ اگر بھاؤ تاؤ اور ثمن طے کیے بغیر مالک کی اجازت سے سامان گھر والوں کو دکھلانے کے لیے لے تو ضامن نہ ہوگا۔

شافعیہ نے ذکر کیا ہے کہ مقبوض بالسوم مضمون بالقیمۃ ہوتا ہے۔(۲) اور علامہ

(۱) الاقناع مع کشاف القناع ۳/ ۷۰ ۳

(۲) المجموع ۱۲/ ۲۸۳

قلیوبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

الْمَأْخُوذُ بِالسَّوْمِ مَضْمُونٌ كُلُّهُ إِنْ أَخَذَهُ لِشِرَاءِ كُلِّهِ، وَإِلَّا فَقَدْرُ مَا يُرِيدُ شِرَاءَهُ فَلَوْ أَخَذَ خِرْقَةً عَشَرَةَ أَذْرُعٍ لِشِرَاءِ خَمْسَةٍ مِنْهَا لَمْ يَضْمَنِ الْخَمْسَةَ الثَّانِيَةَ لِأَنَّهَا فِي يَدِهِ أَمَانَةٌ.(۱)

سَوم کے طور پر لی گئی چیز مکمل مضمون ہوگی، جب کہ کل خریدنے کا ارادہ ہو؛ ورنہ جتنے کا خریدنے کا ارادہ تھا اسی کے بقدر ضمان لازم ہوگا، اگر دس گز کپڑوں کی گٹھری لیا؛ تاکہ ان میں سے پانچ گز خریدے تو باقی پانچ کا ضامن نہیں ہوگا؛ کیوں کہ وہ اس کے قبضہ میں بطور امانت ہیں۔

شوافع نے حالتِ نظر اور حالتِ سَوم کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی؛ لیکن ظاہر یہی ہے کہ یہ فرق ان کے یہاں ملحوظ ہے؛ کیوں کہ انہوں نے فقط حالتِ سوم میں ضمان کا ذکر کیا ہے، علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ تعریف کی ہے:

مَا يَأْخُذُهُ مُرِيدُ الشِّرَاءِ لِيَتَأَمَّلَهُ أَيُعْجِبُهُ أَمْ لَا.(۲)

خریدنے کا ارادہ کرنے والا کسی چیز کو یہ غور کرنے کے لیے لے کہ وہ اس کو پسند بھی آتی ہے یا نہیں؟

دونوں حالتوں کے درمیان دقیق فرق ہے، وہ یہ کہ اگر خریدنے کے لیے قبضہ ہو کہ ثمن معلوم ہونے کے بعد مشتری کے خریدنے کا ارادہ ظاہر ہو اور اس پر قبضہ غور وفکر کے لیے یا گھر والوں کو دکھلانے کے لیے ہو تو یہ مقبوض علی سوم الشراء ہے، اور یہ مضمون ہوگا، اور اگر خریدنے کا ارادہ ظاہر نہ ہو؛ بلکہ قابض نے صرف دیکھنے کے لیے قبضہ کی

---

(۱)　حاشیتا قلیوبی وعمیرۃ علی شرح المحلی ۲ / ۲۶۵

(۲)　تحفۃ المحتاج ۴ / ۴۰۴ و۴۰۵

صراحت کی ہو کہ اگر دیکھنے کے بعد مناسب معلوم ہو تو خریدے گا تو یہ مقبوض علی وجہ النظر ہے، اور یہ مضمون نہ ہوگا، یہی وجہ ہے کہ مجلۃ الاحکام العدلیۃ کے دفعہ نمبر: ۲۹۸ میں مقبوض علی سوم الشراء کی یہ تعریف کی گئی ہے:

وَهُوَ أَنْ يَأْخُذَ الْمُشْتَرِي مِنَ الْبَائِعِ مَالًا عَلَى أَنْ يَشْتَرِيَهُ مَعَ تَسْمِيَةِ الثَّمَنِ. (۱)

ثمن متعین کرنے کے بعد مشتری نے بائع سے کوئی مال خریدنے کی نیت سے لیا ہو۔

علامہ اتاسی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

إن المساوم إذا قبض المبيع وهلك في يده لا ضمان عليه ؛ إلا إذا كان القبض على سوم الشراء، وحصلت تسمية الثمن ورضي الجانبان ، يعني البائع والمساوم، بما ذكر حقيقة أو حكما، فالأول ظاهر، والثاني بأن يصرح أحدهما بما ذكر ويصدر من الآخر ما يدل على الرضا به. (۲)

بھاؤ تاؤ کرنے والا جب مبیع پر قبضہ کرے اور وہ ہلاک ہو جائے تو ضمان نہیں ہے؛ الّا یہ کہ قبضہ علی سوم الشراء ہو، ثمن متعین ہو اور جانبین مذکورہ ثمن پر حقیقۃً یا حکماً رضا مند ہوں، حقیقۃً کی مراد تو ظاہر ہے، حکماً کی مراد یہ ہے کہ ایک مذکورہ ثمن کی تصریح کرے اور دوسرے کے قول یا فعل سے اس پر رضامندی کا پتہ چلے۔

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قابض علی سوم الشراء میں دو شرطیں پائی جانی

---

(۱) ص:۶۰

(۲) شرح المجلۃ ۲/ ۲۲۸

ضروری ہیں:

۱) ثمن پر رضامندی۔

۲) خریداری کا قصد، صرف پختگی باقی ہو۔

پھر حنفیہ اور حنابلہ نے مقبوض علی سوم الشراء کے مضمون بالقیمۃ ہونے کی تصریح کی ہے، اور شافعیہ نے مطلقاً مضمون ہونے کی وضاحت کی ہے، اس سے بھی مضمون بالقیمۃ ہونا ظاہر ہوتا ہے؛ کیوں کہ جو چیز بھی انسان پر مضمون ہوتی ہے وہ مضمون بالقیمۃ ہی ہوتی ہے، جیسا کہ غصب وغیرہ میں ہے؛ لیکن متاخرین حنفیہ نے ذکر کیا ہے کہ مقبوض علی سوم الشراء اگر از خود ہلاک ہو جائے تو مضمون بالقیمۃ ہے، اور ہلاک کرنے کی صورت میں مضمون بالثمن ہے۔(۱) اس کی علت یہ ہے کہ ہلاک کرنا بیع کو نافذ کرنے کے درجہ میں ہے، اور بیع کے نفاذ کی صورت میں ثمن لازم ہوتا ہے؛ لہٰذا یہاں بھی ثمن لازم ہوگا۔(۲)

بندہ کی سمجھ میں جو بات آتی ہے وہ یہ کہ استہلاک اگر اس طرح ہوا ہو کہ اس نے مبیع استعمال کر لی تو یہ بیع کی تنفیذ شمار ہوگی اور ثمن واجب ہوگا، اور اگر استہلاک سامان کی حفاظت میں تفریط کی وجہ سے ہوا ہو تو اس کو بیع کی تنفیذ نہیں کہا جا سکتا؛ لہٰذا یہاں مضمون بالقیمۃ ہونا چاہیے۔

۳۴۶۔ تجربہ کی غرض سے قبضہ کردہ چیز میں ضمان

یہ رواج چل پڑا ہے کہ بائع بھاؤ تاؤ کرنے والے کو تجربہ کے لیے مبیع دیتا ہے، مثلاً: کوئی شخص کار خریدنا چاہے تو بائع اس کو چلانے کی اجازت دیتا ہے؛ تاکہ تجربہ ہو جائے، تو اگر ایسا بیع کے منجز ہونے سے قبل ہو اور مشتری کا میلان اور ثمن کی تعیین نہ ہوئی ہو تو یہ مقبوض علی سوم النظر کی مانند مشتری کے قبضہ میں امانت ہے، اور اگر مشتری کا میلان اور ثمن کی تعیین ہو چکی ہو تو یہ مقبوض علی سوم الشراء کے حکم میں ہے، اور اگر بیع کے

(۱) ہو سکتا ہے کہ متاخرین نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول استہلاک کی صورت پر محمول کیا ہو۔

(۲) الدر مع الرد ۴/ ۵۷۳

منجز ہونے کے بعد ہو تو خیارِ شرط کے طریقہ پر جائز ہے، اور تجربہ کے لیے مبیع کے استعمال سے خیارِ شرط ساقط نہ ہوگا، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

۳۴۷۔ بیع کے بعد مبیع کا ضمان

بیع کے بعد مبیع کا ضمان مشتری کی جانب منتقل ہونے کے وقت کے سلسلہ میں تفصیل ہے، حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک مشتری کو سپرد کرنے تک مبیع بائع کے ضمان میں رہتی ہے؛ اس لیے کہ ان حضرات کے نزدیک ضمان کی منتقلی محض عقد کی وجہ سے نہیں ہوتی؛ بلکہ قبضہ سے ہوتی ہے، چنانچہ اگر مشتری کے قبضہ کرنے کے بعد مبیع ہلاک ہوجائے تو یہ مشتری کے مال سے ہلاک ہوگا، اور اگر قبضہ کے بعد کوئی عیب پیدا ہوجائے تو خیارِ عیب ثابت نہ ہوگا، اور اگر عقد کے بعد قبضہ سے قبل عیب پیدا ہو تو خیار ثابت ہوگا۔(۱)

مالکیہ اور حنابلہ نے یہ فرق کیا ہے کہ اگر مبیع سے حق توفیہ متعلق ہوتا ہو تو ضمان کی منتقلی کے لیے مشتری کے قبضہ کی ضرورت ہوگی، اور اگر حق توفیہ متعلق نہ ہوتا ہو تو محض عقد سے ضمان منتقل ہوجائے گا، اس کی تفسیر یہ ہے کہ مبیع کی بیع اگر کیل یا وزن یا عدد یا ذراع کے ذریعہ ہوئی ہو تو اس سے حق توفیہ متعلق ہوتا ہے، اسی طرح جب کہ صفت کی بنیاد پر مبیع فروخت ہو کہ عقد کے وقت مبیع کی ذات متعین نہ ہو؛ لیکن بائع نے معتبر طریقہ پر مبیع کی صفات بیان کردیے ہوں، مثلاً بائع نے مشتری کے سامنے کار کی صفات معتبر طریقہ پر بیان کردیں اور مشتری نے ان صفات کے موافق کار خریدلی، یا پہلے دیکھی ہوئی مبیع خریدی گئی جو کہ عقد کے وقت موجود نہ تھی؛ لیکن عقد سے قبل مشتری نے اس کو دیکھ لیا تھا، مثلاً عقد کے وقت عاقدین کے سامنے غیر موجود کار کا معاملہ ہوا؛ لیکن مشتری اس کار کو اتنی مدت قبل دیکھ چکا تھا کہ اس مدت کے اندر عادۃً مبیع میں تغیر نہیں آتا تو یہ بھی اس مبیع کے حکم میں ہوگا جس سے حق توفیہ متعلق ہوتا ہے۔

رہی ان کے علاوہ مبیعات تو ان سے حق توفیہ متعلق نہیں ہوتا، اس کی مثال عقد

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۲۷۵ والمجموع مع تکملہ ۱۲/ ۱۲۴

کے وقت موجود متعین مبیع ہے، جیسے عقد کے وقت عاقدین کے سامنے موجود متعین کار، یا غلہ کے متعین ڈھیر جو کہ اندازہ سے فروخت کیا جائے تو اس طرح کی بیع میں قبضہ ضروری نہیں ہے؛ اس لیے کہ محض عقد سے ضمان مشتری کی جانب منتقل ہو جاتا ہے۔(۱)

ان حضرات کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول ہے جو بخاری میں تعلیقاً مذکور ہے:

مَا أَدْرَكَتِ الصَّفْقَةُ حَيًّا مَجْمُوعًا فَهُوَ مِنَ الْمُبْتَاعِ.(۲)

جس چیز کو بھی سودے نے زندہ اور اکٹھا پالیا ہو تو وہ مشتری کے ضمان میں ہے۔

ان حضرات نے اس کی تفسیر موجود متعین مبیع سے کی ہے، اور مِنَ الْمُبْتَاعِ کا مطلب مِنْ ضَمَانِ الْمُبْتَاعِ قرار دیا ہے، اور جو فقہاء ضمان کی منتقلی کے لیے مطلقاً قبضہ کی شرط لگاتے ہیں وہ یہ تفسیر کر سکتے ہیں کہ مِنْ مَالِ الْمُبْتَاعِ مراد ہے، جیسا کہ طحاوی (۳) اور دار قطنی (۴) کی روایت میں ہے، پس اس کی دلالت ملکیت کے منتقل ہونے پر ہوگی نہ کہ ضمان کی منتقلی پر، واللہ سبحانہ اعلم۔

۳۴۸۔ درختوں پر پھلوں کی بیع میں ضمان

اگر مبیع درختوں کے اوپر لگے ہوئے پھل ہوں تو ضمان کی منتقلی کے سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، اس کے ضمان کی دو قسمیں ہیں:

۱) آفت کی وجہ سے ہلاک یا نقصان کا ضمان۔

۲) آفت کے علاوہ غصب یا چوری کی وجہ سے ضمان۔

---

(۱) یہ ان کتابوں میں ذکر کردہ تفصیلات کا خلاصہ ہے: الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۴۴، الشرح الصغیر مع حاشیۃ الصاوی ۳/ ۱۹۶، شرح زرکشی علی مختصر خرقی ۳/ ۵۳۰، الانصاف ۴/ ۴۶۰

(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۲۱۸۳ کے ذیل میں

(۳) شرح معانی الآثار، حدیث نمبر: ۵۵۳۷

(۴) سنن دار قطنی، حدیث نمبر: ۳۰۰۶

حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے، قبضہ یا تخلیہ کی وجہ سے مشتری کی جانب پھلوں کا ضمان منتقل ہوجاتا ہے، مالکیہ کے نزدیک آفت کے علاوہ سے (ہلاک یا نقصان ہونے والے پھلوں کا) ضمان محض عقد کی وجہ سے منتقل ہوجاتا ہے۔ (۱) شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پھل موجود ہیں جن کی اندازہ سے بیع کی گئی ہے؛ لہٰذا حق توفیہ اس سے متعلق نہ ہوگا، پس محض عقد کی وجہ سے ضمان منتقل ہوجائے گا، یہ ان کی اصل کے مطابق ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ حنابلہ کے نزدیک بھی یہی حکم ہو؛ کیوں کہ جن چیزوں سے حق توفیہ متعلق نہیں ہوتا ان میں حنابلہ کا مذہب مالکیہ کی ہی مانند ہے، چنانچہ محض عقد کی وجہ سے غصب وغیرہ کا ضمان مشتری کی جانب منتقل ہونا چاہیے، علامہ مرداوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول متعدد فقہاء حنابلہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے؛ لیکن پھر لکھا ہے کہ صحیح مذہب کے مطابق مشتری کو عقد فسخ کرنے یا باقی رکھ کر تلف شدہ کے مطالبہ کا اختیار ہوگا، جیسا کہ کیلی یا موزونی مبیع کے اتلاف میں ہوتا ہے۔

ضمان کی پہلی قسم یعنی آفت کی وجہ سے ہلاک یا نقصان کا ضمان: تو مالکیہ کے نزدیک اس وقت ضمان منتقل ہوگا جب کہ پھلوں کی یہ حالت ہو ان پر آفت کا خدشہ نہ ہو۔ (۲) اور حنابلہ کے نزدیک جب کہ پھلوں کی کٹائی کا وقت قریب آچکا ہو۔ (تو ضمان منتقل ہوجائے گا) (۳) غرض ان حضرات کے نزدیک ضمان کی منتقلی کا مدار آفت کے وقت کے چلے جانے پر ہے، قبضہ یا عقد پر نہیں ہے، اگر اس مدت میں آفت آجائے تو بائع ضامن ہوگا، اور مشتری سے دونوں مذاہب کے مختلف شرائط کے مطابق وضع کیا جائے گا، جیسا کہ عنقریب آئے گا، اور اگر اس مدت کے بعد آفت آئے تو مشتری ضامن ہوگا۔

---

(۱) الشرح الصغیر مع حاشیۃ الصاوی ۳/ ۱۹۹

(۲) اور یہ خدشہ اس وقت ختم ہوجاتا ہے جب کہ پھل پوری طرح پک چکا ہو۔ (الشرح الصغیر مع حاشیۃ الصاوی ۳/ ۱۹۹

(۳) المغنی ۴/ ۸۲

ضمان جوائح کی متعدد صورتیں

مالکیہ اور حنابلہ کا حنفیہ اور شافعیہ سے اختلاف اسی صورت میں ہوگا جب کہ پھلوں کی بیع بدو صلاح کے بعد کاٹنے کی شرط کے بغیر ہوئی ہو، اس بنیاد پر ضمان جوائح کی مختلف صورتیں ہیں:

۱) بدو صلاح سے قبل پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط کے ساتھ بیع کی جائے ، پھر آفت لاحق ہو جائے تو یہاں بالاتفاق بائع ضامن ہوگا، مشتری سے ثمن کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا؛ اس لیے کہ ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے مشہور قول کے مطابق بالاجماع یہ بیع فاسد ہے؛ البتہ متاخرین احناف نے جو اس شرط کے عرف ہونے کی بنا پر اس شرط کو جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ مبیع کی شرائط (۱) کے تحت اس کا بیان آچکا ہے، تو ظاہر ہے کہ اگر بائع تخلیہ پر راضی ہو تب مشتری نے شرط لگائی ہو تو مشتری ضامن ہوگا، اور اگر بائع تخلیہ پر رضامند نہ ہو تو حنفیہ کے نزدیک مشتری پر ہی ضمان ہونا چاہیے؛ کیوں کہ ان کے نزدیک ضمان کی منتقلی کا مدار تخلیہ پر ہے، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

۲) بدو صلاح سے پہلے یا بعد کاٹنے کی شرط کے ساتھ بیع ہو، پھلوں اور مشتری کے درمیان تخلیہ نہ کیا گیا ہو اور نہ مشتری نے ان پر قبضہ کیا ہو، حتی کہ آفت کی وجہ سے پھل ہلاک ہو گئے تو یہاں بھی بالاجماع بائع پر ضمان ہوگا، اور اگر تخلیہ ہو گیا ہو اور کاٹنے کی شرط ہو، پھر مشتری نے نہیں کاٹا تو بالاجماع مشتری ضامن ہوگا۔ (۲)

۳) بدو صلاح سے پہلے یا بعد کسی چیز کی شرط کے بغیر بیع ہو، پھر کٹائی کا وقت قریب آ گیا، اور مشتری کے کاٹنے سے پہلے آفت آ گئی تو بالاجماع مشتری پر ضمان ہوگا، اور بالاتفاق بائع ثمن کا مطالبہ کرے گا۔

۴) بدو صلاح کے بعد کاٹنے کی شرط کے بغیر بیع ہو اور تخلیہ ہو جائے ، پھر آفت کی

---

(۱) رقم: ۱۴۲

(۲) المغنی ۴/ ۸۲

وجہ سے پھل ہلاک ہوجائیں تو اس میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے، ان کے متعدد اقوال ہیں:

۱- مطلقاً مشتری ضامن ہوگا، یہ امام ابوحنیفہ، لیث بن سعد، شافعی (کا جدید قول)، طبری، داود، ثوری اور جمہور اسلاف رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب ہے۔(۱)

۲- اگر تہائی سے کم ہلاک ہو تو مشتری ضامن ہوگا، اور اگر تہائی یا اس سے زائد ہو تو بائع ضامن ہوگا، یہ امام مالک، یحیی بن سعید اور تمام اہل مدینہ رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب ہے۔(۲) پھر ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس قلت کا اعتبار کیل سے اور امام اشہب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قیمت سے ہوگا، تفصیل کے لیے بدایۃ المجتہد (۳) کی جانب مراجعت کریں۔

۳- جتنی مقدار بھی آفت کی وجہ سے تلف ہوئی ہو سب کا ضمان بائع پر ہے، سوائے جتنی مقدار کے تلف ہونے کی عادت ہو، مثلاً اتنی کم مقدار میں چیز جو منضبط نہ ہوسکے، یہ امام احمد بن حنبل، ابوعبید اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہم کا قول (قدیم) ہے۔

فقہاء کے دلائل

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال مسلم کی حدیث کے اطلاق سے ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

فَأَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ، فَلَا يَحِلُّ لَكَ أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُ شَيْئًا. (۴)

پھر اس پر آفت آجائے تو تمہارے لیے اس سے کچھ لینا حلال نہیں ہے۔

یہاں قلیل و کثیر اور تہائی یا اس سے کم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

---

(۱) عمدۃ القاری ۱۲/۷

(۲) الحجۃ علی اہل المدینۃ ۲/۵۵۶ والمغنی ۴/۸۰

(۳) ۳/۲۰۴

(۴) مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۵۴

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اسی حدیث سے استدلال ہے؛ البتہ قلت کی وجہ سے تہائی سے کم کا استثناء ہے، علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَإِنْ كَانَ الْحَدِيثُ الْوَارِدُ فِيهَا مُطْلَقًا بِأَنَّ الْقَلِيلَ فِي هَذَا مَعْلُومٌ مِنْ حُكْمِ الْعَادَةِ أَنَّهُ يُخَالِفُ الْكَثِيرَ؛ إِذْ كَانَ مَعْلُومًا أَنَّ الْقَلِيلَ يَذْهَبُ مِنْ كُلِّ ثَمَرٍ، فَكَأَنَّ الْمُشْتَرِيَ دَخَلَ عَلَى هَذَا الشَّرْطِ بِالْعَادَةِ، وَإِنْ لَمْ يَدْخُلْ بِالنُّطْقِ... وَإِذَا وَجَبَ الْفَرْقُ وَجَبَ أَنْ يُعْتَبَرَ فِيهِ؛ إِذْ قَدِ اعْتَبَرَهُ الشَّرْعُ فِي مَوَاضِعَ كَثِيرَةٍ. (۱)

اس سلسلہ میں جو حدیث وارد ہوئی ہے وہ اگرچہ مطلق ہے؛ مگر مالکیہ کہتے ہیں کہ عرف کی وجہ سے یہ بات معلوم ہے کہ قلیل کا حکم کثیر سے مختلف ہے؛ کیوں کہ یہ تو سب کے علم میں ہے کہ ہر پھل کا قلیل حصہ ضائع ہوتا ہے، گویا عرف کی وجہ سے مشتری اس شرط پر داخل ہوا ہے؛ اگرچہ صراحۃً اس نے نہیں کہا، اور جب فرق کرنا ضروری ہے تو تہائی کا اعتبار ہوگا: کیوں کہ شریعت نے متعدد جگہوں پر اس کا لحاظ کیا ہے۔

علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے مغنی (۲) میں وصیت، مریض کے عطایا اور عورت کے زخم کے مرد کے زخم سے تہائی تک برابری کی مثال دی ہے، نیز تہائی کثیر ہے اور اس سے کم قلیل ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ. (۳)

ثلث (مال کے اندر ہی وصیت کرو) اور ثلث بہت زیادہ ہے۔

---

(۱) بدایۃ المجتہد ۳/۲۰۴

(۲) ۴/۸۱

(۳) بخاری، حدیث نمبر: ۲۷۴۳

معلوم ہوا کہ یہ کثرت کی سب سے آخری حد ہے، اس وجہ سے اس کا لحاظ کیا گیا۔

حنفیہ اور شافعیہ کا استدلال درج ذیل دلائل سے ہے:

۱-امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بَابُ الْجَائِحَةِ فِي بَيْعِ الثِّمَارِ وَالزَّرْعِ کے تحت حضرت عمرۃ بنت عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہا کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی ہے:

ابْتَاعَ رَجُلٌ ثَمَرَ حَائِطٍ فِي زَمَانِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَالَجَهُ، وَقَامَ فِيهِ حَتَّى تَبَيَّنَ لَهُ النُّقْصَانُ، فَسَأَلَ رَبَّ الْحَائِطِ أَنْ يَضَعَ لَهُ، أَوْ أَنْ يُقِيلَهُ، فَحَلَفَ أَنْ لَا يَفْعَلَ، فَذَهَبَتْ أُمُّ الْمُشْتَرِي إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَأَلَّى أَنْ لَا يَفْعَلَ خَيْرًا. (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص نے باغ کے پھل خریدے اور اس کی دیکھ بھال ونگرانی کی؛ مگر بعد میں اسے نقصان محسوس ہوا، تو باغ کے مالک سے کہا: یا تو پھلوں کی قیمت کچھ کم کردو، یا اس بیع کو فسخ کردو، اس نے قسم کھالی میں ہرگز نہ کروں گا، تب خریدار کی ماں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ سب قصہ بیان کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس نے خیر کا کام نہ کرنے کی قسم کھالی ہے۔

وجہِ استدلال یہ ہے کہ اگر جائحہ کے بقدر وضع کرنا واجب ہوتا تو اس کو مجبور کیا جاتا؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجبور نہیں کیا؛ بلکہ احسان نہ کرنے پر ملامت کی، شیخین رحمۃ اللہ علیہما

---

(۱) حدیث نمبر: ۲۳۰۰

(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۲۷۰۵ و مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۵۷

نے بھی یہ قصہ بیان کیا ہے۔(۲) اس میں یہ الفاظ ہیں: أَيْنَ الْمُتَأَلِّي عَلَى اللّٰهِ، لاَ يَفْعَلُ الْمَعْرُوفَ؟ (بھلائی کا کام نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قسم نہ کھانے والا کہاں ہے؟) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصلح میں اس کی تخریج کی ہے اور باب باندھا ہے: هَلْ يُشِيرُ الإِمَامُ بِالصُّلْحِ؟ غرض المعروف اور الخیر کا لفظ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حکم علی سبیل الاحسان ہے، وجوب کے قبیل سے نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصلح میں اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے وضع دین کے استحباب کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے، اور شیخین رحمۃ اللہ علیہما نے حضرت کعب اور ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہما کے واقعہ کے بعد یہ حدیث بیان کی ہے، اور اس واقعہ میں وضع دین کا حکم بالاجماع استحبابی ہے۔

۲۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

انه بَاعَ من عبد الرَّحْمَن بن عَوْف رَضِيَ الله عَنهُ عنبا لَهُ بالعقيق فجاء بِالْبَيِّنَةِ انه كَانَ بَاعه على انه كَانَ اصابه الْجَرَاد فأذهبه أَو اكثره فاختصما الى عُثْمَان بن عَفَّان رَضِيَ الله عَنهُ فَقضى بِالثّمن وافيا على عبد الرَّحْمَن برد الثّمن الى سعد وَقَالَ هُوَ من مَال الله من على هَذَا وابتلاك بِهِ. (۱)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو عقیق میں موجود اپنا انگور کا باغ فروخت کیا، چنانچہ وہ اس بات پر بینہ لے کر آئے کہ انہوں نے یہ کہہ کر فروخت کیا تھا باغ میں ٹڈی آنے کی وجہ سے پھل سارا کا سارا یا اکثر ضائع ہوگیا، چنانچہ وہ اپنا مقدمہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس

(۱) ۵۵۹/۲

لے گئے تو آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ پورا ثمن
حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو دیں، اور کہا: یہ اللہ کا مال ہے، اس نے حضرت
سعد رضی اللہ عنہ پر احسان کیا اور آپ کو آزمائش میں ڈالا۔

مذکورہ اثر کی سند میں ایک راوی موسی بن محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اکثر محدثین نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے، علامہ واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: **كَانَ فَقِيهًا مُحدِّثًا.** (وہ محدث اور فقیہ ہیں) یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے، اور علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: **كَانَ كَثِيْرَ الحَدِيثِ وَ لهُ أَحادِيثُ مُنكَرَة،** (احادیث بکثرت روایت کرتے ہیں، اور منکر احادیث بھی ان سے منقول ہیں) (۱) البتہ آپ کے والد جن سے آپ نے یہ روایت بیان کی ہے یعنی محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی رحمۃ اللہ علیہ تو وہ ثقہ تابعین میں سے ہیں، شیخین رحمۃ اللہ علیہما نے بھی ان سے حدیث لی ہے۔ (۲) خلاصہ یہ کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا اس اثر سے استدلال اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اثر ان کے نزدیک ثابت ہے، علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلاء السنن (۳) میں اس سند کو حسن قرار دیا ہے۔

پھر حنفیہ اور شافعیہ کا مذہب ثابت شدہ ضوابط کے موافق ہے؛ کیوں کہ مبیع کا جب تخلیہ ہو جائے تو وہ مشتری کے ضمان میں چلی جاتی ہے، پھلوں اور کپڑوں وغیرہ میں کوئی فرق نہیں ہے، اور مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک پھلوں کے جائحہ کا تو ضمان نہیں ہوگا، جب کہ دیگر اشیاء میں ضمان ہوگا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تاویل

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث "**أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِوَضْعِ الْجَوَائِحِ** (۴)" کی دو تاویلیں کی جاسکتی ہیں:

---

(۱) تہذیب الکمال ۲۹/ ۱۴۲

(۲) تہذیب الکمال ۲۴/ ۳۰۶

(۳) ۱۴/ ۴۷۱

(۴) مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۵۴

۱) یہ حکم وجوب کے لیے نہیں؛ بلکہ استحباب کے لیے ہے، جیسا کہ حضرت عمرۃ بنت عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہا کی حدیث میں ہے:

تَأَلَّی أَنْ لَا یَفْعَلَ خَیْرًا. اس نے خیر کا کام نہ کرنے کی قسم کھالی ہے۔

۲) امر وجوب کے لیے ہے؛ لیکن یہ اس صورت پر محمول ہے جب کہ بدو صلاح سے قبل بیع ہوئی ہو اور مشتری کے قبضہ کرنے سے پہلے آفت آئی ہو؛ کیوں کہ یہاں بالاتفاق بائع ضامن ہوگا، اس توجیہ کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام میں بیان کی ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ - صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ - نَهَی عَنْ بَیْعِ السِّنِینَ وَأَمَرَ بِوَضْعِ الْجَوَائِحِ. (۱)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیع سنین کی ممانعت فرمائی اور وضع جوائح کا حکم دیا۔

یہاں سابق میں بیع سنین کا ذکر ہے، اور بیع سنین میں مشتری کا قبضہ متحقق نہیں ہوتا، اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے:

نَهَی عَنْ بَیْعِ ثَمَرِ النَّخْلِ حَتَّی تَزْهُوَ. (۲)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھجور کے درخت پر لگے پھل کی بیع سے منع فرمایا، تا آں کہ اس میں سرخی یا زردی آجائے۔

پھر آگے ہے:

أَرَأَیْتَكَ إِنْ مَنَعَ اللّٰهُ الثَّمَرَةَ بِمَ تَسْتَحِلُّ مَالَ أَخِیكَ؟ (۳)

تمہارا کیا خیال ہے! اگر اللہ تعالیٰ نے پھل نہیں لایا تو کس بنا پر

(۱) الام ۳/۵۷

(۲) مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۵۵

(۳) حوالہ سابق

تم اپنے بھائی کا مال حلال سمجھو گے؟

اور یہ بعینہٖ وہی جملہ ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے اخیر میں ہے:

بِمَ تَأْخُذُ مَالَ أَخِيكَ بِغَيْرِ حَقٍّ. (۱)

تم بغیر کسی حق کے اپنے بھائی کا مال کیسے لو گے؟

معلوم ہوا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تعلق ان پھلوں سے ہے جن میں بدو صلاح نہ ہوا ہو اور مشتری نے قبضہ نہ کیا ہو۔

۳۴۹۔ عہدۃ کا مسئلہ

ضمان کی منتقلی کے موضوع کے سلسلہ میں ایک اور مسئلہ آتا ہے جو مالکیہ کے ساتھ خاص ہے، یہ عہدہ کا مسئلہ ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ مشتری کے قبضہ کے بعد بھی ایک معلوم مدت تک مبیع بائع کے ضمان میں رہتی ہے، یہ حنابلہ کے مذہب کی ایک مرجوح روایت بھی ہے؛ لیکن ان کے یہاں معمول بہ نہیں ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے:

لَا يَصِحُّ فِيهِ حَدِيثٌ. (۲)

اس سلسلہ میں کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے۔

علامہ دردیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

الْعُهْدَةُ لُغَةً مِنَ الْعَهْدِ، وَهُوَ الْإِلْزَامُ وَالِالْتِزَامُ وَاصْطِلَاحًا تَعَلُّقُ الْمَبِيعِ بِضَمَانِ الْبَائِعِ مُدَّةً مُعَيَّنَةً. (۳)

عہدۃ عہد سے مشتق ہے، اس کے معنی دوسروں پر یا خود پر لازم کرنے کے ہیں، اور اصطلاحی معنی یہ ہے کہ ایک متعین

---

(۱) مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۵۴

(۲) الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف ۴/ ۴۱۵

(۳) الشرح الکبیر للدردیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۴۱

مدت تک مبیع کا ضمان بائع سے متعلق ہو۔

مالکیہ کے یہاں عہدۃ کا اعتبار غلام میں ہوتا ہے، مدونہ میں مذکور ہے:

قَالَ ابْنُ وَهْبٍ: وَقَالَ لِي مَالِكٌ: لَا عُهْدَةَ عِنْدَنَا إِلَّا فِي الرَّقِيقِ. (۱)

علامہ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے فرماتے ہیں کہ غلام کے علاوہ کسی چیز میں عہدۃ کا اعتبار نہیں ہے۔

مطلب یہ کہ مشتری کے قبضہ کرنے کے بعد بائع پر جو مخصوص ضمان لازم ہوتا ہے وہ مبیع غلام کے سلسلہ میں ہوتا ہے۔

عہدۃ کی دو قسمیں

مالکیہ کے نزدیک عہدۃ کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم عہدۃ الثلاث ہے، وہ یہ کہ بیع کے دن کے بعد مکمل تین یوم تک مبیع غلام بائع کے ضمان میں رہے گا۔(۲) اس مدت کے اندر غلام میں اگر کوئی عیب پیدا ہو جائے تو مشتری کو لوٹانے کا اختیار ہے، اور غلام کا نفقہ وکسوہ بائع کے ذمہ ہوگا، اسی طرح اس مدت میں غلام کے ذریعہ سے حاصل ہونے والی آمدنی بائع کی ہوگی۔(۳)

دوسری قسم عہدۃ السنۃ ہے، وہ یہ کہ مبیع غلام میں بائع کا ضمان مشتری کے قبضہ کے بعد ایک سال تک تین امراض برص، جذام اور جنون کی وجہ سے باقی رہتا ہے، تو اگر اس ایک سال کے اندر مشتری کے یہاں ان بیماریوں میں سے کوئی بیماری غلام کو لاحق ہو جائے اور مدت کے اختتام تک باقی رہے، یا باقی تو نہ رہے؛ مگر ماہرین کا یہ کہنا ہو کہ بیماری لوٹ سکتی ہے تو مشتری کو غلام بائع کو لوٹا دینے کا اختیار ہوگا۔(۴) مذکورہ تین

---

(۱) ۳/۳۶۶

(۲) الشرح الصغیر مع حاشیۃ الصاوی ۳/۱۹۵

(۳) الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/۱۴۱

(۴) الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/۱۴۲

مذکورہ تین امراض کے علاوہ میں نفقہ اور ضمان مشتری پر ہی ہوگا۔(۱)

پھر مالکیہ کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ عہدۃ کا ثبوت عقد میں شرط لگانے سے ہوگا یا عرف سے، یا شرط وعرف کے بغیر مطلقاً ثبوت ہوگا، علامہ دردیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَمَحَلُّ الْعَمَلِ بِالْعُهْدَتَيْنِ (إِنْ شُرِطَا) عِنْدَ الْعَقْدِ، وَلَوْ بِحَمْلِ السُّلْطَانِ النَّاسَ عَلَيْهِمَا (أَوْ اُعْتِيدَا) أَيْ جَرَتْ الْعَادَةُ بِهِمَا.(۲)

دونوں عہدۃ پر عمل اس صورت میں ہوگا جب کہ عقد کے وقت شرط لگائی گئی ہو، یا سلطان نے لوگوں کو اس پر مجبور کیا ہو یا ان کا عرف ہو۔

علامہ دسوقی رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت لکھتے ہیں:

فَإِنْ انْتَفَيَا لَمْ يُعْمَلْ بِهِمَا فِي الرَّدِّ بِحَادِثٍ، وَاعْلَمْ أَنَّ رِوَايَةَ الْمِصْرِيِّينَ أَنَّهُ لَا يُقْضَى بِالْعُهْدَةِ فِي الرَّقِيقِ إِلَّا بِشَرْطٍ، أَوْ عَادَةٍ، أَوْ حَمْلِ السُّلْطَانِ النَّاسَ عَلَيْهَا. فَإِنْ انْتَفَى مَا ذُكِرَ لَمْ يُعْمَلْ بِهَا فِي الرَّدِّ بِحَادِثٍ... وَرَوَى الْمَدَنِيُّونَ أَنَّهُ يُقْضَى بِهَا فِي كُلِّ بَلَدٍ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ شَرْطٌ وَلَا عَادَةٌ وَفِي الْبَيَانِ قَوْلٌ ثَالِثٌ لِابْنِ الْقَاسِمِ فِي الْمَوَّازِيَّةِ لَا يُحْكَمُ بَيْنَهُمْ بِهَا، وَإِنْ اشْتَرَطُوهَا.(۳)

اگر شرط یا عرف نہ ہو تو یہ دونوں عہدۃ قابل عمل نہ ہوں گے، مصریوں کی روایت یہی ہے کہ غلام میں عہدۃ کا فیصلہ شرط یا عرف

(۱) بدایۃ المجتہد ۳/ ۱۹۳

(۲) الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۴۲

(۳) حوالہ سابق

یا سلطان کے لوگوں کو اس کا پابند کرنے سے ہوگا، اگر مذکورہ باتیں نہ ہوں تو عہدۃ نا قابل اعتبار ہوگا، مدنیوں کی روایت یہ ہے کہ ہر شہر میں بغیر شرط و عادت اس کا فیصلہ ہوگا، اور بیان میں علامہ ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا تیسرا قول مذکور ہے کہ شرط کے باوجود عہدۃ کا فیصلہ نہ ہوگا۔

اسی طرح مالکیہ کے نزدیک عہدۃ کے مسئلہ کے اندر اس صورت میں تفصیل ہے جب کہ بائع عیب سے بری ہو جائے۔(۱)

عہدۃ کو معتبر قرار دینے کی دلیل اہل مدینہ کا عمل اور فقہاء سبعہ وغیرہ کے فتاوی ہیں۔(۲) متاخرین مالکیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

عُهْدَةُ الرَّقِيقِ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ. (۳)

غلام کا عہدہ تین دن تک ہے۔

اسی طرح اس حدیث سے:

لَا عُهْدَةَ بَعْدَ أَرْبَعٍ. (۴)

چار دن بعد کوئی عہدۃ نہیں۔

لیکن اہل علم کے نزدیک اس حدیث سے استدلال پسندیدہ نہیں ہے؛ بلکہ بعض مالکیہ کے نزدیک بھی؛ کیوں کہ یہ نا قابل استدلال ہے۔(۵) غرض مالکیہ کا اعتماد اہل مدینہ کے عمل پر ہے، پھر بعض نے کہا ہے کہ اہل مدینہ کا تعامل مستقل حجت ہے؛ لہٰذا یہ

---

(۱) الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۴۱

(۲) بدایۃ المجتہد ۳/ ۱۹۳

(۳) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۵۰۶

(۴) ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۲۴۵

(۵) بدایۃ المجتہد ۳/ ۱۹۴ والمغنی ۴/ ۱۱۴

لہٰذا یہ حکم تمام ملکوں کے لیے ہوگا، حتی کہ بعض نے اس کو خبر متواتر کے درجہ میں قرار دیا ہے۔ (۱) لیکن علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ حکم عرف پر موقوف ہے، آپ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

لَا أَرَى أَنْ يُقْضَى بِعُهْدَةِ الرَّقِيقِ إِلَّا بِالْمَدِينَةِ خَاصَّةً أَوْ عِنْدَ قَوْمٍ يَعْرِفُونَهَا بِغَيْرِ المدينة فيشترطونها فتلزم. (۲)

میری رائے میں صرف مدینہ میں ہی غلام کے اندر عہدۃ کا حکم ہوگا یا مدینہ کے علاوہ اس قوم کے نزدیک جن کے یہاں اس کا عرف ہو اور وہ شرط لگاتے ہوں۔

پھر مالکیہ صرف غلام میں عہدۃ کے قائل ہیں، غلام کے علاوہ میں وہ اس کو جائز قرار نہیں دیتے اور نہ اس پر قیاس کی اجازت دیتے ہیں۔ (۳)

۳۵۰۔ مشتری کے قبضہ سے قبل مبیع ہلاک ہوجانے کا حکم

اگر مشتری کے قبضہ سے قبل کسی آسمانی آفت کی وجہ سے مبیع ہلاک ہوجائے تو بیع بالاتفاق فسخ ہوجائے گی، اور بائع نے اگر ثمن پر قبضہ کرلیا ہے تو لوٹانا ضروری ہوگا، اور اگر مبیع مشتری کے فعل سے ہلاک ہو تو بیع فسخ نہ ہوگی؛ بلکہ ثمن لازم ہوگا؛ کیوں کہ تلف کرنے کی وجہ سے وہ قابض ہوگیا، خواہ بیع باتّ ہو یا مشتری کے لیے خیارِ شرط ہو، اور اگر کسی اجنبی کے فعل سے ہلاک ہو تو اس پر ضمان بالمثل ہوگا اگر مبیع مثلی ہو، یا ضمان بالقیمۃ ہوگا اگر مبیع ذوات القیم میں سے ہو، اور مشتری کو اختیار ہوگا، چاہے تو عقد کو فسخ کردے، چنانچہ مبیع بائع کی ملکیت میں چلی جائے گی، اور بائع اجنبی سے ضمان کا مطالبہ کرے گا،

(۱) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۹۱/۳

(۲) الاستذکار ۲۷۸/۶

(۳) الاستذکار ۲۸۰/۶

اور اگر چاہے تو بیع کو باقی رکھے اور خود اجنبی سے ضمان کا مطالبہ کرے اور بائع مشتری سے ثمن لے گا، یہ فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے۔(۱) حنفیہ نے اضافہ کیا کہ اجنبی کا ضمان اگر ثمن کی جنس سے ہو اور وہ ثمن سے زائد ہو تو زیادتی کا لینا حلال نہیں ہے، خواہ لینے والا بائع ہو یا مشتری؛ کیوں کہ یہ غیر مضمون کا نفع ہے، اس میں شبہہ ربا ہے، اور اگر ضمان ثمن کی جنس کے علاوہ سے ہو تو لینے والے کے لیے زیادتی حلال ہوگی؛ کیوں کہ اختلافِ جنس کے وقت ربا کا تحقق نہیں ہوتا۔

اگر مبیع بائع کے فعل سے ہلاک ہو تو حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک وہی حکم ہے جو آسمانی آفت کی وجہ سے ہلاک ہونے کی صورت میں ہے کہ بیع فسخ ہو جائے گی اور بائع پر ثمن لوٹانا ضروری ہوگا۔(۲)

حنابلہ کے نزدیک اس کا حکم اجنبی کے تلف کر دینے کے حکم کی مانند ہے، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَإِنْ أَتْلَفَهُ الْبَائِعُ، فَقَالَ أَصْحَابُنَا: الْحُكْمُ فِيهِ كَمَا لَوْ أَتْلَفَهُ أَجْنَبِيٌّ؛ لِأَنَّهُ أَتْلَفَهُ مَنْ يَلْزَمُهُ ضَمَانُهُ، فَأَشْبَهَ مَا لَوْ أَتْلَفَهُ أَجْنَبِيٌّ. (۳)

اگر بائع نے تلف کر دیا ہو تو ہمارے اصحاب کے نزدیک اس کا حکم اجنبی کے تلف کر دینے کے حکم کی مانند ہے؛ کیوں کہ یہاں ایسے شخص سے تلف ہوا ہے جس پر ضمان لازم ہوتا ہے، پس یہ اجنبی کے تلف کر دینے کے مشابہ ہوا۔

مطلب یہ کہ مشتری کو اختیار ہوگا، چاہے تو عقد کو فسخ کر دے اور ثمن واپس لے

(۱) المغنی ۴/ ۸۳ و ۸۴

(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۲۳۸ والحاوی الکبیر ۵/ ۱۳۶

(۳) المغنی ۴/ ۸۴

لے، اور اگر چاہے تو بائع سے مثل یا قیمت بطورِ ضمان لے لے۔

مالکیہ کے نزدیک بائع کی عمداً یا خطاً جنایت کی وجہ سے بائع پر مشتری کو مثل یا قیمت دینا لازم ہے، مشتری کو عقد فسخ کر کے ثمن لوٹانے کا اختیار نہ ہوگا، علامہ دسوقی رحمۃ اللہ علیہ نے مدونہ کی اساس پر اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔(۱)

بائع کو مثل یا قیمت کا ضامن قرار دینے کی دلیل علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کے مطابق یہ ہے کہ بائع نے دوسرے کا مال اس کی اجازت کے بغیر تلف کیا ہے؛ لہٰذا مثل یا قیمت بطورِ ضمان لازم ہوگی، جیسا کہ اس صورت میں ہوتا جب کہ قبضہ کے بعد تلف کر دے، یہاں صرف اتنا فرق ہے کہ مبیع قبضہ سے قبل بائع کے ہاتھ میں ہے، اور یہ وجوبِ ضمان سے مانع نہیں ہے، جیسا کہ مرتہن جب اپنے پاس موجود مرہون کو ہلاک کر دے۔(۲)

اور بائع پر ثمن بطورِ ضمان لازم قرار دینے والوں کی دلیل یہ ہے کہ مبیع اگر بائع کے قبضہ میں رہتے ہوئے آفت ساوی کی وجہ سے ہلاک ہوجائے تو وہ بالاتفاق مضمون بالثمن ہوتی ہے؛ لہٰذا دوسرا ضمان لازم نہ ہوگا؛ کیوں کہ محل واحد دو ضمانوں کو قبول نہیں کرتا، برخلاف رہن کے؛ کیوں کہ مرتہن کے پاس رہن کی وجہ سے مرہون کا معنیٰ مضمون ہوتا ہے نہ کہ عین؛ اس لیے کہ عین تو امانت ہوتا ہے؛ لہٰذا ضمان بالقیمۃ کو واجب قرار دینا محل واحد کے مضمون بالضمانین ہونے کا سبب نہیں ہے؛ کیوں کہ محلِ ضمان مختلف ہے۔(۳)

۳۵۱۔ مبیع کا ایک جزو ہلاک یا عیب دار ہوجانے کا حکم

مذکورہ ساری تفصیل اس وقت ہے جب کہ کل مبیع ہلاک ہوجائے، اگر مشتری کے قبضہ سے قبل آسمانی آفت کی وجہ سے بعض مبیع ہلاک ہو تو اگر نقصان' قدر یعنی کیل، وزن یا عدد میں ہوا ہو تو ہلاک ہونے والی شئ کے بقدر عقد فسخ ہوگا، اور اس کے مقابل ثمن کا

---

(۱)　حاشیۃ الدسوقی ۳/ ۱۵۰

(۲)　بدائع الصنائع ۵/ ۲۳۸

(۳)　حوالہ سابق

حصہ ساقط ہوگا، اور مشتری کو اختیار ہوگا، چاہے تو بقیہ کو اس کے حصۂ ثمن کے عوض لے لے، اور چاہے تو بیع کو فسخ کردے؛ کیوں کہ صفقہ متفرق ہو چکا ہے، اور اگر نقصان وصف میں ہوا ہو تو ثمن میں سے کچھ ساقط نہ ہوگا؛ کیوں کہ ثمن اوصاف کے بالمقابل نہیں ہوتا، اور مشتری کو اختیار ہوگا، چاہے تو کل ثمن دے کر لے یا بیع فسخ کردے؛ کیوں کہ قبضہ سے قبل مبیع میں عیب آ چکا ہے۔(۱)

۳۵۲۔ انسانی قوانین میں ضمان کی منتقلی

سابق میں ضمان کی منتقلی کے سلسلہ میں ذکر کردہ تفصیلات شرعی احکام کا خلاصہ تھیں، جس کو پڑھ کر اس موضوع کے اندر فقہاء کی باریک بینی کا اندازہ ہوتا ہے؛ لیکن مروجہ قوانین میں ضمان کی منتقلی کے لیے قبضہ یا تخلیہ کی شرط نہیں لگائی جاتی؛ بلکہ ان میں اصل یہ ہے کہ مبیع کا ضمان ملک کے تابع ہوتا ہے، چنانچہ مبیع کی ملکیت مشتری کی جانب جیسے ہی منتقل ہوگی ضمان بھی منتقل ہو جائے گا، ہمارے ملک میں جو بیع المال کا رائج قانون ہے جس کی بنیاد انگریزی قانون پر ہے اس کے دفعہ نمبر ۲۶ رمیں یہی تصریح ہے؛ لیکن دفعہ میں یہ بھی اجازت ہے کہ اس کے برخلاف عاقدین کسی اور امر پر اتفاق کر سکتے ہیں۔

مذکورہ اصل کے برخلاف کچھ احوال میں ملکیت کے منتقل ہونے سے قبل ہی ضمان منتقل ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ ان حضرات کے نزدیک ملکیت کی منتقلی کا مدار مبیع کے متعین ومتمیز ہونے پر ہے، مثلاً اگر کسی جگہ ایک سامان کا بڑا ذخیرہ موجود تھا جس میں سے کچھ کی بیع ہوئی تو مشتری کا اس میں مشاع حصہ مانا جاتا ہے، چنانچہ ہلاک ہونے کی صورت میں وہ اپنے حصہ کے بقدر کا تحمل کرتا ہے، حالاں کہ قانون کی نظر میں ملکیت (Property) سے جو مراد لیا جاتا ہے کہ ملکیت ممتاز بھی ہو جائے وہ یہاں مشتری کے لیے ثابت نہیں ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۲۳۹ والمغنی ۴/ ۸۴ والدسوقی ۳/ ۱۴۸

(2) Pollock & mulla on sale of goods Act sec 18 p.177,178 and sec 26 p.226

جب کہ فقہِ اسلامی میں ملکیت ممتاز بھی ہوسکتی ہے، مشاع بھی اور مملوک بلا تعیین بھی، مثلاً خیارِ تعیین کے ساتھ بیع ہو؛ لیکن ان صورتوں میں امتیاز کے ذریعہ ہی قبضہ کا تحقق ہوگا؛ لہٰذا اس پہلو سے ضمان بھی منتقل نہ ہوگا؛ الاَّ یہ کہ کسی مشاع حصہ کی بیع کی جائے اور عاقدین اس میں باہم شریک بننا چاہیں تو ضمان مشتری کی جانب اس کے حصہ کے بقدر منتقل ہوگا۔

اسی طرح مذکورہ مروجہ قانون کا تقاضہ یہ ہے کہ زید نے اگر عمرو سے گیہوں کی ایک متعینہ مقدار خریدی؛ لیکن عاقدین کے درمیان تسلیم وتسلم نہیں ہوا، اور بائع کے قبضہ ہی میں سارا گیہوں ضائع ہوگیا تو مشتری ہی ضامن ہوگا۔(۱) جب کہ شرعی نقطۂ نظر سے مشتری ضامن نہیں ہوگا؛ الاَّ یہ کہ بائع نے تخلیہ کردیا ہو اور کہا ہو کہ جب چاہو لے لو، کسی بھی وقت تمہیں مل جائے گا، ایسی صورت میں اگر مبیع ہلاک ہو تو مشتری کے مال سے ہلاک ہوگی، اس کا مبنی بر انصاف ہونا ظاہر ہے جو محتاج دلیل نہیں۔

اس موضوع کے تحت قانونی فیصلے دیکھنے سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ قوانین میں (بغیر کسی صراحت کے) مشتری پر یہ لازم سمجھا جاتا ہے کہ وہ مبیع کو حاصل کرلے (الاَّ یہ کہ اس کے برخلاف عقد میں اتفاق ہوا ہو، جیسا کہ بیع المال کے قانون کے دفعہ نمبر ۳۶ / کا حاصل ہے) لہٰذا اگر مشتری نے حاصل نہیں کیا تو یہ اس کی کوتاہی ہے۔ (یہاں بائع کی طرف سے تخلیہ شرط نہیں ہے) مشتری کی کوتاہی کی بنیاد پر اکثر فیصلوں میں یہ حکم سنایا گیا کہ بائع کی کوتاہی کے بغیر مبیع کے ہلاک ہونے کی صورت میں مشتری ضامن ہوگا۔

اسی طرح قانون بیع المال کے دفعہ نمبر ۳۰ / میں تصریح ہے کہ بیع کے بعد اگر مبیع بائع کے قبضہ میں رہے اور بائع تیسرے شخص کو فروخت کردے یا رہن رکھ دے، حال یہ کہ مشتری ثانی یا مرتہن کو بیع سابق کا علم نہیں ہے تو یہ بیع ثانی یا رہن صحیح ہے، اور ملکیت منتقل ہوجائے گی، یہاں تخلیہ اور غیر تخلیہ میں قانون نے فرق نہیں کیا ہے، چنانچہ مشتری

---

(۱) حوالہ سابق

اول کے لیے تخلیہ نہ ہونے کے باوجود بائع کا دوسری بیع کرنا بھی درست ہے، ممکن ہے کہ اس کی بنیاد بھی یہی ہو کہ مبیع پر قبضہ مشتری کی ذمہ داری ہے؛ لہٰذا جب اس نے کوتاہی کی تو اس کو اس کی خریدی ہوئی چیز سے محروم کیا جا سکتا ہے، اس طور پر کہ بائع دوسرے کو بیچ دے، چنانچہ یہ بیع ثانی درست ہے اگر مشتری ثانی کو بیع اول کا علم نہ ہو۔

لیکن قانون میں تملیک کی شرط نہ ہونے کی وجہ سے عدالتی فیصلے باہم مختلف ہیں، کسی ایک ضابطہ کے تحت انہیں جمع نہیں کیا جا سکتا، اور قانون اگرچہ یہ ہے کہ ضمان ملک کی تابع ہوتا ہے نہ کہ قبضہ کے؛ لیکن اس سے مستثنیٰ امور بھی کثیر تعداد میں ہیں، کبھی ملک کے منتقل ہونے کے بعد بھی ضمان منتقل نہیں ہوتا اور کبھی ضمان کے منتقل ہونے کے باوجود ملکیت منتقل نہیں ہوتی۔

فقہِ اسلامی میں یہ بائع کی ذمہ داری ہے کہ وہ مشتری کو مبیع سپرد کرے، چنانچہ اگر مشتری کو سپرد نہیں کیا یا تخلیہ کے ذریعہ اس کو قبضہ کا موقع نہیں دیا تو بائع ہی مسئول ہوگا اور وہی ضامن ہوگا، اسی طرح کسی تیسرے کو بیچنے کا اختیار نہ ہوگا، اگر بیچ دے تو بیع نافذ نہیں ہوگی، یہ جہاں مبنی بر انصاف ہے وہیں ایک ضابطہ کے ساتھ منضبط بھی ہے جو تمام احوال کو عام ہے۔

۳۵۴۔ بیع کے اندر کون سی چیز داخل ہوگی اور کون سی نہیں؟

اس باب کے مسائل درج ذیل اصول پر متفرع ہیں:

۱) مبیع کا نام جس چیز کو اس طرح شامل ہو کہ وہ چیز عرف میں اس کے اجزاء میں سے شمار کی جاتی ہو تو وہ بیع میں داخل ہوگی؛ اگرچہ عقد میں صراحتاً اس کا ذکر نہ ہو، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے دار (گھر) فروخت کیا تو اس میں سارے کمرے، مطبخ، بیٹھک، اور بیت الخلاء وغیرہ سب داخل ہوں گے؛ کیوں کہ لفظِ دار عرف میں سب پر بولا جاتا ہے؛ لیکن علو اسی وقت داخل ہوگا جب کہ اس کی تصریح کی گئی ہو؛ کیوں کہ لفظِ دار ہمیشہ اس کو شامل نہیں ہوتا، برخلاف اگر فلیٹ بیچے تو وہ علو اور سفل ہر دو کو شامل ہوتا ہے؛

لہٰذا دونوں بیع میں داخل ہوں گے؛ الّا یہ کہ کسی ایک کا استثناء کرلیا گیا ہو۔

۲) ہر وہ چیز جو مبیع کے ساتھ اتصالِ قرار کے طور پر متصل ہو تو وہ مبیع کے تابع ہوگی اور بلا تصریح بیع میں داخل ہوگی، فقہاء نے اتصالِ قرار کی تعریف یہ کی ہے کہ جس چیز کو اس لیے بنایا جائے کہ اخیر میں اس کو جدا کرلیا جائے تو یہ اتصالِ قرار نہیں ہے، اور جس کو جدا کرنے کے لیے نہ بنایا جائے تو یہ اتصالِ قرار ہے، فقہاء کہتے ہیں: اگر ایسی زمین فروخت کرے جس میں درخت ہوں تو درخت بیع میں داخل ہیں؛ کیوں کہ ان کا زمین کے ساتھ اتصالِ قرار ہے، برخلاف کھیتی کے، وہ بیع میں بلا تصریح داخل نہیں ہوگی؛ کیوں کہ کھیتی اس لیے کی گئی ہے کہ بعد میں اسے کاٹ لیا جائے۔

اس بنیاد پر پانی کے نل گھر کی بیع میں داخل ہوں گے؛ کیوں کہ وہ گھر کے ساتھ متصل بالقرار ہیں، اسی طرح بجلی اور فون کے تار بھی؛ لیکن پنکھے، ہیٹر، فون اور گھر کے فرنیچر وغیرہ بلا تصریح داخل نہ ہوں گے۔

۳) ہر وہ چیز جو عرف میں مبیع کے تابع ہو وہ بیع میں داخل ہوگی، فقہاء نے اس کی مثال قفل کی بیع میں چابی، اور اونٹ کی بیع میں لگام سے دی ہے، اس بنیاد پر اگر کوئی شخص کار بیچے تو اس میں زائد پہیہ، پہیہ تبدیل کرنے والے آلات اور گاڑی کو اٹھانے والا آلہ سب شامل ہوں گے؛ الّا یہ کہ بیع سے ان کا استثناء کرلیا جائے۔

۴) ہر وہ چیز جس کا تعلق مبیع کے مرافق و منافع سے ہو وہ بیع میں داخل ہوگی، جیسے حقِ مرور و حقِ شرب۔

درحقیقت مذکورہ تمام امور کا مدار عرف پر ہے، اور عرف زمانہ اور جگہ کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے؛ لہٰذا یہ ممکن ہے کہ کوئی چیز ایک جگہ عرف کی وجہ سے بیع میں داخل ہو؛ لیکن دوسری جگہ داخل نہ ہو۔(۱)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

---

(۱) مثالوں کے لیے مراجعت کریں: شرح المجلۃ للاتاسی ۲/ ۱۳۸

مَنْ بَاعَ نَخْلًا قَدْ أُبِّرَتْ فَثَمَرُهَا لِلْبَائِعِ، إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطَ الْمُبْتَاعُ.(۱)

جو شخص تابیر شدہ کھجور کا درخت فروخت کرے تو اس کے پھل کا مالک بائع ہوگا؛ الّا یہ کہ مشتری اس کی شرط لگا دے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تابیر کے بعد کھجور کے درخت کی بیع میں پھل اسی صورت میں داخل ہوں گے جب کہ مشتری بیع میں داخل ہونے کی شرط لگائے، اور صحیح قول کے مطابق حدیث میں تابیر سے مراد پھل کا ظاہر ہونا ہے، جیسا کہ میں نے تکملہ فتح الملہم (۲) میں متعدد علماء کے حوالہ سے یہ بات نقل کی ہے، حاصل یہ کہ پھل کے ظاہر ہونے کی صورت میں بیع کی اندر اس کا دخول شرط لگانے سے ہی ہوگا۔

کیا یہاں ''معروف مشروط کے حکم میں ہوتا ہے'' کا قاعدہ جاری ہوگا؟ اس طرح کہ اگر ایسے پھلوں کا درخت کی بیع میں داخل ہونے کا عرف ہو جائے تو کیا اس عرف کی بنا پر بیع میں پھل کو بھی داخل مانا جائے گا؟ فقہاء کے یہاں مجھے اس کی صراحت نہیں مل سکی؛ لیکن اگر داخل ہونے کا قول لیا جائے تو بھی یہ نص سے متعارض نہ ہوگا؛ کیوں کہ نص میں اشتراط کا استثناء ہے، اور اشتراط جہاں صراحت سے ہوتا ہے وہیں عرف سے بھی ہوتا ہے، پس اگر اس کا عرف ہو تو وہ منصوص استثناء کے تحت داخل ہوگا، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

۳۵۴۔ مبیع میں قبضہ سے قبل ہونے والے اضافوں کا حکم

عقد کے بعد قبضہ سے قبل مبیع میں جو اضافہ ہو، مثلاً: ایسا درخت بیچا جائے جس کا پھل ظاہر نہ ہوا ہو، پھر بیع کے بعد مشتری کے قبضہ سے قبل پھل ظاہر ہو جائے، یا غیر حاملہ جانور کی بیع ہو، پھر اس کا حمل ظاہر ہو جائے تو فقہاء کے نزدیک بالاتفاق یہ زیادتی مشتری کی ملکیت ہے؛ کیوں کہ زیادتی کا حدوث مشتری کے اصل کا مالک ہونے کے

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۲۲۰۴

(۲) ۷/ ۴۰۴

بعد ہوا ہے؛ لیکن اس ملک کی توجیہ کے سلسلہ میں اختلاف ہے، علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کے مطابق اس کی وضاحت یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک یہ زوائد مبیع کے دیگر اجزاء کی طرح بیع میں داخل ہیں، خواہ متصل ہوں یا منفصل، متولد ہوں یا غیر متولد، مشتری ان کا سابقہ بیع کی وجہ سے مالک ہوجائے گا؛ کیوں کہ زوائد پر مشتری کی ملکیت اصل کے مالک ہونے کی وجہ سے ثابت ہوئی ہے، اور اصل کی ملکیت بیع سابق کی بنیاد پر حاصل ہوئی؛ لہٰذا یہ زیادتی بھی مبیع ہے؛ لیکن تبعاً؛ اس لیے کہ ان کے اندر حکم اصلی کا ثبوت تبعاً ہوا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: زوائد پر مشتری کی ملکیت کی وجہ یہ ہے کہ وہ اصل کا مالک ہے، اور زیادتی کا وجود اس کی ملکیت میں ہوا ہے، اور بیع سابق سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے؛ کیوں کہ بیع کی نسبت ان کی جانب نہیں ہوئی ہے۔

ثمرۂ اختلاف

اس اختلاف کا ثمرہ بہت سے مسائل میں ظاہر ہوتا ہے:

۱) حنفیہ کے نزدیک ثمن کی وصولی تک بائع کو زوائد بھی روکے رکھنے کا حق ہے، جیسا کہ اصل کو روکنے کا حق ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زوائد کو روکنے کا حق نہیں ہے۔(۱)(۲)

۲) حنفیہ کے نزدیک زیادتی مبیع کا ایک جزو ہے؛ لہٰذا ثمن کا ایک حصہ بھی اس کے مقابل ہوگا، مثلاً غیر پھل دار درختوں کی سو درہم کے عوض بیع ہوئی، پھر مشتری کے قبضہ سے قبل پھل ظاہر ہوگئے تو گویا بائع نے درخت مع پھل سو درہم کے عوض فروخت کیا ہے؛ لہٰذا اگر پھل دار درخت کی قیمت بغیر پھل کے درخت کی قیمت سے عشر کے بقدر زائد ہو تو سو میں سے دس پھل کے مقابل ہوں گے، چنانچہ اگر بائع پھل کو تلف کردے تو

---

(۱) یعنی اس صورت میں جب کہ ثمن فوت ہونے کا خوف ہو؛ کیوں کہ فوت کا اندیشہ نہ ہونے کی صورت میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ حبس مبیع کے قائل نہیں ہیں، دیکھیں: رقم نمبر: ۲۴۴

(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۲۵۷ والمجموع ۱۲/ ۲۱۴

ثمن سے اتنا ساقط ہو جائے گا، اور صرف نوے واجب ہوں گے، جیسا کہ عشر مبیع کو تلف کرنے کی صورت میں ہوتا، شافعیہ کے نزدیک چوں کہ یہ مبیع کا جز نہیں ہے؛ لہٰذا ثمن بھی اس کے مقابل نہ ہوگا، چنانچہ اگر بائع تلف کر دے تو ثمن میں سے کچھ ساقط نہ ہوگا؛ بلکہ ضمان بالمثل یا بالقیمۃ واجب ہوگا، جیسا کہ اجنبی کے تلف کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔(۱)

اور اگر کسی آسمانی آفت کی وجہ سے زوائد ہلاک ہو جائیں تو بالاجماع ثمن میں سے کچھ ساقط نہ ہوگا؛ اگر چہ کہ حنفیہ کے نزدیک وہ بھی مبیع ہیں؛ کیوں کہ باندی کے اعضاء کی مانند ان کا مبیع ہونا تبعاً ہے، قصداً نہیں ہے، اور اعضاء کی حیثیت اوصاف کی ہے، ان کے مقابل ثمن نہیں ہوتا؛ الّا یہ کہ وہ بالفعل مقصود ہوں، جیسے: قبضہ یا جنایت، اور یہاں ایسا نہیں ہے، اور مشتری کو اختیار بھی نہ ہوگا؛ کیوں کہ صفقہ متفرق نہیں ہوا ہے؛ اس لیے کہ عقد کی نسبت زوائد کی جانب نہیں تھی، تبعاً عقد کا حکم ان میں ثابت ہوا تھا؛ لہٰذا اخیار ثابت نہ ہوگا۔

۳) مشتری جب زوائد پر قبضہ کر لے تو حنفیہ کے نزدیک ان کے مقابل بھی ثمن ہوتا ہے؛ لہٰذا ثمن کی تقسیم عقد کے دن کی اصل کی قیمت اور قبضہ کے دن کی زوائد کی قیمت پر ہوگی، چنانچہ اگر مشتری کو اصل میں کوئی عیب پتہ چلے تو وہ اس کے حصۂ ثمن کے عوض لوٹائے گا، نہ کہ جمیع ثمن کے عوض، پس اگر اس نے سو کے عوض اصل خریدا ہو، اور مبیع میں زیادتی عشر کے بقدر ہو، پھر مشتری کو اصل میں عیب کا پتہ چلے تو وہ نوے کے عوض بائع کو مبیع واپس کرے گا، اور مشتری کے پاس زیادتی دس کے مقابل رہے گی، شافعیہ کے نزدیک بہر حال زیادتی کے مقابل ثمن نہیں ہے؛ لہٰذا عیب پتہ چلنے کی صورت میں کل ثمن کے عوض واپسی ہوگی، زیادتی کے مقابل کوئی شئ نہیں ہوگی، یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ زوائد میں عیب ہو تو حنفیہ کے نزدیک اس کے حصۂ ثمن کے عوض لوٹائے گا، اور شافعیہ کے نزدیک بالکل بھی نہیں لوٹائے گا۔

---

(۱) روضۃ الطالبین ۳/۵۰۱

۴) اگر اصل ہلاک ہوجائے اور زیادتی باقی رہے تو حنفیہ کے نزدیک زیادتی کے بقدر عقد باقی رہے گا، اور ثمن کا ایک حصہ اس کے مقابل ہوگا، چنانچہ ثمن کی تقسیم عقد کے دن کی اصل قیمت اور ہلاکت کے دن کی زیادتی کی قیمت پر ہوگی، مثلاً سو کے عوض جانور خریدے اور مشتری کے قبضہ سے قبل وہ بچہ جن دے، اور بچہ کی قیمت جانور کے عشر کے بقدر ہو، پھر جانور ہلاک اور بچہ زندہ رہے تو بچہ میں بیع دس کے عوض ہوگی جو کہ ثمن کا عشر ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اصل ہلاک ہونے سے عقد بالکلیہ فسخ ہوجائے گا۔

مذکورہ ضابطہ پر علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے تفریعات کا ذکر کیا ہے، ضرورت کے وقت مراجعت کرلی جائے۔(۱)

۳۵۵۔عقد کے بعد ثمن میں کمی زیادتی

عقد کے تام ہونے کے بعد ثمن میں کمی یا زیادتی پر عاقدین کا اتفاق کرنا جائز ہے، اسی طرح مبیع میں بھی اضافہ پر اتفاق کرنا جائز ہے، اور حنفیہ کے نزدیک یہ کمی زیادتی اصل عقد کے ساتھ لاحق ہوگی، گویا کہ بیع کا وقوع اس مقدار پر ہوا ہے جو کمی یا زیادتی کے بعد حاصل ہوئی ہے۔(۲) اور ظاہر ہے کہ اس میں مالکیہ کا مذہب بھی حنفیہ کے مذہب کی مانند ہے۔(۳) اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کمی یا زیادتی ہبہ ہے؛ لہٰذا اس میں ہبہ کی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، جن میں سے ایک شرط یہ ہے کہ زیادتی پر ملکیت قبضہ سے ہی ثابت ہوگی، اور اس کا اصل بیع سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

امام شافعی واحمد رحمہما اللہ علیہما کہتے ہیں: کمی یا زیادتی اگر مجلس عقد میں ہو تو وہ اصل عقد

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/۲۵۶

(۲) فتح القدیر ۶/۵۱۹

(۳) تہذیب الفروق علی ہامش الفروق للقرافی ۳/۲۹۰؛ البتہ اس میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب ذکر کیا گیا ہے مرابحہ میں زیادتی ثمن کے ساتھ لاحق نہیں ہوتی، یہ غلط ہے، کتبِ احناف میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول موجود ہے کہ مرابحہ میں بھی زیادتی لاحق ہوتی ہے۔

کے ساتھ لاحق ہوں گے، جیسا کہ حنفیہ کا قول ہے؛ کیوں کہ خیارِ مجلس باقی ہے، اور مدتِ خیار میں عقد پختہ نہیں ہوتا، اور اگر علاحدگی کے بعد کمی زیادتی پر اتفاق ہوا اور خیارِ شرط نہ ہو تو یہ اصل عقد کے ساتھ لاحق نہ ہوں گے؛ بلکہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق ہبہ ہوں گے۔

اس اختلاف پر چند مسائل متفرع ہوتے ہیں:

اضافہ کردہ مقدار کی وصولی تک حقِ حبس

۱) حنفیہ کے نزدیک زیادتی کے ساتھ ثمن اصلی پر قبضہ کرنے تک مبیع روکے رکھنے کا حق ہوگا، اور شوافع کے نزدیک زیادتی کی وصولی تک حقِ حبس نہ ہوگا۔

استحقاق کی صورت میں اضافہ کردہ مقدار کا حکم

۲) جب مبیع میں کسی اور کا حق نکل آئے اور مستحق کے لیے اس کا فیصلہ کر دیا جائے تو مشتری بائع سے کل ثمن یعنی اصل و زیادتی کے ذریعہ رجوع کرے گا، اور عیب نکل آنے کی صورت میں بھی یہی حکم ہے، یہ حنفیہ کے نزدیک ہے، اور شوافع و حنابلہ کے نزدیک ثمن اصلی ہی کا رجوع کرے گا۔(۱)

شفیع کے حق میں اضافہ کردہ مقدار کا لزوم

۳) عقار فروخت کرنے والا اگر عقد کے بعد ثمن میں کمی کرے تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک شفیع کم کردہ ثمن کے عوض لے گا، اور شوافع و حنابلہ کے نزدیک جس ثمن پر عقد ہوا تھا اس کے عوض لے گا، کمی کا لحاظ نہ ہوگا۔(۲) حنفیہ اور مالکیہ کے قول پر قیاس کرتے ہوئے یہی حکم اس صورت میں ہونا چاہیے جب کہ مشتری عقار کی بیع کے بعد ثمن اضافہ کرے تو شفیع اس زائد ثمن کے عوض لے گا جو اصل عقد کے ساتھ لاحق ہو؛ البتہ حنفیہ زیادتی کی صورت میں اس کے قائل نہیں ہیں؛ کیوں کہ اس میں شفیع کے حق کا ابطال ہے۔

---

(۱) عنایہ ۶/ ۵۲۰

(۲) المغنی ۵/ ۲۵۹

حنفیہ کے قول پر قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ عقد کے بعد جب بائع عقار میں اضافہ کرے تو شفیع بھی اس زیادتی کا مستحق ہو؛ کیوں کہ حنفیہ کے نزدیک زیادتی اصل عقد کے ساتھ لاحق ہوتی ہے؛ لیکن فقہاء کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ زیادتی اگر مبیع کی جنس یا توابع میں سے ہو تو شفیع اس کا مستحق ہوگا، اور اگر جنس یا توابع میں سے نہ ہو تو مستحق نہ ہوگا، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ شرح مجمع کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

بَاعَ عَقَارًا مَعَ الْعَبِيدِ وَالدَّوَابِّ تَثْبُتُ فِي الْكُلِّ تَبَعًا لِلْعَقَارِ.(۱)

کسی شخص نے غلام اور چوپائے سمیت عقار فروخت کیا تو عقار کے تابع ہو کر تمام میں شفعہ ثابت ہوگا۔

آگے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

لِأَنَّ الْمُرَادَ بِهِ الْأَرْضُ وَالْحَرَّاثُونَ وَآلَةُ الْحِرَاثَةِ فَتَتَحَقَّقُ التَّبَعِيَّةُ لِوُجُودِ مَا هُوَ الْمَقْصُودُ مِنَ الْأَرْضِ وَلِذَا صَحَّ فِيهَا الْوَقْفُ تَبَعًا كَمَا مَرَّ فِي مَوْضِعِهِ، بِخِلَافِ الْجَارِيَةِ أَوِ الْمَتَاعِ مَعَ الدَّارِ، هَذَا مَا ظَهَرَ لِي فَتَأَمَّلْ.(۲)

کیوں کہ اس سے مراد زمین، کھیتی کرنے والے اور کھیتی کا آلہ ہے؛ لہٰذا تبعیت کا تحقق ہو جائے گا؛ کیوں کہ وہ چیز موجود ہے جو زمین سے مقصود ہے، یہی وجہ ہے کہ تبعاً ان میں وقف درست ہے، برخلاف جب کہ باندی یا گھر یا سامان کے ساتھ فروخت کرے، هَذَا مَا ظَهَرَ لِي فَتَأَمَّلْ.

---

(۱) ردعلی الدر ۶/۲۳۱

(۲) حوالہ سابق

شافعیہ کے نزدیک شفیع ان میں سے کسی کا مستحق نہ ہوگا؛ کیوں کہ وہ ان کے نزدیک اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوئے۔

مرابحہ وتولیہ میں اضافہ کردہ مقدار کا حکم

۴) مشتری اگر خریدی ہوئی چیز مرابحۃً فروخت کرنا چاہے تو حنفیہ کے نزدیک کمی یا زیادتی کے بعد کی لاگت بیان کرنا ضروری ہے، اور ربح کا حساب کمی زیادتی کے مابعد کے ذریعہ کیا جائے گا، یہی حکم تولیہ اور وضیعہ میں ہے، شافعیہ کے قول کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ ضروری نہ ہو، اور عقد کی بنیاد کمی زیادتی سے قبل معقود علیہ ثمن پر ہو؛ لیکن امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ بائع نے جو ثمن میں کمی کی ہے وہ تولیۃً خریداری کرنے والے کے حق میں بھی کم ہوگی۔(۱) ممکن ہے شوافع نے اصل قاعدہ سے اس کا استثناء کرلیا ہو؛ کیوں کہ تولیہ کا مقصد یہ ہے کہ بائع کو حقیقۃً جتنی لاگت میں مبیع پڑی ہے اتنی ہی میں مشتری کو بھی ملے، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

شافعیہ کے نزدیک مجھے ایک اور صورت نظر آئی جس کا ذکر امام الحرمین جوینی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> والوجه الثاني -أن المولَّى لا يَخلفُ المولِّي في شيء مما ذكرناه. فالزوائد للبائع، وإذا حُطّ عن البائع شيءٌ لم يُحَط عن المشتري منه بلفظ التولية.(۲)
>
> مذکورہ امور میں سے کسی میں بھی مولّٰی کا مولِّی سے تخلف نہیں ہوگا؛ لہٰذا زوائد کا بائع مالک ہوگا، اور جب بائع سے کچھ کم کردیا جائے تو وہ لفظ تولیہ کے ذریعہ خریدنے والے سے کم نہ ہوگا۔

علامہ عمرانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے دونوں اقوال میں تطبیق

(۱) نہایۃ المحتاج ۴/ ۱۰۹

(۲) نہایۃ المطلب فی درایۃ المذہب ۵/ ۳۰۸

دی ہے، وہ علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب عدۃ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

فإن الحط يلحق بالمولّٰى والمشرَك، لأن التولية والشركة تختص بالثمن، فلحق الثانى ما لحق الأول، ولو باعه المشترى الأول بلفظ البيع، ثم حطَّ الثمن عن المشترى الأول...لم يلحق المشترى الثانى حطٌّ. قال: وهذا اختلافٌ يحصل باختلاف اللفظ، كما يقول فى المرابحة: إذا كذب فى رأس المال.ثبت للمشترى الخيارُ، ولو باعه مساومةً وكذب فى رأس المال.لم يثبت للمشترى الخيار. (۱)

کمی مولّٰی اور مشرَک دونوں سے لاحق ہوگی؛ کیوں کہ تولیہ اور شرکت ثمن کے ساتھ خاص ہیں؛ لہٰذا اول کے ساتھ جو چیز لاحق ہوئی وہ ثانی کے ساتھ بھی لاحق ہوگی، اور اگر مشتری اول نے لفظ بیع کے ذریعہ خریدا ہو، پھر بائع نے مشتری اول سے ثمن کم کر دیا تو یہ کمی مشتری ثانی سے لاحق نہیں ہوگی، اور یہ لفظی اختلاف ہے، اس کی نظیر مرابحہ کا مسئلہ ہے، رأس المال کے متعلق جھوٹ بولنے کی صورت میں مشتری کے لیے خیار ثابت ہوتا ہے، جب کہ مساومہ کے اندر رأس المال کے متعلق جھوٹ بولنے سے خیار ثابت نہیں ہوتا۔

مطلب یہ کہ عقد اگر لفظِ بیع سے ہو تو مشتری کمی کا مستحق نہ ہوگا، اور لفظِ تولیہ یا اشراک سے عقد کی صورت میں مستحق ہوگا۔

اس کے برعکس مالکیہ کے قول کا تقاضہ یہ ہے کہ کمی یا زیادتی کے بعد (باقی ماندہ)

---

(۱) البیان فی مذہب الامام الشافعی ۵ / ۳۳۵

ثمن پر مرابحہ اور تولیہ ہو؛ لیکن تہذیب الفروق (۱) میں مذکور ہے کہ مالکیہ کے یہاں مرابحہ میں زیادتی اصل کے ساتھ لاحق نہیں ہوتی، شاید مرابحہ کے اندر مشتری کی جانب نظر کی گئی ہے، جیسا کہ شفیع کی جانب نظر کرتے ہوئے شفیع کے حق میں زیادتی اصل کے ساتھ لاحق نہیں کی گئی، اور علامہ دردیر و دسوقی رحمۃ اللہ علیہما نے یہ تفصیل بیان کی ہے کہ ثمن میں کمی کا اگر لوگوں کے درمیان عرف ہو تو مرابحہ میں اس کو بیان کرنا ضروری ہے، اور اگر کمی کا عرف نہ ہو تو نہ اصل عقد کے ساتھ وہ لاحق ہوگی اور نہ بیان کرنا ضروری ہوگا۔ (۲)

مبیع کے اندر کمی

اکثر فقہائے احناف جیسے: علامہ مرغینانی، علامہ ابن ہمام اور علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہم نے مبیع میں کمی کا ذکر نہیں کیا ہے؛ لیکن بعض نے ذکر کیا ہے، چنانچہ علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(وَيَصِحُّ الْحَطُّ مِنَ الْمَبِيعِ إِنْ) كَانَ الْمَبِيعُ (دَيْنًا وَإِنْ عَيْنًا لَا) يَصِحُّ، لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ وَإِسْقَاطُ الْعَيْنِ لَا يَصِحُّ بِخِلَافِ الدَّيْنِ. (۳)

اگر مبیع دین ہو تو کمی درست ہے، اور اگر عین ہو تو درست نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ اسقاط ہے، اور عین کا اسقاط درست نہیں ہے، جیسا کہ دین کا اسقاط درست ہے۔

محیط کی تصریح کے مطابق جس کو علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے اس کی تفسیر یہ ہے:

اشْتَرَى قَفِيزَ حِنْطَةٍ بِعَيْنِهِ فَحَطَّ عَنِ الْبَائِعِ رُبُعَهُ قَبْلَ الْقَبْضِ لَمْ يَجُزْ؛ لِأَنَّهُ عَيْنٌ وَإِسْقَاطُ الْعَيْنِ لَا يَصِحُّ

(۱) علی ہامش الفروق للقرافی ۳/۲۹۰

(۲) الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/۱۶۵

(۳) الدر مع الرد ۵/۱۵۶

وَلَوِ اشْتَرَى قَفِيزًا مِنْ صُبْرَةٍ ثُمَّ حَطَّ عَنْهُ رُبُعَهُ قَبْلَ الْقَبْضِ جَازَ؛ لِأَنَّهُ دَيْنٌ وَإِسْقَاطُ الدَّيْنِ يَصِحُّ. (۱)

ایک شخص نے ایک متعین قفیز گیہوں خریدا، پھر قبضہ سے قبل ربع کم کر دیا تو یہ ناجائز ہے؛ کیوں کہ یہ عین ہے، اور عین کا اسقاط درست نہیں ہے، اور اگر ڈھیر میں سے ایک قفیز خریدے، پھر قبضہ سے قبل ربع کم کر دے تو یہ جائز ہے؛ کیوں کہ یہ دین ہے اور دین کا اسقاط درست ہے۔

اور عین میں کمی درست نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اصل عقد کے ساتھ لاحق نہ ہوگی؛ ورنہ تو یہ بطور ہبہ مع شرائط درست ہے، چنانچہ قبضہ کرنے کے بعد مشتری کو کچھ حصۂ مبیع ہبہ کرنے کا اختیار ہوگا، اور ہبہ اسی وقت تام ہوگا جب کہ بائع قبضہ کر لے۔

پھر مبیع یا ثمن میں کمی یا زیادتی کے لیے ایجاب وقبول شرط ہے؛ اگر چہ مجلس عقد سے علیحدگی کے بعد ہو، اور مبیع یا ثمن میں زیادتی کی صورت میں مجلس ایجاب کے اندر قبول ضروری ہے؛ البتہ ثمن میں کمی کے اندر مجلس اور قبول شرط نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ اسقاط اور ابراء کے ذریعہ ثمن میں تصرف کرنا ہے؛ لہٰذا بلا قبول بھی درست ہے؛ البتہ رد کرنے سے رد ہو جائے گا، جیسا کہ کل ثمن سے ابراء کی صورت میں ہوتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک ظاہر روایت کے مطابق زیادتی کی صورت میں مبیع کا برقرار رہنا شرط ہے، اگر مبیع ہلاک ہو جائے تو زیادتی اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوگی؛ البتہ ثمن کے ہلاک ہونے کے بعد بھی اس کے اندر کمی کی جا سکتی ہے۔ (۲)

دو مسئلے

۱) اگر عقد واحد میں دو چیزیں فروخت کی گئی ہوں اور طرفین کی رضامندی سے

---

(۱) علامہ اتاسی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تفصیل شرح المجلۃ ۲/ ۱۷۸ میں نقل کی ہے۔

(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۲۵۹ و ۲۶۰

ثمن کے اندر زیادتی ہوئی ہو تو جو حضرات زیادتی کے اصل عقد کے ساتھ لاحق ہونے کے قائل ہیں ان کے نزدیک دونوں پر زیادتی قیمت کے لحاظ سے منقسم ہوگی، مثلاً اگر کسی شخص نے ایک ہی صفقہ میں دو موبائل فون دو ہزار میں خریدے اور مشتری نے چار سو کا اضافہ کر دیا تو مجموعی ثمن دو ہزار چار سو ہے؛ لیکن اس چار سو کی تقسیم دونوں موبائل پر قیمت کے لحاظ سے ہوگی، اگر ہر ایک کی قیمت ایک ہزار ہو تو ہر ایک کا ثمن بارہ سو ہوگا، اور اگر ایک کی قیمت پندرہ سو اور دوسرے کی پانچ سو ہو تو چار سو کی ارباعاً تقسیم ہوگی، چنانچہ ایک کا ثمن اٹھارہ سو اور دوسرے کا چھ سو ہوگا۔(۱)

۲) یہ ساری تفصیل جب ہے کہ مبیع اموال ربویہ میں سے نہ ہو؛ لہٰذا اگر عقد ایسی چیز میں ہو جس میں ربا جاری ہوتا ہو اور تفاضل جائز نہ ہو تو عقد کے بعد کی گئی زیادتی عقد کے ساتھ لاحق ہونے کے بعد اس کو سودی معاملہ بنا دے گی، چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد فاسد ہو جائے گا، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مبیع کے ربوی ہونے کی صورت میں کمی زیادتی اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوتی؛ اس لیے اصل عقد درست اور زیادتی باطل ہوگی، زیادتی کے سلسلہ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ بھی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں؛ البتہ کمی کی صورت میں کہتے ہیں کہ یہ ہبہ ہوگا۔(۲)

۳۵۶۔ بائع کی جانب سے تطوعات

تاجروں کا عرف یہ ہے کہ وہ خریداروں کو اپنی جانب سے مبیع سے زائد کوئی چیز دیتے ہیں، موجودہ دور میں اس کی تین قسمیں ہیں:

۱) بعض پرچون کی دکانوں میں عرف یہ ہے کہ بائع اپنی جانب سے کوئی چیز مزید دے دیتا ہے، اس کو اردو میں رُنگا، اور انگریزی میں Lagniappe (۳) یا Yapa

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۲۵۸

(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۲۶۱

(۳) ویکی پیڈیا کے مطابق یہ فرانسیسی اور ہسپانوی زبان کا لفظ ہے۔

کہا جاتا ہے، کبھی اس کا مطالبہ مشتری سے کیا جاتا ہے، یہ مبیع کے اندر زیادتی کے حکم میں ہے، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی فتوی ہے۔(۱) اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اموال ربویہ اگر بجنسہٖ فروخت کیے جائیں تو حنفیہ کے نزدیک ان میں رنگا جائز نہیں ہوگا؛ کیوں کہ حنفیہ زیادتی کے اصل عقد کے ساتھ لاحق ہونے کے قائل ہیں، یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ہبہ ہے جس کا مبیع سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور اس کا مقصد خریداروں کو متوجہ کرنا ہے، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

۲) بائع کی جانب سے اعلان ہوتا ہے کہ مشتری اگر کوئی چیز دو عدد خریدے تو تیسرا مفت دیا جائے گا، ظاہر ہے کہ یہ مبیع میں زیادتی کے حکم میں نہیں ہے؛ بلکہ ایک ساتھ تینوں کی بیع ہے؛ اس لیے کہ ابتداء ہی سے تینوں پر عقد وارد ہوا ہے، اور بائع کا یہ کہنا کہ تیسرا مفت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تینوں کا مجموعی ثمن دو کے ثمن کے برابر ہے۔

۳۵۷۔مبیع پر انعامات

۳) بعض تاجرین میں یہ تعامل ہے کہ وہ ایک مخصوص مقدار خریدنے والوں کو انعامات دیتے ہیں؛ اگرچہ خریداری مختلف صفقات میں ہوتی ہو، اور کبھی یہ انعامات ہر شخص کو مبیع کی مقدار کے بقدر دیے جاتے ہیں، اور کبھی قرعہ اندازی کے ذریعہ، یہ مبیع میں زیادتی کے حکم میں نہیں ہے؛ کیوں کہ عموماً انعامات متعدد صفقات میں مختلف جگہوں پر دیے جاتے ہیں؛ اس لیے کسی ایک مبیع کی طرف ان کی نسبت نہیں کی جاسکتی؛ لہٰذا بائع کی جانب سے یہ ہبہ ہوگا، جس کا مقصد لوگوں کو اپنے پاس سے سامان کی خریداری پر آمادہ کرنا ہے، ان انعامات کے لینے کے جواز کی شرط یہ ہے کہ بائع نے سامانوں کے ثمن میں ان انعامات کی وجہ سے اضافہ نہ کیا ہو؛ ورنہ تو یہ ایک قسم کا جوا ہوجائے گا؛ کیوں کہ ثمن مثل پر جس مقدار کا اضافہ کیا گیا اس کا مطالبہ علی سبیل الغرر کیا جارہا ہے، اور یہ احتمال ہے کہ مشتری کو انعام حاصل ہوجائے، اسی طرح اگر ثمن ثمن مثل ہی کے بقدر ہو تب بھی ایک

(۱) امداد الفتاوی ۶/ ۲۸۷

شرط یہ ہے کہ مشتری کا مقصد درحقیقت سامان خریدنا ہو، محض انعام کے حصول کی امید پر خریداری نہ ہو؛ ورنہ تو اس میں قمار کا شبہ ہے، میں نے اپنے مقالہ احکام الجوائز (۱) میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔

۳۵۸۔ملٹی لیول مارکیٹنگ کے ذریعہ خرید وفروخت (Marketing network)

بعض کمپنیوں میں یہ تعامل ہے کہ وہ اپنا کوئی پروڈکٹ فروخت کرتی ہیں، ساتھ میں مشتری کو یہ حق دیا جاتا ہے کہ وہ اس پروڈکٹ کی تشہیر کر کے دوسرے خریداروں کو تلاش کرے، اگر وہ ایسا کرلے اور کمپنی کی متعینہ شرائط کے مطابق خریداروں کی ایک تعداد اس کے پاس جمع ہو جائے تو کمپنی اس کو رقم یا قیمتی چیز دیتی ہے، اسی طرح مشتری اول کے توسط سے خریدنے والے نئے خریداروں کو بھی دوسرے خریدار تلاش کرنے کا حق ہوتا ہے، اگر ان کے پاس بھی کمپنی کے متعینہ شرائط کے مطابق خریداران کی ایک تعداد جمع ہو جائے تو انہیں بھی رقم یا قیمتی چیز دی جاتی ہے، اور اگر اس نیٹ ورک کے ذریعہ خریداروں کی تعداد ایک متعینہ حد تک پہونچ جائے تو نئے خریداروں کے جڑنے سے مسلسل مشتری اول کو رقوم یا سامان حاصل ہوتے رہتے ہیں؛ اگرچہ اس نے صرف پہلی بار خریداروں کو جمع کرنے کی محنت کی تھی۔

اس طریقۂ کار کی ابتداء مغربی ممالک کے بعض کمپنیوں نے کی تھی ، پھر اسلامی ممالک میں بھی بعض کمپنیوں نے یہ طریقہ اپنایا ، اس کا نام مارکیٹنگ نیٹ ورک سسٹم (Marketing network syestem) یا ملٹی لیول مارکیٹنگ سسٹم (Multi-Level marketing syestem) ہے ، کبھی مخفف کرکے MLM کہ دیا جاتا ہے، مختلف طریقوں اور شرائط سے یہ نظام چل رہا ہے؛ لیکن ان تمام میں قدر مشترک یہ ہے کہ پروڈکٹ کی بیع اس نیٹ ورک سسٹم کے ساتھ ہوتی ہے جس میں مشتری حضرات داخل ہوتے ہیں ، اور دوسرے مشتریوں کو تلاش کرتے ہیں، اور بعض حالات میں رقم یا

---

(۱) بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ، جلد دوم

قیمتی سامان پا لیتے ہیں، اس نظام کا شرعی حکم اور پروڈکٹس کی خریداری کا شرعی حکم حالات کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے:

۱) اگر پروڈکٹ کی بیع میں یہ شرط ہو کہ مشتری نیٹ ورک مارکیٹنگ میں شامل ہو جائے تو یہ بیع فاسد ہے؛ کیوں کہ یہ مقتضائے عقد کے خلاف شرط ہے۔

۲) اگر پروڈکٹ کی بیع میں مذکورہ شرط نہ ہو، اور مشتری کا مقصد صرف پروڈکٹ خریدنا ہو، وہ نیٹ ورک مارکیٹنگ میں داخل نہ ہو تو یہ خریداری درست ہے، بشرطیکہ جواز بیع کی ساری شرائط پائی جائیں جن میں سے ایک مبیع کا حلال ہونا ہے۔

۳) اگر پروڈکٹ کی بیع میں مذکورہ شرط نہ ہو؛ لیکن اس کا ثمن بازاری قیمت سے زائد ہو تو نیٹ ورک مارکیٹنگ میں شمولیت کے ارادہ سے خریداری جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ زائد رقم اس نظام میں شمولیت کی بنا پر ہی دی جارہی ہے جو کہ خریداری سے الگ ایک مستقل عقد ہے، اور اگر دلالی کو عقد صحیح مان لیا جائے پھر بھی ثمن میں زیادتی محض عقد کرنے کے مقابل ہوگی، اور یہ رشوت ہے، اور اگر دلالی کو غرر کی وجہ سے عقد فاسد شمار کیا جائے تو ثمن میں یہ زیادتی تعلیق التملیک علی الخطر ہے، اور یہ حرام جوا ہے۔

۴) اگر پروڈکٹ کی بیع میں سابقہ شرط نہ ہو، اور اس کا ثمن بھی بازاری قیمت کے مساوی ہو، اور مشتری کا خریدنے کا مقصد نیٹ ورک مارکیٹنگ میں شمولیت ہو، تو یہ شمولیت بیع سے الگ ایک مستقل عقد ہے، جو فقہی نقطۂ نظر سے **سمسرۃ** کہلاتا ہے، اور مشتری کو اس میں جو رقوم حاصل ہوتی ہیں وہ اسی **سمسرۃ** کی اجرت ہیں؛ لہٰذا شرعاً اس کے جواز کے لیے عقد میں تمام شرائط کا پایا جانا ضروری ہے؛ لیکن عام طور پر اس نظام میں مشتری صرف ایک مشتری لانے سے اجرت کا مستحق نہیں ہوتا؛ بلکہ ایک مخصوص تعداد لانے کی صورت میں مستحق ہوتا ہے، پس اگر وہ اتنی تعداد جمع کر لے تو پھر اس کو رقوم دیے جاتے ہیں، یہاں دو پہلو قابل غور ہیں:

۱) کیا دلال پر یہ شرط لگائی جا سکتی ہے کہ ایک سے زائد مشتری لانے کی صورت

میں ہی اجرت ملے گی؟ یہاں دو احتمال ہیں:

پہلا احتمال یہ ہے کہ یہ جعالۃ کی بنا پر درست ہو، رہی یہ بات کہ صرف ایک مشتری لانے کی صورت میں اس کی محنت ضائع ہو جا رہی ہے تو یہ محنت تو تب بھی ضائع ہو جاتی جب وہ ایک بھی نہ ملتا، پس جب اس صورت میں غرر کا تحمل کرلیا جاتا ہے تو مشتری کی ایک مخصوص تعداد کی شرط کی صورت میں بھی یہ غرر برداشت کرلینا چاہیے۔

دوسرا احتمال عدمِ جواز کا ہے؛ کیوں کہ ایک مشتری کو لانے کی صورت میں غرر اقل ہے جس کا تعامل ہے، اور اکثر کی شرط میں غرر فاحش ہے جس کا تعامل نہیں ہے؛ لہٰذا یہ ناجائز ہوگا، یہی وجہ ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سارے سامانوں کی فروخت کی صورت میں جو جعل مشروط ہوتا ہے اس کی ممانعت فرمائی ہے، مدونہ کبریٰ میں ہے:

> میں نے پوچھا: بہت سارے سامان میں جعل امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق درست نہیں ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں! جعل درست نہیں ہے؛ البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اجارہ درست ہے، میں نے پوچھا: کم سامان میں اجارہ اور جعل دونوں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہیں؟ انہوں نے کہا: ہاں! میں نے پوچھا: کثیر سامان کے اندر جعل کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کیوں ناپسند کیا؟ انہوں نے کہا: اس لیے کہ کثیر سامان کی وجہ سے بائع خرید وفروخت یا کوئی دوسرا کام نہیں کرسکتا؛ لہٰذا جب سامان کی اتنی کثرت ہو جائے تو اجارہ معلومہ ہی درست رہ جاتا ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے کہا: ایک یا دو کپڑے اور دوسری چیزیں جو مالک کو دوسرے کام میں مصروف ہونے سے مانع نہ ہوں ان میں جعل درست ہے، اور وہ جب چھوڑنا چاہے چھوڑ دے، اور اجارہ میں جب چاہے

چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔(۱)

اس طرح کے نظام میں غرر کثیر ہے، خاص طور پر اس لیے کہ اس میں غرر فاحش پر مبنی شرائط ہوتی ہیں۔

تجربہ یہ ہے کہ اکثر حالات میں پروڈکٹ ایک سستی چیز ہوتی ہے جس کو مہنگا فروخت کیا جاتا ہے، اور کبھی اس کی تشہیر بھی نہیں ہوتی، لوگ صرف نیٹ ورک مارکیٹنگ کے ذریعہ پیسوں کے حصول کے خواہش مند رہتے ہیں، اس نظام سے قبل بعض افراد کچھ بیچتے نہیں تھے؛ بلکہ صرف کارڈز دے کر اموال حاصل کرتے تھے، ان کارڈز کی پشت پر نہ مال ہوتا تھا نہ منفعت، صرف اتنا فائدہ تھا کہ کارڈ لینے والا نیٹ ورک مارکیٹنگ کا حصہ بن جاتا تھا، پھر کارڈز کی فروختگی کے لیے دوسروں کو تلاش کرتا تھا، اور خریداروں کی ایک متعین تعداد ہوجانے کے بعد پیسے کمپنی سے وصول کرتا تھا، یہ خالص جوا ہے، اس کو طریقہ اہرامیہ (Pyramidscheme) کہا جاتا ہے، اکثر ملکوں کے قوانین میں اس کو ممنوع قرار دیا گیا؛ کیوں کہ یہ جوے کے ذریعہ لوگوں کے اموال کا غصب ہے، جب یہ طریقہ ممنوع قرار پایا تو کارڈز کی جگہ پروڈکٹس نے لے لی؛ لیکن ثمن میں اضافہ ہوگیا، اس کا نام نیٹ ورک مارکیٹنگ رکھا گیا، مقصود وہی ہے جو طریقہ اہرامیہ میں تھا، اکثر ممالک میں اب تک اس پر قدغن نہیں لگائی گئی؛ لیکن شرعاً یہ طریقہ ممنوع ہے۔(۲)

---

(۱) مدونہ ۳/ ۴۲۳

(۲) تفصیل کے لیے مراجعت کریں:

Wikipedia Multi-Level marketing and Pyramidscheme

دوسرا باب

بیع صحیح کے اندر خیارات

۳۵۹۔ ایسی بیع جس میں عاقدین میں سے کسی کے لیے خیار ہو

بیع صحیح کی دوسری قسم وہ ہے جس میں عاقدین میں سے کسی ایک کے لیے خیار ثابت ہو، ان خیارات کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ خیارات جو شرعاً ثابت ہوتے ہیں جن کے لیے عقد کے اندر شرط لگانے کی ضرورت نہیں پڑتی، اور دوسرے وہ خیارات جو عقد میں شرط لگانے کی وجہ سے ثابت ہوتے ہیں، پہلی قسم میں درج ذیل خیارات داخل ہیں:

۱) خیارِ رؤیت۔

۲) خیارِ عیب۔

۳) خیارِ خلف۔

۴) خیارِ مغبون۔

۵) خیارِ تغریر یا تدلیس۔

اور دوسری قسم میں درج ذیل خیارات آتے ہیں:

۱) خیارِ شرط۔

۲) خیارِ نقد۔

۳) خیارِ تعیین۔

بعض فقہاء نے خیارات کی اقسام بیان کرنے میں توسع سے کام لیا ہے، حتی کہ تقریباً تینتیس قسمیں انہوں نے ذکر کی ہیں؛ لیکن اکثر قسمیں مندرجہ بالا اقسام کے تحت شامل ہو جاتی ہیں، اب ہم بالترتیب ان کے احکامات کا ذکر کریں گے، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ

ہوالموفق للسداد والصواب۔

۳۶۰۔خیارِ رؤیت

عقد اگر کسی غائب چیز پر واقع ہو تو خیارِ رؤیت کا ثبوت ہوتا ہے، اس حق کی وجہ سے مالک کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ معقود علیہ کو دیکھنے کے وقت چاہے تو عقد کو باقی رکھے یا فسخ کردے، اس خیار کا ثبوت غائب چیز کی بیع کے جواز پر موقوف ہے؛ لہٰذا جو حضرات غائب چیز کی بیع کو جائز قرار نہیں دیتے ان کے یہاں ظاہر ہے کہ خیارِ رؤیت کی ضرورت ہی نہیں ہے، غائب چیز کی بیع کے سلسلہ میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں:

فقہاء کی آراء

پہلا مذہب: غائب کی بیع مطلقاً باطل ہے، خواہ صفت بیان کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو، اور غائب سے مراد ایسی چیز ہے جس کو عاقدین نے دیکھا نہ ہو؛ اگرچہ وہ موجود ہو؛ کیوں کہ اس میں غرر ہے، یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا جدید قول ہے، شوافع کے نزدیک بیع کے درست ہونے کے لیے رؤیت شرط ہے، اسی بنا پر وہ کہتے ہیں کہ جو چیزیں عقد کے وقت تک عموماً متغیر نہ ہوتی ہوں انہیں عقد سے قبل دیکھ لینا کافی ہے، جیسے: زمین اور لوہا، اور جو متغیر ہو جاتی ہوں ان میں کافی نہیں، جیسے: غلہ جات، اسی طرح اگر بعض مبیع سے کل کا پتہ چل جاتا ہو تو بعض کی رؤیت کافی ہے، جیسے گیہوں وغیرہ کے ڈھیر کا ظاہری حصہ۔(۱)

دوسرا مذہب: غائب شئ کی بیع اس صورت میں درست ہے جب کہ مبیع کی صفات بیان کردی جائیں، پھر اگر مشتری شئ کو ان صفات کے موافق پائے تو اس کو لے لینا ضروری ہے، اور رؤیت کے وقت مشتری کو اختیار نہ ہوگا، اور اگر اوصاف کے خلاف ہو تو خیار ہوگا، یہ امام احمد واسحاق رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے، اور امام مالک وشافعی رحمۃ اللہ علیہما کی ایک روایت ہے، نیز حضرت ابن سیرین، ایوب، حارث عکلی، حکم، حماد، ابوثور رحمۃ اللہ علیہم اور اہل ظاہر سے یہی قول منقول ہے۔

(۱) مغنی المحتاج ۲/۳۵۸

تیسرا مذہب: یہ مطلقاً درست ہے، اور مشتری کو دیکھنے کے وقت خیار حاصل ہوگا، یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے اصحاب کا مذہب ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام نخعی، شعبی، حسن بصری، مکحول، اوزاعی اور سفیان رحمۃ اللہ علیہم سے یہی قول منقول ہے، اور شافعیہ و مالکیہ کی ایک روایت بھی ہے۔(۱)

لیکن حنفیہ کے نزدیک غائب چیز کی بیع درست ہونے کے لیے اس کی ذات معلوم ہونا ضروری ہے، یا تو تسمیہ کے ذریعہ، یا اشارہ کے ذریعہ، یا خاص مکان کے بیان کے ذریعہ، یا حدود کے بیان کے ذریعہ، بایں طور کہ شئ کے مفہوم میں جہالت فاحشہ باقی نہ رہے۔(۲) لیکن اوصاف کا علم ہونا ضروری نہیں ہے؛ کیوں کہ وصف کی جہالت خیار رؤیت ثابت کرنے سے زائل ہو جاتی ہے۔

مجوزین کی دلیل

غائب چیز کی بیع کے جواز کے سلسلہ میں استدلال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہے جس کی تخریج امام دارقطنی و امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہما نے کی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنِ اشْتَرٰی شَيْئًا لَمْ يَرَهُ فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِذَا رَآهُ. (۳)

جس نے کوئی چیز بنا دیکھے خریدی تو دیکھنے کے وقت اس کو خیار حاصل ہوگا۔

مخالفین نے حدیث کو اس بنا پر معلول قرار دیا ہے کہ حدیث کا مدار عمر بن ابراہیم کردی پر ہے، جن پر وضع روایت کی تہمت ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عَنِ الْهَيْثَمِ بْنِ حَبِيبٍ الصَّيْرَفِيِّ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

---

(۱) عمدۃ القاری ۱۱/ ۲۶۷

(۲) رد علی الدر ۴/ ۵۳۰

(۳) سنن دارقطنی، حدیث نمبر: ۲۸۰۵ والسنن الکبری للبیہقی، حدیث نمبر: ۱۰۴۲۶

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ کی سند سے اس روایت کو نقل کیا ہے، جیسا کہ جامع مسانید الامام (۱) میں ہے، اور عمر بن ابراہیم کردی کا زمانہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کا ہے، جیسا کہ سنن دارقطنی اور جامع المسانید سے ظاہر ہے، اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ نے الحجۃ علی اہل المدینۃ میں بَاب الرجل يَبِيع الْمَتَاع من بارنامجه کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

الحَدِيث الْمَعْرُوف الَّذِي لَا يشك فِيهِ عَن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَعَلِيهِ امور الْمُسلمين الى يومهم هَذَا فِي الافاق ان رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قَالَ من اشْترى شَيْئا وَلم يره فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِذا رَآهُ. (۲)

یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معروف حدیث ہے جس میں شک نہیں کیا جاسکتا ہے، اور آفاق میں اسی حدیث پر مسلمانوں کے امور کا مدار ہے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: جس نے کوئی چیز بنا دیکھے خریدی تو دیکھنے کے وقت اس کو خیار حاصل ہوگا۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث کا صحیح ہونا اہل عراق کے نزدیک یقینی اور معروف تھا، اور عمر بن ابراہیم کی روایت کرنے سے قبل یہ حکم متفق علیہ تھا؛ لہٰذا اس راوی کا ضعف مضر نہیں ہوگا، اور جب حدیث مشہور ہوجائے اور تلقی بالقبول حاصل کرلے تو اسناد کی اہمیت باقی نہیں رہتی، شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث مشاہیر سے منقول ہے، پھر لکھتے ہیں:

وَهَذَا الْحَدِيثُ رَوَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ - رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا - وَعَطَاءٌ وَالْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ وَسَلَمَةُ بْنُ

---

(۱) ۲/۵۲

(۲) ۲/۶۷۲

الْمُجِيرِ - رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالَى - مُرْسَلًا عَنِ النَّبِيِّ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (۱)

یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء، حسن بصری اور سلمہ بن مجیر رحمۃ اللہ علیہم سے مرسلاً منقول ہے۔

اس حدیث کی تائید بیہقی کی اس روایت سے ہوتی ہے جو مکحول رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلاً منقول ہے:

مَنِ اشْتَرَى شَيْئًا لَمْ يَرَهُ فَهُوَ بِالْخِيَارِ إِذَا رَآهُ إِنْ شَاءَ أَخَذَهُ، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُ. (۲)

جس نے کوئی چیز بنا دیکھے خریدی تو دیکھنے کے وقت اس کو خیار حاصل ہوگا، چاہے تو لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔

اس کی سند میں حضرت ابوبکر بن ابی مریم رحمۃ اللہ علیہ ہیں؛ لیکن ضعف کے باوجود یہ مؤید بن سکتی ہے، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی پر اپنے مذہب کا مدار رکھا ہے، جیسا کہ سنن بیہقی میں مذکور ہے، اور محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی، جیسا کہ دارقطنی میں ہے۔

غائب چیز کی بیع کے سلسلہ میں فقہاء کے اختلاف کی وجہ سے رؤیت کے احکام میں بھی اختلاف ہے، چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے ہم مسلک فقہاء کے نزدیک خیارِ رؤیت کچھ نہیں ہے؛ کیوں کہ غائب کی بیع ان کے یہاں سرے سے ہی باطل ہے، اور دوسرے قول کے حاملین یعنی مالکیہ وحنابلہ خیار رؤیت کو اس صورت کے ساتھ مقید کرتے ہیں جب کہ رؤیت کے وقت مبیع پہلے ذکر کردہ اوصاف کے خلاف ہو؛ لیکن اگر اوصاف کے موافق ہو تو خیار حاصل نہ ہوگا۔

۳۶۱۔ خیارِ رؤیت کا ثبوت شرط لگانے سے ہوگا؟

جس مبیع کے اوصاف ذکر کردیے گئے ہوں اس کی بیع میں خیارِ رؤیت حنابلہ کے

---

(۱) المبسوط ۱۳/ ۶۹، مصنف فرماتے ہیں کہ مطبوعہ نسخہ میں مجیر ہی ہے؛ لیکن شاید یہ محبق ہے۔

(۲) السنن الکبری، حدیث نمبر: ۱۰۴۲۵

نزدیک براہِ راست حکمِ شرع کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے، عقد میں اس کی شرط لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔(۱) اور مالکیہ کے مذہب سے ظاہر ہوتا ہے کہ خیارِ رؤیت کا ثبوت براہِ راست ہی ہوتا ہے؛ لیکن عقد میں شرط لگانا ضروری ہے، شئ غائب کی بیع کے سلسلہ میں علامہ دسوقی رحمۃ اللہ علیہ نے جو تلخیص کی ہے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

اعْلَمْ أَنَّ بَيْعَ الْغَائِبِ فِيهِ سِتُّ صُوَرٍ؛ لِأَنَّهُ إِمَّا أَنْ يُبَاعَ عَلَى الصِّفَةِ أَوْ بِدُونِهَا وَفِي كُلٍّ مِنْهُمَا إِمَّا أَنْ يُبَاعَ عَلَى الْبَتِّ أَوْ عَلَى الْخِيَارِ أَوْ عَلَى السُّكُوتِ وَكُلُّهَا جَائِزَةٌ إِلَّا مَا بِيعَ بِدُونِ صِفَةٍ عَلَى اللُّزُومِ أَوْ السُّكُوتِ. (۲)

بیع غائب کی چھ صورتیں ہیں؛ اس لیے کہ اس کی بیع یا تو صفت پر ہوگی یا بنا صفت کے، اور ہر دو صورت میں یا تو بیع باتّ ہوگی یا خیار کے ساتھ یا سکوت کے ساتھ، اور یہ تمام بیوع درست ہیں، صرف وہ بیع جس میں مبیع کی صفت بیان نہ کی گئی ہو اور لزوم یا سکوت اختیار کیا گیا ہو نا جائز ہے۔

عبارت کا حاصل یہ ہے کہ موصوف کی بیع بہر صورت جائز ہے، اور غیر موصوف کی اس وقت جب کہ خیار کی شرط لگائی گئی ہو۔

حنفیہ کے نزدیک خیارِ رؤیت کا ثبوت حکمِ شرع سے ہوتا ہے؛ لہٰذا عقد میں شرط لگانے کی ضرورت نہیں، اور رؤیت کے وقت مشتری کو خیار ہوگا، خواہ مبیع صفات کے موافق ہو یا مخالف، حتی کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر مشتری کہے کہ مبیع جیسی بھی ہو میں اس کو لینے کے لیے راضی ہوں پھر بھی خیارِ رؤیت ساقط نہ ہوگا؛ بلکہ دیکھنے کے بعد خیار ثابت ہوگا۔(۳)

---

(۱) المغنی ۴۹۵/۳

(۲) الدسوقی علی الشرح الکبیر ۲۵/۳

(۳) فتح القدیر ۳۳۷/۶

۳۶۲۔رؤیت سے قبل خیارِ فسخ

اکثر کتبِ احناف میں مذکور ہے کہ شراء میں اگر خیار ہو تو یہ شراء غیر لازم ہے، مطلب یہ کہ مشتری رؤیت سے قبل فسخ کرنے کا مجاز ہے؛ کیوں کہ عدمِ رؤیت صفقہ کے تام ہونے سے مانع ہے، نیز وصف کی جہالت رضامندی میں مخل ہوتی ہے، اور بیع میں رضامندی پر خلل اندازی موجبِ خیار ہے۔ (۱) صاحبِ ہدایہ نے اس سلسلہ میں احناف کے مابین اختلاف کا ذکر نہیں کیا ہے؛ لیکن علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے اور عدمِ لزوم کے قول کو ترجیح دی ہے؛ لیکن علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

وَقَدْ سَلَكَ الْمُصَنِّفُ -رَحِمَهُ اللّٰهُ- مَسْلَكَ الطَّحَاوِيِّ فِي عَدَمِ نَقْلِ خِلَافٍ فِي جَوَازِ الرَّدِّ قَبْلَ الرُّؤْيَةِ، وَنَقَلَ فِي التُّحْفَةِ فِيهِ اخْتِلَافَ الْمَشَايِخِ مِنْهُمْ مَنْ مَنَعَ وَأَنَّهُ لَا رِوَايَةَ فِيهِ. (۲)

رؤیت سے قبل فسخ بیع کے جواز کے سلسلہ میں صاحب ہدایہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلے ہیں، اور تحفہ میں مشائخ کا اختلاف نقل کیا گیا ہے، بعض نے اس کی ممانعت کی ہے، اور اس باب میں کوئی روایت نہیں ہے۔

پھر علامہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجوزین کے دلائل کی تردید کی ہے اور کہا ہے:

بَلْ نَقُولُ قَبْلَ الرُّؤْيَةِ الْبَيْعُ بَاتٌّ فَلَيْسَ لَهُ فَسْخُهُ، فَإِنَّ الشَّارِعَ عَلَّقَ إِثْبَاتَ قُدْرَةِ الْفَسْخِ وَالْإِجَازَةِ الَّتِي هِيَ الْخِيَارُ بِالرُّؤْيَةِ فَقَبْلَهُ يَثْبُتُ حُكْمُ السَّبَبِ وَهُوَ اللُّزُومُ إِلَى غَايَةِ الرُّؤْيَةِ ثُمَّ يَرْفَعُهُ عِنْدَهَا

(۱)　بدائع الصنائع ۵/ ۲۹۲

(۲)　فتح القدیر ۶/ ۳۳۸

فَتَثْبُتُ قُدْرَةُ الْفَسْخِ وَالْإِجَازَةِ مَعًا.(۱)

بلکہ ہم رؤیت سے قبل بیع کے باتّ ہونے کے قائل ہیں ؛ لہٰذا مشتری کو فسخ کا اختیار نہ ہوگا؛ کیوں کہ شارع نے فسخ واجازت کی قدرت کے ثبوت یعنی خیارِ رؤیت کو معلق کیا ہے؛ لہٰذا اس سے پہلے سبب کا حکم ثابت ہوگا، اور وہ رؤیت تک لزوم کا ہونا ہے، پھر رؤیت کے وقت لزوم مرتفع ہوجائے گا ، اور فسخ واجازت کی قدرت معاً ثابت ہوگی۔

یہ مناسب بات ہے؛ کیوں کہ مشتری کو جب رؤیت کے وقت بھی خیار حاصل ہے تو وہ رؤیت کے بعد بیع کو فسخ کرسکتا ہے، حتی کہ فسخ کا سبب بیان کرنا اس پر لازم نہیں ہے؛ لہٰذا اس سے پہلے خیار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

۳۶۳۔ بائع کے لیے خیارِ رؤیت

اگر بائع نے عقد سے قبل مبیع نہ دیکھی ہو، مثلاً کوئی عین اسے وراثت میں ملا جو کہ دوسرے شہر میں موجود تھا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اول یہ تھا کہ مشتری کو جس طرح خیارِ رؤیت حاصل ہوتا ہے اسی طرح بائع کو بھی ہوگا، اور علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ یہی امام شافعی واحمد رحمۃ اللہ علیہما کی بھی ایک روایت ہے، اور دوسرا قول بیع کے درست نہ ہونے کا ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بعد میں اسی قول کو اختیار فرمایا اور پہلے قول سے رجوع فرمالیا، دلیل وہ حدیث ہے جس کی امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے تخریج کی ہے:

أَنَّ عُثْمَانَ ابْتَاعَ مِنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ أَرْضًا بِالْمَدِينَةِ نَاقَلَهُ بِأَرْضٍ لَهُ بِالْكُوفَةِ فَلَمَّا تَبَايَنَا نَدِمَ عُثْمَانُ ثُمَّ قَالَ: بَايَعْتُكَ مَا لَمْ أَرَهُ. فَقَالَ طَلْحَةُ: إِنَّمَا

---

(۱) حوالہ سابق

النَّظَرُ لِي إِنَّمَا ابْتَعْتُ مَغِيبًا، وَأَمَّا أَنْتَ فَقَدْ رَأَيْتَ مَا ابْتَعْتَ فَجَعَلَا بَيْنَهُمَا حَكَمًا فَحَكَّمَا جُبَيْرَ بْنَ مُطْعِمٍ فَقَضَى عَلَى عُثْمَانَ أَنَّ الْبَيْعَ جَائِزٌ وَأَنَّ النَّظَرَ لِطَلْحَةَ أَنَّهُ ابْتَاعَ مَغِيبًا. (۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے مدینہ کی ایک زمین خریدی، اور اس کے بدلہ میں کوفہ کی ایک زمین دی، بیع تام ہونے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پچھتاوا ہوا تو انہوں نے کہا: میں نے وہ زمین بنا دیکھے بیچ دی تھی، تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا: خیارِ رؤیت تو مجھے ملے گا؛ کیوں کہ میں نے بنا دیکھے زمین خریدی ہے، اور آپ نے تو خریدی ہوئی زمین دیکھ لی ہے، چنانچہ انہوں نے اس قضیہ کو حل کرنے کے لیے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کو حَکَم بنایا، انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف فیصلہ کیا کہ بیع نافذ ہے، اور خیار حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوگا؛ کیوں کہ انہوں نے زمین بنا دیکھے خریدی ہے۔

۳۶۴۔ رؤیت کے حدود

جس رؤیت کی وجہ سے خیارِ رؤیت ساقط ہو جاتا ہے اس سے ایسی رؤیت مراد ہے جو مقصود کے علم پر دلالت کرے؛ کیوں کہ مبیع کے تمام اجزاء کا دیکھنا متعذر ہونے کی وجہ سے مشروط نہیں ہے؛ لہٰذا مقصود ہی پر اکتفا کیا جائے گا، اور باقی اس کے تابع ہوگا، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے کہا ہے: جو شخص ڈھیر کے ظاہری حصہ کو یا لپٹے ہوئے کپڑے کے ظاہری حصہ کو دیکھ لے تو اس کو خیار نہ ہوگا؛ اِلّا یہ کہ کپڑے کے اندر لپٹے ہوئے حصہ میں کوئی ایسی چیز ہو جو مقصود ہو، مثلاً: نقش ونگار، فقہاء نے مذکورہ ضابطہ پر متعدد تفریعات

(۱) السنن الکبریٰ، حدیث نمبر: ۱۰۴۲۴

ذکر کی ہیں، اور اسی بنیاد پر مختلف مبیعات کے احکام ذکر کیے ہیں؛ لیکن شئ کا مقصود یا تابع ہونا مبیع اور زمانہ کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے، اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے: گھر کا صحن دیکھ لینے سے خیار ساقط ہو جائے گا؛ اگر چہ کمروں کا معائنہ نہ کیا ہو، یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ گھر کے باہری حصہ کو دیکھ لے، یا باہر سے باغ کے درختوں کو دیکھ لے، اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کمروں کے معائنہ کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں، صاحب ہدایہ نے یہ اختلاف نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

وَالْأَصَحُّ أَنَّ جَوَابَ الْكِتَابِ عَلَى وِفَاقِ عَادَتِهِمْ فِي الْأَبْنِيَةِ، فَإِنَّ دُورَهُمْ لَمْ تَكُنْ مُتَفَاوِتَةً يَوْمَئِذٍ، فَأَمَّا الْيَوْمُ فَلَا بُدَّ مِنَ الدُّخُولِ فِي دَاخِلِ الدَّارِ لِلتَّفَاوُتِ، وَالنَّظَرُ إِلَى الظَّاهِرِ لَا يُوقِعُ الْعِلْمَ بِالدَّاخِلِ. (۱)

اصح بات یہ ہے کہ عمارتوں میں عرف کی بنا پر جواب دیا جائے گا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں گھروں میں تفاوت نہیں ہوتا تھا، اور آج تفاوت ہے؛ لہٰذا اندر داخل ہونا بھی ضروری ہے، باہر دیکھ لینے سے اندر کے بارے میں علم نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا ہر قسم کی مبیع میں حسبِ عرف و عادت مقصود کو دیکھنا ضروری ہے، یہ ذہن میں رہے کہ خیارِ رؤیت کے ساقط ہونے سے دوسرے خیار کی نفی نہیں ہو جاتی، جیسے: خیارِ عیب یا خیارِ خلف۔

چوں کہ رؤیت کا مقصد اس چیز کی جان کاری ہے جو بیع سے مقصود ہے؛ لہٰذا خاص آنکھ سے دیکھنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ کبھی چھونے کی بھی ضرورت پڑتی ہے جیسا کہ جانور میں، یا سونگھنے کی جیسا کہ خوشبو میں، یا چکھنے کی جیسا کہ مطعومات میں، غرض کافی علم کے حصول کے لیے ان اعمال کی ضرورت پڑتی ہے، اور یہی اعمال رؤیت کے قائم

---

(۱) ہدایہ ۳/۳۵

مقام ہو جاتے ہیں، مثلاً رات کے وقت یا مشتری کے اندھا ہونے کی حالت میں خوشبو کی خریداری میں اس کو سونگھ لینا' خیارِ رؤیت کے سقوط کے لیے کافی ہے، علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ نے اندھے کی خریداری کے متعلق لکھا ہے:

(يَسْقُطُ خِيَارُهُ بِجَسِّهِ الْمَبِيعَ إِذَا كَانَ يُعْرَفُ بِالْجَسِّ، وَيَشُمُّهُ إِذَا كَانَ يُعْرَفُ بِالشَّمِّ، وَيَذُوقُهُ إِذَا كَانَ يُعْرَفُ بِالذَّوْقِ) كَمَا فِي الْبَصِيرِ. (۱)

اگر مبیع کا علم چھونے سے ہو جاتا ہو تو چھونے سے اور سونگھنے سے علم ہوتا ہو تو سونگھنے سے اور چکھنے سے علم ہوتا ہو تو چکھنے سے اندھے کا خیار ساقط ہو جائے گا، جیسا کہ بینا کا حکم ہے۔

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت لکھتے ہیں:

وَقَوْلُهُ (كَمَا فِي الْبَصِيرِ) ظَاهِرٌ فِي أَنَّ الْبَصِيرَ إِذَا لَمْ يَرَ الْمَبِيعَ وَلَكِنْ شَمَّهُ فَقَطْ وَهُوَ مِمَّا يُعْرَفُ بِالشَّمِّ كَالْمِسْكِ وَنَحْوِهِ فَرَضِيَ بِهِ ثُمَّ رَأَى فَلَا خِيَارَ لَهُ. (۲)

مطلب یہ کہ بینا نے مبیع دیکھی نہ ہو؛ بلکہ صرف سونگھ لیا ہو (جیسا کہ تاریک رات میں) اور وہ چیز ایسی ہو جس کا علم سونگھنے سے ہوتا ہے، جیسے مشک وغیرہ، اور وہ رضا مند ہو جائے، پھر دیکھے تو خیار حاصل نہ ہوگا۔

۳۶۵۔ بین الاقوامی تجارتوں میں خیارِ رؤیت

حنفیہ کا مذہب آ چکا ہے کہ مشتری کے لیے خیارِ رؤیت کا مدار محض مبیع کی رؤیت پر ہے، مطلب یہ کہ رؤیت کے بعد مشتری کو فسخ کرنے کا اختیار ہے، اور فسخ کا سبب بیان

---

(۱) ہدایہ ۳/۳۵

(۲) فتح القدیر ۶/۳۴۸

کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اسی طرح کسی مطلوبہ وصف کا مفقود ہونا یا مبیع میں کسی عیب کا پایا جانا بھی ضروری نہیں ہے، مقامی معاملات میں اس طرح کا خیار ثابت کرنے میں عملی طور پر کوئی مشکل نہیں ہے؛ لیکن بین الاقوامی تجارتوں میں محض رؤیت کی وجہ سے فسخ کا اختیار دینے میں بڑی مشکل درپیش ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سامانوں کی ترسیل عموماً پانی کے جہاز کے ذریعے ہوتی ہے، اگر کشتی کے ذریعے سامان پہونچ جائے اور وہ متفق علیہ صفات کے موافق بھی ہوں، پھر مشتری محض خیار رؤیت کی وجہ سے واپس کردے تو اس میں بائع کے لیے بڑا ضرر ہے، اگر ہم حنفیہ کا مذہب لیں تو مشتری کو واپس کردینے کا حق ہوگا۔

اگر غائب چیز کی بیع ہو اور بائع وہ چیز لے کر آئے، پھر مشتری اس کو واپس کردے تو حمل ونقل کے خرچوں کا کون ذمہ دار ہوگا، اس سلسلے میں فقہائے احناف کے اقوال مختلف ہیں، اور طے شدہ آخری بات یہ ہے کہ اگر مشتری کے مطالبہ کے بغیر خود بائع سامان لے آیا ہو تو وہی خرچوں کا ذمہ دار ہوگا، اور مشتری کو خیارِ رؤیت بھی حاصل ہوگا؛ البتہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ بائع پر محل عقد تک سامان لے جانا لازم ہے۔(۱) اور اگر مشتری کے مطالبہ کی بنا پر بائع سامان لایا ہو تو ظاہر ہے کہ لانے اور لے جانے دونوں خرچوں کا ذمہ دار مشتری ہی ہوگا۔

اور یہ ظاہر ہے کہ بین الاقوامی تجارات میں سامانوں کی ترسیل مشتری کے مطالبہ کی بنا پر ہوتی ہے، اگر مشتری خیارِ رؤیت کی بنا پر واپس کردے تو اس کے ملک تک سامان لے جانے پھر بائع تک واپس سامان پہونچانے کے خرچے مشتری ہی اٹھائے گا، اور ان خرچوں میں مشتری کا کوئی نفع نہیں ہے؛ لہٰذا صفات کے موافق ہونے کی صورت میں واپس کرنا اس کے لیے فائدہ مند نہیں ہے؛ لیکن اگر ہم مان لیں کہ کسی وجہ سے مشتری ان خرچوں کو برداشت کرلیتا ہے تو حنفی مسلک کے لحاظ سے اس کو یہ اختیار ہے؛

(۱) ردعلی الدر ۴/ ۵۹۴؛ لیکن اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی جب کہ مشتری کے مطالبہ کے بغیر بائع لے آیا ہو۔

لیکن بائع کے لیے ضررِ عظیم کا موجب ہے، بالخصوص دور دراز ملکوں کے مابین تجارت کے اندر کہ ایک ملک سے دوسرے ملک تک سامان کی منتقلی میں بہت وقت لگتا ہے، اس دوران قیمتیں بھی تبدیل ہو جاتی ہیں، اور بائع مسلسل اس مدت میں بیع کے سلسلہ میں فکر مند رہتا ہے۔

ان وجوہ کی وجہ سے بین الاقوامی تجارات کے سلسلے میں ان حضرات کا مذہب قابلِ عمل ہے جو اسی صورت میں خیار دیتے ہیں جب کہ سامان صفات کے خلاف ہو، اگر صفات کے موافق ہو تو خیارِ رؤیت حاصل نہیں ہوتا، یہ امام احمد و اسحاق رحمۃ اللہ علیہما کا قول اور امام شافعی و مالک رحمۃ اللہ علیہما کی ایک روایت ہے، جیسا کہ ہم مذاہب کے بیان کے تحت یہ ذکر کر چکے ہیں۔

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ استصناع کی بحث (۱) میں آچکا ہے کہ حنفیہ کا اصل مذہب ظاہر روایت کے مطابق یہ ہے کہ مستصنع کو خیار رؤیت حاصل ہوتا ہے، خواہ مصنوع صفات کے موافق ہو یا نہ ہو، جب کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر صفات کے موافق ہو تو خیار رؤیت حاصل نہیں ہوگا، متاخرین فقہائے احناف نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے، اور مجلۃ الاحکام العدلیۃ میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے؛ لہٰذا بین الاقوامی تجارات میں بھی یہی حکم ہونا چاہیے۔

(۱) رقم: ۲:۲۷

خیارِ عیب

۳۶۶۔خیارِ عیب کا ثبوت

خیارِ عیب: کسی ایسے عیب کی وجہ سے مبیع کو لوٹانے کے لیے مشتری کو ملنے والا حق جو مبیع میں خریداری کے وقت موجود تھا اور مشتری کو اس کا علم نہیں ہوا، دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ.(۱)

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ؛ الاّ یہ کہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے وجود میں آئی ہو (تو وہ جائز ہے)۔

آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ عدمِ رضامندی صحتِ بیع سے مانع ہے، چنانچہ اگر سرے سے ہی رضامندی نہ پائی جائے تو بیع ہی باطل ہے، اور اگر عیب کی وجہ سے مشتری کی رضامندی میں خلل آئے تو خیار ثابت ہوگا؛ تاکہ دلیل کے بقدر حکم ثابت ہوجائے۔(۲) اس خیار کے سلسلہ میں حدیث بھی وارد ہوئی ہے، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

أَنَّ رَجُلًا ابْتَاعَ غُلَامًا فَأَقَامَ عِنْدَهُ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يُقِيمَ، ثُمَّ وَجَدَ بِهِ عَيْبًا فَخَاصَمَهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

---

(۱) النساء:۲۹

(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۲۷۴

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّهُ عَلَيْهِ فَقَالَ الرَّجُلُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَدِ اسْتَغَلَّ غُلَامِي، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ. (۱)

ایک شخص نے غلام خریدا، پھر جب تک اللہ نے چاہا وہ اس کے پاس رہا، بعدازاں اسے غلام کے کسی عیب کی خبر ہوئی، تو وہ اس کا معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بیچنے والے کو واپس کر دیا، تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس نے میرے غلام سے کمائی بھی کروائی ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آمدنی کا وہی حقدار ہوتا ہے جو ضامن ہو۔

۳۶۷۔ خیارِ عیب کے اندر شرعی احکام اور انسانی قوانین میں فرق

دو جہات سے مروجہ قوانین اور فقہ اسلامی میں فرق ہے:

۳۶۸۔ پہلی جہت

بعض انسانی قوانین میں مبیع کے اندر مخفی عیوب بیان کرنا بائع کی ذمہ داری تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔ (۲)

بلکہ یہ مشتری کی ذمہ داری مانی گئی ہے کہ وہ مبیع کے عیوب سے محفوظ ہونے کی تحقیق کرلے؛ الّا یہ کہ بائع نے وارنٹی (warranty) کی صراحت کر دی ہو، پھر اگر خریداری کے بعد مشتری کو کوئی عیب نظر آئے تو واپس کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، یہ ضابطہ ان کے یہاں اس مثل سے مشہور ہے: caveat emptor (خریدار! ہوشیار رہو) یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی قانونِ معاہدہ ــــ جس کی بنیاد انگریزی سول قانون پر ہے ــــ کے

---

(۱) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۵۱۰

(2) Chitty on contracts, paragraph 358 and Niel Andrews: contract law p 270. Cambridge university press 2011

دفعہ نمبر ۷ا میں مذکور ہے کہ بائع کا عیب بیان کرنے سے خاموش رہنا دھوکہ نہیں کہلائے گا؛ الَّا یہ کہ اس کے سامنے خاموشی اختیار کی جائے جس کے سامنے عیب بیان کرنا ضروری ہے، انہوں نے اس کی مثال یہ دی ہے کہ ایک شخص نے عیب دار گھوڑا فروخت کیا، اور اس کا عیب بیان نہیں کیا تو یہ دھوکہ شمار نہیں ہوگا، اور بیع تام ہو جائے گی؛ لیکن اگر اپنی بیٹی کے ساتھ یہ معاملہ کرے تو عیب بتانا ضروری ہے، یہ ضابطہ شریعت اسلامی کے سراسر خلاف ہے؛ کیوں کہ تجارتی معاملات میں شریعت اسلامی اپنی اولاد اور غیروں کے درمیان فرق نہیں کرتی، اور حدیث میں مشتری کے سامنے عیب بیان کیے بغیر بیچنے کی ممانعت اور شدید وعید آئی ہے، حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ إِنْ بَاعَ مِنْ أَخِيهِ بَيْعًا فِيهِ عَيْبٌ أَنْ لَا يُبَيِّنَهُ لَهُ. (۱)

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اور کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ عیب دار چیز اپنے بھائی کو بیچتے وقت عیب بیان نہ کرے۔

ظاہر ہے کہ یہاں مسلم کا ذکر قید احترازی کے طور پر نہیں ہے، بلکہ غالب کے بیان کے لیے ہے، اس کی دلیل حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ بَاعَ عَيْبًا لَمْ يُبَيِّنْهُ، لَمْ يَزَلْ فِي مَقْتِ اللهِ، وَلَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تَلْعَنُهُ. (۲)

جو شخص کوئی عیب دار چیز عیب بیان کیے بغیر بیچے تو وہ مسلسل اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا شکار رہتا ہے، اور فرشتے برابر اس پر لعنت

(۱) مستدرک حاکم، حدیث نمبر: ۲۱۵۲

(۲) ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۲۴۷

کرتے رہتے ہیں۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى صُبْرَةِ طَعَامٍ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهَا، فَنَالَتْ أَصَابِعُهُ بَلَلًا فَقَالَ: مَا هٰذَا يَا صَاحِبَ الطَّعَامِ؟ قَالَ أَصَابَتْهُ السَّمَاءُ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ، مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي. (۱)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر غلہ کے ڈھیر کے پاس سے ہوا تو آپ نے اس میں اپنا ہاتھ داخل فرمایا، تو آپ کی انگلیوں میں تری محسوس ہوئی، تو آپ نے پوچھا: اے غلہ کے مالک! یہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! یہ بارش میں بھیگ گیا تھا، تو آپ نے کہا: تم نے اس کو اوپر کیوں نہیں رکھا کہ لوگ اس کو دیکھ لیتے، جو شخص دھوکہ دے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

الْبَيِّعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا، فَإِنْ صَدَقَا وَبَيَّنَا بُورِكَ لَهُمَا فِي بَيْعِهِمَا، وَإِنْ كَتَمَا وَكَذَبَا مُحِقَتْ بَرَكَةُ بَيْعِهِمَا. (۲)

عاقدین کو جدا ہونے سے قبل تک اختیار ہے، اگر وہ سچ بولیں اور عیب بتلا دیں تو ان کی بیع میں برکت ہوگی، اور اگر جھوٹ بولیں اور عیب چھپائیں تو ان کی بیع کی برکت ختم ہو جائے گی۔

---

(۱) مسلم، حدیث نمبر: ۱۰۲

(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۲۰۷۹

۳۶۹۔ دوسری جہت

مروجہ قوانین کے شریعت اسلامی کے مخالف ہونے کی دوسری جہت یہ ہے کہ ان قوانین میں شریعت اسلامی کے طرز پر مشتری کو خیارِ عیب نہیں دیا جاتا؛ کیوں کہ ان کے یہاں caveat emptor (خریدار! ہوشیار رہو) کا ضابطہ ہے، اور مبیع کی سلامتی کی ذمہ داری مشتری کے کاندھوں پر ہوتی ہے، نہ کہ بائع پر، اور مشتری کو صرف اس صورت میں خیار فسخ حاصل ہوتا ہے جب کہ بائع شرائط (conditions) کی، یا عقد میں مصرح ضمان (warranties) کی، یا اقتضاءً ثابت ہونے والے ضمانات (Implied warranties) کی مخالفت کرے، اور انگریزی قانون (the English act 1893) کے دفعہ نمبر ۱۴ میں caveat emptor (خریدار! ہوشیار رہو) کا ضابطہ اختیار کیا گیا ہے، اور انگریزی عدالتوں اور ان کی پیروی کرنے والوں نے اسی ضابطہ کے مطابق فیصلے جاری کیے ہیں، اور اکثر فیصلوں میں اس ضابطہ کی وضاحت کی گئی ہے، ان فیصلوں کے مشہور دفعات میں سے ایک دفعہ کے تحت مذکور ہے:

> which are in esse and may be inspected by the buyer, and there is no fraud on the part of the seller, the maxim caveat emptor applies, even though the defect which exists in them is latent, and not discoverable on examination, at least where the seller is neither the grower nor the manufacturer. The buyer in such a case has the opportunity of exercising his judgment upon the matter, and if the result of the inspection be unsatisfactory, or if he distrusts his

own judgment, he may if he chooses require a warranty. In such a case it is not an implied term of the contract of sale that the goods are of any particular quality or are merchantable.(1)

اگر مبیع دیکھی جاسکتی ہو اور بائع کی جانب سے دھوکہ دہی نہ ہو تو caveat emptor (مشتری! ہوشیار رہو) کا ضابطہ منطبق ہوگا، اور اگر مبیع میں ایسا مخفی عیب ہو جو دیکھنے سے معلوم نہ ہوتا ہو، کم از کم جب کہ بائع کاشت کار یا مزدور نہ ہو، اس طرح کے حالات میں مشتری کو یہ موقع ہوگا کہ دیکھ کر عقد باٹ کرلے، اور اگر دیکھنے سے اطمینان نہ ہو تو عقد بیع میں بعض اوصاف کی شرط لگادے، اس بنا پر مبیع کے کسی صفت سے متصف ہونے یا خرید وفروخت کے قابل ہونے کی وجہ سے عقد بیع میں براہِ راست ضمان نہیں پایا جائے گا۔

اسی بنیاد پر ہندوستان میں رائج بیع المال کا قانون ـــ جس کی بنیاد انگریزی قانون پر ہے ـــ کے دفعہ نمبر ۱۶ میں یہ صراحت ہے کہ عقد بیع میں بطریقِ اقتضاء براہ راست صلاحیت کی صفت اسی وقت ثابت ہوگی جب کہ عقد میں اس کی صراحت کردی گئی ہو، اور اس کے بعد تلف کرنے والوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے صارفین کے تحفظ کا ایکٹ (consumers protection Act) کے نام سے متعدد قوانین بنے، جیسا کہ متحدہ مملکت کے اندر، ۱۹۸۶ میں ہندوستان کے اندر اور ۲۰۰۵ء میں پاکستان کے اندر پنجاب

---

(1) Jones v Just (1868) LR 3 QB 197, p 202 as cited in Pollock and Mulla On the Sale of Goods Act 1930, Section 16, p 156

میں یہ قانون جاری ہوا؛ لیکن ان قوانین کے اکثر احکام کا تعلق ایسے ضرر سے ہے جو صارف یا کسی اور کو مصنوعات یا عیب دار مبیع کے استعمال سے لاحق ہوتا ہے، چنانچہ اس کو یہ حق ہے کہ اس ضرر کے عوض کا مطالبہ کرے یا صانع یا بائع پر مقدمہ دائر کردے، پھر وہاں ایک کمیٹی ہوگی جو مناسب فیصلہ کرے گی، ان قوانین میں مجھے وہ نہیں ملا جس کو فقہ اسلامی میں خیارِ عیب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ان قوانین کا ماحصل یہ ہے کہ بائع عیب بتلانے کا پابند نہیں ہے، اور مخفی عیب پتہ چلنے کی صورت میں مشتری کو تبھی خیار حاصل ہوگا جب کہ عقد میں صراحۃً اس کی شرط لگائی گئی ہو یا بطریقِ اقتضاء یہ معہود ہو، جیسا کہ ہندوستانی قانون کے دفعہ نمبر ۱۶، اور انگریزی قانون کے دفعہ نمبر ۱۴ میں آیا ہے، گویا ان کے یہاں خیار کا مطلب وہ ہے جس کو فقہ اسلامی میں خیارِ فوات الوصف یا خیارِ خلف کہا جاتا ہے، جن کی خیارِ عیب کے بعد تفصیل آرہی ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

جب کہ شریعت اسلامی میں عاقدین کے حقوق اور ان کے لیے عقد میں شفافیت کا اور اس بات کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ کوئی کسی کو دھوکہ نہ دے؛ اگرچہ خاموش رہ کر ہی کیوں نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بائع پر لازم قرار دیا ہے کہ وہ عیوب بیان کرے، اور بیان نہ کرنے کی صورت میں مشتری کو خیار دیا ہے، اسی وجہ سے اس خیار کے ثبوت پر فقہاء امت کا اجماع ہے، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مَتَى عَلِمَ بِالْمَبِيعِ عَيْبًا، لَمْ يَكُنْ عَالِمًا بِهِ، فَلَهُ الْخِيَارُ بَيْنَ الْإِمْسَاكِ وَالْفَسْخِ، سَوَاءٌ كَانَ الْبَائِعُ عَلِمَ الْعَيْبَ وَكَتَمَهُ، أَوْ لَمْ يَعْلَمْ. لَا نَعْلَمُ بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي هَذَا خِلَافًا.(۱)

جس عیب کا بعد میں چل کر علم ہو تو بیع باقی رکھنے اور فسخ کرنے کا

(۱) المغنی ۴/۱۰۹

اختیار ہوگا، خواہ بائع نے جانتے ہوئے چھپایا ہو یا اس کو علم ہی نہ ہو، ہمارے علم میں علماء کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے۔

فقہ اسلامی اور انسانی قوانین کے درمیان مذکورہ فروق ذکر کرنے کے بعد اب ہم خیارِ عیب کے احکام کا تھوڑی تفصیل سے ذکر کریں گے، جن سے معلوم ہوگا کہ کتنی باریک بینی کے ساتھ اس معاملہ میں طرفین کی رعایت کی گئی ہے۔

۳۷۰۔ خیارِ عیب کے احکام

خیارِ عیب کی تطبیق کی بہت سی تفصیلات ہیں جن کا خلاصہ ہم ذیل میں بیان کریں گے، اولاً عیب کے ثبوت کی شرائط کا ذکر ہوگا، **واللہ سبحانہٗ وتعالی ھو الموفق للسداد والصواب.**

۳۷۱۔ خیارِ عیب کے ثبوت کی شرائط

فقہاء نے خیارِ عیب کے ثبوت کے لیے متعدد شرائط کا ذکر کیا ہے، ان کی ابحاث کا بغور مطالعہ کرنے اور جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان شرائط کا مدار تین امور پر ہے:

۱) ایسے عیب کا پایا جانا جس کو خیار ثابت کرنے کے لیے معتبر مانا گیا ہے۔

۲) عقد کے وقت مشتری کا عیب سے ناواقف ہونا۔

۳) عیب کی وجہ سے مشتری کی رضامندی مفقود ہو جانا۔

ان میں سے ہر شرط کا تفصیلاً ذکر آئے گا، وباللہ التوفیق۔

۳۷۲۔ معتبر عیب کا پایا جانا

اس شرط کا مطلب یہ ہے کہ مشتری کے سامنے ایسا عیب ظاہر ہو جس کو فقہاء نے خیار کو ثابت کرنے والا عیب قرار دیا ہے؛ کیوں کہ ہر عیب کی وجہ سے مشتری کو خیار حاصل نہیں ہوتا، چنانچہ خیار کو ثابت کرنے والے عیب کی یہ لغوی تعریف کی گئی ہے:

مَا تَخْلُو عَنْهُ أَصْلُ الْفِطْرَةِ السَّلِيمَةِ مِمَّا يُعَدُّ بِهِ

نَاقِصًا. (۱)

اصل فطرت سلیمہ جس سے خالی ہو اور اس کو نقص شمار کیا جاتا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ گیہوں کا ردی ہونا عیب نہیں ہے؛ کیوں کہ گیہوں کی پیداوار عمدہ، درمیانی اور ردی ہر طرح کی ہوتی ہے، حقیقی عیب وہ ہے جو اصل فطرت سلیمہ کے خلاف ہو، جیسے بدبودار ہونا، تر ہونا اور کیڑے پڑ جانا، اسی وجہ سے بعض احناف نے عیب کی یہ تعریف کی ہے:

(مَا یَنْقُصُ الثَّمَنَ)...(عِنْدَ التُّجَّارِ). (۲)

جو تاجروں کے یہاں ثمن میں کمی کا باعث ہو۔

اور شافعیہ کہتے ہیں:

يثبت الرد بكل ما في المعقود عليه من منقص للقيمة أو العين نقصانا يفوت به غرض صحيح بشرط أن يكون الغالب في أمثال المبيع عدمه. (۳)

معقود علیہ میں پائے جانے والے ہر ایسے امر سے واپس کرنے کا خیار حاصل ہوتا ہے جس سے قیمت میں کمی آتی ہو، یا عین میں ایسا نقصان در آتا ہو جس سے کوئی صحیح غرض فوت ہو جاتی ہو، بشرطیکہ اس طرح کی مبیع میں عام طور پر وہ عیب نہیں پایا جاتا ہو۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے، اور اس کی مثال یہ دی ہے کہ اگر قربانی کے جانور کا اتنا کان کٹا ہوا جس سے قربانی جائز نہیں ہوتی ہے تو یہاں قیمت میں تو کمی نہیں آتی؛ لیکن قربانی کا جو مقصد ہے وہ فوت ہو جاتا ہے۔ (۴)

---

(۱) فتح القدیر ۶/ ۳۵۵

(۲) تنویر مع الدر والرد ۵/ ۴

(۳) فتح العزیز بشرح الوجیز ۸/ ۳۳۰

(۴) رد علی الدر ۵/ ۴و۵

بندہ کی سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ قربانی کے جانور کا کان کٹا ہونا اگر تاجروں کے یہاں قیمت میں کمی کا باعث نہ ہو تو یہ عیب نہیں کہلائے گا، اور قربانی کی خاطر مشتری کے اسے خریدنے کی صورت میں جو واپس کرنے کا اختیار دیا گیا ہے وہ عیب کی بنا پر نہیں؛ بلکہ مشتری کے مطلوبہ وصف کے نہ پائے جانے کی وجہ سے دیا گیا ہے، اور اس کا تعلق دوسرے باب سے ہے، اور اس میں یہ ضروری ہے کہ عقد میں صراحۃً اس کی شرط لگائی گئی ہو یا دلالتِ حال کی وجہ سے وہ مشروط ہو، مثلاً قربانی کے ایام میں بیع کی جائے، جن میں عرف کی وجہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ قربانی کے لیے جانوروں کی خریداری ہو رہی ہے، اس کا بیان ان شاء اللہ خیارِ فواتِ وصف کے بیان (۱) میں آئے گا۔

اگر عین میں کوئی نقص ہو جس سے قیمت میں کمی نہیں آتی ہو تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض اس کو عیب مانتے ہیں، مثلاً: غلام کا خصی ہونا امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک عیب ہے۔ (۲) یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اس کو عیب شمار نہیں کرتے؛ کیوں کہ ایسے غلاموں کو عورتوں کے یہاں آمد و رفت کی اجازت ہوتی ہے، جس کی وجہ سے ان کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ (۳)

فقہاء کے کلام کا ماحصل یہ ہے کہ جس عیب کی وجہ سے خیار ثابت ہوتا ہے اس کا مدار عرف پر ہے، اگر عرف میں اس کو عیب شمار کیا جاتا ہو تو خیارِ عیب ثابت ہوگا، اور اگر عرف کی وجہ سے مبیع کے اوصاف میں سے کوئی وصف مشروط ہو تو اس وصف کے فوت ہونے کی وجہ سے خیارِ فواتِ وصف ثابت ہوگا، اسی میں مشتری کی خریداری کا مقصد بھی شامل ہے، پس اگر صراحۃً یا دلالۃً مشتری کا مقصد معلوم ہو جائے تو اس مقصد کے فوت ہونے پر خیار حاصل ہوگا، اسی ضابطہ پر خصی کے مسئلے کی تخریج کی جا سکتی ہے، چنانچہ اگر

---

(۱) رقم: ۳۹۵

(۲) شرح مختصر خلیل للخرشی ۵/۱۲۶ والمجموع ۱۲/۳۲۱ و کشاف القناع ۳/۲۱۵

(۳) رد علی الدر ۵/۱۱

مشتری کا مقصد خصی ہی خریدنا ہو اور عقد میں صراحۃً یا دلالۃً وہ مشروط ہو، پھر اس غلام کا خصی نہ ہونا ظاہر ہو تو خیار ثابت ہوگا، عیب کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ مقصد فوت ہو جانے کی وجہ سے، یہی حکم اس کے برعکس صورت کا بھی ہے کہ مقصود صحیح سالم غلام ہو، پھر اس کا خصی ہونا معلوم ہو تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی خیار ثابت ہوگا، اختلاف صرف اس صورت میں ہے جب کہ مشتری کا مقصد صراحۃً یا دلالۃً معلوم نہ ہو، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

۳۷۳۔ عیب کے ثبوت میں عرف کا اعتبار

پھر عرف سے مراد ہر شعبہ میں اس کے تجربہ کار لوگوں کا عرف مراد ہے، اور فقہاء کا اس مسئلہ میں تاجروں کے عرف کا ذکر کرنا بطورِ تخصیص نہیں ہے، جیسا کہ فتح القدیر کی اس عبارت سے ظاہر ہے:

وَالْمَرْجِعُ فِي كَوْنِهِ عَيْبًا أَوْ لَا لِأَهْلِ الْخِبْرَةِ بِذَلِكَ وَهُمُ التُّجَّارُ أَوْ أَرْبَابُ الصَّنَائِعِ إِنْ كَانَ الْمَبِيعُ مِنَ الْمَصْنُوعَاتِ. وَبِهَذَا قَالَتِ الْأَئِمَّةُ الثَّلَاثَةُ. (۱)

عیب ہونے کا مدار اولاً تجربہ کار افراد کی رائے پر ہے، جو کہ تاجرین ہیں، یا اربابِ صنائع اگر مبیع مصنوعات کی قبیل سے ہو، ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم اسی کے قائل ہیں۔

اور علامہ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَالْعَيْبُ الَّذِي يُرَدُّ بِهِ الْمَبِيعُ مَا يَعُدُّهُ النَّاسُ عَيْبًا فان خفي منه شئ رَجَعَ فِيهِ إِلَى أَهْلِ الْخِبْرَةِ بِذَلِكَ الْجِنْسِ. (۲)

جس عیب کی وجہ سے مبیع واپس کی جاتی ہے وہ ایسا عیب ہے

---

(۱) فتح القدیر ۶/ ۳۵۷

(۲) المہذب مع المجموع ۱۲/ ۳۰۹

جس کو لوگ عیب شمار کرتے ہوں، اگر ان سے کوئی چیز مخفی رہ جائے تو اس جنس کے ماہرین کی جانب رجوع کیا جائے گا۔

پھر اگر ماہرین میں اختلاف ہو جائے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ عیب نہیں شمار ہوگا، امام قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

رجل اشتری جاریة لا تحسن الترکیة والمشتری لم یعلم بذلك، ثم علم، أو کان المشتری یعلم بذلك؛ لکن لا یعلم أنه یعد عیبا عند التجار، إن اتفق التجار علی أنه یعد عیبا کان له أن یرد، وإن اختلف التجار فیما بینهم، قال بعضهم: هو عیب، وبعضهم قال: لیس بعیب، لم یکن له أن یرد إذا لم یکن عیبا بینا عند الکل. (۱)

ایک شخص نے باندی خریدی، جس کو ترکی زبان صحیح سے نہیں آتی تھی، مشتری کو یہ علم نہیں تھا، پھر علم ہوا، یا مشتری کو علم تو تھا؛ لیکن وہ اس کو عیب نہیں سمجھتا تھا تو واپس کرنے کا اختیار ہوگا، بشرطیکہ تاجروں کے درمیان اس کے عیب ہونے پر اتفاق ہو، اور اگر تاجروں میں اختلاف ہو، بعض عیب کہیں اور بعض نہیں، تو سب کے نزدیک واضح طور پر عیب نہیں ہونے کی وجہ سے مشتری کو واپس کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

شوافع کے نزدیک اس مسئلہ میں تفصیل ہے جس کو علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب تہذیب کے حوالہ سے ذکر کیا ہے:

قَالَ صَاحِبُ التَّهْذِيبِ إِنْ قَالَ وَاحِدٌ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ

---

(۱) خانیہ علی ہامش الہندیۃ ۲/۲۰۱

بِهِ إِنَّهُ عَيْبٌ ثَبَتَ الرَّدُّ بِهِ وَكَذٰلِكَ يَقْتَضِيهِ كَلَامُ صَاحِبِ الْعُدَّةِ وَاعْتَبَرَ صَاحِبُ التَّتِمَّةِ شَهَادَةَ اثْنَيْنِ وَلَوِ اخْتَلَفَا فِي بَعْضِ الصِّفَاتِ هَلْ هُوَ عَيْبٌ وَلَيْسَ هُنَاكَ مَنْ يُرْجَعُ إِلَيْهِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ مَعَ يَمِينِهِ. (۱)

اگر جاننے والے افراد میں سے کوئی ایک اس کو عیب قرار دے دے تو واپس کرنے کا اختیار ہوگا، صاحبِ عدۃ کے کلام کا یہی مقتضی ہے، اور صاحبِ تتمۃ نے دو افراد کی گواہی کا اعتبار کیا ہے، اور اگر کسی صفت میں عیب ہونے کے سلسلے میں اختلاف ہو اور وہاں کوئی ایسا شخص موجود بھی نہ ہو جس کی جانب رجوع کیا جاسکے تو بائع کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔

۳۷۴۔ معتبر عیب کے عناصر

فقہاء نے ثبوتِ خیار میں مؤثر عناصر اور قیود کا ذکر کیا ہے، اور وہ در اصل اسی ضابطہ کی تفصیل ہے جو سابق میں آچکا کہ عیب کی وجہ سے قیمت میں کمی آجائے یا عین میں ایسا نقص ہو جن سے اس قسم کی مبیع عموماً محفوظ ہوتی ہے، آنے والی بحث کا تعلق ان عناصر سے ہے جن کا عیب میں پایا جانا ضروری ہے، اگر عیب میں وہ عناصر پائے جائیں تو وہ عیب قابلِ اعتبار ہوگا؛ ورنہ نہیں۔

۳۷۵۔ پہلا عنصر: عیب نفس مبیع میں ہو

غیر مبیع میں عیوب کی وجہ سے خیار کا ثبوت نہیں ہوتا، یہ بدیہی امر ہے؛ لیکن اگر خارجی اسباب کی وجہ سے مبیع کی قیمت میں تفاوت ہوجائے تو متاخرین کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے خیارِ عیب ثابت ہوگا، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اِعْلَمْ أَنَّهُ لَابُدَّ أَنْ يَكُونَ الْعَيْبُ فِي نَفْسِ الْمَبِيعِ، لِمَا

(۱) تکملۃ المجموع ۱۲/ ۳۱۳

فِي الْخَانِيَّةِ وَغَيْرِهَا: رَجُلٌ بَاعَ سُكْنَى لَهُ فِي حَانُوتٍ لِغَيْرِهِ فَأَخْبَرَ الْمُشْتَرِي أَنَّ أُجْرَةَ الْحَانُوتِ كَذَا فَظَهَرَ أَنَّهَا أَكْثَرُ قَالُوا لَيْسَ لَهُ الرَّدُّ بِهَذَا السَّبَبِ؛ لِأَنَّ هَذَا لَيْسَ بِعَيْبٍ فِي الْمَبِيعِ. اهـ قُلْتُ: الْمُرَادُ بِالسُّكْنَى مَا يَبْنِيهِ الْمُسْتَأْجِرُ فِي الْحَانُوتِ وَيُسَمَّى فِي زَمَانِنَا بِالْكَدَكِ...لَكِنَّهُ الْيَوْمَ تَخْتَلِفُ قِيمَتُهُ بِكَثْرَةِ أُجْرَةِ الْحَانُوتِ وَقِلَّتِهَا، فَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ عَيْبًا تَأَمَّلْ.(۱)

نفس مبیع میں عیب کا پایا جانا ضروری ہے، دلیل خانیہ وغیرہ کی عبارت ہے: ایک شخص کی دوکان میں کسی کا گھر تھا، جس کو اس نے فروخت کردیا، اور مشتری سے کہا کہ دوکان کی قیمت اتنی ہے، پھر معلوم ہوا کہ قیمت تو اس سے زیادہ ہے تو اس وجہ سے واپس کرنے کا اختیار نہیں ہوگا؛ کیوں کہ یہ مبیع کا عیب نہیں ہے، میں کہتا ہوں: گھر سے مراد وہ ہے جو کرایہ دار دوکان کے اندر بناتا ہے، ہمارے زمانے میں اس کو کدک کہا جاتا ہے؛ لیکن اب دوکان کے کرایہ کے بڑھنے اور گھٹنے سے گھر کی قیمت بدلتی رہتی ہے؛ لہٰذا اس کو عیب شمار کیا جانا چاہیے، تَأَمَّلْ.

صورت مذکورہ میں گھر مبیع ہے، اور اس کی وجہ سے مشتری زمین یا عمارت کی قیمت مالک کو دے کر اس زمین یا عمارت میں حق قرار حاصل کرتا ہے، کرایہ کم ہونے کی صورت میں قیمت بڑھ جاتی ہے اور زیادہ ہونے کی صورت میں گھٹ جاتی ہے، یہ ایک خارجی سبب ہے جو مبیع کی قیمت پر اثر انداز ہوتا ہے، پس اگر مشتری اس شرط پر خریدے کہ اس پر واجب ہونے والی اجرت اقل ہوگی، پھر معلوم ہوا کہ اجرت اکثر ہے، اور

(۱) ردعلی الدر ۵/۵

تاجروں کے عرف میں اس کی وجہ سے قیمت گھٹ جاتی ہو تو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے واپس کرنے کے اختیار کو ظاہر قرار دیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ خیارِ خلف میں شامل ہے، نہ کہ خیارِ عیب میں؛ لہٰذا واپس کرنے کے جائز ہونے کے لیے یہ شرط لگائی جائے گی کہ گھر یا کدک کی اجرت میں کمی آجائے، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

اس پر اس دوکان یا گھر کو قیاس کرنا درست نہیں ہوگا جس کو مشتری نے آمدنی کے لیے اس گمان پر خریدا ہو کہ اس سے زیادہ آمدنی حاصل ہوگی، پھر معلوم ہوا کہ آمدنی تو کم ہے؛ کیوں کہ یہ مبیع کا عیب نہیں ہے، اور اجرت مثل کی بنیاد بازار کے احوال پر ہوتی ہے جو وقتاً فوقتاً بدلتے رہتے ہیں، اسی طرح دوکان، یا عقار خریدنے میں یہ شرط لگانا بھی ناجائز ہوگا کہ اس سے اتنی متعین آمدنی آئے، کیوں کہ اس میں غرر ظاہر ہے، اگر یہ شرط لگائی گئی تو بیع فاسد ہوجائے گی، اور یہ نہ خیارِ عیب میں داخل ہے نہ خیارِ خلف میں۔

پھر مالکیہ نے وہ عیب جس میں تدلیس کی جاسکتی ہو اور جس میں نہیں کی جاسکتی دونوں میں فرق کیا ہے، چنانچہ خیارِ عیب کا ثبوت پہلے میں ہوگا، دوسرے میں نہیں، اس سے مراد وہ عیب ہے جس کا علم نہ بائع کو ہو نہ مشتری کو، اور عیب کا ظہور مبیع میں تبدیلی کے بعد ہی ہوتا ہو، جیسے لکڑی میں کیڑے لگ جانا، اخروٹ وغیرہ کے مغز کا خراب ہوجانا اور ککڑی کا کڑوا ہونا، تو ان میں خیارِ عیب شرط لگانے سے ہی ثابت ہوگا، اور عادت شرط کے درجہ میں ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر اس عیب سے واقفیت کے بعد واپس کردینے کا عرف ہو تو یہی معمول بہ ہوگا۔(۱) گویا یہ ان کے نزدیک خیارِ خلف میں داخل ہے؛ اس لیے کہ صراحتاً یا عرفاً شرط لگانے کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

۳۷۶۔ دوسرا عنصر: بائع کے ضمان میں عیب پیدا ہو

خیارِ عیب کے ثبوت کے لیے ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک بالاتفاق عیب کا اس وقت پایا جانا ضروری ہے جب کہ مبیع بائع کے ضمان میں ہو۔(۲) اور عام حالات میں

---

(۱) الشرح الکبیر مع الدسوقی ۳/ ۱۱۳

(۲) الذخیرۃ ۵/ ۵۷

مشتری کی جانب ضمان کی منتقلی مشتری کے قبضہ کرنے یا بائع کے تخلیہ کر دینے سے ہوتی ہے؛ لیکن حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک بعض صورتوں میں محض عقد کی وجہ سے ضمان منتقل ہو جاتا ہے، یا تخلیہ اور قبضہ کے بعد بھی ایک مدت تک بائع کا ضمان باقی رہتا ہے، بیع صحیح کے احکام (۱) میں ان صورتوں کا بیان آچکا ہے، اس کی جانب مراجعت کر لی جائے۔

۳۷۷- تیسرا عنصر: بائع کے یہاں موجود عیب فسخ کے وقت ظاہر ہو

اس عنصر سے مراد یہ ہے کہ صرف بائع کے یہاں عیب کا پایا جانا کافی نہیں ہے؛ بلکہ مشتری کے یہاں بھی اس عیب کا ظہور ضروری ہے؛ کیوں کہ عیب زائل بھی ہو سکتا ہے، جب کہ خیار کا سبب ہی عیب ہے؛ لہٰذا جب سبب ہی زائل ہو گیا تو خیار بھی ثابت نہیں ہوگا، اسی طرح خیار کے استعمال کے وقت بھی عیب کا پایا جانا ضروری ہے، اگر مشتری کے یہاں عیب قدیم ظاہر ہوا؛ لیکن خیارِ فسخ کے استعمال سے قبل زائل ہو گیا تو خیار ثابت نہیں ہوگا، اس کی مثال یہ ہے کہ مشتری نے ایک جانور خریدا، جسے کوئی بیماری لاحق تھی جو کہ عیب شمار ہوتی تھی، پھر اس عیب کی وجہ سے بائع کو لوٹانے سے پہلے ہی وہ عیب زائل ہو گیا تو خیار بھی باقی نہیں رہے گا، یہی حنفیہ (۲) حنابلہ (۳) اور شافعیہ (۴) کا مذہب ہے۔

مالکیہ کے نزدیک بھی تینوں مذاہب کی طرح لوٹانے کے وقت تک عیب کا پایا جانا شرط ہے؛ لیکن غلام کے متعلق ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر جان کار افراد کا یہ کہنا ہو کہ عیب عود کر سکتا ہے تو خیار باقی رہے گا۔ (۵)

---

(۱) رقم: ۳۴۴

(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۲۷۵

(۳) کشاف القناع ۳/ ۲۱۵

(۴) نہایۃ المطلب ۱۲/ ۴۷۶

(۵) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/ ۱۱۹ و ۱۲۰، اور اس مسئلہ کی مکمل تفصیل سابق (رقم نمبر: ۳۴۹) میں آچکی ہے۔

اسی طرح مالکیہ نے بعض امور کو غلام میں عیب شمار کیا ہے، اگرچہ وہ نفس مبیع میں موجود نہ ہوں اور نہ بائع کے پاس ان کا ظہور ہوا ہو نہ مشتری کے پاس؛ بلکہ صرف مستقبل میں اس عیب کے پیدا ہو جانے کا خدشہ ہو، مثلاً: غلام کے اصول میں سے کوئی جذامی یا فطری مجنون تھا، تو اس طرح کے امراض بسا اوقات اولاد کی جانب بھی منتقل ہو جاتے ہیں؛ لہٰذا غلام کا جذامی یا مجنون کی اولاد میں ہونا غلام کا عیب ہے؛ اگرچہ غلام میں جذام یا جنون کے آثار نہ پائے جاتے ہوں۔(۱)

۳۷۸۔ دوسری شرط: مبیع کے ضمان میں آنے سے قبل مشتری عیب سے ناواقف ہو

خیارِ عیب کے ثبوت کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ مبیع کے مشتری کے ضمان میں داخل ہونے سے قبل مشتری کو عیب کا علم نہ ہو، چنانچہ اگر عقد کے وقت یا عقد کے بعد مبیع کے ضمان میں داخل ہونے سے قبل عیب کا علم تھا، پھر بھی اس نے اس پر قبضہ کر لیا یا ایسا اقدام کیا جس کی وجہ سے مبیع ضمان میں داخل ہو جاتی ہے تو اس کا خیار ساقط ہو جائے گا؛ کیوں کہ عیب کا علم ہونے کے باوجود عقد پر اقدام کرنا یا مبیع پر قبضہ کرنا اس کے عیب پر راضی ہونے کی دلیل ہے، اور اس سے خیار اور تاوان دونوں ساقط ہو جائیں گے۔(۲)

اور اگر مشتری کو مبیع میں کسی نقص کا علم تو تھا؛ لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کو تاجروں کے عرف میں عیب شمار کیا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے خیارِ فسخ حاصل ہوتا ہے، پھر بعد میں اس بات کا علم ہوا تو کیا اس وقت واپس کرنے کا اختیار ہوگا؟ اس میں کچھ تفصیل ہے جس کو فقہاء نے ذکر کیا ہے، حنفیہ کا مذہب جامع الفصولین میں یہ ذکر کیا گیا ہے:

لَوْ عَلِمَ الْمُشْتَرِي إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَعْلَمْ أَنَّهُ عَيْبٌ ثُمَّ عَلِمَ يَنْظُرُ، إِنْ كَانَ عَيْبًا بَيِّنًا لَا يَخْفَى عَلَى النَّاسِ كَالْغُدَّةِ وَنَحْوِهَا لَمْ يَكُنْ لَهُ الرَّدُّ، وَإِنْ خَفِيَ فَلَهُ الرَّدُّ. (۳)

---

(۱) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/۱۰۹

(۲) فتح القدیر ۶/۳۹۱ والدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/۱۲۴ وتکملۃ المجموع ۱۲/۱۲۱ والمغنی ۴/۱۰۹

(۳) رد علی الدر ۵/۵

اگر مشتری کو نقص کا علم تھا؛ مگر اس کا عیب ہونا نہیں معلوم تھا، پھر علم ہو گیا تو اگر وہ ظاہری عیب ہے جو لوگوں سے مخفی نہیں رہتا تو واپس کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، جیسے: گوشت کی گرہ جو کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے اُبھر آتی ہے، اور اگر مخفی عیب ہو تو واپس کرسکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ مخفی ہونے سے مراد فی نفسہ عیب کا مخفی ہونا نہیں ہے؛ بلکہ یہ مخفی ہونا مراد ہے کہ وہ عیب ہے، اس کا تحقق موجودہ زمانے میں ان خودکار مشینوں میں ہوسکتا ہے جو متعدد پرزوں سے بنتی ہیں اور ہر پرزہ کا الگ کام ہوتا ہے، ان میں بعض عیوب کا اندازہ اس لائن کے ماہر افراد ہی لگا سکتے ہیں۔

علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اس کے برخلاف حکم ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

فَلَوْ كَانَ الْمُشْتَرِي قَدْ عَلِمَ بِهِ وَلَكِنْ لَمْ يَعْلَمْ أَنَّهُ عَيْبٌ يُوكِسُ الثَّمَنَ وَيُوجِبُ الْفَسْخَ قَالَ الْمَاوَرْدِيُّ وَلَا رَدَّ لَهُ لِأَنَّهُ قَدْ كَانَ يُمْكِنُهُ عِنْدَ رُؤْيَتِهِ أَنْ يَسْأَلَ عَنْهُ وَلِأَنَّ اسْتِحْقَاقَ الرَّدِّ حُكْمٌ وَالْجَهْلُ بِالْأَحْكَامِ لَا يُسْقِطُهَا. (۱)

اگر مشتری نقص سے واقف تھا؛ لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ عیب ہے جس کی وجہ سے ثمن میں کمی آتی ہے اور خیارِ فسخ ملتا ہے، تو امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس کو واپس کرنے کا اختیار نہیں ہوگا؛ کیوں کہ مبیع کے معائنہ کے وقت مشتری اس کے متعلق پوچھ سکتا تھا، دوسری وجہ یہ ہے کہ واپس کرنے کا استحقاق

(۱) تکملۃ المجموع ۱۲/۱۲۱

ایک حکم ہے، اور احکام سے ناواقفیت احکام کو ساقط نہیں کرتی۔

۳۷۹۔ تیسری شرط: مشتری عیب پر راضی نہ ہو

خیار کے ثبوت کے لیے تیسری شرط یہ ہے کہ مشتری سے کوئی ایسا فعل صادر نہ ہو جو عیب کے سلسلہ میں اس کی رضامندی پر دلالت کرے، خواہ صراحۃً رضامندی ہو، مثلاً : میں راضی ہوں کہہ دے، یا دلالۃً رضامندی ہو، مثلاً: عیب کا علم ہونے کے بعد مبیع میں ایسا کوئی تصرف کردے جو دلیلِ رضا ہو، جیسے کپڑے کی خریداری کے بعد اس کو رنگ دے یا سل دے، یا ستو خرید کر اس میں گھی ملادے، یا زمین خرید کر اس پر عمارت بنادے، یا گیہوں خرید کر اس کو پیس دے، یا گوشت خرید کر اس کو بھون لے، وغیرہ؛ کیوں کہ عیب کا علم ہونے کے باوجود یہ تصرفات کرنا عیب پر رضامندی کی دلیل ہے، اور ان سب صورتوں میں واپس کرنے کا حق باطل ہوجائے گا۔(۱) یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب کہ مشتری نے مبیع اپنی ملکیت سے ہبہ یا بیع وغیرہ کے ذریعہ نکال دی ہو، کیوں کہ یہ تصرفات مبیع کو لوٹانے سے مانع ہیں، اس کا تفصیلی حکم آگے (۲) آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۳۸۰۔ خیارِ عیب کا ثبوت فی الفور ہوگا یا علی التراخی؟

جب مشتری کو عیب کا علم ہو تو کیا فی الفور خیارِ عیب کا استعمال ضروری ہے اور تاخیر سے خیار ساقط ہوجائے گا؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک خیارِ عیب کا ثبوت علی التراخی ہوتا ہے نہ کہ فی الفور؛ لہٰذا جب تک اس سے ایسا فعل صادر نہ ہو جو عیب پر رضا کی دلیل ہو تب تک خیار باقی رہے گا۔(۳) حتی کہ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے قنیہ کے حوالہ سے لکھا ہے:

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۲۸۲

(۲) رقم: ۳۹۰

(۳) الدر مع الرد ۵/ ۳۲

لَوْ وَجَدَهُ مَعِيبًا فَخَاصَمَ بَائِعَهُ فِيهِ ثُمَّ تَرَكَ الْخُصُومَةَ أَيَّامًا ثُمَّ عَادَ إِلَيْهَا فَقَالَ لَهُ بَائِعُهُ: لِمَ سَكَتَّ عَنِ الْخُصُومَةِ مُدَّةً؟ فَقَالَ: لِأَنْظُرَ أَنَّهُ يَزُولُ أَوْ لَا فَلَهُ رَدُّهُ. (۱)

اگر مبیع کو عیب دار پایا اور بائع سے خصومت کی، پھر کچھ دنوں کے لیے خصومت ترک کردی، پھر دوبارہ خصومت کی، تو بائع نے کہا کہ اتنے عرصہ تک کیوں خاموش تھے؟ تو اس نے کہا: میں دیکھ رہا تھا کہ عیب زائل ہوتا ہے یا نہیں، تو اس کو واپس کرنے کا اختیار ہوگا۔

مجھے حنفیہ کے نزدیک تراخی کی کوئی متعین مدت نہیں مل سکی؛ لیکن یہ ظاہر ہے کہ بلا عذر ایک طویل مدت تک تاخیر ان کی مراد نہیں ہے؛ ورنہ تو کئی سالوں تک مشتری کو خیار حاصل رہے گا، اور اس کا ضرر ظاہر ہے، ممکن ہے کہ اتنی مدت تک تاخیر مراد ہو جو تاجروں کے عرف میں برداشت کی جاتی ہو، اور اس مدت سے زائد تک تاخیر رضامندی کی دلیل ہوگی، اور مبیع کے اختلاف سے اس مدت میں بھی تبدیلی ہوسکتی ہے۔

شافعیہ کا مذہب

شافعیہ کے نزدیک خیارِ عیب فی الفور ثابت ہوگا؛ لہٰذا اگر مشتری عیب سے واقف ہونے کے بعد بلا عذر مبیع روکے رکھے اور واپس نہ کرے تو خیار ساقط ہوجائے گا، علامہ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

إذا وجد المشتري بالمبيع عيبا لم يخل أما أن يكون المبيع باقيا على جهته أو زاد أو نقص فان كان باقيا على جهته وأراد الرد لم يؤخره فان أخره من غير عذر سقط الخيار لانه خِيَارٌ ثَبَتَ بِالشَّرْعِ

(۱) فتح القدیر ۶/ ۳۸۵

لِدَفْعِ الضَّرَرِ عَنِ الْمَالِ فكان على الفور كخيار الشفعة. (۱)

جب مشتری کو مبیع میں عیب کا علم ہو تو مبیع میں یا تو کمی زیادتی ہوگی یا علی حالہ باقی رہے گی، اگر علی حالہ باقی ہو اور وہ واپس کرنا چاہتا ہو تو اس میں تاخیر نہ کرے، اگر بلا عذر تاخیر کرے تو خیار ساقط ہو جائے گا؛ کیوں کہ شریعت نے اس خیار کا ثبوت مال سے ضرر دفع کرنے کے لیے کیا ہے؛ لہٰذا خیارِ شفعہ کی طرح اس میں بھی فی الفور خیار کا ثبوت ہوگا۔

اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

الرَّدُّ بِالْعَيْبِ عَلَى الْفَوْرِ، فَيَبْطُلُ بِالتَّأْخِيرِ بِلَا عُذْرٍ. وَلَا يَتَوَقَّفُ عَلَى حُضُورِ الْخَصْمِ وَقَضَاءِ الْقَاضِي. وَالْمُبَادَرَةُ إِلَى الرَّدِّ مُعْتَبَرَةٌ بِالْعَادَةِ، فَلَا يُؤْمَرُ بِالْعَدْوِ وَالرَّكْضِ لِيَرُدَّ. وَلَوْ كَانَ مَشْغُولًا بِصَلَاةٍ أَوْ أَكْلٍ أَوْ قَضَاءِ حَاجَةٍ، فَلَهُ التَّأْخِيرُ إِلَى فَرَاغِهِ وَكَذَا لَوِ اطَّلَعَ حِينَ دَخَلَ وَقْتُ هَذِهِ الْأُمُورِ فَاشْتَغَلَ بِهَا، فَلَا بَأْسَ. وَكَذَا لَوْ لَبِسَ ثَوْبًا أَوْ أَغْلَقَ بَابًا. وَلَوِ اطَّلَعَ لَيْلًا، فَلَهُ التَّأْخِيرُ إِلَى الصَّبَاحِ. (۲)

عیب کی وجہ سے فی الفور لوٹانا ہوگا؛ ورنہ بلا عذر تاخیر سے خیار باطل ہو جائے گا، اور خصم کے حاضر ہونے اور قاضی کے فیصلے پر یہ موقوف نہیں ہے، اور جلد لوٹانے کا اعتبار عرف سے ہوگا؛ لہٰذا

---

(۱) المہذب مع المجموع ۱۲/ ۱۳۸

(۲) روضۃ الطالبین ۳/ ۴۷۸

بھاگنے یا گھوڑے کو ایڑ لگانے کا حکم نہیں دیا جائے گا، اسی طرح نماز یا کھانے یا قضائے حاجت میں مشغول ہو تو فارغ ہونے تک تاخیر کی گنجائش ہوگی، نیز ان امور کے داخل ہونے کے وقت اس کو عیب کا علم ہوا تو کوئی حرج نہیں، اسی طرح جب کہ کپڑا پہن لے یا دروازہ بند کردے، اور اگر رات میں عیب کا علم ہو تو صبح تک تاخیر کرسکتا ہے۔

حنابلہ کا مذہب

حنابلہ کا مذہب حنفیہ کی مانند ہے، اور ایک قول کے مطابق حنفیہ اور شافعیہ دونوں کے مذہب کے مطابق ان کی دو روایات ہیں، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

خِيَارُ الرَّدِّ بِالْعَيْبِ عَلَى التَّرَاخِي، فَمَتَى عَلِمَ الْعَيْبَ، فَأَخَّرَ الرَّدَّ، لَمْ يَبْطُلْ خِيَارُهُ، حَتَّى يُوجَدَ مِنْهُ مَا يَدُلُّ عَلَى الرِّضَا. ذَكَرَهُ أَبُو الْخَطَّابِ. وَذَكَرَ الْقَاضِي شَيْئًا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ فِيهِ رِوَايَتَيْنِ؛ إِحْدَاهُمَا، هُوَ عَلَى التَّرَاخِي. وَالثَّانِيَةُ، هُوَ عَلَى الْفَوْرِ. وَهُوَ مَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ، فَمَتَى عَلِمَ الْعَيْبَ، فَأَخَّرَ رَدَّهُ مَعَ إِمْكَانِهِ، بَطَلَ خِيَارُهُ؛ لِأَنَّهُ يَدُلُّ عَلَى الرِّضَا بِهِ، فَأَسْقَطَ خِيَارَهُ، كَالتَّصَرُّفِ فِيهِ. وَلَنَا: أَنَّهُ خِيَارٌ لِدَفْعِ ضَرَرٍ مُتَحَقِّقٍ، فَكَانَ عَلَى التَّرَاخِي، كَالْقِصَاصِ، وَلَا نُسَلِّمُ دَلَالَةَ الْإِمْسَاكِ عَلَى الرِّضَا بِهِ.(۱)

عیب کی وجہ سے واپس کرنے کا اختیار علی التراخی ہے؛ لہٰذا عیب کا علم ہونے کے بعد واپسی میں تاخیر سے خیار ساقط نہیں

(۱) المغنی ۴/۱۰۹

ہوگا، تا آں کہ کوئی ایسی بات پائی جائے جو دلیلِ رضا ہو، اس کا ذکر ابو خطاب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے، اور قاضی رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ عبارت سے یہ سمجھ آتا ہے کہ دو روایتیں ہیں: ایک علی التراخی کی ہے، اور دوسری علی الفور کی، جو کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے؛ لہٰذا عیب کا علم ہونے کے بعد واپس کرنے کی قدرت کے باوجود تاخیر کرنے سے خیار ساقط ہو جائے گا؛ اس لیے کہ تاخیر دلیل رضا ہے، گویا خود اس نے خیار ساقط کر دیا، جیسا کہ تصرف کی وجہ سے ساقط ہو جاتا ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ خیار ضرر متحقق کو دفع کرنے کے لیے ہے؛ لہٰذا قصاص کی مانند یہ بھی علی التراخی ہوگا، اور ہمیں یہ تسلیم نہیں ہے کہ مبیع روکے رکھنا رضا مندی کی دلیل ہے۔

مالکیہ کا مذہب

اور مالکیہ کے یہاں تفصیل ہے جس کا خلاصہ علامہ دسوقی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے:

حَاصِلُهُ أَنَّهُ إِذَا اطَّلَعَ عَلَى الْعَيْبِ وَسَكَتَ ثُمَّ طَلَبَ الرَّدَّ. فَإِنْ كَانَ سُكُوتُهُ لِعُذْرٍ رَدَّ مُطْلَقًا طَالَ أَمْ لَا بِلَا يَمِينٍ، وَإِنْ كَانَ سُكُوتُهُ بِلَا عُذْرٍ، فَإِنْ رَدَّ بَعْدَ يَوْمٍ وَنَحْوِهِ أُجِيبَ لِذَلِكَ مَعَ الْيَمِينِ، وَإِنْ طَلَبَ الرَّدَّ قَبْلَ مُضِيِّ يَوْمٍ أُجِيبَ لِذَلِكَ مِنْ غَيْرِ يَمِينٍ، وَإِنْ طَلَبَ الرَّدَّ بَعْدَ أَكْثَرِ مِنْ يَوْمَيْنِ فَلَا يُجَابُ، وَلَوْ مَعَ الْيَمِينِ. (۱)

عیب پر مطلع ہونے کے بعد خاموش رہا پھر واپس کرنا چاہا تو اگر خاموشی کسی عذر کی بنا پر تھی تو مطلقاً واپس کرنے کا اختیار ہوگا،

---

(۱) الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/۱۲۱

خواہ کتنی ہی طویل مدت گزر جائے، اور یمین بھی لازم نہیں ہے، اور اگر خاموشی بلا عذر تھی تو اگر ایک دن بعد واپس کر رہا ہو تو یمین کے ساتھ واپس کر سکتا ہے، اور اگر ایک دن گزرنے سے پہلے ہی واپس کرے تو بلا یمین درست ہے، اور اگر دو دن سے زائد گزرنے کے بعد واپس کر رہا ہو تو یمین کے ساتھ بھی واپس نہیں کر سکتا۔

یہ تفصیل بہتر ہے؛ مگر دو دن کی قید سے بعض مبیعات کی بہ نسبت دشواری ہو سکتی ہے؛ لہٰذا اس کو عرف وعادت پر چھوڑ دینا مناسب ہوگا، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

۳۸۱۔ حنفیہ کے نزدیک عیب سے براءت کی شرط

بائع کا عیب سے بری ہونے کی شرط لگانے کے جائز ہونے کے سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ کہتے ہیں: اگر بائع عیب سے بری ہونے کی شرط لگائے تو یہ شرط معتبر ہے؛ لہٰذا عیب کی وجہ سے مشتری کو واپس کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، پھر عیوب سے بری ہونے کی دو صورتیں ہیں: پہلی یہ کہ بائع کسی متعین عیب سے بری ہونے کی شرط لگائے تو براءت صرف اسی عیب پر منحصر ہوگی، دوسرے عیب کی جانب متجاوز نہیں ہوگی، مثلاً: بائع نے گھوڑے کی بیع میں یہ شرط لگائی کہ وہ سرکش نہیں ہوگا، پھر مشتری کو گھوڑے کی کسی دوسری بیماری کا پتہ چلا تو واپس کرنے کا اختیار رہوگا؛ کیوں کہ گھوڑے کے سرکش ہونے کے عیب سے بری ہونا اس بیماری سے بری ہونے کو متضمن نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بائع تمام عیوب سے بری ہونے کی شرط لگائے، یہ بھی جائز ہے اور مشتری کو کسی بھی عیب کی صورت میں خیار حاصل نہیں ہوگا۔

ہر عیب سے مطلق براءت کا ثبوت ہر ایسی تعبیر سے ہو جاتا ہے جو عرف میں مطلق براءت پر دلالت کرتی ہو، ایک طریقہ یہ ہے کہ ہر عیب سے بری ہونے کی تصریح کر دے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانہ کے عرف کے لحاظ سے ذکر کیا ہے کہ گھر کی بیع

میں بِعْتُكَ هَٰذِهِ الدَّارَ عَلَىٰ أَنَّهُ كَوْمُ تُرَابٍ، جانور کی بیع میں مُكَسَّرَةٌ مُحَطَّمَةٌ اور کپڑے کی بیع میں حِرَاقٌ عَلَى الزِّنَادِ کے الفاظ تمام عیوب سے براءت کے معنی میں استعمال ہوتے تھے، اگر مشتری اس پر راضی ہو جاتا تو خیار ساقط ہو جاتا تھا؛ کیوں کہ اس نے مبیع کو تمام عیوب سمیت قبول کر لیا ہے، اسی طرح بِعْتُه عَلَىٰ أَنَّهُ حَاضِرٌ حَلَالٌ کے جملہ میں حَاضِرٌ سے یہ مراد ہوتا تھا کہ تمام عیوب سے بائع بری ہے، صرف حَلَالٌ کے لفظ سے استحقاق کے عیب کا استثناء ہوتا تھا؛ کیوں کہ وہ یا تو چوری کا ہوگا یا غصب کا، اور دونوں طرح سے حاصل شدہ مال حلال نہیں ہے۔(۱)

ہمارے زمانہ کے عرف میں بائع براءت مطلقہ کے اظہار کے لیے کہتا ہے:

بعتك هذا الشئ على اساس أنه يباع كما هو. (جیسی ہے ویسے خریدلو) (As is) لہٰذا اس جملہ سے یہی مراد لیا جائے گا۔

مذکورہ تفصیل ان عیوب میں تھی جو عقد کے وقت مبیع میں موجود ہوں، رہے وہ عیوب جو عقد کے بعد قبضہ سے قبل پیدا ہوئے ہوں تو کیا وہ بھی براءت میں داخل ہوں گے یا نہیں؟ اس میں تفصیل ہے؛ کیوں کہ اس مسئلے کی تین صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ بائع صرف ان عیوب سے براءت کی شرط لگائے جو عقد کے وقت موجود ہوں، علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> فَإِنْ قَيَّدَهَا (أي البراءة) بِعَيْبٍ قَائِمٍ حَالَةَ الْعَقْدِ لَا يَتَنَاوَلُ الْعَيْبَ الْحَادِثَ بَعْدَ الْبَيْعِ قَبْلَ الْقَبْضِ بِلَا خِلَافٍ سَوَاءٌ كَانَتِ الْبَرَاءَةُ عَامَّةً بِأَنْ قَالَ أَبْرَأْتُكَ مِنْ كُلِّ عَيْبٍ بِهِ أَوْ خَاصَّةً بِأَنْ قَالَ أَبْرَأْتُكَ مِمَّا بِهِ مِنْ عَيْبِ كَذَا. (۲)

(۱) ردعلی الدر ۵/ ۴۲

(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۲۷۷

اگر ایسے عیب کے ساتھ مقید کرے جو عقد کے وقت موجود ہو تو یہ عقد کے بعد قبضہ سے قبل پیدا ہونے والے عیب کو شامل نہیں ہوگا، خواہ براءت عامہ ہو کہ بائع نے کہا ہو: میں نے تجھے مبیع کے ہر عیب سے بری کر دیا، یا براءت خاصہ ہو کہ بائع نے کہا ہو: میں نے تجھے مبیع میں موجود فلاں عیب سے بری کر دیا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بائع مطلقاً براءت کا اظہار کرے، موجودہ عیوب کے ساتھ مقید نہ کرے، تو کیا یہ ان عیوب کو شامل ہوگا جو عقد کے بعد قبضہ سے قبل پیدا ہوں؟ اس میں فقہائے احناف کا اختلاف ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ براءت عقد کے بعد قبضہ سے قبل پیدا ہونے والے عیوب کو بھی شامل ہوگی، علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کے مطابق ان کی دلیل یہ ہے:

أَنَّ الْمُلَاحَظَ هُوَ الْمَعْنَى وَالْغَرَضُ، وَمَعْلُومٌ أَنَّ (الْغَرَضَ) مِنْ هٰذَا الشَّرْطِ (إِلْزَامُ الْعَقْدِ بِإِسْقَاطِ الْمُشْتَرِي حَقَّهُ عَنْ وَصْفِ السَّلَامَةِ) لِيَلْزَمَ عَلَى كُلِّ حَالٍ وَلَا يُطَالِبَ الْبَائِعَ بِحَالٍ (وَذٰلِكَ بِالْبَرَاءَةِ عَنْ كُلِّ عَيْبٍ) يُوجِبُ لِلْمُشْتَرِي الرَّدَّ. وَالْحَادِثُ بَعْدَ الْعَقْدِ كَذٰلِكَ. فَاقْتَضَى الْغَرَضُ الْمَعْلُومُ دُخُولَهُ. (۱)

معنیٰ اور مقصود کا لحاظ رکھا جاتا ہے، اور یہ معلوم ہے کہ اس شرط کا مقصد مشتری کے وصفِ سلامت کے حق کو ساقط کر کے عقد کو لازم کرنا ہے؛ تاکہ وہ بہر حال لازم ہو جائے، اور بائع سے کسی بھی صورت میں مطالبہ نہ کیا جائے، اور یہ مقصد تبھی حاصل ہوگا جب کہ مشتری کے لیے خیار کو ثابت کرنے والے ہر عیب سے

(۱) فتح القدیر ۶/ ۳۹۹

براءت ہو جائے، اور اس میں عقد کے بعد پیدا ہونے والا عیب بھی داخل ہے؛ لہٰذا مقصد کے پیشِ نظر براءت ان کو بھی شامل ہوگی۔

امام محمد اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں کہ براءت صرف عقد کے وقت پائے جانے والے عیوب کو شامل ہوگی، علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دلیل ذکر کی ہے:

(وَجْهُ) قَوْلِ مُحَمَّدٍ أَنَّ الْإِبْرَاءَ عَنِ الْعَيْبِ يَقْتَضِي وُجُودَ الْعَيْبِ؛ لِأَنَّ الْإِبْرَاءَ عَنِ الْمَعْدُومِ لَا يُتَصَوَّرُ، وَالْحَادِثُ لَمْ يَكُنْ مَوْجُودًا عِنْدَ الْبَيْعِ، فَلَا يَدْخُلُ تَحْتَ الْإِبْرَاءِ، فَلَوْ دَخَلَ إِنَّمَا يَدْخُلُ بِالْإِضَافَةِ إِلَى حَالَةِ الْحُدُوثِ، وَالْإِبْرَاءُ لَا يَحْتَمِلُ الْإِضَافَةَ، لِأَنَّ فِيهِ مَعْنَى التَّمْلِيكِ حَتَّى يَرْتَدَّ بِالرَّدِّ. (۱)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ عیب سے بری ہونا عیب کے وجود کی دلیل ہے؛ کیوں کہ معدوم سے ابراء کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اور عقد کے بعد پیدا ہونے والا عیب عقد کے وقت موجود نہیں تھا؛ لہٰذا ابراء میں وہ داخل نہیں ہوگا، اور داخل ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ حالتِ حدوث کی جانب اضافت کرتے ہوئے داخل ہو، اور ابراء میں اضافت کا احتمال نہیں ہوتا؛ کیوں کہ اس میں تملیک کے معنی ہیں، حتی کہ رد کرنے سے وہ رد ہو جاتا ہے۔

پھر علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا تفصیلی جواب دیا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ مستقبل کی جانب

(۱) بدائع الصنائع ۵/۲۷۷

مضاف ابراء نہیں ہے؛ کیوں کہ قبضہ سے قبل پیدا ہونے والا عیب ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ عقد کے وقت موجود تھا، یہی وجہ ہے کہ جس طرح عقد کے وقت پائے جانے والے عیب سے خیار حاصل ہوتا ہے اسی طرح عقد کے بعد قبضہ سے قبل پائے جانے والے عیب سے بھی واپس کرنے کا اختیار ہوتا ہے، نیز قبضہ عقد کے حکم میں ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں؛ لہٰذا یہ تقدیراً حق ثابت سے ابراء ہوگا۔(۱)

صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے درمیان یہ اختلاف اس صورت میں واضح ہے جب کہ بائع مطلق براءت کا اظہار کرے، اگر بائع صراحۃً عقد کے بعد پیدا ہونے والے عیب کی جانب براءت کی نسبت کرے تو اس صورت میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو ذکر کرنے میں کتب فقہ کی عبارات مختلف ہیں، امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق اس صورت کے سلسلے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی روایت منقول نہیں ہے۔(۲) اور علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے احناف کے نزدیک ایسی شرط کو فاسد قرار دیا ہے۔(۳) اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ذکر نہیں کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے موافق ہیں، اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔(۴)

لیکن امام برہان الدین ابن مازہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ ایسی براءت کی شرط جو عقد کے بعد پیدا ہونے والے عیب کی جانب منسوب ہو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درست ہے، چنانچہ اپنی کتاب محیط میں لکھتے ہیں:

ویدخل فی هذه البراءة العیب الموجودة والحادث

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۲۷۷

(۲) المبسوط ۱۳/ ۹۴

(۳) بدائع الصنائع ۵/ ۲۷۷

(۴) فتح القدیر ۶/ ۳۹۹

قبل القبض فی قول أبي يوسف، وقال محمد: لا يدخل فيه الحادث، وهذا بناء على أنه إذا باع بشرط البراءة عن كل عيب يحدث بعد البيع قبل القبض هل يصح هذا الشرط عند أبي يوسف يصح، وعند محمد لا يصح، فأما إذا كان من مذهب محمد أن البراءة عن العيب الحادث لا تصح لو نص عليه فعند الإطلاق أولى، وعند أبي يوسف لما صحت البراءة عنه حالة التنصيص عليه فكذا حالة الإطلاق. (۱)

اس براءت (مطلقہ) میں موجودہ عیب اور قبضہ سے قبل پیدا ہونے والا عیب دونوں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک داخل ہیں، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ قبضہ سے قبل پیدا ہونے والا عیب داخل نہیں ہے، اس اختلاف کی بنیاد دوسرے مسئلہ پر ہے کہ اگر بائع یہ شرط لگائے کہ وہ قبضہ سے قبل پیدا ہونے والے تمام عیوب سے بری ہے تو کیا یہ شرط درست ہے؟ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ درست کہتے ہیں اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ غیر درست، اور جب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صراحت کی صورت میں قبضہ سے قبل پیدا ہونے والے عیب سے براءت کی شرط لگانا درست نہیں ہے تو اطلاق کی صورت میں بدرجہ اولی درست نہیں ہوگا، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تصریح کی صورت میں یہ شرط جائز ہے تو اطلاق کی صورت میں بھی جائز ہوگی۔

---

(۱) المحیط البرہانی ۶/ ۵۹۷

علامہ ابن ہمام اور شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہما کے طرزِ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا میلان امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی جانب ہے، اور یہ کہ براءت مطلقہ کی صورت میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا مقتضیٰ وہی ہے جو المحیط البرہانی میں مذکور ہے، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

۳۸۲۔ عیب سے براءت کی شرط کے سلسلہ میں ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب

شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے مشہور مذہب کے مطابق اصل تو یہ ہے کہ عیوب سے براءت کی شرط لگانا ناجائز ہے؛ البتہ ان کے یہاں کچھ استثنائی امور ہیں جن میں ان کے مابین اختلاف بھی ہے۔(۱) ان کی دلیل یہ ہے کہ عیب کی وجہ سے واپس کرنے کا خیار، عقد کے مقتضیات میں سے ہے؛ کیوں کہ مبیع کے اندر سلامتی کا وصف ایسی شئی ہے جس سے مشتری کی رضامندی حاصل ہوتی ہے، اور رضامندی عقد کے ارکان میں سے ہے؛ لہٰذا جب یہ سلامتی کا وصف فوت ہو جائے گا تو مشتری کی رضامندی میں بھی خلل آجائے گا، اور اس کی وجہ سے لوٹانے کا اختیار ثابت ہوگا؛ کیوں کہ رضامندی اگر سرے سے مفقود ہو تو شرعاً بیع کا تحقق ہی نہیں ہوتا، اور اگر عیب کی وجہ سے اس میں خلل آجائے تو دلیل کے بقدر حکم کو ثابت کرنے کے لیے خیار دیا جاتا ہے۔(۲) پس ایسی صورت میں براءت کی شرط مقتضائے عقد ـــ جو کہ عیب کی بنا پر واپس کرنے کا خیار ہے ـــ کے خلاف ہوگی، گویا ان کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ خیارِ عیب شریعت کی وجہ سے ثابت ہونے والا خیار ہے؛ لہٰذا دیگر مقتضیاتِ عقد کی مانند یہ بھی شرط لگانے سے ساقط نہیں ہوگا۔(۳)

ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم نے اس صورت کا استثناء کیا ہے کہ بائع مشتری کو عیوب بتلادے، اور مشتری ان عیوب سمیت مبیع کو قبول کرلے؛ کیوں کہ عیب کی وجہ سے

(۱) الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/۱۱۹ و تکملۃ المجموع ۱۲/۳۵۵ و الشرح الکبیر علی المقنع ۴/۵۹

(۲) بدائع الصنائع ۵/۲۷۴

(۳) تکملۃ المجموع ۱۲/۳۶۳

رضامندی میں جو خلل واقع ہوسکتا تھا، مشتری کے صراحتاً رضامندی کے اظہار سے اس کی تلافی ہوگئی ہے، اس مسئلہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ براءت مطلقہ ناجائز ہے؛ اِلّا یہ کہ عیوب کی تفصیل بھی بیان کردی جائے؛ کیوں کہ اس میں جہالت ہے، اور مجہول سے ابراء درست نہیں ہے؛ کیوں کہ ابراء میں تملیک کے معنی پائے جاتے ہیں، اور مجہول کی تملیک درست نہیں ہے۔(۱)

اسی طرح شوافع نے جان دار کے اندر عیوب سے براءت کا استثناء کیا ہے، چنانچہ بائع تمام عیوب سے بری ہوجائے گا، سوائے اس عیب کے جس کو بائع نے جانتے بوجھتے چھپایا ہو؛ البتہ اگر وہ اپنی لاعلمی کا اظہار کرے تو قسم کے ساتھ اس کی بات معتبر ہوگی۔(۲) مالکیہ نے صرف غلام میں براءت کا استثناء کیا ہے، نہ کہ ہر جان دار میں براءت کا، جیسا کہ ان کی کتب میں اس کی تفصیل درج ہے۔(۳)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال اس حدیث سے ہے جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ذکر کی ہے:

أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ، بَاعَ غُلَاماً لَهُ بِثَمَانِمِائَةِ دِرْهَمٍ. وَبَاعَهُ بِالْبَرَاءَةِ. فَقَالَ الَّذِي ابْتَاعَهُ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ: بِالْغُلَامِ دَاءٌ لَمْ تُسَمِّهِ لِي. فَاخْتَصَمَا إِلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ. فَقَالَ الرَّجُلُ: بَاعَنِي عَبْداً، وَبِهِ دَاءٌ لَمْ يُسَمِّهِ لِي. وَقَالَ عَبْدُ اللهِ: بِعْتُهُ بِالْبَرَاءَةِ. فَقَضَى عُثْمَانُ، عَلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ أَنْ يَحْلِفَ لَهُ، لَقَدْ بَاعَهُ الْعَبْدَ، وَمَا بِهِ

(۱) حوالۂ سابق

(۲) الام ۶/۲۱۰

(۳) الدسوقی ۳/۱۱۹

دَاءٌ يَعْلَمُهُ. فَأَبَى عَبْدُ اللهِ أَنْ يَحْلِفَ. وَارْتَجَعَ الْعَبْدَ فَصَحَّ عِنْدَهُ، فَبَاعَهُ عَبْدُ اللهِ بَعْدَ ذٰلِكَ بِأَلْفٍ وَخَمْسِمِائَةِ دِرْهَمٍ.(۱)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا ایک غلام آٹھ سو درہم میں براءت کی شرط کے ساتھ فروخت کیا، تو خریدار نے کہا: غلام میں ایک بیماری تھی جس کا آپ نے میرے سامنے ذکر نہیں کیا، تو وہ دونوں اپنا معاملہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے، اس شخص نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مجھے ایک غلام فروخت کیا؛ لیکن اس میں بیماری تھی جس کا انہوں نے ذکر نہیں کیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے خلاف فیصلہ دیا کہ وہ اس بات کی قسم کھائیں: میں نے غلام فروخت کیا اور مجھے غلام کی کسی بیماری کا علم نہیں تھا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے قسم کھانے سے انکار کر دیا، اور غلام واپس لے لیا، پھر غلام شفایاب ہو گیا تو آپ نے اسے پندرہ سو درہم میں فروخت کیا۔

وجہِ استدلال یہ ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو عیب کا علم نہ ہونے پر قسم کھانے کے لیے کہا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر ان کو عیب کا علم ہوتا تو براءت درست نہیں ہوتی، اور اگر قسم کے ذریعے عدمِ علم ثابت ہو جاتا تو براءت درست ہوتی؛ لیکن جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے انکار کیا تو معلوم نہ ہونا ثابت ہو گیا؛ لہٰذا براءت بھی درست نہیں ہوگی۔

اور علامہ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے حیوان اور غیر حیوان کے

(۱) مؤطا امام مالک، حدیث نمبر: ۲۲۷۱

درمیان فرق کی یہ وجہ ذکر کی ہے:

لِأَنَّ الْحَيَوَانَ يُفَارِقُ مَا سواه لانه يغتذى بِالصِّحَّةِ وَالسَّقَمِ وَتُحَوَّلُ طَبَائِعُهُ وَقَلَّمَا يَبْرَأُ مِنْ عَيْبٍ يَظْهَرُ أَوْ يَخْفَى فَدَعَتْ الْحَاجَةُ إِلَى التبرى من العيب الباطن فيه لان لَا سَبِيلَ إِلَى مَعْرِفَتِهِ وَتَوْقِيفِ الْمُشْتَرِى عَلَيْهِ وَهَذَا الْمَعْنَى لَا يُوجَدُ فِي الْعَيْبِ الظَّاهِرِ وَلَا فِي الْعَيْبِ الْبَاطِنِ فِي غَيْرِ الْحَيَوَانِ فَلَمْ يَجُزْ التَّبَرِّى مِنْهُ مَعَ الْجَهَالَةِ.(۱)

حیوان ماسوا سے جدا ہے؛ اس لیے کہ اس کو صحت و بیماری لاحق ہوتی ہے، اور مزاج بدلتا رہتا ہے، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی ظاہری یا باطنی عیب میں مبتلا نہ ہو؛ لہٰذا باطنی عیب سے بری قرار دینے کی حاجت ہے؛ کیوں کہ اس عیب کی معرفت اور مشتری کو اس سے واقف کرانے کی کوئی سبیل نہیں ہے، اور غیر حیوان میں نہ عیب باطن کے اندر یہ وجہ پائی جاتی ہے نہ عیب ظاہر کے ایک اندر؛ لہٰذا جہالت کے ساتھ بری کرنا جائز نہیں ہوگا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب

علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ نے مانعین کے دلائل کا یہ جواب دیا ہے:

وَلَنَا أَنَّ الْجَهَالَةَ فِي الْإِسْقَاطِ لَا تُفْضِي إِلَى الْمُنَازَعَةِ وَإِنْ كَانَ فِي ضِمْنِهِ التَّمْلِيكُ لِعَدَمِ الْحَاجَةِ إِلَى التَّسْلِيمِ فَلَا تَكُونُ مُفْسِدَةً.(۲)

---

(۱) المہذب مع المجموع ۱۲/ ۳۵۵

(۲) ہدایہ ۳/ ۴۲

اسقاط میں جہالت مفضی الی النزاع نہیں ہے؛ اگرچہ اس کے ضمن میں تملیک کے معنی پائے جاتے ہیں؛ کیوں کہ یہاں سپردگی کی ضرورت نہیں ہے، پس اس سے فساد بھی در نہیں آئے گا۔

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت لکھتے ہیں:

بِخِلَافِ التَّمْلِيكِ فَإِنَّ جَهَالَةَ الْمُمَلَّكِ فِيهِ تَمْنَعُ مِنَ التَّسْلِيمِ فَلَا تَتَرَتَّبُ فَائِدَةُ التَّصَرُّفِ عَلَيْهِ، أَمَّا الْإِسْقَاطُ فَإِنَّ السَّاقِطَ يَتَلَاشَى فَلَا يَحْتَاجُ إِلَى تَسْلِيمِ، فَظَهَرَ أَنَّ الْمُبْطِلَ لِتَمْلِيكِ الْمَجْهُولِ لَيْسَ الْجَهَالَةُ بَلْ عَدَمُ الْقُدْرَةِ عَلَى التَّسْلِيمِ. (۱)

برخلاف تملیک کے؛ کیوں کہ جس چیز کا مالک قرار دیا جا رہا ہے اس کی جہالت سپردگی سے مانع ہے؛ لہٰذا تصرف کا فائدہ اس پر مرتب نہیں ہوگا، جب کہ اسقاط میں ساقط معدوم ہوجاتا ہے اس میں سپردگی کی ضرورت نہیں پڑتی، معلوم ہوا کہ مجہول کی تملیک کو باطل قرار دینے والی چیز جہالت نہیں؛ بلکہ سپردگی پر قدرت نہ ہونا ہے۔

حنفیہ کی دلیل

حنفیہ نے براءت مطلقہ کے جواز پر ان نصوص سے استدلال کیا ہے جو حقوق مجہولہ کے بارے میں صلح پر دلالت کرتے ہیں، علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَيَدُلُّ عَلَى مَا قُلْنَا حَدِيثُ عَلِيٍّ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - حِينَ بَعَثَهُ النَّبِيُّ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - لِيُصْلِحَ بَيْنَ بَنِي خُزَيْمَةَ وَذٰلِكَ أَنَّهُ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - بَعَثَ أَوَّلًا

(۱) فتح القدیر ۶/ ۳۹۷

خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ فَقَتَلَ مِنْهُمْ قَتْلَى بَعْدَمَا اعْتَصَمُوا بِالسُّجُودِ. فَدَفَعَ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - إِلَى عَلِيٍّ مَالًا فَوَدَاهُمْ حَتَّى مِيلَغَةِ الْكَلْبِ، وَبَقِيَ فِي يَدِهِ مَالٌ فَقَالَ: هَذَا لَكُمْ مِمَّا لَا تَعْلَمُونَ وَلَا يَعْلَمُهُ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -. فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَسُرَّ بِهِ. (۱)

ہماری دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بنو خزیمہ (۲) کے مابین صلح کرانے کے لیے بھیجا تھا، اصل واقعہ یوں ہے کہ اولاً آپ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا؛ لیکن آپ نے سجدہ کرنے کے باوجود ان کے کچھ آدمیوں کو قتل کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مال دیا، جس سے انہوں نے دیت ادا کر دی، حتی کہ وہ برتن بھی جس میں کتا منہ ڈال کر پانی پیتا ہے، پھر کچھ مال بچ گیا، تو آپ نے کہا یہ تمہارے لیے ہے جسے نہ تم جانتے ہو اور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے ہیں، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپ مسرور ہوئے۔

یہ حقوق مجہولہ کے متعلق صلح کے جائز ہونے کی دلیل ہے؛ کیوں کہ مابقیہ مال حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان حقوق کے مقابلے میں دیا تھا جن کا علم نہ ان لوگوں کو تھا اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو، غرض یہ حقوق مجہولہ کے متعلق صلح تھی۔

---

(۲) فتح القدیر ۶/ ۳۹۸

(۲) مطبوعہ نسخہ میں یہی ہے؛ لیکن مصنف فرماتے ہیں کہ صحیح جذیمہ ہے، جیسا کہ سیرت ابن ہشام (۴۲۹/۲) اور دیگر کتبِ سیرت میں ہے۔

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی ہے:

جَاءَ رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ يَخْتَصِمَانِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَوَارِيثَ بَيْنَهُمَا قَدْ دُرِسَتْ، لَيْسَ بَيْنَهُمَا بَيِّنَةٌ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ، وَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَلْحَنُ بِحُجَّتِهِ، أَوْ قَدْ قَالَ: لِحُجَّتِهِ، مِنْ بَعْضٍ، فَإِنَّمَا أَقْضِي بَيْنَكُمْ عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا، فَلَا يَأْخُذْهُ، فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ يَأْتِي بِهَا إِسْطَامًا فِي عُنُقِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. فَبَكَى الرَّجُلَانِ، وَقَالَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا: حَقِّي لِأَخِي، قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَا إِذْ قُلْتُمَا، فَاذْهَبَا فَاقْتَسِمَا، ثُمَّ تَوَخَّيَا الْحَقَّ، ثُمَّ اسْتَهِمَا، ثُمَّ لِيَحْلِلْ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْكُمَا صَاحِبَهُ.(۱)

دو انصاری اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں قدیم میراث کا معاملہ لے کر آئے، اور ان کے پاس بینہ بھی نہیں تھا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میرے پاس مقدمات لے کر آتے ہو، اور میں صرف ایک انسان ہوں، ہوسکتا ہے کہ تم میں سے ایک دوسرے کے مقابل اپنی دلیل بہتر انداز سے پیش کرے جس کی بنا پر میں اس کے موافق فیصلہ کردوں، پس اگر میں نے کسی شخص کے حق میں فیصلہ دیا، حالاں کہ وہ اس کے بھائی کا حق تھا تو وہ اسے نہ لے؛ کیوں کہ میں اسے آگ کا ایک

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۶۷۱۷

انگارہ دے رہا ہوں، جسے وہ قیامت کے دن لے کر آئے گا اور اس کی گردن میں آگ دہک رہی ہوگی، دونوں انصاری رونے لگے، اور ہر ایک کہنے لگا: میرا حق میرے بھائی کے لیے ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم نے یہ مان لیا تو جاؤ اور بٹوارہ کر لو، حق کو پیشِ نظر رکھو پھر قرعہ اندازی کرو، پھر تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے لیے حلال کر دے۔ (یعنی اپنا ذمہ بری کر دے۔)

اور اس سلسلے میں مسلمانوں کا عملی اجماع بھی ہے، کیوں کہ سارے زمانوں میں جس کسی کی بھی موت کا وقت قریب آتا تھا تو وہ بلا نکیر اپنے معاملہ کرنے والوں سے حلال کروالیتا تھا۔ (۱)

موجودہ دور کی تجارتوں میں عیوب سے براءت کی شرط لگانے کی ضرورت ہے؛ اس لیے المجلس الشرعی لهيئة المحاسبة والمراجعة للموسسات المالية الاسلامية نے اس باب میں حنفیہ کا مذہب اختیار کیا ہے۔ (۲)

۳۸۳۔ خیارِ عیب کا مقتضی

پھر واپس کرنے کے اختیار کا مقتضی یہ ہے کہ مشتری بائع کو مبیع لوٹا کر ثمن واپس لے سکتا ہے؛ لیکن کیا مبیع روک کر بطور تاوان ثمن میں سے کچھ حصہ کے مطالبے کا حق ہوگا؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک مشتری کو یہ حق نہیں ہوگا، اس کو صرف اتنا اختیار رہے کہ بیع فسخ کر کے ثمن واپس لے لے یا مبیع اپنے ہی پاس تاوان کے مطالبے کے بغیر رکھے، اسی طرح بائع کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ مشتری کو اس پر مجبور کرے کہ نقصان کا ضمان لے کر مبیع اپنے پاس رکھ لے۔ (۳) صاحب ہدایہ نے اس

---

(۱) فتح القدیر ۶/ ۳۹۸

(۲) معیار شرعی، رقم: ۸، بند ۴/ ۹

(۳) ہدایہ ۳/ ۷ ۳ والمہذب مع المجموع ۱۲/ ۱۶۷

نے اس کی یہ علت بیان کی ہے:

لِأَنَّ الْأَوْصَافَ لَا يُقَابِلُهَا شَيْءٌ مِنَ الثَّمَنِ فِي مُجَرَّدِ الْعَقْدِ، وَلِأَنَّهُ لَمْ يَرْضَ بِزَوَالِهِ عَنْ مِلْكِهِ بِأَقَلَّ مِنَ الْمُسَمّٰى فَيَتَضَرَّرُ بِهِ، وَدَفْعُ الضَّرَرِ عَنِ الْمُشْتَرِي مُمْكِنٌ بِالرَّدِّ بِدُونِ تَضَرُّرِهِ. (۱)

مجرد عقد میں صفات کے مقابل ثمن کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، نیز بائع متعینہ ثمن سے کم میں دینے پر راضی نہیں ہے؛ لہٰذا اس کو ضرر لاحق ہوگا، اور مشتری کا ضرر اس طرح دفع کیا جاسکتا ہے کہ اس کو واپس کرنے کا اختیار دے دیا جائے، اس میں مشتری کا کوئی ضرر بھی نہیں ہے۔

البتہ اگر عاقدین بطورِ صلح تاوان پر راضی ہوجائیں تو حنفیہ کے نزدیک اس پر صلح کے احکام جاری ہوں گے، علامہ ابن ہمام لکھتے رحمۃ اللہ علیہ ہیں:

وَلَوْ وَجَدَ بِهِ عَيْبًا فَاصْطَلَحَا عَلَى أَنْ يَدْفَعَ أَوْ يَحُطَّ دِينَارًا جَازَ. وَلَوْ دَفَعَهُ الْمُشْتَرِي لِيَرُدَّ لَمْ يَجُزْ، لِأَنَّهُ رِبًا وَزَوَالُ الْعَيْبِ يُبْطِلُ الصُّلْحَ فَيَرُدُّ عَلَى الْبَائِعِ مَا بَذَلَ أَوْ حَطَّ إِذَا زَالَ، وَلَوْ زَالَ بَعْدَ خُرُوجِهِ عَنْ مِلْكِهِ لَا يَرُدُّهُ، وَلَوْ صَالَحَهُ بَعْدَ الشِّرَاءِ مِنْ كُلِّ عَيْبٍ بِدِرْهَمٍ جَازَ وَإِنْ لَمْ يَجِدْ بِهِ عَيْبًا؛ وَلَوْ قَالَ اشْتَرَيْتُ مِنْكَ الْعُيُوبَ لَمْ يَجُزْ. (۲)

اگر مبیع میں کوئی عیب معلوم ہو، اور عاقدین اس پر صلح کرلیں کہ

---

(۱) ہدایہ ۳/ ۳۷

(۲) فتح القدیر ۶/ ۴۰۰

بائع ایک دینار واپس کرے گا یا کم کردے گا تو یہ جائز ہے، اور
اگر مشتری واپس کرنے کے لیے بائع کو ایک دینار دے تو سود
ہونے کی وجہ سے یہ ناجائز ہے، اور عیب کے زائل ہونے سے
صلح باطل ہوجائے گی؛ لہٰذا زائل ہونے کی صورت میں مشتری
بائع کو وہ رقم واپس کرے گا جو بائع نے دی تھی یا ثمن میں سے کم
کی تھی، اور اگر ملک سے نکلنے کے بعد زائل ہو تو واپس نہیں
کرے گا، اور اگر خریدنے کے بعد اس بات پر صلح کی جائے کہ
ہر عیب کے بدلہ ایک درہم دینا ہوگا تو یہ جائز ہے؛ اگرچہ اس
میں کوئی عیب نہ پائے، اور اگر یہ کہے کہ میں نے عیوب خرید لیا
ہے تو یہ ناجائز ہے۔

شافعیہ وحنابلہ کا مذہب

شوافع کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ تاوان پر صلح کرنا جائز ہے، اور دوسرا یہ کہ ناجائز ہے، علامہ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اصل مذہب قرار دیا ہے؛ لیکن علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے جواز کے قول کو ترجیح دی ہے۔(۱)

حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ خیارِ عیب کا مقتضیٰ مشتری کو اس اختیار کا حاصل ہونا ہے کہ وہ مبیع واپس کردے یا اپنے پاس ہی روک کر تاوان وصول کرلے، یہی امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔(۲)

مالکیہ کا مذہب

مالکیہ کے نزدیک عیوب کے اقسام کے سلسلے میں تفصیل ہے، چنانچہ انھوں نے تین قسمیں بیان کی ہیں:

---

(۱) تکملۃ المجموع ۱۲/ ۱۶۸

(۲) المغنی ۴/ ۱۲۰

پہلی قسم: عیب اتنا معمولی ہو کہ اس کی وجہ سے ثمن میں کمی نہیں آتی ہو، یا مبیع میں اس طرح کا عیب عموماً پایا جاتا ہو تو اس سے خیار ثابت نہیں ہوگا، اور اس طرح کا عیب دیگر فقہاء کے نزدیک بھی بالاتفاق عیب شمار نہیں ہوتا۔

دوسری قسم: عیب اس درجہ کا ہو کہ تہائی مقدار سے کم ثمن کی کمی ہو جاتی ہو، مالکیہ کے نزدیک اس کا حکم مبیع کی نوعیت کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے، اگر مبیع اصول میں سے ہو (بظاہر اصول سے مراد غیر منقولی اشیاء ہیں، جیسے: عمارت اور درخت) تو مشتری کو خیار حاصل نہیں ہوگا؛ اگرچہ مبیع علی حالہ باقی ہو؛ بلکہ وہ صرف عیب کی قیمت لے سکتا ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ گھر کی دیوار میں شگاف ہو، اور اگر مبیع عروض میں سے ہو تو مدونہ وغیرہ کی ظاہر روایت کے مطابق واپس کرنے کا اختیار ہوگا، اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا حکم بھی اصول کے حکم کی مانند ہے، اور علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ اصول وعروض کے مابین کوئی فرق نہیں ہے؛ لہٰذا اس طرح کے عیب سے واپس کرنے کا حق نہ ہوگا؛ بلکہ وہ صرف تاوان لے سکتا ہے۔

تیسری قسم: عیب اتنا زیادہ ہو کہ تہائی یا اس سے زیادہ کے بقدر ثمن میں کمی آجاتی ہو، اس صورت میں مالکیہ، حنفیہ اور شافعیہ کے ہم مسلک ہیں کہ مشتری یا تو مبیع واپس کردے یا تاوان کا مطالبہ کیے بغیر اپنے پاس رکھ لے۔(۱)

۳۸۴-بائع کا مشتری کے سامنے عیب زائل کرنے کی پیش کش کرنا

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مشتری کے لیے خیارِ عیب ثابت ہونے کے بعد بائع یہ پیشکش کرتا ہے کہ وہ اس عیب کو زائل کردے گا، اس کے دو طریقے ہو سکتے ہیں:

پہلا طریقہ

بائع مبیع واپس لے کر اس کا صحیح سالم نیا مثل دے، مثلاً کار کی بیع ہو اور مشتری کو اس میں کوئی عیب نظر آئے، چنانچہ بائع کہے کہ میں تمہیں اسی طرح کی نئی صحیح سالم کار لاکر

(۱) المقدمات الممہدات ۲/ ۱۰۰ و۱۰۱ والشرح الصغیر مع حاشیۃ الصاوی ۳/ ۱۵۸ و۱۵۹

دیتا ہوں، بائع کی جانب سے اس پیشکش کی بنا پر مشتری کا خیار ساقط نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ اس پیشکش کو مسترد بھی کرسکتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نئی کار وہ نہیں ہے جسے مشتری نے خریدا تھا؛ لہٰذا بائع اس کے لینے پر مجبور نہیں کرسکتا، اور اگر مشتری لے لے تو یہ سابقہ بیع کا اقالہ اور دوسرے کار کی بیع جدید ہوگی جس میں طرفین کی رضامندی ضروری ہے۔

دوسرا طریقہ

بائع مبیع کی اصلاح کرکے یا بعض اجزاء بدل کر عیب کو زائل کردے، اس سلسلے میں مجھے حنفیہ کے یہاں کوئی تصریح نہیں مل سکی، صرف امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت نظر آئی:

وَإِذَا اشْتَرَى عَبْدًا عَلَيْهِ دَيْنٌ لَمْ يَعْلَمْ بِهِ ثُمَّ عَلِمَ بِذَلِكَ فَلَهُ أَنْ يَرُدَّهُ، لِأَنَّ قِيَامَ الدَّيْنِ عَلَيْهِ مِمَّا يَعُدُّهُ التُّجَّارُ عَيْبًا... إِلَّا أَنْ يَقْضِيَ عَنْهُ الْبَائِعُ دَيْنَهُ أَوْ يُبْرِئَهُ الْغُرَمَاءُ مِنْهُ فَبِذَلِكَ يَزُولُ الْعَيْبُ وَزَوَالُ الْعَيْبِ قَبْلَ الْخُصُومَةِ يُسْقِطُ حَقَّ الْمُشْتَرِي فِي الرَّدِّ.(۱)

کسی شخص نے غلام خریدا، اس غلام کے ذمہ دین تھا جس کا مشتری کو علم نہیں تھا، بعد میں علم ہوا تو واپس کرنے کا اختیار ہوگا؛ کیوں کہ دین کا ذمہ میں پایا جانا تاجروں کے یہاں عیب شمار کیا جاتا ہے؛ الّا یہ کہ بائع دین ادا کردے یا قرض خواہ حضرات غلام کو بری کردیں تو اس سے عیب زائل ہوجاتا ہے، اور خصومت سے قبل عیب کا زوال مشتری کے خیار کو ساقط کردیتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بائع کو یہ حق ہے کہ وہ خصومت سے قبل عیب کو زائل کردے؛ تاکہ مشتری کا خیار ساقط ہوجائے۔

شافعیہ کا مذہب

شوافع کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ بائع اگر قلیل مدت میں عیب کو زائل کرنے کا

---

(۱) المبسوط ۱۳/ ۱۱۳

التزام کرے تو اس سے مشتری کا خیار ساقط ہو جاتا ہے، اور قلیل مدت وہ ہے کہ جتنی کے لیے اجرت نہیں دینی پڑتی؛ لہٰذا اگر اتنی مدت لگے جس کی تاجروں کے عرف میں اجرت دینی پڑتی ہو تو مشتری کا خیار ساقط نہیں ہوگا، علامہ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وإن قال البائع أنا أزيل العيب مثل أن يبيع أرضا فيها حجارة مدفونة يضر تركها بالارض فقال البائع أنا أقلع ذلك في مدة لا أجرة لمثلها سقط حق المشتري من الرد لان ضرر العيب يزول من غير إضرار.(۱)

اگر بائع کہے کہ میں عیب زائل کردوں گا، مثلاً: اس نے ایسی زمین فروخت کی جس میں پتھر دفن تھے، جن کو چھوڑے رکھنا زمین کے لیے نقصان دہ تھا، تو بائع نے کہا: میں اس کو نکال دوں گا، اور اتنی مدت ذکر کی جتنی کے لیے اجرت نہیں دینی پڑتی، تو مشتری کا خیار ساقط ہو جائے گا؛ کیوں کہ عیب زائل ہو جارہا ہے، اور اس میں مشتری کا بھی کوئی ضرر نہیں ہے۔

اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أَنَّ الرَّافِعِيَّ وَغَيْرَهُ قَاسُوا ذٰلِكَ عَلَى مَا لَوْ اشترى دارا يلحق سَقْفَهَا خَلَلٌ يَسِيرٌ يُمْكِنُ تَدَارُكُهُ فِي الْحَالِ أَوْ كَانَتْ مُنْسَدَّةَ الْبَالُوعَةِ فَقَالَ الْبَائِعُ أَنَا أُصْلِحُهُ وَأَبِيعُهَا لَا خِيَارَ لِلْمُشْتَرِي.(۲)

علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس کو اس مسئلہ پر قیاس کیا ہے کہ

(۱) المہذب مع المجموع ۱۲/ ۱۶۶

(۲) حوالہ سابق

اگر ایسا گھر خریدے جس کی چھت میں کچھ خرابی ہو، اور فی الحال
اس کو دور کیا جانا ممکن ہو، یا پانی کی نالی بند ہو، اور بائع کہے کہ
میں اس کی اصلاح کر کے فروخت کروں گا تو مشتری کو خیار
حاصل نہیں ہوگا۔

حنابلہ کا مذہب

اور ظاہر یہ ہے کہ حنابلہ کا بھی یہی مذہب ہے؛ کیوں کہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ بائع نے اگر ایسی زمین فروخت کی جس میں اس نے بیج بوئی تھی، اور مشتری کو اس کی خبر نہیں تھی تو اس کو خیار حاصل ہوگا، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

لأنه عيب في حقه لما يفوت عليه من نفع الأرض،
فإن قال البائع: أنا أحوله على وجه لا يضر وفعل
سقط الخيار لزوال العيب. (۱)

کیوں کہ یہ مشتری کے حق میں عیب ہے، اس لیے کہ وہ زمین
سے نفع نہیں اٹھا سکتا، پھر اگر بائع کہے کہ میں اس طرح تبدیل
کردوں گا کہ ضرر نہیں ہوگا، اور وہ کردے تو عیب زائل ہونے
کی وجہ سے خیار ساقط ہو جائے گا۔

اس طرح کے مسائل میں مجھے اگرچہ مالکیہ اور حنفیہ کی تصریحات نہیں مل سکیں؛ لیکن ظاہر یہی ہے کہ شوافع نے جو تفصیل ذکر کی ہے وہ ان کے قواعد کے خلاف نہیں ہے؛ البتہ عیب کے ازالہ کے لیے جس قلیل مدت کی انہوں نے شرط لگائی ہے وہ عیوب کے لحاظ سے بدلتی رہنی چاہیے، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

۳۸۵-خیارِ عیب کی وجہ سے مبیع واپس کرنے کے حق کے موانع

خیارِ عیب میں اصل یہ ہے کہ جب اپنے شرائط کے مطابق اس کا ثبوت ہو جائے

(۱) الکافی ۲/ ۴۳

تو مشتری کو یہ حق ہوتا ہے کہ بائع کو مبیع لوٹا کر کل ثمن واپس لے لے؛ لیکن کبھی ایسے حالات پیش آتے ہیں جن کی بنا پر مبیع کو لوٹانا متعذر رہوتا ہے، یہ حالات موانع الرد کہلاتے ہیں، درج ذیل موانع رد میں سے کسی مانع کے پائے جانے کی صورت میں اصل تو یہ ہے کہ مشتری کو مبیع لوٹانے کا حق نہ ہو؛ لیکن وہ عیب دار اور غیر عیب دار کے مابین جو قیمت کا فرق ہے اس کا مطالبہ کرسکتا ہے، یہ فرق فقہاء کی اصطلاح میں **أرش یا ضمان النقصان** کہلاتا ہے، ذیل میں ان موانع اور مختلف مذاہب میں ان کے احکام کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

۳۸۶۔ مبیع کا ہلاک ہوجانا

پہلا مانع مبیع کا ہلاک ہوجانا ہے، اگر سپردگی سے پہلے بائع کے قبضے میں مبیع ہلاک ہوجائے تو محل کے فوت ہونے کی وجہ سے واپسی نہیں ہوسکتی؛ لہٰذا عقد فسخ ہوجائے گا، اور بائع کو مشتری سے ثمن کے مطالبے کا حق نہیں ہوگا، اور اگر بائع نے ثمن لے لیا تھا تو واپس کرنا ضروری ہوگا؛ کیوں کہ مبیع اس وقت ہلاک ہوئی ہے جب کہ وہ بائع کے ضمان میں تھی۔

اور اگر مشتری کے مبیع پر قبضہ کرنے کے بعد مبیع ہلاک ہو تو اس کی متعدد صورتیں ہیں:

پہلی صورت

کسی آسمانی آفت کی وجہ سے وہ ہلاک ہو، مثلاً مبیع جانور ہو اور وہ مرجائے، تو یہ بدیہی طور پر واپس کرنے سے مانع ہے؛ لیکن مشتری کو بائع سے ارش کے مطالبے کا اختیار رہوگا، یہ فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے، بشرطیکہ بائع نے تدلیس سے کام نہ لیا ہو اور وہ عیب ہلاک ہونے کا سبب نہ ہو۔

اور اگر مبیع ایسے عیب کی وجہ سے ہلاک ہوئی جو موجبِ خیار تھا، تو اس میں اختلاف ہے، مالکیہ کہتے ہیں: اگر بائع نے تدلیس سے کام لیا تھا، مثلاً: غلام بھگوڑا یا چور تھا، بائع نے تدلیس سے کام لیا، اور غلام بھاگ گیا یا چوری کی وجہ سے ہلاک ہوگیا، تو مشتری پر کچھ لازم نہیں ہوگا، اور وہ کل ثمن واپس لے گا۔(۱)

(۱) الشرح الکبیر للدردیر مع الدسوقی ۳/ ۱۲۸

حنابلہ نے حکم کا مدار تدلیس پر رکھا ہے، اگر بائع نے تدلیس سے کام لیا تھا تو مشتری کو کل ثمن واپس لینے کا اختیار ہوگا خواہ مبیع اس عیب کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہو یا کسی اور وجہ سے۔(۱)

حنفیہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہلاک ہونے کے اسباب کے درمیان فرق نہیں کرتے؛ بلکہ آفت سماوی کے ذریعے ہلاک ہونے کی تمام صورتوں میں واپسی کا حق نہیں ہوگا اور ارش لازم ہوگا، خواہ مبیع عیب کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہو یا کسی اور وجہ سے، جب تک وہ سبب بندہ کے اختیار سے باہر رہے۔(۲)

دوسری صورت

مشتری کے مبیع استعمال کرنے کی وجہ سے مبیع ہلاک ہوئی ہو، مثلاً مبیع کھانا ہو اور مشتری نے اسے کھالیا، تو اگر عیب کا علم ہونے کے باوجود کھالیا تو یہ عیب پر رضامندی ہے، اور اس سے خیار ساقط ہوجائے گا، اور اگر کھاتے وقت عیب کا پتہ نہیں تھا؛ بلکہ بعد میں علم ہوا، یا مبیع کپڑا تھی، اور وہ استعمال کرنے سے پھٹ گئی، اور پھٹنے کے بعد عیب کا علم ہوا تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مشتری کو بائع سے کسی چیز کے مطالبے کا اختیار نہیں ہوگا؛ کیوں کہ اس نے مبیع کو ایسے فعل سے تلف کیا ہے کہ اگر وہ فعل دوسرے کی ملک میں پایا جاتا تو ضمان لازم ہوتا؛ البتہ ملکیت کی وجہ سے یہاں ضمان ساقط ہوجائے گا، گویا مشتری نے ضمان سے براءت کا فائدہ اٹھایا تو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ عوضاً اس سے نفع اٹھائے۔

صاحبین اور ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں کہ مشتری بائع سے ارش وصول کرے گا؛ کیوں کہ اس نے مبیع کے ساتھ وہی برتاؤ کیا ہے جس کے لیے مبیع خریدی جاتی ہے؛ لہٰذا یہاں نہ تلف کرنا پایا گیا اور نہ رضامندی، پس وہ ارش کا مستحق ہوگا۔(۳) اور علامہ ابن

---

(۱) المغنی ۴/ ۱۰۸

(۲) ہدایہ ۳/ ۳۸ و فتح القدیر ۶/ ۳۶۹

(۳) فتح القدیر ۶/ ۳۷۱ و المغنی ۴/ ۱۲۳

ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے خلاصہ کے حوالے سے صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے، اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ (فتح القدیر ۶ / ۳۷۱)

تیسری صورت

مبیع مشتری کے ایسے فعل سے ہلاک ہو جائے جو عموماً مبیع کے ساتھ نہیں کیا جاتا، مثلاً: مبیع برتن ہو اور مشتری اس کو توڑ دے، تو یہ لوٹانے سے مانع ہے، اور حنفیہ کے نزدیک ارش کے مطالبے کا اختیار بھی نہیں ہوگا۔ (۱) کیوں کہ مانعِ رد خود اسی کی تعدی سے پایا گیا ہے، اور اس تعدی کی وجہ سے اس نے بائع کے مبیع واپس لینے کے حق کو فوت کر دیا ہے؛ لہٰذا اس کو بائع سے ارش لینے کا بھی حق نہیں ہوگا، لیکن حنابلہ کے نزدیک ارش لینے کا مستحق ہوگا؛ اس لیے کہ علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے سابقہ مسئلہ کی علت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

وَلَنَا أَنَّهُ مَا اسْتَدْرَكَ ظَلَامَتَهُ، وَلَا رَضِيَ بِالْعَيْبِ، فَلَمْ يَسْقُطْ حَقُّهُ مِنَ الْأَرْشِ، كَمَا لَوْ تَلِفَ بِفِعْلِ اللّٰهِ تَعَالَى. (۲)

ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے اپنی ناحق لی ہوئی چیز واپس نہیں لی اور نہ عیب پر راضی ہوا؛ لہٰذا تاوان سے اس کا حق ساقط نہیں ہوگا، جیسا کہ اگر مبیع اللہ تعالیٰ کے فعل سے ہلاک ہوتی۔

ظاہر ہے کہ یہ زیادہ اوفق بالعدل ہے، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

۳۸۷۔ مشتری کے پاس نیا عیب پیدا ہونا

اگر بائع کے فعل کے بغیر مشتری کے یہاں مبیع میں کوئی نیا عیب ظاہر ہو تو اس سلسلے میں دو مذہب ہیں:

---

(۱) الدر مع الرد ۵ / ۲۲

(۲) المغنی ۴ / ۱۲۳

پہلا مذہب

یہ مانعِ رد ہے؛ لہٰذا مشتری کو واپس کرنے کا حق نہیں ہوگا؛ لیکن عیب قدیم کے ارش کے مطالبے کا اختیار رہے، یہ حنفیہ کا مذہب ہے، علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

لِأَنَّ فِي الرَّدِّ إِضْرَارًا بِالْبَائِعِ؛ لِأَنَّهُ خَرَجَ عَنْ مِلْكِهِ سَالِمًا، وَيَعُودُ مَعِيبًا فَامْتَنَعَ، وَلَا بُدَّ مِنْ دَفْعِ الضَّرَرِ عَنْهُ فَتَعَيَّنَ الرُّجُوعُ بِالنُّقْصَانِ إِلَّا أَنْ يَرْضَى الْبَائِعُ أَنْ يَأْخُذَهُ بِعَيْبِهِ. (۱)

کیوں کہ لوٹانے میں بائع کا ضرر ہے؛ اس لیے کہ مبیع اس کی ملکیت سے صحیح سالم ہونے کی حالت میں نکلی تھی، اور عیب دار ہوکر لوٹ رہی ہے؛ لہٰذا اس کی اجازت نہیں ہوگی، اور مشتری کا ضرر بھی دفع کرنا ضروری ہے؛ اس لیے نقصان کا ضمان لینے کا اختیار ہوگا،؛ الّا یہ کہ بائع اس عیب کے ساتھ مبیع واپس لینے پر راضی ہوجائے۔

یہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت بھی ہے، اور حضرت ابن سیرین، شعبی اور زہری رحمۃ اللہ علیہم سے یہی منقول ہے۔ (۲)

۳۸۸۔ دوسرا مذہب

مشتری کو خیار حاصل ہوگا، یا تو مبیع اپنے پاس رکھ کر بائع سے ارش کا مطالبہ کرے، یا مبیع لوٹانے کے ساتھ ساتھ عیب جدید کا ارش بھی بائع کو دے، یہ مالکیہ کا مذہب ہے۔ (۳) حنابلہ کی راجح روایت یہی ہے۔ (۴) شافعیہ کا بھی یہی قول ہے؛

---

(۱) ہدایہ ۳/۳۸

(۲) المغنی ۴/ ۱۱۲

(۳) الشرح الکبیر مع الدسوقی ۳/ ۱۲۶

(۴) المغنی ۴/ ۱۱۳

البتہ شافعیہ مزید یہ کہتے ہیں کہ عاقدین کو یہ اختیار ہوگا کہ آپسی رضامندی سے دونوں باتوں میں سے جس پر چاہیں عمل کرلیں، اگر ان کا کسی بات پر اتفاق نہ ہو تو اصح یہ ہے کہ مشتری کو مبیع رکھنے اور بائع سے ارش کے مطالبہ کا پابند بنایا جائے، خواہ یہ رائے بائع کی ہو یا مشتری کی؛ کیوں کہ اس صورت میں عقد باقی رہ جاتا ہے۔(۱)

اور اگر بائع عیب دار مبیع واپس لے کر کل ثمن لوٹانے پر راضی ہو جائے تو یہ تمام فقہاء کے نزدیک بالاتفاق جائز ہے۔

۳۸۹۔ مشتری کے پاس مبیع میں زیادتی

اگر بیع کے بعد مبیع میں کوئی زیادتی ہو جائے، پھر مشتری کو ایسا عیب پتہ چلے جو مبیع میں عقد کے وقت موجود تھا تو اس کی درج ذیل صورتیں ہیں:

پہلی صورت

زیادتی مبیع سے متصل ہو اور اسی سے متولد ہوئی ہو، مثلاً جانور کے موٹاپے میں اضافہ، یا تابیر سے قبل درخت کے پھل میں اضافہ، تو اگر مبیع پر مشتری کے قبضے سے قبل یہ زیادتی ہوئی ہو تو بالاتفاق اس طرح کی زیادتی مانع رد نہیں ہے؛ بلکہ خیارِ عیب کی وجہ سے مشتری کو مبیع مع زیادتی لوٹانے کا حق ہے؛ البتہ اس زیادتی کے عوض کے مطالبہ کا اختیار نہیں ہوگا، اور اگر مشتری کے قبضے کے بعد زیادتی ہوئی ہو تو یہ بھی مانع رد نہیں ہے؛ لیکن اگر مشتری مبیع اپنے پاس رکھ کر بائع سے ارش لینا چاہتا ہو تو شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہ اختیار ہوگا، اور بائع اس سے انکار نہیں کرسکتا، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بائع کے انکار کی صورت میں مشتری اس کو ارش پر مجبور نہیں کرسکتا، بشرطیکہ بائع مبیع واپس لے کر کل ثمن واپس لوٹا دے۔(۲) یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔(۳)

---

(۱) مغنی المحتاج ۲/ ۴۴۱

(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۲۸۴ تا ۲۸۶

(۳) المجموع ۱۲/ ۱۶۷ و ۱۹۶

اور مالکیہ کے مذہب میں دو قول ہیں: ایک قول شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے مثل ہے، اور دوسرا امام محمد وشافعی رحمۃ اللہ علیہما کے قول کی مانند۔(۱)

حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ مبیع سے متولد متصل زیادتی مانعِ رد نہیں ہے، خواہ عیب کی زیادتی مشتری کے قبضے سے قبل ہوئی ہو یا بعد میں۔(۲) اور ہم سابق میں علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ذکر کر چکے ہیں کہ وہ تمام صورتیں جن میں مشتری کو خیارِ عیب حاصل ہوتا ہے ان کے اندر مشتری کو یہ حق ہے کہ مبیع کو رکھ کر بائع سے ارش کا مطالبہ کرے، اور یہ بھی ذکر تھا کہ یہ امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے۔(۳) اس ضابطہ کا تقاضا یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں بھی مشتری کو مبیع رکھ کر بائع سے ارش کے مطالبہ کا حق ہو۔

دوسری صورت

زیادتی مشتری کے قبضہ کے بعد پیدا ہوئی ہو، اور وہ نہ مبیع سے متولد ہو اور نہ اس سے متصل، مثلاً کار خرید کر اسے کرایہ پر دیا، اور اس سے کرایہ کمایا، اس کے بعد عیب کا پتہ چلا، تو اس صورت میں بھی بالاتفاق یہ کمائی مانعِ رد نہیں ہے، مشتری کار لوٹا سکتا ہے، اور وہ اس کمائی کو اپنے پاس ہی رکھے گا، اور یہ کمائی اس کے لیے طیب اور حلال ہوگی؛ کیوں کہ کمائی کا حصول اس وقت ہوا ہے جب کہ کار اس کے ضمان میں تھی، اس کی بنیاد اس حدیث پر ہے جس کی تخریج امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے کی ہے:

أَنَّ رَجُلًا، ابْتَاعَ غُلَامًا فَأَقَامَ عِنْدَهُ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يُقِيمَ، ثُمَّ وَجَدَ بِهِ عَيْبًا فَخَاصَمَهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّهُ عَلَيْهِ فَقَالَ الرَّجُلُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ!

---

(۱) المقدمات الممہدات ۲/ ۱۰۳

(۲) المغنی ۴/ ۱۱۱

(۳) المغنی ۴/ ۱۱۰

قَدِ اسْتَغَلَّ غُلَامِي، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ. (۱)

ایک شخص نے ایک غلام خریدا، پھر جب تک اللہ تعالیٰ نے غلام کو اس کے پاس رکھنا چاہا' وہ رہا، پھر عیب کا علم ہوا تو وہ یہ قضیہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلام واپس کروا دیا، تو اس شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! اس نے میرے غلام سے کمائی بھی کی ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کا ضمان ہے اسی کی آمدنی ہوگی۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ غلام کے مال کماتے وقت غلام مشتری کے ضمان میں تھا، کہ اگر غلام ہلاک ہوتا تو مشتری کے مال سے ہلاک ہوتا، پس اس ضمان کی وجہ سے وہ اس کی کمائی کا بھی حق دار ہوگا۔

یہ حکم حدیث مذکور کی وجہ سے فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے، جب کہ مشتری کے مبیع پر قبضہ کے بعد زیادتی ہوئی ہو۔ (۲)

اگر مشتری نے کار خریدی، ابھی اس پر قبضہ نہیں کیا اور کار بائع ہی کے پاس تھی، اس دوران اس نے کار کرایہ پر دے کر کرایہ حاصل کیا، اس کے بعد مشتری کو کار سپرد کی، پھر مشتری کو عیب کا علم ہوا تو اس صورت میں فقہائے احناف کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اصل کے مطابق حکم یہ ہے کہ کار کے ذریعے حاصل کردہ کمائی مشتری کی ملکیت ہوگی؛ کیوں کہ کمائی بیع اور مشتری کی جانب ملک کے منتقل ہونے کے بعد حاصل ہوئی ہے؛ لیکن مشتری کے لیے یہ کمائی حلال نہیں ہوگی؛ کیوں کہ کمائی اس صورت میں حاصل ہوئی ہے جب کہ قبضہ نہ کرنے کی وجہ سے کار اس کے ضمان میں نہیں تھی؛ لہٰذا یہ

---

(۱) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۵۱۰

(۲) المغنی ۴/ ۱۱۰ و تکملۃ المجموع ۱۲/ ۲۰۰

ربح مالا یضمن ہے، اس حکم کی بنیاد اس علت پر ہے جس کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث مذکور میں صراحت فرمائی ہے، یعنی: اَلْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ. معلوم ہوا کہ اگر ضمان نہ ہوتو خراج بھی حلال نہیں ہوگا۔

اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے اصل کے مطابق مبیع لوٹانے کے بعد کمائی بائع کی ہوگی؛ لیکن اس کے لیے حلال نہیں ہوگی؛ کیوں کہ کمائی اس وقت ہوئی ہے جب کہ کار اس کی ملکیت میں نہیں تھی، یہ اس صورت میں ہے جب کہ مشتری نے عیب کی وجہ سے کار واپس کردی ہو، اگر اس نے بیع کو برقرار رکھا ہوتو بالاتفاق مشتری کے لیے وہ کمائی حلال نہیں ہوگی؛ کیوں کہ یہ ربح مالا یضمن ہے۔(۱)

شوافع اور حنابلہ کے نزدیک منفصل زیادتی بہر حال مشتری کی ہوگی، خواہ قبضہ سے قبل زیادتی ہوئی ہو یا قبضہ کے بعد، اور خواہ قبضہ کے بعد مبیع واپس کی ہو یا نہیں کی ہو، اور بائع کے قبضہ میں ہونے والی زیادتی کے بارے میں ان حضرات نے یہ ذکر نہیں کیا ہے کہ یہ مشتری کے لیے حلال نہیں ہوگی۔(۲)

اور علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب ذکر کیا ہے کہ وہ پھل اور بچہ کے درمیان فرق کرتے ہیں، پھل مشتری کا اور بچہ بائع کا مانتے ہیں؛ لہٰذا مبیع کے ساتھ بچہ بھی لوٹانا ہوگا۔(۳)

تیسری صورت

زیادتی مشتری کے قبضہ میں ہوئی ہو اور مبیع سے متصل ہو؛ لیکن اس سے متولد نہ ہو، مثلاً: کپڑا خرید کر اس کو سل دیا یا رنگ دیا، یا زمین خرید کر اس پر عمارت بنادی یا پودے لگادیے، پھر مبیع میں کسی عیب کا پتہ چلا، تو یہ زیادتی مانعِ رد ہوگی؛ اس لیے کہ زیادتی کے

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۲۸۵

(۲) المغنی ۴/ ۱۱۰

(۳) حوالہ سابق

بغیر مبیع واپس کرنے کی گنجائش نہیں ہے؛ کیوں کہ زیادتی مبیع سے جدا نہیں ہے، اسی طرح زیادتی کے ساتھ بھی مبیع نہیں لوٹائی جاسکتی ہے؛ کیوں کہ وہ نہ مبیع ہے اور نہ مبیع کے تابع؛ لہٰذا لوٹانا درست نہیں ہوگا، اور مشتری کو صرف یہ اختیار ہوگا کہ بائع سے ارش وصول کرلے، حتی کہ یہ بھی ناجائز ہے کہ مشتری از راہ تطوع زیادتی کے ساتھ مبیع واپس کرے اور بائع اس کو قبول کرلے؛ کیوں کہ یہاں بائع کو بلا عوض زیادتی حاصل ہوگی، اور عقد کے ذریعہ جو خالی عن العوض زیادتی ہو اس میں سود یا شبہہ سود پایا جاتا ہے، اور سود کے باب میں شبہہ اصل کے ساتھ لاحق ہوتا ہے؛ لہٰذا یہ ناجائز ہوگا۔(۱) پس یہاں لوٹانے کا ممنوع ہونا حکمِ شرع کی وجہ سے ہے، اور اس ممانعت پر ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا اتفاق ہے۔

لیکن شافعیہ اور مالکیہ نے مزید یہ کہا ہے کہ اگر مبیع کو عیب دار کیے بغیر اس سے زیادتی الگ کی جاسکتی ہو تو مشتری کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ زیادتی الگ کر کے اصل مبیع بائع کو لوٹا دے (ہوسکتا ہے کہ اتنی بات دیگر مذاہب میں بھی متفقہ ہو) اور اگر الگ کرنا متعذر ہو تو مشتری ارش لے لے گا؛ اِلَّا یہ کہ بائع مبیع کے ثمن کے ساتھ زیادتی کی قیمت دینے پر بھی راضی ہوجائے اور مبیع واپس لے لے۔(۲) لیکن اگر بائع اس پر راضی نہ ہو تو مشتری کو دو خیار ملیں گے: ایک یہ کہ ارش لے لے، دوسرا یہ کہ مبیع واپس کر کے زیادتی میں بائع کا شریک ہوجائے، علامہ دردیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ شرح کی ہے کہ اگر عیب دار مبیع میں زیادتی کی وجہ سے خمس کے بقدر اضافہ ہو تو مبیع ان کے مابین اخماساً مشترک ہوگی، چار خمس بائع کے اور ایک خمس مشتری کا ہوگا۔(۳)

لیکن مالکیہ مشتری کو ان دونوں باتوں کا اختیار اس معنی کر کے دیتے ہیں کہ مشتری بائع کو واپس لینے پر مجبور کرسکتا ہے، باوجودیکہ وہ زیادتی کے بقدر بائع کا شریک ہے،

---

(۱) فتح القدیر ۶/۳۶۷

(۲) الدسوقی ۳/۱۲۷

(۳) الشرح الکبیر مع الدسوقی ۳/۱۲۸

اور شافعیہ مجبور کرنے کی اجازت نہیں دیتے؛ بلکہ بائع کی رضامندی کو ضروری قرار دیتے ہیں؛ اس لیے کہ مبیع میں شریک کرنا عقدِ معاوضہ ہے؛ لہٰذا طرفین کی رضامندی ضروری ہوگی۔(۱)

علامہ قرافی رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

لَا بُدَّ مِنْ أَحَدِ الضَّرَرَيْنِ إِمَّا إِلْزَامُ الْمُشْتَرِي مَعِيبًا لَمْ يَدْخُلْ عَلَيْهِ أَوْ إِلْزَامُ الْبَائِعِ مُعَاوَضَةً لَمْ يَرْضَهَا وَهُوَ أَوْلَى أَنْ يُحْمَلَ عَلَيْهِ لِتَقَدُّمِ حَقِّ الْمُشْتَرِي بِالْعَقْدِ. (۲)

دو ضرروں میں سے لازماً کوئی ایک ضرر برداشت کرنا ہوگا، یا تو مشتری کو عیب دار مبیع لینے کا پابند کیا جائے یا بائع کو عقد معاوضہ پر مجبور کیا جائے، اور عقد کی وجہ سے مشتری کا حق مقدم ہوتا ہے؛ لہٰذا بائع کے ضرر کا تحمل کیا جائے گا۔

حنابلہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ مشتری کو صرف ارش لینے کا حق ہے اور بائع کو زیادتی کی قیمت دینے پر یا مشتری کو زیادتی کے بقدر شریک کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا؛ کیوں کہ یہ عقدِ معاوضہ ہے؛ لہٰذا جواز کے لیے رضامندی ضروری ہے، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے حنابلہ کے مذہب کی مانند امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب نقل کیا ہے؛ لیکن علامہ قرافی رحمۃ اللہ علیہ نے مالکیہ کے مذہب کی مانند امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب نقل کیا ہے۔

(۳) اس کے علاوہ اس مسئلہ میں مجھے حنفیہ کے نزدیک کوئی تصریح نہیں مل سکی؛ البتہ حنفیہ کا متصل غیر متولد زیادتی میں ارش کے لینے پر انحصار کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ

(۱) المجموع ۱۲/۱۹۷

(۲) الذخیرۃ للقرافی ۵/۹۰

(۳) الذخیرۃ للقرافی ۵/۹۰

مشتری کو دوسرا اختیار حاصل نہیں ہے؛ الّا یہ کہ عاقدین راضی ہوں، جیسا کہ شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے، اور دلیل کے لحاظ سے بھی یہی راجح معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ مبیع میں شریک کرنا عملی پہلو کے اعتبار سے بہت دشوار ہے؛ کیوں کہ اس میں زیادتی کے بغیر اور زیادتی کے ساتھ دو مرتبہ قیمت لگانے کی ضرورت پڑتی ہے، پھر دونوں کے مابین فرق کی تعیین کرنا پڑتا ہے، اس کے بعد شرکت عمل میں آتی ہے، اور اس شرکت میں بعض مرتبہ طرفین کی مصلحت نہیں ہوتی؛ کیوں کہ اس میں تقسیم یا مہایاۃ یا ایک کو دوسرے کا حصہ خریدنے کی ضرورت ہے، اور تمام مبیعات میں اس کی سہولت نہیں ہوتی؛ لہٰذا کسی فریق کو اس پر مجبور کرنا نہیں چاہیے، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

چوتھی صورت

زیادتی مبیع سے متولد اور منفصل ہو، مثلاً: بکری نے دودھ دیا یا بچہ جنا، یا درخت پر پھل آ گئے، تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر مشتری کے مبیع پر قبضہ سے پہلے زیادتی ہوئی ہو تو یہ مانع رد نہیں ہے، مشتری کے لیے بیع فسخ کر کے ثمن واپس لینا جائز ہوگا، اور زیادتی بائع کی ملک ہوگی؛ کیوں کہ وہ اس وقت ہوئی جب کہ مبیع اس کے ضمان میں تھی۔

اور اگر زیادتی قبضہ کے بعد ہوئی ہو تو یہ مانع رد ہے اور مشتری بائع سے ارش وصول کرے گا؛ اس لیے کہ متولد زیادتی بھی اصل کے تابع ہو کر مبیع ہے؛ لہٰذا اگر مشتری زیادتی کے بغیر مبیع واپس کرے تو مبیع کا ایک جزو (تابع) اس کے پاس بلا ثمن رہ جائے گا، اور یہ عوض سے خالی زیادتی ہوگی (برخلاف غیر متولد منفصل زیادتی کے؛ کیوں کہ وہ مبیع کے تابع نہیں ہوتی، اس لیے کہ وہ ایسے سبب سے حاصل ہوتی ہے جو بیع کے تابع نہیں ہوتی، جیسے مبیع کی آمدنی) اور اگر زیادتی کے ساتھ لوٹائے تو بائع کے حق میں **ربح ما لا یضمن** لازم آئے گا؛ کیوں کہ زیادتی اس وقت ہوئی ہے جب کہ مبیع مشتری کے ضمان میں تھی، نہ کہ بائع کے ضمان میں، اور **ربح ما لا یضمن** کی حدیث میں ممانعت آئی

ہے، الحاصل جب دونوں طرح سے لوٹایا نہیں جاسکتا تو ارش وصول کرنا متعین ہے۔(۱)

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ زیادتی مانعِ رد نہیں ہے؛ بلکہ مشتری بغیر زیادتی کے مبیع کو لوٹا دے گا، اس کو انہوں نے غیر متولد زیادتی پر قیاس کیا ہے، کہ مشتری کے ضمان میں زیادتی ہونے کی وجہ سے وہی اس کا مالک ہوتا ہے، اور حنفیہ کے نزدیک دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ متولد بھی اصل کے تابع ہو کر مبیع ہے، اور غیر متولد تابع نہیں ہے؛ لہٰذا جب مبیع کا ایک جزء تابع ہے اور مشتری نے کل ثمن واپس لے لیا تو زیادتی بلاعوض باقی رہ گئی۔

جو زیادتی مبیع کی جنس سے نہ ہوں ان کا حکم مالکیہ کے نزدیک شوافع وحنابلہ کے مذہب کی مانند ہے، جیسے دوہا ہوا دودھ، جانور کا کٹا ہوا بال یا توڑے ہوئے پھل، ان چیزوں کو مشتری اپنے پاس رکھ سکتا ہے، اور جو متولد زیادتی مبیع کی جنس سے ہو جیسے: باندی یا جانور کا بچہ، تو وہ کہتے ہیں کہ اگر مشتری کے پاس جنا ہو تو خیارِ عیب کی صورت میں بچہ سمیت واپس کرنا ضروری ہوگا۔(۲)

۳۹۰۔ مشتری کا مبیع اپنی ملک سے نکال دینا

اگر مشتری عقودِ تملیک ــــ جیسے: بیع، ھبہ (مع التسلیم) اور صلح ــــ میں سے کسی عقد کے ذریعے مبیع کو اپنی ملک سے نکال دے، تو اگر عیب کا علم ہونے کے باوجود نکالا ہو تو بالاجماع وہ اس کو واپس نہیں لوٹا سکتا، یہ فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہے؛ البتہ ارش کے سلسلے میں اختلاف ہے۔

حنفیہ کے مذہب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر عیب کا علم ہونے کے باوجود مبیع کو اپنی ملک سے نکال دیا تو وہ ارش کا مستحق نہیں ہوگا؛ کیوں کہ عیب کو جانتے ہوئے بیع کا اقدام عیب پر رضا کی دلیل ہے، اور اگر بیچتے وقت عیب کے بارے میں پتہ نہیں تھا تو ارش کا

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۲۸۵ تا ۲۸۷

(۲) المقدمات الممہدات ۲/ ۱۰۳ والمدونۃ ۴/ ۸۵

مطالبہ کر سکتا ہے، امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

إِلَّا أَنَّ قَبْلَ الْعِلْمِ بِالْعَيْبِ لَمْ يَصِرْ هُوَ رَاضِيًا بِالْعَيْبِ فَيَرْجِعُ بِالنُّقْصَانِ وَبَعْدَ الْعِلْمِ بِالْعَيْبِ يَصِيرُ هُوَ بِالْإِقْدَامِ عَلَى هَذَا الْفِعْلِ رَاضِيًا بِالْعَيْبِ وَلَا يَرْجِعُ بِالنُّقْصَانِ.(۱)

عیب کا علم ہونے سے پہلے وہ عیب پر رضامند نہیں تھا؛ اس لیے ارش لے سکتا ہے، اور عیب کا علم ہونے کے بعد اس فعل کا اقدام عیب پر رضا کی دلیل ہے؛ لہٰذا ارش نہیں لے گا۔

حنفیہ کے نزدیک بیع یا کسی اور تصرف ـــ جو شئ کو ملک سے نکال دیتا ہو ـــ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے؛ لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ مبیع کسی تیسرے شخص کو فروخت کرے جس کو عیب کا علم نہ ہو اور نہ مشتری نے مبیع میں ایسا تصرف کیا ہو جو اس میں تبدیلی کر دے، اگر مشتری نے مبیع میں ایسا تصرف کیا جس سے مبیع میں تبدیلی آجاتی ہے، مثلاً کپڑا کاٹ کر یا سل کر کسی تیسرے شخص کو بیچ دیا، پھر عیب کا علم ہوا تو ارش لینے کا حق نہ ہوگا، علامہ بابرتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فَإِنْ بَاعَهُ الْمُشْتَرِي يَعْنِي بَعْدَ الْقَطْعِ ثُمَّ عَلِمَ بِالْعَيْبِ لَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ لِأَنَّهُ جَازَ أَنْ يَقُولَ الْبَائِعُ كُنْت أَقْبَلُهُ كَذَلِكَ فَلَمْ يَكُنْ الرَّدُّ مُمْتَنِعًا بِرِضَا الْبَائِعِ. فَإِنَّ الْمُشْتَرِيَ يَصِيرُ بِالْعَيْبِ حَابِسًا الْمَبِيعَ وَلَا رُجُوعَ بِالنُّقْصَانِ إِذْ ذَاكَ لِإِمْكَانِ رَدِّ الْمَبِيعِ وَأَخْذِ الثَّمَنِ لَوْلَا الْبَيْعُ. (۲)

---

(۱) المبسوط ۱۳/ ۹۹

(۲) عنایہ ۶/ ۳۶۶

اگر مشتری کپڑا کاٹنے کے بعد اس کو فروخت کردے پھر عیب کا علم ہو تو وہ کوئی چیز واپس نہیں لے گا؛ کیوں کہ بائع یہ کہہ سکتا ہے کہ میں اسی طرح اس کو لوں گا، تو یہاں بائع کی رضامندی سے مبیع لوٹائی جاسکتی ہے؛ کیوں کہ مشتری بیع کی وجہ سے مبیع کو روکنے والا ہوگیا، اور اس صورت میں ضمان کا اختیار نہیں ہوتا، اس لیے کہ اگر بیع نہ ہوتی تو تو مبیع واپس کر کے ثمن لیا جاسکتا تھا۔

حنابلہ کا راجح مذہب یہ ہے کہ وہ ارش کا مستحق ہوگا؛ اگرچہ اس نے عیب کا علم ہوتے ہوئے مبیع اپنی ملک سے نکال دی ہو؛ کیوں کہ ارش اس جزء کا عوض ہے جو عیب کی وجہ سے فوت ہوا ہے؛ لہٰذا دیگر تصرفات کی وجہ سے وہ ساقط نہیں ہوگا، جیسا کہ اگر اس نے دس قفیز فروخت کیے، اور نو پر قبضہ ہوا، پھر اس نے اس میں تصرف کردیا۔(۱)

شافعیہ کا راجح مذہب یہ ہے کہ بیع کے بعد مشتری ارش کا مستحق نہیں ہے، خواہ اسے عیب کا علم ہو یا نہ ہو؛ البتہ اگر مشتری کی ملکیت بلاعوض زائل ہوئی ہو، مثلاً ہبہ، یا ایسے عقد کے ذریعہ زائل ہوئی ہو جس میں رجوع ناممکن ہے، مثلاً: وقف، تو محققین کی ایک جماعت کے نزدیک مشتری کو بائع سے ارش لینے کا حق ہے۔(۲)

مالکیہ نے ہبہ اور بیع کے درمیان فرق کیا ہے، ہبہ اور صدقہ کی صورت میں ارش کا مستحق قرار دیا ہے، اور بیع کے اندر اس صورت میں ارش کا مستحق ہوگا جب کہ اس نے مبیع کو قیمتِ خرید سے کم میں فروخت کیا ہو، اور یہ کمی بازاری حالات کی بنا پر نہ ہو؛ بلکہ اس عیب کی وجہ سے ہو، اور اس کا یہ گمان ہو کہ یہ عیب اس کی ملک میں آنے کے بعد پیدا ہوا ہے؛ البتہ جتنے میں خریدا تھا اتنے ہی میں یا اس سے زائد میں فروخت کردے تو ارش لینے کا حق دار نہیں ہوگا۔(۳)

---

(۱) المغنی ۴/ ۱۲۰

(۲) تکملۃ المجموع ۱۲/ ۲۹۲

(۳) الشرح الکبیر مع الدسوقی ۳/ ۱۲۴و ۱۲۵

پھر اگر مشتری ثانی عیب کی وجہ سے قبضہ سے قبل مبیع واپس کردے تو مشتری اول کو بھی بالاجماع یہ حق ہوگا کہ وہ بائع اول کو وہ سامان واپس کردے، اور اگر قبضہ کے بعد مشتری ثانی نے مبیع واپس کی ہو تو حنفیہ کے نزدیک اگر یہ واپسی قاضی کے فیصلہ کی بنا پر ہو تو مشتری اول کو بھی خیار حاصل ہوگا، اور وہ بائع کو واپس کرسکتا ہے، اور اگر قاضی کا فیصلہ نہ ہو تو مشتری اول کو خیار حاصل نہیں ہوگا؛ کیوں کہ یہ اگرچہ ان دونوں کے درمیان فسخِ بیع ہے؛ لیکن تیسرے کے حق میں بیع جدید ہے، اور بائع اول کی حیثیت ان دونوں کے مابین تیسرے کی ہے۔(۱) شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک مذکورہ کوئی فرق نہیں ہے؛ بلکہ وہ بہرصورت مشتری اول کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ وہ بائع کو مبیع واپس کردے۔(۲)

۳۹۱۔ خیارِ عیب کی وجہ سے مبیع کی واپسی میں منتقلی کے خرچے

اگر مشتری خیارِ عیب کی وجہ سے مبیع واپس کرنا چاہے تو عقد کی جگہ تک مبیع لے جانے کا خرچہ اسی پر ہوگا، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ بحر اور جامع الفصولین کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وَمُؤْنَةُ رَدِّ الْمَبِيعِ بِعَيْبٍ أَوْ بِخِيَارِ شَرْطٍ أَوْ رُؤْيَةٍ عَلَى الْمُشْتَرِي، وَلَوْ شَرَى مَتَاعًا وَحَمَلَهُ إِلَى مَوْضِعٍ فَلَهُ رَدُّهُ بِعَيْبٍ وَرُؤْيَةٍ لَوْ رَدَّهُ إِلَى مَوْضِعِ الْعَقْدِ وَإِلَّا فَلَا. (۳)

خیارِ عیب، یا خیارِ شرط، یا خیارِ رؤیت کی وجہ سے مبیع کی واپسی کا خرچہ مشتری پر ہوگا، اگر سامان خرید کر کہیں لے جائے پھر عیب یا خیارِ رؤیت کی وجہ سے واپس کرنا چاہے تو تبھی واپس کرسکتا ہے جب کہ عقد کی جگہ تک مبیع لے جائے؛ ورنہ نہیں۔

یہی شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے۔(۴)

---

(۱) ہدایہ مع فتح القدیر ۶/ ۳۷۴

(۲) الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/ ۱۲۴ و المجموع ۱۲/ ۲۹۷ و المغنی ۴/ ۱۲۰

(۳) رد علی الدر ۴/ ۵۹۴

(۴) المجموع ۱۲/ ۱۵۹ و شرح منتہی الارادات ۲/ ۴۵

مالکیہ نے اس مسئلہ میں بائع مدلس اور غیر مدلس کے درمیان فرق کیا ہے، اگر عیب میں بائع نے تدلیس سے کام لیا ہے تو خرچہ بھی وہی اٹھائے گا، حتی کہ اگر مشتری نے اپنے خرچہ پر مبیع شہر ہی میں کہیں اور منتقل کر لی، پھر عیب کی وجہ سے واپس کرنا چاہا تو یہ خرچہ بھی بائع پر لازم ہوگا، اور مشتری کو واپسی کے مطالبہ کا حق ہوگا؛ البتہ اگر دوسرے شہر منتقل کرلے تو نہ اس منتقلی کا خرچہ وہ بائع سے لے سکتا ہے اور نہ عقد کی جگہ تک لانے کا خرچہ بائع کے ذمہ ہوگا؛ البتہ اگر بائع یہ جانتا ہو کہ مشتری دوسرے شہر سامان لے جائے گا تو پھر لانے اور لے جانے دونوں کا خرچہ بائع اٹھائے گا۔

اور اگر بائع مدلس نہ ہو اور مشتری قریب ہی کسی مقام تک سامان لے گیا ہو، پھر عیب کی وجہ سے واپس کرنا چاہے تو خرچہ اسی کے ذمہ ہوگا، اور اگر دور دراز مقام تک لے جائے تو خیار ساقط ہو جائے گا، اب وہ صرف ارش لے سکتا ہے، یہ بات علامہ دردیر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہے؛ لیکن علامہ دسوقی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن یونس اور علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہما کے حوالے سے اس قرب و بعد کے درمیان فرق نہیں کیا ہے؛ بلکہ دونوں صورتوں میں مشتری کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اپنے خرچہ پر عقد کی جگہ تک سامان لے جائے، یا مبیع اپنے پاس رکھ کر ارش وصول کرلے۔(۱)

بندہ کی سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ مالکیہ کی ذکر کردہ تفصیل دو شہروں کے مابین اسی طرح بین الاقوامی تجارات کے مصالح کے زیادہ موافق ہے؛ کیوں کہ سامان کی منتقلی کے خرچے بہت زیادہ ہوتے ہیں جنہیں مشتری پر لازم کرنا اس کے لیے باعثِ ضرر ہے؛ کیوں کہ ان خرچوں کے اٹھانے میں اس کا کوئی فائدہ نہیں، عدل کا تقاضا ہے کہ بائع مدلس ان خرچوں کو برداشت کرے؛ کیوں کہ اس نے مشتری کو دھوکہ دیا ہے؛ لیکن اگر بائع مدلس نہ ہو تو یہاں اس کی بھی کوتاہی نہیں ہے، تو مشتری کو ارش کا مطالبہ کرنے یا اپنے خرچہ پر واپسی کا اختیار دینے میں دونوں جانب کی رعایت ہے، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

---

(۱) الشرح الکبیر مع حاشیۃ الدسوقی ۳/۱۲۹

انگریزی قانون یہ ہے کہ مشتری اگر مبیع کو کسی جائز وجہ سے قبول نہ کرے تو واپسی کا خرچہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا، بیع المال کے قانون کے دفعہ نمبر ۴۳ میں تصریح ہے کہ مشتری پر مبیع لوٹانا لازم نہیں ہے، اس کا صرف اتنا کام ہے کہ بائع کو مبیع نہ لینے کی اطلاع کردے، قانون کے شارحین نے لکھا ہے کہ اس کے بعد مبیع بائع کے ضمان میں ہوگی، اگر مشتری نے بائع کو مبیع واپس لے جانے کے لیے کہا؛ لیکن بائع نے ایسا نہیں کیا تو مشتری کو مبیع کی حفاظت کی اجرت بائع سے طلب کرنے کا حق ہوگا۔(۱)

۳۹۲۔مبیع کے بعض حصہ میں عیب پایا جائے

اگر مبیع کا ایک حصہ عیب دار ہو، باقی صحیح سالم ہو تو مبیع کے لحاظ سے حکم میں تبدیلی ہوگی، مبیعات دو قسم کی ہیں:

پہلی قسم

مبیعات شئ واحد کے درجہ میں ہوں کہ ایک سے انتفاع دوسرے پر موقوف ہو، جیسے: موزے، جوتے، دروازے کے دو پٹ، یا مکیلات وموزونات جو ایک برتن یا ایک ڈھیر میں ہوں، اور مشتری کو بعض میں عیب کا پتہ چلے، تو اس صورت کا حکم یہ ہے کہ مشتری یا تو کل واپس کردے یا کل لے لے، سالم کو رکھ کر عیب دار لوٹانے کا حق نہیں ہوگا؛ کیوں کہ دوسرے کے بغیر انتفاع ناممکن ہے، یا بائع کے حق میں یہ تفریقِ صفقہ ہے، چنانچہ بعض کے لوٹانے میں اس کا ضرر ہے؛ اِلاَّ یہ کہ بائع بعض کو اس کے حصہ ثمن کے عوض واپس لینے پر راضی ہو جائے۔

دوسری قسم

مبیعات دو اشیاء کے درجہ میں ہوں، جیسے دو کپڑے، دو بکریاں، مکیلات وموزونات وعددیات متقاربہ کے دو ڈھیر یا دو برتن، اور مشتری کو ایک میں عیب کا علم ہو تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک مشتری کو عیب دار اس کے حصۂ ثمن کے عوض لوٹانے کا اختیار

---

(۱) Pollock & mulla on sale of goods Act sec43 p323

ہوگا، یہ حق نہ ہوگا کہ کل کو واپس کردے؛ الّا یہ کہ عاقدین اسی پر راضی ہوں۔(۱) حنابلہ کے مذہب کی ایک روایت بھی یہی ہے، اور امام زفر وشافعی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یا تو کل کو لوٹائے یا کل رکھ لے، خاص عیب دار کو واپس کرنے کا حق نہیں، جیسا کہ پہلی قسم میں تھا، حنابلہ کی یہ دوسری روایت ہے۔(۲)

ہم سابق میں بیان کرچکے ہیں کہ فقہِ اسلامی میں خیارِ عیب کا جس طرح تصور ہے انگریزی قانون میں اس طرح کا نہیں ہے؛ لیکن اس میں جو تصریحات ہیں وہ خیارِ فواتِ وصف کے قریب قریب ہیں، چنانچہ اگر عقد میں جن اوصاف پر اتفاق ہوا تھا مبیع ان کے برخلاف ہو تو بیع المال کے قانون کے دفعہ نمبر ۳۷ میں مشتری کو دو اختیارات دیے گئے ہیں: یا تو کل کو لوٹا دے، یا جو حصہ اوصاف کے خلاف ہے اس کو لوٹا دے، اور باقی اس کے حصہ ثمن کے عوض رکھ لے، اور فقہ اسلامی میں جس طرح مذکورہ دو قسموں میں فرق کیا گیا ہے انگریزی قانون میں یہ فرق ملحوظ نہیں ہے؛ البتہ اس میں یہ حکم تجارتی عرف یا عاقدین کے شرائط کے تابع ہے۔

۳۹۳۔ خیارِ عیب میں وراثت

اگر مشتری کو خیارِ عیب حاصل تھا اور وہ مرگیا تو ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک بالاتفاق یہ خیار اس کے ورثہ کی جانب منتقل ہوگا۔(۳) البتہ خیارِ شرط میں وراثت کے جاری ہونے کے سلسلے میں اختلاف ہے جیسا کہ خیارِ شرط کے بیان (۴) میں آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اور علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مہذب کے تکملہ میں لکھا ہے کہ وارث کو مطلقاً خیار

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۲۸۶ ومواہب الجلیل ۴/ ۴۶۰

(۲) المغنی ۴/ ۱۲۱

(۳) المبسوط ۱۳/ ۴۳ وبدایۃ المجتہد ۳/ ۲۲۷ والمجموع ۱۲/ ۱۹۳ وشرح منتہی الارادات ۲/ ۴۱

(۴) رقم: ۴۰۵

حاصل ہوگا، خواہ مشتری کو عیب کا علم تھا یا وارث کو موت کے بعد علم ہوا، پھر اگر وارثین میں سے کوئی ایک اپنا حصہ واپس کرنا چاہے تو یہ درست نہیں ہے جیسا کہ مشتری کا بعض مبیع کو واپس کرنا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ بائع کے حق میں تفریقِ صفقہ ہے؛ الّا یہ کہ بائع راضی ہو۔(۱)

۳۹۴۔عیب کے پائے جانے کے وقت کے سلسلہ میں عاقدین کا اختلاف

اگر عاقدین میں اختلاف ہو، مشتری بائع کے پاس عیب کے پیدا ہونے کا مدعی ہو اور بائع منکر ہو، تو مشتری کے ذمہ بینہ اور بائع کے ذمہ یمین ہوگی۔(۲) یہی حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کا مذہب ہے۔(۳) اور حنابلہ کی ایک روایت ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ مشتری کے ذمہ یمین ہے۔(۴) مذاہب اربعہ میں یہی بنیادی ضابطہ ہے؛ البتہ ہر مذہب میں اس ضابطہ کی تطبیق میں جزئی تفصیلات ہیں؛ ضرورت کے وقت ان کی جانب مراجعت کی جاسکتی ہے، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

۳۹۵۔خیارِ فواتِ وصف

اس خیار کو خیارِ خُلف بھی کہا جاتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مشتری نے اگر مبیع میں کسی وصف کی شرط لگائی ہو، اور وہ وصف موجود نہ ہو تو اس کو اختیار ہوگا چاہے تو بیع کو باقی رکھے یا فسخ کردے۔

خیارِ عیب اور خیارِ فواتِ وصف کے درمیان فرق

خیارِ عیب اور خیارِ فواتِ وصف کے درمیان دو فرق ہیں:

پہلا فرق یہ ہے کہ خیارِ عیب مشتری کو حکمِ شرع کی بنا پر حاصل ہوتا ہے، مشتری پر

(۱) تکملۃ المجموع ۱۲/ ۱۹۳

(۲) ہدایہ ۳/ ۴۰

(۳) الشرح الکبیر مع الدسوقی ۳/ ۱۳۶ و ۳۷

(۴) المغنی ۴/ ۱۲۵

عقد میں اس کی شرط لگانا لازم نہیں ہے؛ بلکہ وہ براہِ راست عقد کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے، جب کہ خیارِ فواتِ وصف مشتری کو اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ اس نے مبیع میں اس وصف کی شرط لگائی ہو، مثلاً: بکری میں یہ شرط کہ وہ بہت زیادہ دودھ دیتی ہو، پس اگر بکری میں یہ وصف نہ پائے تو خیار حاصل ہوگا۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ مشتری کو خیارِ عیب تب حاصل ہوگا جب اس کے سامنے ایسا عیب ظاہر ہو جس کو عیب شمار کیا جاتا ہو، جب کہ خیارِ فواتِ وصف کسی ایسے وصف کے فوت ہو جانے سے حاصل ہوتا ہے جس میں مشتری کی رغبت ہو اور اس کی عقد میں شرط لگائی گئی ہو؛ اگرچہ اس وصف کا فوت ہونا تاجروں کے عرف میں عیب شمار نہ ہوتا ہو، مثلاً: مبیع جانور کا نر یا مادہ ہونا، یا بکری کا دودھ دینے والی ہونا۔

خیارِ فواتِ وصف کے ثبوت کے شرائط

اس خیار کے ثبوت پر ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا اتفاق ہے؛ البتہ اس کی تطبیقات میں اختلاف ہے، اس خیار کے ثبوت کے لیے فقہاء نے درج ذیل شرائط ذکر کی ہیں:

۱- وصف کی عقد میں شرط لگائی گئی ہو، یہ شرط متفق علیہ ہے، چنانچہ اگر صراحۃً وصف کی شرط ہو تو قطعی طور پر خیار ثابت ہوگا، اور اگر صراحۃً شرط نہ لگائی گئی ہو؛ لیکن دلالتِ حال کی وجہ سے وہ مشروط ہو تو ظاہر ہے کہ یہ بھی مشروط کے حکم میں ہوگا، مثلاً: کسی جگہ قربانی کے ایام میں قربانی کے جانوروں کی خرید وفروخت کے لیے خاص بازار لگتا ہے، تو اگر اس بازار سے کسی نے بکری خریدی، پھر معلوم ہوا کہ اس کی قربانی درست نہیں ہے، تو خیار حاصل ہوگا؛ اگرچہ وہ عیب ایسا نہ ہو جس کو تاجرین عیب شمار کرتے ہوں، خیارِ عیب کے آغاز میں ہم اس پر روشنی ڈال چکے ہیں۔

۲- وصف مرغوب فیہ ہو اور اس سے کوئی صحیح مقصد متعلق ہو؛ لہٰذا اگر وہ مرغوب فیہ نہ ہو اور اس سے صحیح غرض بھی متعلق نہ ہو تو یہ شرط لغو ہو جائے گی اور خیار ثابت نہیں ہوگا؛ بلکہ اس وصف کے فوت ہونے کے باوجود بیع منعقد ہو جائے گی۔(۱)

---

(۱) المجموع ۱۲/ ۳۲۹

۳- اس وصف سے ایسی غرض متعلق ہو جو مشروع ہو، محض لہو کے طور پر نہ ہو، مثلاً: باندی اس شرط پر خریدے کہ وہ گانا گاتی ہو، تو یہ گانا گانے کی شرط بطورِ لہو ہے؛ لہٰذا بیع میں ایسی شرط موجبِ فساد ہوگی، مثلاً: کوئی پرندہ اس شرط پر خریدے کہ وہ گاتا ہو یا طوطا اس شرط پر کہ وہ بات کرتا ہو، یا کبوتر اس شرط پر کہ دور جا کر واپس آجاتا ہو، یا مینڈھا اس شرط پر کہ وہ سینگ مارتا ہو، یا مرغا اس شرط پر کہ وہ لڑتا ہو؛ اس لیے کہ یہ سارے اوصاف بطورِ لہو ہیں، برخلاف جب کہ کتے کو معلَّم ہونے اور جانور کو تیز رفتار ہونے کی شرط کے ساتھ خریدے تو یہ جائز ہے؛ کیوں کہ یہ وصف ممنوع نہیں ہے۔(۱)

۴- جس وصف کی شرط لگائی گئی ہو اس میں غرر نہ ہو، مثلاً: بکری کی خریداری اس شرط پر ہو کہ وہ روزانہ اتنی متعین مقدار میں دودھ دیتی ہو، اس شرط میں غرر ہے؛ کیوں کہ یقینی طور پر یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ آئندہ کتنا دودھ دے گی؛ البتہ بکری کے زیادہ دودھ دینے کی شرط درست ہے؛ کیوں کہ اس شرط پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، اسی طرح اگر کوئی میوہ اس شرط پر خریدے کہ وہ میٹھا ہوگا تو یہ شرط غرر پر مبنی ہے؛ لیکن یہ شرط لگائی جا سکتی ہے کہ یہ فلاں علاقہ کا ہو، مثلاً: طائف کے انار، اسی طرح بائع اپنی رضا سے مشتری کو پھل چکھا بھی سکتا ہے، اگر مشتری مناسب سمجھے تو خرید لے، اور یہ خیارِ خلف نہیں ہے؛ بلکہ تجربہ کے بعد خریدنا ہے۔

اور اگر گائے حاملہ ہونے کی شرط پر خریدے تو حنفیہ کے نزدیک ظاہر روایت کے مطابق یہ ناجائز ہے، علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ علت بیان کی ہے:

لِأَنَّ الْمَشْرُوطَ لَا يَحْتَمِلُ الْوُجُودَ وَالْعَدَمَ وَلَا يُمْكِنُ الْوُقُوفُ عَلَيْهِ لِلْحَالِ، لِأَنَّ عِظَمَ الْبَطْنِ وَالتَّحَرُّكَ يُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ لِعَارِضِ دَاءٍ أَوْ غَيْرِهِ.(۲)

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۱۶۹

(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۱۶۸

کیوں کہ جس چیز کی شرط لگائی گئی ہے اس کے وجود وعدم دونوں کا احتمال ہے، اور اس پر مطلع ہونا بھی ممکن نہیں ہے، کیوں کہ پیٹ کا بڑا ہو جانا اور حرکت کرنا کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔

اس علت کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر جدید آلات کے ذریعے یہ علم ہو جائے کہ گائے حاملہ ہے، تو یہ شرط لگانا جائز ہوگا، حضرت حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس شرط کا جواز نقل کیا ہے۔(۱) اور علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اصح قول کے مطابق یہ شرط جائز ہے۔(۲)

اسی پر یہ مسئلہ قیاس کیا جائے گا کہ ایک شخص نے اس شرط پر فلیٹ خریدا کہ اس کا اتنا متعین کرایہ ملے گا، کیوں کہ یہ معلوم نہیں کہ اس کا کرایہ کتنا ملے گا، پس یہ ناجائز ہے، اور کبھی تجارتی دکانات اس شرط پر فروخت کیے جاتے ہیں کہ ان کی آمدنی اتنی ہوگی، اس میں بھی غرر ہے؛ کیوں کہ کوئی بھی شخص آئندہ کی آمدنی کا اندازہ بالیقین نہیں لگا سکتا۔

البتہ اگر کوئی مشین اس شرط پر بیچی جائے کہ اس سے یومیہ اتنی مقدار میں چیزیں تیار کی جا سکتی ہیں، مثلاً: پرنٹر کی بیع اس شرط پر ہو کہ ایک گھنٹہ میں اس سے اتنے پرنٹ نکالے جا سکتے ہیں تو اس پر یقین کیا جا سکتا ہے، اسی طرح کار کی خریداری اس شرط پر ہو کہ وہ ایک متعین مسافت مثلاً: دس کلومیٹر ایک لیٹر پٹرول میں طے کر سکتی ہے تو ایسی شرائط میں غرر نہیں ہوتا۔

اسی طرح عمدہ اور ردی ہونا بازاروں میں مختلف درجات کے ساتھ منضبط ہوتا ہے، چنانچہ کوئی سامان اس شرط پر خریدنا کہ وہ پہلے درجہ کی ہے یا دوسرے درجہ کی، یہ جائز شرط ہے، اس سے خیارِ فواتِ وصف ثابت ہوگا؛ کیوں کہ تاجروں کے یہاں یہ درجات' معلوم اوصاف کے ساتھ معروف ہوتے ہیں۔

---

(۱) حوالۂ سابق

(۲) فتح القدیر ۶/ ۳۳۳

۳۹۶-خیارِ فواتِ وصف کا مقتضیٰ

اس خیار کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اگر مبیع میں وہ وصف نہ پایا جائے جس کی شرط لگائی گئی تھی تو مشتری کو یہ اختیار ہے کہ بائع کو مبیع لوٹا کر ثمن واپس لے لے، اور اگر موانع رد (۱) میں سے کسی مانع کی وجہ سے لوٹانا متعذر رہو تو وہ بائع سے مبیع موصوف وغیر موصوف کے مابین قیمت کا جو فرق ہے اس کا مطالبہ کرسکتا ہے، حنفیہ کے نزدیک یہی ظاہر الروایہ ہے، علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ (۲)

اور اگر مشتری مبیع کو اس وصف کے بغیر بھی رکھ لینے پر راضی ہوجائے تو بائع کو کل ثمن دینا ہوگا؛ کیوں کہ اوصاف کے بالمقابل ثمن نہیں ہوتا، یہ متفق علیہ ہے، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> فَمَتَى بَانَ خِلَافَ مَا اشْتَرَطَهُ، فَلَهُ الْخِيَارُ فِي الْفَسْخِ، وَالرُّجُوعُ بِالثَّمَنِ، أَوْ الرِّضَا بِهِ، وَلَا شَيْءَ لَهُ. لَا نَعْلَمُ بَيْنَهُمْ فِي هَذَا خِلَافًا. (۳)
>
> جب مشتری کو معلوم ہو کہ مبیع میں وہ وصف موجود نہیں ہے تو اس کو اختیار ہوگا، چاہے تو بیع فسخ کر کے ثمن واپس لے لے یا مبیع کو رکھ لے اور وہ کسی چیز کا مستحق نہیں ہوگا، اور ہمیں اس بابت کسی فقیہ کے اختلاف کا علم نہیں ہے۔

۳۹۷۔مبیع کے معقود علیہ صفات کے خلاف ہونے کی صورتیں

اگر مشتری مبیع کو ان صفات کے خلاف پائے جن پر عقد میں اتفاق ہوا تھا تو اس کی تین صورتیں ہیں:

---

(۱) جن کا بیان خیارِ عیب میں تفصیل سے آچکا ہے۔

(۲) فتح القدیر ۶/ ۳۳۷

(۳) المغنی ۴/ ۱۱۸

پہلی صورت: مبیع اس جنس کے برخلاف ہو جس پر عقد ہوا تھا، مثلاً: اس نے گیہوں خریدا تھا اور مبیع جو نکلی تو بالاجماع یہ بیع باطل ہے۔(۱)

دوسری صورت: مبیع اس مقدار کے خلاف ہو جس پر بیع ہوئی تھی، مثلاً گیہوں کے ڈھیر کی خریداری اس شرط پر ہوئی تھی کہ وہ دس کلو ہے؛ لیکن وہ نو کلو نکلا تو اگر اجزاء پر ثمن کو منقسم کیا جا سکتا ہو تو ائمہ اربعہ رحمہم اللہ علیہم کے نزدیک وہ موجودہ مقدار اس کے حصۂ ثمن کے عوض لے لے گا؛ لیکن کیا اس کو خیارِ فسخ حاصل ہوگا؟ اس میں دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ فسخ کرنے اور حصۂ ثمن کے عوض لینے دونوں کا اختیار ہوگا، یہ حنفیہ اور شافعیہ کا مذہب ہے اور حنابلہ کا ایک قول ہے، بیع المال کے قانون کی دفعہ نمبر ۲۳۷ اسی کے موافق ہے، اس قول کی دلیل یہ ہے کہ مشتری کو متعینہ مقدار سے کم مبیع ملی ہے، اور بعض مرتبہ اس کم مقدار پر اس کی رضامندی نہیں ہوتی؛ لہٰذا لازماً اس کو خیار ہوگا، نیز اس میں عقد کے تام ہونے سے قبل تفریق صفقہ بھی ہے، پس موجودہ مقدار پر اس کی مکمل رضامندی نہیں ہے۔(۲) حنابلہ کے نزدیک دوسرا قول عدم خیار کا ہے؛ کیوں کہ مقدار کی کمی باقی مبیع کو عیب دار نہیں کرتی۔(۳)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ نقصان اگر معمولی ہو تو مشتری پر موجودہ مقدار اس کے حصہ ثمن کے عوض لینا لازم ہوگا، اور اگر نقصان زیادہ ہو تو خیارِ فسخ ہوگا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

إِذَا اشْتَرَاهَا عَلَى أَنَّ فِيهَا مِائَةَ إِرْدَبٍّ فَوَجَدَ فِيهَا مِائَةَ إِرْدَبٍّ إِلَّا شَيْئًا يَسِيرًا لَزِمَهُ الْبَيْعُ فِيمَا أَصَابَ فِي الصُّبْرَةِ مِنْ عَدَدِ الْأَرَادِبِ بِحِصَّةِ ذٰلِكَ مِنَ الثَّمَنِ، قَالَ: وَإِنْ كَانَ الَّذِي نَقَصَ مِنَ الصُّبْرَةِ الشَّيْءُ

(۱) ہدایہ ۳/۴۷

(۲) فتح القدیر ۶/۲۷۶

(۳) المغنی ۴/۱۰۱

الْكَثِيرُ لَمْ يَلْزَمُهُ الْبَيْعُ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ لِأَنَّ الْمُبْتَاعَ يَقُولُ لَيْسَ هَذَا حَاجَتِي وَإِنَّمَا أَرَدْتُ طَعَامًا كَثِيرًا. (۱)

اگر ڈھیر اس شرط پر خریدا کہ وہ سو اردب ہیں، پھر اس میں کچھ کم پایا تو موجودہ مقدار اس کے حصۂ ثمن کے عوض لینا ضروری ہے، اور اگر بہت کم ہو تو بیع لازم نہیں ہوگی؛ الّا یہ کہ مشتری بیع کرنا چاہے؛ کیوں کہ مشتری کہہ سکتا ہے: مجھے تو زائد کی ضرورت تھی، اتنا کم لے کر میں کیا کروں گا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے معمولی اور زیادہ کی تعیین کا کوئی طریقہ ذکر نہیں کیا، ممکن ہے کہ یہ مبیعات میں ان کے عرف کی جانب سپرد ہو، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

اور اگر مبیع عقد میں مشروط مقدار سے زائد ہو، مثلاً ڈھیر کی خریداری دس کلو کی شرط پر ہوئی اور وہ گیارہ کلو نکلا، تو وہ زائد مقدار بائع کو لوٹا دے گا اور اس کو فسخ کا اختیار نہیں ہوگا؛ کیوں کہ زیادہ میں اس کا کوئی ضرر نہیں ہے۔(۲) اسی طرح زائد مقدار بھی اس کے حصۂ ثمن کے عوض لینے کا اختیار تبھی ہوگا جب کہ بائع بھی اس پر راضی ہو؛ کیوں کہ زائد مقدار عقد سابق میں داخل نہیں تھی؛ لہٰذا بائع کی رضامندی کے ساتھ عقد جدید کی ضرورت ہوگی۔(۳) البتہ مدونہ میں مذکور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادتی اگر معمولی ہو تو مشتری حصۂ ثمن کے عوض اس کو لے سکتا ہے اور بائع کو اختیار نہیں ہوگا۔(۴) اور اگر زیادتی زیادہ ہو تو بالاتفاق وہ بائع کی ملک ہے۔

زیر بحث مسئلہ میں انگریزی قانون

اس مسئلہ میں انگریزی قانون فقہِ اسلامی سے مختلف ہے؛ کیوں کہ بیع المال کے

(۱) المدونۃ الکبریٰ ۱۹۹/۳
(۲) المغنی ۱۰۱/۴
(۳) ہدایہ ۴۷/۳
(۴) المدونۃ الکبریٰ ۲۰۰/۳

قانون کے دفعہ نمبر ۳۷ میں مذکور ہے کہ اگر عقد میں مقررہ مقدار سے زائد مقدار بائع مشتری کو دے تو مشتری کو یہ اختیار ہوگا کہ یا تو کل کو لوٹا دے یا زائد کا حصہ ثمن دے کر کل کو اپنے پاس رکھ لے، اس کی علت انہوں نے یہ ذکر کی ہے کہ مشتری کا زائد مقدار وصول کرنا بائع کی جانب سے ایجاب جدید کے درجہ میں ہے؛ لہٰذا اس کو اختیار ہوگا کہ بائع کا ایجاب قبول کر کے زائد بھی اس کا حصۂ ثمن دے کر رکھ لے، یا قبول نہ کر کے سارا واپس کر دے۔(۱)

لیکن یہ تعلیل بدیہی طور پر محل نظر ہے؛ کیوں کہ بعض مرتبہ بائع غلطی سے زائد مقدار دے دیتا ہے، تو تمام حالات میں یہ حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ بائع کی طرف سے ایجاب جدید ہے؟

تیسری صورت: مبیع وصف مشروط کے برخلاف ہو، اس میں وصف کے فوت ہونے کے احکام جاری ہوں گے جو ہم سابق میں ذکر کر چکے ہیں۔

۳۹۸۔ مذروعات میں ذراع وصف ہے یا قدر؟

مذروعات مثلاً زمین اور کپڑے کے اندر ذراع کے وصف یا قدر ہونے کے سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ مذروعات میں ذراع وصف ہے، چنانچہ اگر کپڑا اس شرط پر خریدے کہ وہ دس درہم کے عوض دس ذراع ہیں، یا سو ذراع زمین خریدے، اور ہر ذراع کی علیحدہ قیمت متعین نہ کرے، پھر اس کو کم پائے، تو مشتری کو اختیار ہوگا، چاہے تو کل ثمن دے کر لے لے یا چھوڑ دے، علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> کیوں کہ کپڑے میں ذراع وصف ہے، کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ طول و عرض سے عبارت ہے، اور وصف کے مقابلے میں ثمن نہیں ہوتا، جیسا کہ جانور کے اعضاء، یہی وجہ ہے کہ وہ کل ثمن دے کر لے گا، اور اگر وہ متعینہ ذراع سے زائد پائے تو وہ

---

(۱) Pollock & mulla on sale of goods Act section 37 page 287

مشتری کا ہوگا، بائع کو کوئی اختیار نہیں ہوگا؛ کیوں کہ یہ صفت ہے، پس یہ ایسا ہی ہو گیا جیسا کہ اس نے عیب دار بتا کر فروخت کیا تھا؛ مگر مبیع صحیح سالم تھی؛ لیکن اگر کہے: میں نے تجھے یہ سو ذراع' سو درہم کے عوض فروخت کیے، ہر ذراع ایک درہم کے عوض، پھر مشتری سو ذراع سے کم پائے تو مشتری کو اختیار ہوگا، چاہے تو اس کا حصہ ثمن دے کر لے لے یا چھوڑ دے؛ کیوں کہ وصف کی حیثیت اگر چہ تابع کی ہے؛ لیکن مستقل طور پر اس کا ثمن ذکر کرنے کی وجہ سے وہ اصل بن گیا؛ لہٰذا ہر ذراع ایک کپڑے کے درجہ میں ہوگا؛ اس لیے کہ اگر مشتری کل ثمن دے کر لے تو وہ ہر ذراع ایک درہم کے عوض لینے والا نہیں ہوگا، اسی طرح اگر سو ذراع سے زائد ہو تب بھی اس کو اختیار ہوگا کہ کل کو اس کے حصہ ثمن کے عوض لے لے، یا چھوڑ دے؛ کیوں کہ یہاں ذراع میں زیادتی ہوئی ہے؛ لہٰذا ثمن میں بھی اضافہ ہوگا، پس یہ ایسا نفع ہے جس کے ساتھ ضرر بھی لاحق ہے، پس اختیار ہوگا، اور ثمن میں اضافہ اس لیے لازم ہے کیوں کہ وصف اصل بن گیا ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے، اور اگر وہ کم ثمن دے کر لے تو وہ مشروط (ہر ذراع ایک درہم کے عوض) کے مطابق لینے والا نہیں ہوگا۔(۱)

مالکیہ کی بھی ایک روایت یہ ہے کہ ذراع وصف ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ حطاب رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔(۲)

---

(۱) ہدایہ ۳/۲۵

(۲) مواہب الجلیل ۴/۲۹۹

شافعیہ کا مذہب

شافعیہ کے اس مسئلہ میں مختلف اقوال ہیں، ایک قول حنفیہ کے موافق بھی ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

لَوْ بَاعَ أَرْضًا عَلَى أَنَّهَا مِائَةُ ذِرَاعٍ، فَخَرَجَتْ دُونَ الْمِائَةِ، فَقَوْلَانِ. أَظْهَرُهُمَا: صِحَّةُ الْبَيْعِ. وَقِيلَ: يَصِحُّ قَطْعًا لِلْإِشَارَةِ، وَصَارَ كَالْخُلْفِ فِي الصِّفَةِ فَعَلَى هٰذَا، لِلْمُشْتَرِي الْخِيَارُ فِي الْفَسْخِ، وَلَا يَسْقُطُ بِحَطِّ الْبَائِعِ مِنَ الثَّمَنِ قَدْرَ النَّقْصِ. وَإِذَا أَجَازَ، يُجِيزُ بِجَمِيعِ الثَّمَنِ عَلَى الْأَظْهَرِ، وَبِقِسْطِهِ عَلَى الْقَوْلِ الْآخَرِ. (۱)

اگر زمین سو ذراع کی شرط پر فروخت کی اور وہ سو سے کم نکلی تو اس میں دو قول ہیں، ایک قول بیع کے درست ہونے کا ہے، یہی اظہر ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اشارہ کی وجہ سے قطعاً درست ہے، اور یہ معقود علیہ صفت کے خلاف نکل آنے کی مانند ہو جائے گا، اس بنیاد پر مشتری کو خیارِ فسخ حاصل ہوگا، اور یہ خیار نقصان کے بقدر ثمن میں بائع کے کمی کرنے سے ساقط نہیں ہوگا، اور اگر مشتری بیع قبول کرلے تو اظہر قول کے مطابق کل ثمن دینا پڑے گا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ مبیع کی مقدار کے برابر دے گا۔

اس دوسرے قول کی بنیاد اس بات پر ہے کہ ذراع قدر ہے، وصف نہیں، علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ حنفیہ کا قول ذکر کرنے کے بعد اس دوسرے قول کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَأَجَابَ الْأَصْحَابُ بِأَنَّ الذَّرْعَ طَرِيقٌ لِلتَّقْدِيرِ فِي الْعَادَةِ كَالْكَيْلِ وَالْوَزْنِ فَلَا فَرْقَ بَيْنَهُمَا. (۲)

---

(۱) روضۃ الطالبین ۳/۴۰۹

(۲) المجموع ۱۲/۳۴۳

(حنفیہ کی دلیل کا جواب دیتے ہوئے) فقہائے شوافع نے یہ کہا ہے کہ عرف میں ذراع کیل اور وزن کی مانند اندازہ لگانے کا ایک طریقہ ہے؛ لہٰذا ان میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

حنابلہ کا مذہب

حنابلہ نے ذراع کو قطعی طور پر قدر قرار دیا ہے، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اگر کہے: میں نے تجھے یہ کپڑا یا زمین اس شرط پر فروخت کیا کہ وہ دس ذراع ہے، پھر معلوم ہوا کہ وہ گیارہ ہے، تو اس میں دو روایتیں ہیں: پہلی روایت یہ ہے کہ بیع باطل ہے؛ کیوں کہ بائع کو زیادتی کے سپرد کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، اس نے تو صرف دس ہی فروخت کیا تھا، اور نہ مشتری کو بعض کے لینے پر مجبور کیا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ اس نے کل خریدا تھا، اور شرکت میں بھی مشتری کا ضرر ہے۔

دوسری روایت یہ ہے کہ زیادتی بائع کی ہوگی اور بیع درست ہے؛ کیوں کہ یہ نقصان مشتری کے حق میں ہے؛ لہٰذا بیع سے مانع نہیں ہوگا جیسا کہ عیب، پھر بائع کو اختیار ہوگا، یا تو وہ کل مبیع سپرد کردے یا صرف دس ذراع، اگر کل سپرد کرنے پر راضی ہوجائے تو مشتری کو خیار نہیں ہوگا؛ کیوں کہ بائع نے از راہِ خیر خواہی اس کو مزید دیا ہے، اور اگر بائع زائد سپرد کرنے پر راضی نہ ہو تو مشتری کو اختیار ہوگا، یا تو بیع فسخ کردے یا کل ثمن کے ساتھ ساتھ زائد کا حصۂ ثمن دے کر لے لے، اگر وہ لینے پر راضی ہوجائے تو بائع اس کا ذراع میں شریک ہوگا۔

اور کیا بائع کو خیارِ فسخ ہوگا؟ اس میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ خیار

ہوگا؛ کیوں کہ شرکت میں بائع کا ضرر ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ خیار نہیں ہوگا؛ کیوں کہ وہ اس ثمن کے عوض کل دینے پر راضی ہے، چنانچہ جب اس کو ثمن مل جائے گا حال آں کہ اس کا ایک جزء اس میں باقی ہے تو یہ اضافہ ہوگا، پس وہ فسخ کا مستحق نہیں ہوگا، دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ ضرر بائع کی دھوکہ دہی کی وجہ سے حاصل ہوا ہے، برخلاف دوسرے کے؛ لہٰذا عقد فسخ کرنے کی قدرت نہیں دی جائے گی، پھر اگر بائع ثمن کے عوض مشتری کو دے دے یا مشتری ثمن دے کر اس کا مطالبہ کرے تو دوسرے کے اوپر اس کا قبول کرنا لازم نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ عقد معاوضہ ہے جس میں طرفین کی رضامندی کا اعتبار کیا جاتا ہے؛ لہٰذا کسی کو بھی مجبور نہیں کیا جائے گا؛ البتہ اگر دونوں راضی ہوجائیں تو ٹھیک ہے۔

اور اگر نو ذراع نکلے تو اس میں بھی دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ بیع باطل ہے، وجہ وہی ہے جو پہلے آچکی، دوسرا قول یہ ہے کہ بیع صحیح ہے اور مشتری کو اختیار ہوگا، چاہے تو بیع کو فسخ کردے یا ثمن کے نویں حصہ کے عوض رکھ لے، اور شوافع کہتے ہیں کہ یا تو کل ثمن ادا کرے یا فسخ کردے، اس کی بنیاد ان کے اس قول پر ہے: عیب دار مبیع کے خریدار کو صرف دو اختیارات ہیں: یا تو فسخ یا کل ثمن کی ادائیگی، ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے مبیع کی مقدار کم پائی ہے؛ لہٰذا اس کو یہ اختیار ہوگا کہ اسی کے بقدر ثمن ادا کرے، جیسا کہ ڈھیر جب اس شرط پر خریدے کہ وہ سو (قفیز) ہے، پھر وہ پچاس نکلے، اور آگے اس

کا ذکر آئے گا کہ مشتری کو یہ حق ہے کہ عیب دار مبیع اپنے پاس رکھ کر عیب کا تاوان وصول کرے، غرض جب مشتری نے مبیع کے بقدر ثمن ادا کر کے مبیع لے لی، تو بائع کو اختیار ہوگا کہ وہ اس کو جائز قرار دے یا فسخ کردے؛ کیوں کہ بائع کل ثمن کے عوض بیع پر راضی ہوا تھا، اور جب اسے کل ثمن نہیں ملا تو فسخ کا اختیار حاصل ہوگا؛ لیکن اگر مشتری کل ثمن دے دے تو بائع کو خیار نہیں ہوگا؛ کیوں کہ جتنے ثمن پر وہ راضی تھا اتنا اس کو مل چکا ہے، پس یہ ایسا ہی ہوگیا جیسا کہ مشتری نے عیب دار چیز خریدی، اور کل ثمن کے عوض اس کے لینے پر راضی ہوگیا۔(۱)

۳۹۹۔کارخانوں میں بنے ہوئے کپڑوں کا حکم

لیکن حنفیہ، مالکیہ اور بعض شوافع کے نزدیک ذراع کے وصف ہونے کی دو علتیں ہیں: ایک یہ کہ تبعیض کی وجہ سے کپڑا خراب ہوگا، علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

أَلَا تَرَى أَنَّ الثَّوْبَ الَّذِي عَادَتُهُ عَشَرَةٌ وَهُوَ قَدْرُ مَا يُفَصِّلُ قَبَاءً أَوْ فَرَجِيَّةً كَانَ بِثَمَنٍ إِذَا قُسِّمَ عَلَى أَجْزَائِهِ يُصِيبُ كُلَّ ذِرَاعٍ مِنْهُ مِقْدَارٌ، وَلَوْ أُفْرِدَ الذِّرَاعُ وَبِيعَ بِمُفْرَدِهِ لَمْ يُسَاوِ فِي الْأَسْوَاقِ ذَلِكَ الْمِقْدَارَ بَلْ أَقَلَّ مِنْهُ بِكَثِيرٍ، وَذَلِكَ لِأَنَّهُ لَا يُفِيدُ الْغَرَضَ الَّذِي يُصْنَعُ بِالثَّوْبِ الْكَامِلِ فَعَلِمْنَا أَنَّ كُلَّ جُزْءٍ مِنْهُ لَمْ يُعْتَبَرْ كَثَوْبٍ كَامِلٍ مُفْرَدٍ. (۲)

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کپڑا عموماً دس (ذراع) کا ہوتا ہے، اس

(۱) المغنی ۴/۱۰۱

(۲) فتح القدیر ۶/۲۷۴و۲۷۵

سے قبا وغیرہ بنائی جاتی ہے، اس کا جو ثمن ہوتا ہے اس کو اگر اس
کے اجزاء پر تقسیم کیا جائے تو ہر ذراع کے مقابل ثمن کی ایک
مقدار ہوگی؛ لیکن اگر ہر ذراع کو جدا کر کے فروخت کیا جائے تو
بازار میں اس مقدار کے برابر قیمت نہیں ملے گی؛ بلکہ اس کی
قیمت بہت کم ہوجائے گی؛ کیوں کہ اس سے وہ مقصد حاصل
نہیں ہوسکتا جو مکمل کپڑے سے مطلوب تھا، معلوم ہوا کہ ہر جزء
کا شمار ایک مستقل مکمل کپڑے کی مانند نہیں ہوسکتا۔

دوسری علت یہ ہے کہ کپڑے کے اطراف متفاوت ہوتے ہیں، یہ علت صاحب ہدایہ کی اس عبارت سے سمجھ میں آتی ہے:

وَقِيلَ فِي الْكِرْبَاسِ الَّذِي لَا يَتَفَاوَتُ جَوَانِبُهُ لَا يَطِيبُ لِلْمُشْتَرِي مَا زَادَ عَلَى الْمَشْرُوطِ؛ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْمَوْزُونِ حَيْثُ لَا يَضُرُّهُ الْفَصْلُ، وَعَلَى هَذَا لَوْ قَالُوا: يَجُوزُ بَيْعُ ذِرَاعٍ مِنْهُ.(۱)

وہ کرباس جس کے اطراف میں تفاوت نہ ہو اس کے متعلق ایک
قول یہ ہے کہ مشتری کے لیے مشروط سے زائد لینا حلال نہیں
ہے؛ کیوں کہ وہ موزون کے درجہ میں ہے، اس کو کاٹنا مضر نہیں
ہے، اسی بنیاد پر فقہاء نے کہا ہے کہ اس کے ایک ذراع کی بیع
درست ہے۔

علامہ جلال الدین کرلانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح ہدایہ میں اس کا یہ خلاصہ بیان کیا ہے:

وما ذكر ان الذراع وصف فهو فى الثوب الذى يتفاوت جوانبه وفيما يضره التبعيض كالقميص

---

(۱) ہدایہ ۲۶/۳

والسراويل والعمائم والاقبية اما اذا اشترى كرباسا لا يتفاوت جوانبه على انه عشرة اذرع بعشرة دراهم فاذا هو احد عشر لا تسلم له الزيادة وعلى هذا اذا باع ذراعا من هذا الكرباس ولم يعين موضعه جاز كما اذا باع قفيزا من الصبرة. (۱)

ذراع کا وصف ہونا اس کپڑے میں ہے جس کے اطراف میں تفاوت ہو، اور جس میں ٹکڑے کرنا مضر ہو، جیسے: کرتا، پائے جامہ، عمامہ اور قبا، اور اگر دس ذراع کی شرط پر ایسا کپڑا خریدے جس کے اطراف میں تفاوت نہ ہو، پھر وہ گیارہ نکلے، تو مشتری زائد کا حق دار نہیں ہوگا، اسی طرح ایسے کپڑے سے غیر متعین ذراع کی فروختگی بھی درست ہے، جیسا کہ ڈھیر سے غیر معین قفیز کی بیع جائز ہے۔

اور علامہ ابن مازہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ومن المتأخرين من قال: ما ذكر من الجواب فى الكتاب فى فصل الثوب فى القميص والسراويل والعمائم والأقبية أما إذا اشترى كرباساً لا يتفاوت جوانبها على أنه عشرة أذرع بعشرة دراهم. فإذا هو أحد عشر لا يسلم له الزيادة؛ لأن هذا الكرباس فى معنى الموزون والمكيل، وإن كان متصلاً بعضها ببعض لكن ليس فى الفصل ضرر، فيصير بمنزلة اشياء حقيقة كالموزون، لمّا كان لا

(۱) کفایہ مع فتح القدیر ۶/۵۶

يتمكن فيه العيب بتميز البعض عن البعض اعتبر كل قفيز أصلاً فكذا ههنا.(۱)

بعض متاخرین نے کہا ہے کہ کتاب میں مذکور جواب کرتا، پائے جامہ، عمامہ اور قبا کے متعلق ہے، اگر ایسا کپڑا ہو جس کے اطراف متفاوت نہ ہوں اور ان کی بیع دس درہم کے عوض دس ذراع کی شرط پر ہو، پھر وہ گیارہ نکلے تو مشتری کو زائد نہیں دیا جائے گا؛ کیوں کہ یہ کپڑا موزون اور مکیل کے معنی میں ہے، اور وہ اگرچہ ایک دوسرے سے متصل ہے؛ لیکن اس کو الگ کرنا مضر نہیں ہے، پس یہ موزون کی مانند حقیقی اشیاء کے درجہ میں ہے، اور جب ایک کو دوسرے سے الگ کرنا موجب عیب نہ ہونے کی وجہ سے ہر قفیز کو اصل شمار کیا گیا تو یہاں بھی اسی طرح شمار کیا جائے گا۔

اور جب یہ کپڑا موزون کے حکم میں ہے تو ذراع وصف نہیں؛ بلکہ قدر ہو جائے گا، پس ہر ذراع کے مقابل ثمن کا ایک حصہ ہوگا، اور اس پر قیاس کرتے ہوئے اگر مشتری مقدار میں کمی پائے تو اس کو اختیار ہوگا، چاہے تو حصۂ ثمن کے عوض لے لے یا بیع کو فسخ کردے، جیسا کہ جو اور گیہوں میں ہے۔

موجودہ زمانہ میں کارخانوں کے اندر بنے جانے والے کپڑوں کے اجزاء میں بالکل بھی تفاوت نہیں ہوتا؛ بلکہ سارا گٹھر ایک ہی طرز پر ہوتا ہے، اور جب متعینہ ذراع اور فی الواقع ذراع میں تفاوت ہو تو یقیناً یہ مکیلات وموزونات کے حکم میں ہوگا۔

۴۰۰۔ زمین کا معقود علیہ مقدار سے کم یا زیادہ ہونا

حنفیہ کے ضابطہ کے مطابق زمین کے اندر ذراع وصف ہے؛ لہٰذا اگر یکبارگی

(۱) المحیط البرہانی ۶/ ۳۷۵

زمین خریدی جائے اور ہر ذراع کا مستقل ثمن بیان نہ کیا جائے تو ذراع کے مقابل ثمن کا حصہ نہیں ہوگا، اس میں حنابلہ کا اختلاف ہے، جیسا کہ آچکا ہے، البتہ اگر ہر ذراع کا ثمن متعین کیا جائے تو ہر ذراع کے مقابل ثمن کا حصہ ہوگا، چنانچہ اگر مشتری متعینہ ذراع سے کم یا زائد پائے تو اس کا وہی حکم ہے جو قدر میں اختلاف کے سلسلے میں ہے۔

لیکن ہر ذراع کے ثمن کی تصریح جس طرح بول کر کی جاسکتی ہے اسی طرح عرف کی بنا پر بھی تقدیراً ہوسکتی ہے، اور موجودہ زمانہ میں عرف یہ ہے کہ ہر قدم یا میٹر کا ثمن متعین ہوتا ہے، بسا اوقات بائع اس کا ذکر نہیں کرتا؛ لیکن عاقدین کا مقصود یہی ہوتا ہے کہ ثمن قدموں یا میٹروں پر تقسیم ہوگا، پس اس حالت میں جب کہ یہ واضح ہوجائے "کہ عاقدین کا مقصد قدموں یا میٹروں پر ثمن کی تقسیم ہے" ہر قدم یا میٹر کے مقابل ثمن کا ایک حصہ ہونا چاہیے، گویا کہ بائع نے تقدیراً اس کا ذکر کیا ہے، خصوصاً جب کہ تفاوت کثیر ہو، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

۴۰۱۔ نمونہ دکھلا کر خرید وفروخت

اکثر مرتبہ بیع کی بنیاد اس نمونہ پر ہوتی ہے جو بائع مشتری کو دکھاتا ہے، اس طرح کی بیع میں چند مسائل ہیں:

۱) کیا نمونہ دکھلا کر بیع کی جاسکتی ہے؟

۲) کیا نمونہ دیکھ لینے سے خیارِ رؤیت ساقط ہوجائے گا؟

۳) اگر مبیع نمونہ کے خلاف ہو تو کیا حکم ہے؟

۴) اگر مبیع کے نمونہ کے موافق یا مخالف ہونے میں عاقدین کا اختلاف ہوجائے تو یہ اختلاف کیسے دور کیا جائے گا؟

نمونہ دکھلا کر بیع کرنا

پہلے مسئلہ میں حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ نمونہ دکھا کر بیع کرنا درست نہیں ہے، علامہ بہوتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(وَلَا يَصِحُّ بَيْعُ الْأُنْمُوذَجِ)... (بِأَنْ يُرِيَهُ صَاعًا) مَثَلًا مِنْ صُبْرَةٍ (وَيَبِيعَهُ الصُّبْرَةَ عَلَى أَنَّهَا مِنْ جِنْسِهِ) فَلَا يَصِحُّ لِعَدَمِ رُؤْيَةِ الْمَبِيعِ وَقْتَ الْعَقْدِ. (۱)

نمونہ کی بیع درست نہیں ہے کہ بائع ڈھیر میں سے ایک صاع دکھائے اور ڈھیر کو اسی کی جنس میں سے ہونے کی بنا پر فروخت کردے، تو یہ درست نہیں ہے؛ کیوں کہ عقد کے وقت مبیع کی رؤیت نہیں ہوئی۔

اس مسئلہ کی بنیاد حنابلہ کے اس قول پر ہے کہ غائب شئ کی بیع ناجائز ہے، ان کے قول کا حاصل یہ ہے کہ صرف نمونہ دیکھ کر بیع نہیں کی جاسکتی؛ بلکہ باقی کو بھی دیکھنا ضروری ہے۔

اور شوافع بھی اگرچہ غائب شئ کی بیع کو ناجائز اور بیع کی درستگی کے لیے رؤیت کو شرط قرار دیتے ہیں؛ لیکن وہ ہم مثل نمونہ کو دیکھ کر بیع کرنے کو بیع کے صحیح ہونے کے لیے کافی سمجھتے ہیں، اور علامہ محلی رحمۃ اللہ علیہ نے ہم مثل نمونہ کی یہ تفسیر کی ہے:

الْمُتَسَاوِي الْأَجْزَاءِ كَالْحُبُوبِ، فَإِنَّ رُؤْيَتَهُ تَكْفِي عَنْ رُؤْيَةِ بَاقِي الْمَبِيعِ، فَلَا بُدَّ مِنْ إِدْخَالِهِ فِي الْبَيْعِ. (۲)

جس کے اجزاء مساوی ہوں، جیسے: دانے، تو نمونہ کا دیکھنا باقی کے دیکھنے کے قائم مقام ہوجائے گا، اور اس نمونہ کو بھی بیع میں شامل کرنا ضروری ہے۔

غرض شوافع نے نمونہ دیکھ کر بیع کے درست ہونے کے لیے مبیع کے اجزاء کے مساوی ہونے اور نمونہ کے مبیع کا جزء اور بیع میں داخل ہونے کی شرط لگائی ہے، اس بنیاد

(۱) کشاف القناع ۳/ ۱۶۳

(۲) شرح المحلی علی المنہاج ۲/ ۲۰۷

پر عددیات میں شوافع کے نزدیک اس طرح کی بیع ناجائز ہوگی، اسی طرح اگر نمونہ بیع میں داخل نہ ہو تب بھی بیع ناجائز ہوگی۔

حنفیہ کے نزدیک جنس واحد کے اندر نمونہ کے ذریعے بیع جائز ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ مالکیہ کا مذہب بھی اسی کے مثل ہے، علامہ حطاب رحمۃ اللہ علیہ علامہ برزلی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

شِرَاءُ مَا فِي الظَّرْفِ إِذَا رَآهُ الْمُتَعَاقِدَانِ أَوْ رَأَيَا أُنْمُوذَجَهُ، وَكَانَ الظَّرْفُ مُتَنَاسِبَ الْأَجْزَاءِ فِي الرِّقَّةِ وَالثَّخَانَةِ جَائِزٌ. (۱)

برتن میں موجود چیز خریدنا جب کہ عاقدین نے اس چیز کو یا اس کے نمونہ کو دیکھ لیا ہو، اور برتن کے اجزاء باریکی و موٹائی میں متناسب ہوں تو جائز ہے۔

نمونہ دیکھنے سے خیارِ رؤیت کا سقوط

دوسرے مسئلہ میں حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ مبیع اگر مکیلات، موزونات اور عددیات متقاربہ میں سے ہو تو نمونہ دیکھ لینے سے خیارِ رؤیت ساقط ہو جائے گا۔(۲) اور اگر عددیات متفاوتہ میں سے ہو تو نمونہ دیکھنے سے خیارِ رؤیت ساقط نہیں ہوگا، اور عام طور پر عددیات متفاوتہ کی بیع نمونہ دکھلا کر نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ مجلۃ الاحکام العدلیۃ میں یہ حکم ہر اس مبیع میں عام رکھا گیا ہے جس کی فروخت نمونہ کی بنیاد پر ہوتی ہو، مکیلات، موزونات اور عددیات متقاربہ کی قید نہیں لگائی گئی، چنانچہ مجلہ کے دفعہ نمبر ۳۲۴ میں مذکور ہے:

الْأَشْيَاءُ الَّتِي تُبَاعُ عَلَى مُقْتَضَى أُنْمُوذَجِهَا تَكْفِي

---

(۱) مواہب الجلیل ۴/ ۲۸۷

(۲) ردعلی الدر ۴/ ۵۹۶

رُؤْيَةُ الْأُنْمُوذَجِ مِنْهَا فَقَطْ. (۱)

جو چیزیں نمونہ دکھا کر فروخت کی جاتی ہیں ان میں صرف نمونہ کی رؤیت کافی ہے۔

اور نمونہ کی رؤیت کے کافی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ باقی میں خیارِ رؤیت ساقط ہوجائے گا، اور باقی میں محض عدم رؤیت کی بنا پر خیار ثابت نہیں ہوگا، البتہ اگر باقی مبیع نمونہ کے موافق نہ ہو تو اس صورت میں ملنے والا خیار خیارِ رؤیت نہیں ہے؛ بلکہ خیارِ عیب یا خیارِ فواتِ وصف ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

اگر مبیع نمونہ کے برخلاف ہو؟

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر مبیع نمونہ کے خلاف ہو تو مشتری کو خیار ہوگا، چاہے تو اس کو قبول کرلے یا لوٹا کر بیع فسخ کردے، پھر اگر مبیع نمونہ کے اتنے خلاف ہو کہ وہ عیب کی حد تک پہونچ جاتا ہو تو یہ خیار خیارِ عیب کہلائے گا، اور اگر عیب کی حد تک نہ پہونچے تو حنفیہ کے نزدیک یہ خیار خیارِ رؤیت کے نام سے موسوم ہے۔(۲) اس کا مقتضی یہ ہے کہ اس میں حنفیہ کے نزدیک وراثت جاری نہیں ہوگی؛ لیکن بندہ کی سمجھ میں یہ بات آتی ہے — واللہ سبحانہٗ اعلم — کہ اس صورت میں حاصل ہونے والا خیار خیارِ رؤیت نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ تو نمونہ دیکھنے سے ساقط ہوگیا ہے؛ بلکہ یہ خیارِ فواتِ وصف ہے؛ کیوں کہ نمونہ دیکھ کر مبیع کی خریداری کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ مبیع اوصاف میں نمونہ کے مثل ہو، اور بائع کی جانب سے نمونہ دکھلانا مبیع میں ان اوصاف کی شرط لگانے کے درجہ میں ہے، چنانچہ اگر مبیع اس کے برخلاف ہو تو مشتری کو مشروط وصف کے فوت ہوجانے کی وجہ سے خیار ہوگا۔

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کافی کے حوالے سے اس کی یہ علت ذکر کی ہے:

إِذَا كَانَ أَرْدَأَ لَهُ الْخِيَارُ؛ لِأَنَّهُ إِنَّمَا رَضِيَ بِالصِّفَةِ الَّتِي

---

(۱) ص:۶۵

(۲) فتح القدیر ۶/ ۳۴۳ ورد علی الدر ۴/ ۵۹۶

رَآهَا لَا بِغَيْرِهَا.(۱)

کیوں کہ مشتری نے جس صفت کا نمونہ دیکھا تھا اسی پر وہ راضی تھا، نہ کہ اس کے علاوہ پر؛ لہٰذا اس کو خیار ہوگا۔

اس عبارت میں تقریباً اس بات کی صراحت ہے کہ یہ خیار اس وصف کے فوت ہونے کی وجہ سے حاصل ہوا ہے جو مشتری نے نمونہ میں دیکھا تھا؛ لیکن علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو خیارِ رؤیت پر محمول کیا ہے، حالاں کہ احناف کا نمونہ دیکھنے سے خیار رؤیت کے ساقط ہوجانے پر اتفاق ہے، چنانچہ اگر ہم مبیع کے نمونہ کے خلاف ہونے کی صورت میں حاصل ہونے والے خیار کو بھی خیارِ رؤیت قرار دیں تو خیارِ رؤیت کا ساقط ہونے کے بعد عود کر آنا لازم آئے گا، یا یہ ماننا پڑے گا کہ خیارِ رؤیت کا سقوط اس امر پر معلق تھا کہ مبیع نمونہ کے خلاف نہ ہو، اور اس صورت میں خیارِ رؤیت کے سقوط کا کوئی مطلب نہیں رہ جاتا، اور صاحب نہر نے شاید اسی وجہ سے خیارِ رؤیت کے ساقط ہونے پر اعتراض کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

وَعِنْدِي أَنَّ مَا فِي الْكَافِي هُوَ التَّحْقِيقُ، وَذٰلِكَ أَنَّ هٰذِهِ الرُّؤْيَةَ إِذَا لَمْ تَكُنْ كَافِيَةً. فَمَا الَّذِي أَسْقَطَ خِيَارَ رُؤْيَتِهِ حَتّٰى انْتَقَلَ مِنْهُ إِلَى خِيَارِ الْعَيْبِ فَتَدَبَّرْهُ.(۲)

میرے نزدیک کافی میں ذکر کردہ بات محقق ہے، وہ یہ کہ یہ رؤیت اگر کافی نہیں تھی تو پھر کس وجہ سے خیارِ رؤیت کو ساقط کیا گیا، حتی کہ یہ خیارِ عیب کی جانب منتقل ہوگیا، فتدبرہ۔

البتہ اگر ہم مذکورہ صورت میں حاصل ہونے والے خیار کو خیارِ فواتِ وصف مانیں تو کوئی اشکال باقی نہیں رہے گا، اور جس طرح خیارِ عیب میں وراثت جاری ہوتی ہے اسی

---

(۱) فتح القدیر ۶/ ۳۴۳

(۲) النہر الفائق ۳/ ۳۸۴

طرح اس میں بھی جاری ہوگی۔

انگریزی قانون

اور بیع المال کا قانون جس کی بنیاد انگریزی قانون پر ہے اس کے دفعہ نمبر ۱۷ میں مبیع کے نمونہ کے خلاف ہونے کی صورت میں واپس کرنے کا اختیار دیا گیا ہے؛ لیکن اس میں یہ قید ہے کہ مبیع کا اکثر حصہ نمونہ کے خلاف ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف اقل کے خلاف ہونے کی صورت میں خیار نہیں ہوگا، اس میں یہ قید بھی ہونی چاہیے کہ قلیل کے خلاف ہونے سے کثیر پر کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔

اگر مبیع کے نمونہ کے موافق یا مخالف ہونے میں عاقدین کا اختلاف ہوجائے؟

چوتھے مسئلہ کے متعلق علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ صورتِ حال کی وضاحت کے لیے یہ معاملہ اہل تجربہ کے سامنے رکھا جائے گا۔(۱) اور اہل تجربہ آسانی سے بڑی تجارات میں مل جاتے ہیں، یہ اس صورت میں ہے جب کہ نمونہ موجود ہو، اگر نمونہ ہلاک ہوگیا ہو تو حنفیہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ بائع کا قول معتبر ہوگا، مطلب یہ کہ مشتری کے ذمہ بینہ اور بائع کے ذمہ یمین ہے؛ لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تفصیل ذکر کی ہے کہ اگر مبیع عقد کی مجلس میں موجود ہو، اور کسی تھیلی وغیرہ میں مستور ہو تو بائع کا قول معتبر ہوگا، اور اگر مجلسِ عقد میں موجود نہ ہو تو مشتری کا قول معتبر ہوگا؛ کیوں کہ مشتری اس بات کا منکر ہے کہ جس مبیع کی فروختگی ہوئی تھی' یہ وہ نہیں ہے، اور بائع اسی کے مبیع ہونے کا مدعی ہے، برخلاف جب کہ مبیع مجلس عقد میں موجود ہو تو دونوں کا اسی کے مبیع ہونے پر اتفاق ہے؛ البتہ مشتری نمونہ کے خلاف ہونے کا مدعی اور بائع اس کا منکر ہے، پس مشتری کے ذمہ بینہ ہوگا اور بائع کی بات مع الیمین معتبر ہوگی۔(۲)

اور علامہ خالد اتاسی رحمۃ اللہ علیہ نے (۳) مبیع کے مجلسِ عقد میں موجود نہ ہونے کی

---

(۱) ردعلی الدر ۴/ ۵۹۷

(۲) حوالہ سابق

(۳) شرح المجلۃ ۲/ ۲۷۷

صورت میں مشتری کا قول معتبر ہونے کے سلسلے میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف کیا ہے، جو لاحاصل ہے، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

۴۰۲۔ خیارِ مغبون

مغبون وہ شخص ہے جس نے عام قیمت سے بڑھ کر زائد ثمن کے عوض کوئی چیز خریدی ہو، مثلاً: سو کی چیز پانچ سو میں خریدے، اور وہ شخص ہے جس نے خلافِ عادت کم ثمن میں چیز فروخت کی ہو، مثلاً: پانچ سو کی چیز سو میں بیچے، اگر مغبون شخص بازار کے حالات سے واقف ہو اور اس نے مساومہ اور مماکسہ کے طور پر عقد کیا ہو تو بیع نافذ ہو جائے گی اور اس کو خیارِ فسخ نہیں ہوگا۔

اور اگر وہ بازار کے احوال سے ناواقف ہو اور مسترسل ہو تو مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس کو خیار ہوگا، ان حضرات کے یہاں مسترسل ایسا شخص ہے جو سامان کی قیمت سے بے خبر ہو اور اچھی طرح خرید وفروخت نہ کر پاتا ہو، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلْمُسْتَرْسِلُ، الَّذِي لَا يُحْسِنُ أَنْ يُمَاكِسَ. وَفِي لَفْظٍ، الَّذِي لَا يُمَاكِسُ. فَكَأَنَّهُ اسْتَرْسَلَ إِلَى الْبَائِعِ، فَأَخَذَ مَا أَعْطَاهُ مِنْ غَيْرِ مُمَاكَسَةٍ، وَلَا مَعْرِفَةٍ بِغَبْنِهِ. (۱)

مسترسل ایسا شخص ہے جس کو بھاؤ تاؤ کرنا نہ آتا ہو، گویا اس نے بائع کے ساتھ نرمی برتی اور بائع نے جو دیا' بھاؤ تاؤ اور غبن جانے بغیر لے لیا۔

بعض مالکیہ نے اس کو **مستسلم** سے تعبیر کیا ہے، علامہ دردیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ وضاحت کی ہے:

أَنْ يَقُولَ الْمُشْتَرِي لِلْبَائِعِ بِعْنِي كَمَا تَبِيعُ لِلنَّاسِ فَإِنِّي لَا أَعْلَمُ الْقِيمَةَ، أَوْ يَقُولُ الْبَائِعُ اشْتَرِ مِنِّي كَمَا

(۱) المغنی ۴/۴۹۸

تَشْتَرِي مِنْ غَيْرِي، أَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ.(۱)

مشتری بائع سے کہتا ہے کہ مجھے قیمتوں کا علم نہیں ہے؛ لہٰذا تم جیسے اوروں کو بیچتے ہو مجھ سے بھی اسی طرح فروخت کرو، یا بائع کہے کہ جس طرح تم دوسروں سے خریداری کرتے ہو مجھ سے بھی اسی طرح کرو۔

اور علامہ خلیل رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا نام مستامن رکھا ہے، علامہ دردیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ تفسیر کی ہے:

أَنْ يَقُولَ أَحَدُهُمَا لِلْآخَرِ مَا قِيمَتُهُ لِأَشْتَرِيَ بِهَا، أَوْ لِأَبِيعَ بِهَا فَيَقُولُ لَهُ قِيمَتُهُ كَذَا وَالْحَالُ أَنَّهُ لَيْسَ كَذٰلِكَ. (۲)

ایک شخص دوسرے سے کہے: اس کی قیمت کتنی ہے؟ کہ میں اتنے میں خرید سکوں یا بیچ سکوں، تو دوسرا کہے کہ اتنی قیمت ہے، حالاں کہ اتنی نہیں تھی۔

پھر علامہ دردیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

فَهُوَ تَنْوِيعٌ ظَاهِرِيٌّ وَالْمُؤَدّٰى وَاحِدٌ. (۳)

یہ بظاہر متعدد نام ہیں؛ لیکن مطلب ایک ہے۔

دونوں تفسیروں کا حاصل یہ ہے کہ عاقد اپنی ناواقفیت بیان کرنے کے بعد قیمت کے سلسلہ میں دوسرے کے قول پر اعتماد کرتا ہے، اور دوسرا خلافِ واقعہ صراحۃً یا فعلاً قیمت بتلاتا ہے، اور مختصر خلیل میں ثبوتِ خیار کے سلسلے میں تردد ظاہر کیا گیا ہے؛ لیکن علامہ

---

(۱) الشرح الکبیر مع الدسوقی ۳/۱۴۰

(۲) حوالہ سابق

(۳) حوالہ سابق

دردیر رحمۃ اللہ علیہ نے ثبوتِ خیار کو ہی معتمد قرار دیا ہے۔(۱)

مالکیہ کی عبارات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خیار اسی صورت میں ثابت ہوگا جب کہ دوسرے فریق نے قیمت بیان کرنے میں دھوکہ دیا ہو۔(۲) جب کہ حنابلہ کی عبارات کا ظاہر یہ ہے کہ غابن کا دھوکہ باز ہونا شرط نہیں ہے؛ بلکہ مغبون کا مسترسل ہونا کافی ہے۔(۳)

جس غبن سے خیار ثابت ہوتا ہے اس کی تحدید امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول نہیں ہے، اور بعض حنابلہ نے یہ تحدید کی ہے کہ جس میں عادۃً غبن نہ ہوتا ہو؛ کیوں کہ اس طرح کے مسائل میں غیر منصوص کے اندر عرف کی جانب رجوع کیا جاتا ہے، اور حنابلہ میں سے علامہ ابوبکر و ابن موسی رحمۃ اللہ علیہما نے ثلثِ قیمت کے ذریعے تحدید کی ہے۔(۴) اور یہی مالکیہ میں سے اہل بغداد کا قول ہے۔(۵) لہٰذا اگر کسی شخص کو ثلثِ قیمت کے برابر غبن ہو جائے کہ وہ آٹھ کی چیز بارہ میں خرید لے تو اس کو خیار ہوگا۔

حنفیہ اور شافعیہ کا اصل مذہب یہ ہے کہ مغبون کو خیار حاصل نہیں ہوگا؛ بلکہ بیع نافذ ہوگی بشرطیکہ عاقدین میں اہلیتِ عقد کے تمام شرائط پائے جائیں۔

خیارِ مغبون کے دلائل

خیارِ مغبون کے قائل بعض افراد نے حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے، ان کو خرید وفروخت میں دھوکہ ہو جاتا تھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے فرمایا تھا:

إِذَا بَايَعْتَ فَقُلْ لَا خِلَابَةَ. (۶)

---

(۱) الشرح الکبیر مع الدسوقی ۳/ ۱۴۱

(۲) مواہب الجلیل ۴/ ۴۶۸ تا ۴۷۱

(۳) کشاف القناع ۳/ ۲۱۲

(۴) المغنی ۳/ ۴۹۸

(۵) الشرح الکبیر مع الدسوقی ۳/ ۱۴۰

(۶) بخاری، حدیث نمبر: ۲۱۱۷

جب تم بیع کرو تو کہہ دو: کوئی دھوکہ بازی نہیں۔

اور ابن ماجہ کی روایت میں اس کے بعد یہ الفاظ ہیں:

ثُمَّ أَنْتَ فِي كُلِّ سِلْعَةٍ ابْتَعْتَهَا بِالْخِيَارِ ثَلَاثَ لَيَالٍ.(۱)

پھر جو سامان بھی تم خریدو اس میں تمہیں تین دن کا خیار ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ اس سے خیارِ شرط مراد ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں تین دن کی قید لگائی ہے، جب کہ خیارِ مغبون کے قائلین کے نزدیک تین دن کی قید نہیں ہے؛ بلکہ یہ ایک سال تک بھی دراز ہوسکتا ہے، علامہ ابن عاصم رحمۃ اللہ علیہ تحفہ کے متن لکھتے ہیں:

و من یغبن فی مبیع قاما
فشرطه ان لا یجوز العاما(۲)

اسی بنا پر علامہ ابی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حبان رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد خیار کے خیارِ شرط ہونے کو ترجیح دی ہے۔(۳)

لیکن خیارِ مغبون کے سلسلے میں سب سے قوی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا تَلَقَّوُا الْجَلَبَ، فَمَنْ تَلَقَّاهُ فَاشْتَرَى مِنْهُ، فَإِذَا أَتَى سَيِّدُهُ السُّوقَ، فَهُوَ بِالْخِيَارِ. (۴)

تم تلقی جلب نہ کرو، جو شخص تلقی جلب کرکے اس سے سامان خرید لے، پھر اس کا مالک سابق بازار آجائے تو اس کو خیار ہوگا۔

---

(۱) حدیث نمبر: ۲۳۵۵

(۲) الشرح الکبیر مع الدسوقی ۳/۱۴۰

(۳) اکمال اکمال المعلم ۴/۱۹۹

(۴) مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۱۹

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ دیہاتی لوگ دیہات سے سامان لے کر آتے تھے، پھر کچھ شہر والے ان کے شہر پہونچنے اوران کی قیمت جاننے سے پہلے ہی ان سے مل کر ستے میں سامان خرید لیتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی، پھر یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اس ممانعت پر عمل نہ کرے اور دیہاتیوں سے شہر پہونچنے سے پہلے سامان خرید لے پھر سامان والا بازار آئے اوراس کو قیمت معلوم ہوجائے تو واپس لینے کا حق ہوگا، حنابلہ نے حق استرداد کو اس صورت کے ساتھ مقید کیا ہے جب کہ سامان کے مالک کو یہ علم ہوجائے کہ بازار پہونچنے سے قبل کی جانے والی بیع میں اس کے ساتھ غبن ہوا تھا۔(۱)

اور شوافع اگرچہ خیارِ مغبون کے قائل نہیں؛ مگر اس حدیث کی بنا پر خاص اس جزئیہ میں وہ حنابلہ کے ہم مسلک ہیں، حنفیہ کا جو عدمِ خیارِ مغبون کا ضابطہ ہے وہ اسی پر قائم ہیں، چنانچہ اس صورت میں بھی انہوں نے خیار نہیں دیا ہے؛ البتہ اگر مشتری نے دھوکہ دیا ہو اور قیمت میں کذب بیانی سے کام لیا ہو تو متاخرین حنفیہ خیار دیتے ہیں، جیسا کہ عن قریب آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس مسئلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایات مختلف ہیں، ایک شوافع وحنابلہ کے موافق ہے اور دوسری حنفیہ کے موافق، اور مشہور روایت یہ ہے کہ ایسی بیع فسخ کردی جائے گی، پھر بازار والوں کو سامان اس ثمن کے عوض دے دیا جائے گا جتنے میں اس شہری نے دیہاتی سے بازار آمد سے پہلے خریدا تھا، اور بازار والوں میں سے جو وہ سامان خریدے دیہاتی اس کا شریک ہوجائے گا، اگر کوئی نہ خریدے تو مشتری اول کو لوٹا دیا جائے گا۔(۲)

مغبون بائع کو خیار دیے جانے کے سلسلے میں مذکورہ حدیث صریح ہے، حنفیہ نے اس کی مختلف تاویلات کی ہیں، جنہیں میں نے تکملہ فتح الملہم (۳) میں ذکر کیا ہے؛ لیکن

---

(۱) المغنی ۴/ ۱۶۵

(۲) اکمال اکمال المعلم ۴/ ۱۸۰

(۳) ۷/ ۳۲۳

صریح حدیث کے پیش نظر وہ نامناسب ہیں، اسی وجہ سے علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور احناف کے برخلاف یہ کہا ہے:

فَيَجِبُ أَنْ يَكُونَ غَيْرَ مُنْعَقِدٍ لِعَدَمِ الرِّضَا بِهِ كَقَوْلِ مَالِكٍ، أَوْ مُنْعَقِدًا وَيَثْبُتُ لَهُ خِيَارُ الْفَسْخِ كَقَوْلِ الشَّافِعِيِّ. (۱)

مغبون کی رضامندی نہ ہونے کی وجہ سے یہ بیع منعقد نہیں ہوگی جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، یا منعقد ہوگی؛ لیکن خیارِ فسخ ہوگا، جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

متاخرین حنفیہ کے نزدیک مفتیٰ بہ قول

پھر خیار مغبون کی نفی کے سلسلے میں احناف کا جو قول مذکور ہوا وہی اصل مذہب ہے؛ لیکن اکثر متاخرین حنفیہ نے مغبون مغرور کے لیے ثبوت خیار کا فتویٰ دیا ہے، جیسا کہ علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے اَلْمَشَقَّةُ تَجْلُبُ التَّيْسِيرَ کے قاعدہ کے تحت ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

وَمِنْ ذٰلِكَ أَفْتَى الْمُتَأَخِّرُونَ بِالرَّدِّ لِخِيَارِ الْغَبْنِ الْفَاحِشِ، إِمَّا مُطْلَقًا أَوْ إِذَا كَانَ فِيهِ غُرُورٌ رَحْمَةً عَلَى الْمُشْتَرِي. (۲)

اسی وجہ سے متاخرین نے غبن فاحش کی وجہ سے مشتری کی خیرخواہی کے پیش نظر واپسی کا یا تو مطلقاً خیار دیا ہے یا دھوکہ کی صورت میں۔

اور علامہ حموی رحمۃ اللہ علیہ نے امام زیلعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے اس کی یہ تفسیر کی ہے:

---

(۱) فتح القدیر ۶/ ۴۷۶

(۲) الاشباہ والنظائر، ص: ۶۸

قَالَ الْبَائِعُ لِلْمُشْتَرِي: قِيمَتُهُ كَذَا فَاشْتَرَاهُ فَظَهَرَ أَقَلَّ فَلَهُ الرَّدُّ لِحُكْمِ أَنَّهُ غَرَّهُ، وَإِنْ لَمْ يَقُلْ ذٰلِكَ فَلَا، وَبِهِ أَفْتَى الصَّدْرُ الشَّهِيدُ. (۱)

بائع نے مشتری سے کہا کہ اس کی قیمت اتنی ہے، پھر مشتری نے خرید لیا پھر معلوم ہوا کہ وہ اقل ہے، تو دھوکہ کی وجہ سے لوٹانے کا حق ہوگا، اور اگر اس نے کہا نہ ہو تو نہیں ہوگا، صدر شہید رحمۃ اللہ علیہ کا یہی فتویٰ ہے۔

متقدمین ومتاخرین حنفیہ کی آراء میں تطبیق

پھر ظاہر روایت کے خلاف متاخرین حنفیہ کا جو فتویٰ ہے اس کی بنیاد یا تو دھوکہ کی صورت میں امامِ مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کرنے پر ہوسکتی ہے یا ظاہر روایت کی تاویل پر کہ اس میں عدمِ خیار اس صورت کے ساتھ مقید ہے جس میں دھوکہ نہ ہو، علامہ سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی بات ذکر کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

أَنَّ أَصْحَابَنَا يَقُولُونَ فِي الْمَغْبُونِ: إِنَّهُ لَا يُرَدُّ لٰكِنَّ هٰذَا فِي مَغْبُونٍ لَمْ يُغَرَّ أَمَّا فِي مَغْبُونٍ غُرَّ يَكُونُ لَهُ حَقُّ الرَّدِّ اسْتِدْلَالًا بِمَسْأَلَةِ الْمُرَابَحَةِ. (۲)

مغبون کے سلسلے میں ہمارے اصحاب کا قول یہ ہے کہ اس کو واپس کرنے کا اختیار نہیں ہوگا؛ لیکن یہ اس مغبون کے بارے میں ہے جس کو دھوکہ نہ دیا گیا ہو؛ البتہ جس مغبون کو دھوکہ دیا گیا ہو اس کو مرابحہ کے مسئلہ سے استدلال کرتے ہوئے خیار ہوگا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ یہ عبارت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

---

(۱)　غمز عیون البصائر ۱/ ۲۵۷

(۲)　تحفۃ الفقہاء ۲/ ۱۰۸

أَيْ بِمَسْأَلَةِ مَا إِذَا خَانَ فِي الْمُرَابحَةِ فَإِنَّ ذَلِكَ تَغْرِيرٌ يَثْبُتُ بِهِ الرَّدُّ. (۱)

یعنی اس مسئلہ سے کہ مرابحہ میں خیانت سے کام لے، یہ دھوکہ دہی ہے، اس سے خیار ثابت ہوگا۔

اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو راجح قرار دیا ہے کہ ظاہر روایت اور متاخرین کے فتویٰ میں کوئی تعارض نہیں ہے؛ کیوں کہ ظاہر روایت کا تعلق اس غبن سے ہے جس میں غرر نہ ہو اور متاخرین کے فتوے کا تعلق اس غبن سے ہے جس میں دھوکہ ہو۔ (۲)

اس تفصیل کی بنیاد پر متاخرین احناف کے نزدیک خیار کے ثبوت کے لیے ایسا غبن لازمی ہے جس میں غرر ہو، اور خیار کو ثابت کرنے والا غبن، غبن فاحش ہے، یعنی ایسا غبن جو قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت داخل نہ ہو، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

هُوَ الصَّحِيحُ كَمَا فِي الْبَحْرِ، وَذَلِكَ كَمَا لَوْ وَقَعَ الْبَيْعُ بِعَشَرَةٍ مَثَلًا، ثُمَّ إِنَّ بَعْضَ الْمُقَوِّمِينَ يَقُولُ إِنَّهُ يُسَاوِي خَمْسَةً، وَبَعْضُهُمْ سِتَّةً وَبَعْضُهُمْ سَبْعَةً فَهَذَا غَبْنٌ فَاحِشٌ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَدْخُلْ تَحْتَ تَقْوِيمِ أَحَدٍ بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ بَعْضُهُمْ: ثَمَانِيَةً وَبَعْضُهُمْ تِسْعَةً وَبَعْضُهُمْ: عَشَرَةً فَهَذَا غَبْنٌ يَسِيرٌ. (۳)

یہی صحیح ہے، جیسا کہ بحر میں ہے، مثلاً: کسی چیز کی بیع دس کے عوض ہوئی، اور قیمت لگانے والوں میں اختلاف ہوگیا، بعض پانچ، بعض چھ اور بعض سات بتاتے ہیں، تو یہ غبن فاحش ہے؛

---

(۱) درعلی الدر ۵ / ۱۴۳

(۲) حوالہ سابق

(۳) حوالہ سابق

کیوں کہ یہ (دس درہم) کسی کی قیمت کے تحت داخل نہیں ہے،
البتہ اگر بعض آٹھ، بعض نو اور بعض دس قیمت لگائیں تو یہ غبن
یسیر ہے، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

۴۰۳۔خیارِ تغریر

سابق (۱) میں تغریر اور تدلیس کے مابین فرق کی وضاحت آچکی ہے کہ تغریر قولاً دھوکہ دہی اور تدلیس فعلاً دھوکہ دہی کا نام ہے۔

تغریر کا اعتبار حنفیہ نے دو جگہوں پر کیا ہے:

۱) اگر بائع مرابحہ کے اندر مبیع کی لاگت بیان کرنے میں جھوٹ بولے مثلاً: نوے میں کوئی چیز خریدی ہو اور مشتری کے سامنے سو بیان کرے، مرابحہ کے بیان (۲) میں اس کا حکم آچکا ہے۔

۲) بائع نے مبیع کی بازاری قیمت بیان کرنے میں مشتری کو دھوکہ دیا ہو، اور اس سے مشتری کو غبن فاحش ہوا ہو، اس کا حکم خیارِ مغبون کے تحت آچکا ہے، اور اگر کسی مرغوب فیہ وصف کے بیان کرنے میں جو کہ مبیع میں موجود نہ ہو دھوکہ سے کام لے تو یہ خیار ِ فواتِ وصف میں داخل ہے۔

مالکیہ کے نزدیک تغریر کی صورتوں میں نجش بھی داخل ہے، بشرطیکہ بائع کو اس کا علم ہو، چنانچہ مشتری کو خیار حاصل ہوگا، مالکیہ نے خیار کے ثابت ہونے کے لیے نجش کے غبن فاحش ہونے کی شرط نہیں لگائی ہے؛ البتہ بعض نے یہ شرط لگائی کہ نجش بازاری قیمت سے زائد ہو، اور بعض نے یہ شرط بھی نہیں لگائی؛ بلکہ مطلقاً نجش کی صورت میں خیار دیا ہے۔ (۳) اور حنابلہ نے ایسے غبن کی شرط لگائی ہے جو عام طور پر نہ ہوتا ہو، خواہ بائع

---

(۱) رقم: ۸۱

(۲) رقم: ۲۸۸

(۳) الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/ ۶۸

کے سمجھوتہ سے ہو یا نہ ہو۔(۱) اور شافعیہ نے بائع کے سمجھوتہ سے ہونے کی شرط لگائی ہے، غبن کی شرط کا انہوں نے ذکر نہیں کیا ہے۔(۲)

اگر بیع مساومہ میں بائع مبیع کی لاگت بیان کرنے میں جھوٹ بولے تو ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک خیار نہیں ہوگا، اور حنابلہ نے اس صورت میں بھی خیار دیا ہے، وہ کہتے ہیں: بائع کہے کہ مجھے یہ سامان اتنے میں ملا، اور مشتری اس کی تصدیق کرے اور اتنے میں خرید لے پھر بائع کا جھوٹا ہونا معلوم ہو تو بیع درست ہے اور مشتری کو خیار ہوگا، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى النَّجْشِ.(۳)

کیونکہ یہ نجش کے معنی میں ہے۔

اور شافعیہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔(۴)

ظاہر ہے کہ مذکورہ صورتوں کے علاوہ میں خیارِ تغریر کا مرجع یا تو خیارِ عیب ہوگا یا خیارِ فواتِ وصف یا خیارِ مغبون، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

۴۰۴۔ خیارِ تدلیس اور مصراۃ کا مسئلہ

فقہاء کے نزدیک تدلیس کا اطلاق دو معانی پر ہوتا ہے:

۱) مبیع میں موجود عیب کو چھپانا، اس تدلیس کی وجہ سے مشتری کو حاصل ہونے والا

---

(۱) المغنی ۴/ ۱۶۰

(۲) روضۃ الطالبین ۳/ ۴۱۶؛ مگر امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شرط کو بھی خلافِ اصح قرار دیا ہے، یعنی بائع سے سمجھوتہ کی بنا پر دوسرے نے نجش کیا ہو یا بلا سمجھوتہ کے، بہر صورت خیار حاصل نہیں ہوگا، آپ لکھتے ہیں:

يَحْرُمُ النَّجْشُ، وَهُوَ أَنْ يَزِيدَ فِي ثَمَنِ السِّلْعَةِ الْمَعْرُوضَةِ لِلْبَيْعِ وَهُوَ غَيْرُ رَاغِبٍ فِيهَا لِيَغُرَّ غَيْرَهُ. فَإِنِ اغْتَرَّ بِهِ إِنْسَانٌ فَاشْتَرَاهَا، صَحَّ الْبَيْعُ، ثُمَّ لَا خِيَارَ لَهُ إِنْ لَمْ يَكُنِ الَّذِي فَعَلَهُ النَّاجِشُ بِمُوَاطَأَةٍ مِنَ الْبَائِعِ، وَإِنْ كَانَ، فَلَا خِيَارَ أَيْضًا عَلَى الْأَصَحِّ. (حوالہ سابق) از مترجم

(۳) المغنی ۴/ ۱۶۰

(۴) روضۃ الطالبین ۳/ ۴۱۶

خیار بعینہ خیارِ عیب ہے؛ لہٰذا اس پر اسی کے احکام جاری ہوں گے۔

۲) بائع مبیع میں ایسی کوئی کاریگری کرے جس سے مبیع کا عمدہ اور کامل ہونا ظاہر ہو اور بائع نے صراحۃً اس کی عمدگی بیان نہ کی ہو، پھر مشتری کو معلوم ہو کہ وہ صفت جو تدلیس کی وجہ سے ظاہر ہو رہی تھی مبیع میں موجود نہیں ہے، تو اگر اس صفت کے نہ پائے جانے کی وجہ سے مبیع عیب دار ہو جاتی ہو تو اس پر خیارِ عیب کے احکام جاری ہوں گے، اور اگر عیب معتبر کی حد کو نہ پہونچے تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

اس سلسلے میں اصل مصراۃ کی حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے نقل کی ہے:

وَلاَ تُصَرُّوا الغَنَمَ، وَمَنِ ابْتَاعَهَا فَهُوَ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَحْتَلِبَهَا، إِنْ رَضِيَهَا أَمْسَكَهَا، وَإِنْ سَخِطَهَا رَدَّهَا وَصَاعًا مِنْ تَمْرٍ.(۱)

تم بکری کا دودھ نہ روکا کرو، اور جو شخص ایسی بکری خرید لے اور اس کو دوہ لے تو اس کو دو مفید باتوں کا اختیار ہے، اگر بکری پسند ہو تو رکھ لے، اور اگر ناپسند ہو تو بکری اور ایک صاع کھجور لوٹا دے۔

تصریہ یہ ہے کہ بکری کا کئی دنوں تک دودھ نہ دوہا جائے جس کی وجہ سے اس کے تھن میں دودھ جمع ہو جائے، اور دیکھنے والے کو بھرے ہوئے تھن معلوم ہوں، مشتری یہ سمجھ کر کہ بکری زیادہ دودھ دینے والی ہے اس کو خرید لے، حالاں کہ ایسا نہ ہو، تو یہ تدلیس ہے۔

اختلافِ فقہاء

مصراۃ کی حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہم نے بیع فسخ کرنے کا قول اختیار کیا ہے، اور مشتری نے جو دودھ دوہا اس کی تلافی کے سلسلے میں اختلاف ہے۔

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۲۱۵۰

پہلا مذہب یہ ہے کہ مشتری دودھ کے عوض ایک صاع کھجور دے دے، اور حدیث میں اس کی تصریح ہونے کی وجہ سے تمام حالات میں یہی عوض شمار ہوگا، یہ شافعیہ، حنابلہ، امام لیث، امام اسحق، حضرت ابوعبید، ابوثور اور داؤد رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ حدیث میں کھجور کا ذکر اس بنا پر ہے کہ وہی مدینہ میں غذا کے طور پر زیادہ مستعمل تھا؛ لہٰذا ہر جگہ جو چیز زیادہ مستعمل ہوگی اسی کے ذریعے ایک صاع بطورِ عوض دینا پڑے گا، یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور بعض شوافع کا مذہب ہے۔

تیسرا مذہب یہ ہے کہ دودھ کی قیمت ادا کرنا ضروری ہے؛ کیوں کہ اصل مقصود دودھ کی قیمت ہی ہے، اور اس وقت دودھ کی قیمت ایک صاع کھجور کے مساوی تھی، تو امام المسلمین ہونے کی حیثیت سے آپ نے اس کو متعین فرمادیا نہ کہ شارع کی حیثیت سے، پھر جب قیمتیں تبدیل ہوگئیں تو حکم اپنی اصل یعنی قیمت کی جانب لوٹ آئے گا، یہ امام ابویوسف اور حضرت ابن ابی لیلی رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے۔(۱)

طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک واپس کرنے کا اختیار نہیں ہوگا؛ کیوں کہ ان کے نزدیک ضابطہ یہ ہے کہ منفصل متولد زیادتی مانع رد ہوگی، جیسا کہ ہم خیارِ عیب (۲) میں بیان کر چکے ہیں، لیکن نقصان کے ضمان کا وہ حق دار ہوگا، اور طرفین رحمۃ اللہ علیہما نے حدیث میں متعدد تاویلات کی ہیں جنہیں میں نے تکملہ فتح الملہم (۳) میں ذکر کیا ہے، ایک تاویل یہ ہے کہ یہ حدیث اَلْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ. (۴) کے معارض ہے، وہاں میں نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول معتدل ہے۔

---

(۱) المغنی ۴/ ۱۰۲ تا ۱۰۴

(۲) رقم: ۳۸۹

(۳) ۷/ ۳۳۰

(۴) نسائی، حدیث نمبر: ۴۴۹۰، ترجمہ: پیداوار اسی کی ہوگی جس کا ضمان ہو۔

الحاصل حنفیہ کے نزدیک خیارِ تدلیس سے مراد خیارِ عیب یا خیارِ فواتِ وصف یا خیارِ مغبون ہے، اخیر کی مثال یہ ہے کہ مبیع کے مختلف درجے ہوں، اور ہر درجہ کا ایک مخصوص طاق ہو، بائع ادنیٰ کو اعلیٰ کے طاق میں رکھ دے، اور مشتری اس کو اعلیٰ سمجھ کر خرید لے، پھر اس کا ادنیٰ ہونا معلوم ہو، تو مشتری کو واپس کرنے کا اختیار ہوگا؛ کیوں کہ یہاں تدلیس کے ساتھ غبن بھی ہے، اور مالکیہ نے خیارِ تدلیس کے تحت جن احوال کا ذکر کیا ہے ان میں سے اکثر خیارِ عیب یا خیارِ فواتِ وصف یا خیارِ مغبون کے تحت آجاتے ہیں۔

۴۰۵۔خیارِ شرط

خیارِ شرط ایسا خیار ہے جس کی عاقدین میں سے کوئی ایک یا دونوں بیع کو جاری رکھنے یا فسخ کرنے کے لیے شرط لگاتے ہیں۔(۱) مطلب یہ کہ عاقدین اس شرط کے ساتھ بیع کرتے ہیں ایک متعین مدت تک ان دونوں کو یا کسی ایک کو بیع فسخ کرنے کا حق ہوگا، اور یہ ان خیارات میں سے ہے جن کا ثبوت صراحۃً شرط لگانے سے ہی ہوتا ہے، اس کو خیارِ تردّ ی بھی کہا جاتا ہے۔

خیارِ شرط کی مشروعیت فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَلَا خِلَافَ بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي ثُبُوتِ الرَّدِّ بِهَذَيْنِ الْأَمْرَيْنِ. (۲)

ان دونوں امور (یعنی عیب اور شرط) کی وجہ سے خیار کے ثابت ہونے میں علماء متفق ہیں۔

البتہ علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے بدایۃ المجتہد (۳) میں امام ثوری، ابن شبرمہ رحمۃ اللہ علیہما

(۱) ردعلی الدر ۴/ ۵۶۷

(۲) المغنی ۳/ ۴۹۴

(۳) ۳/ ۲۲۵

اور بعض اہل ظاہر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ وہ خیارِ شرط کے قائل نہیں ہیں، ان کے نزدیک خیارِ شرط سے عقد فاسد ہوجاتا ہے، گویا ان حضرات تک خیار کی احادیث نہیں پہونچ سکیں۔

خیارِ شرط کے ثبوت کے دلائل

اس خیار کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الْمُتَبَايِعَانِ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِالْخِيَارِ عَلَى صَاحِبِهِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا، إِلَّا بَيْعَ الْخِيَارِ.(۱)

عاقدین میں سے ہر ایک کو اپنے ساتھی کے مقابلہ میں علاحدگی سے قبل اختیار ہے، سوائے اس بیع کے جس میں خیار (کی شرط) ہو۔

اس حدیث کی تخریج امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں کی ہے، اور بیع الخیار سے مراد یہی بیع مع شرط الخیار ہے۔

اسی طرح خیارِ مغبون کی بحث میں جو حضرت حبان رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی گئی وہ بھی اس کی دلیل ہے، امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے یہ حدیث نقل کی ہے:

كَانَ حِبَّانُ بْنُ مُنْقِذٍ رَجُلًا ضَعِيفًا وَكَانَ قَدْ سُفِعَ فِي رَأْسِهِ مَأْمُومَةً، فَجَعَلَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخِيَارَ فِيمَا اشْتَرَى ثَلَاثًا، وَكَانَ قَدْ ثَقُلَ لِسَانُهُ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "بِعْ وَقُلْ: لَا خِلَابَةَ" فَكُنْتُ أَسْمَعُهُ يَقُولُ: لَا خِذَابَةَ، لَا خِذَابَةَ، وَكَانَ يَشْتَرِي الشَّيْءَ وَيَجِيءُ بِهِ أَهْلَهُ، فَيَقُولُونَ: هَذَا

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۲۱۱۱

غَالٍ فَيَقُولُ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ خَيَّرَنِي فِي بَيْعِي. (۱)

حضرت حبان بن منقذ رضی اللہ عنہ کمزور شخص تھے، آپ کے سر میں چوٹ لگی تھی، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو خریدی ہوئی چیز میں تین دن کا خیار دیا، ان کی زبان میں ثقل تھا، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے کہا: تم خرید و فروخت کرو، اور کہو: لَا خِلَابَةَ تو میں ان کو لَا خِذَابَةَ. لَا خِذَابَةَ کہتے ہوئے سنتا تھا، وہ کوئی چیز خرید کر اپنے گھر والوں کے پاس لے کر آتے تھے تو گھر والے کہتے تھے: یہ مہنگا ہے، تو وہ کہتے تھے: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بیع میں خیار دیا ہے۔

راجح قول یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حبان رضی اللہ عنہ کو جو خیار دیا تھا وہ خیارِ شرط تھا، نہ کہ خیارِ مغبون مسترسل، جیسا کہ سابق میں آچکا ہے، اور لَا خِلَابَةَ کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس لفظ کے ذریعے اپنے لیے خیار کی شرط لگانے کا حکم دیا تھا۔

یہ خیار جس طرح متعین مبیع میں جائز ہے اسی طرح کسی چیز کے حصہ مشاع میں بھی جائز ہے، علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَلَوِ اشْتَرَى ثَوْبًا وَاحِدًا أَوْ دَابَّةً وَاحِدَةً بِثَمَنٍ مَعْلُومٍ عَلَى أَنَّ الْمُشْتَرِيَ أَوِ الْبَائِعَ بِالْخِيَارِ فِي نِصْفِهِ وَنِصْفُهُ بَاتٌّ جَازَ الْبَيْعُ؛ لِأَنَّ النِّصْفَ مَعْلُومٌ وَثَمَنُهُ مَعْلُومٌ أَيْضًا. (۲)

اگر متعین ثمن کے عوض ایک کپڑا یا ایک جانور خریدا اس شرط پر

(۱) مستدرک حاکم، حدیث نمبر: ۲۲۰۱

(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۱۵۸

کہ نصف میں عقد باتّ ہے اور نصف میں خیار ہے تو بیع درست ہے؛ کیوں کہ نصف معلوم ہے اور اس کا ثمن بھی معلوم ہے۔

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ذکر خیارِ تعیین کی بحث میں کیا ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ اس کا تعلق خیارِ شرط سے ہے، نہ کہ خیارِ تعیین سے۔

۴۰۶۔ خیارِ شرط کی مدت

پھر مدتِ خیار کے سلسلے میں جمہور کا اختلاف ہے، مشہور مذاہب تین ہیں:

پہلا مذہب یہ ہے کہ مدت خیار تین دن ہے، اس سے زائد نہیں، یہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب ہے۔ (۱)

دوسرا مذہب یہ ہے کہ کوئی مدت متعین نہیں ہے؛ بلکہ عاقدین جتنی مدت پر چاہے اتفاق کر سکتے ہیں، خواہ کم ہو یا زیادہ، بشرطیکہ مدت معلوم ہو، حتیٰ کہ فقہاء نے بطور مثال ایک سال کا بھی ذکر کیا ہے۔ (۲) یہ امام احمد، ابن المنذر اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب ہے، حضرت حسن بن صالح، عنبری، اسحاق، ابن ابی لیلی اور ابوثور رحمۃ اللہ علیہم سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ (۳)

تیسرا مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، وہ یہ کہ خیار کی مدت مبیع کے بدلنے سے ان میں غور و فکر کی ضرورت کے بقدر بدلتی رہتی ہے: گھر اور عقار میں یہ مدت چھیاسٹھ دن، غلام میں دس دن، عروض میں پانچ دن اور جانوروں میں دو دن ہیں۔ (۴)

پہلے مذہب یعنی تین دن تک خیار کے سلسلے میں بعض ضعیف احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے، جن کا ذکر میں نے تکملہ فتح الملہم (۵) میں کیا ہے، اسی طرح حضرت

---

(۱) ہدایہ ۳/۲۹

(۲) شرح منتہی الارادات ۲/۳۸

(۳) المغنی ۳/۴۹۸و۴۹۹

(۴) الشرح الصغیر مع حاشیۃ الصاوی ۳/۱۳۵ تا ۱۳۷

(۵) ۷/۲۶۶و۳۶۷

حبان رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی مستدل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں صرف تین دن کا خیار دیا تھا، اور عقلی دلیل یہ ہے کہ خیارِ شرط کی مشروعیت خلافِ قیاس ہے؛ لہٰذا موردِ نص پر ہی انحصار ہوگا۔

جو حضرات تین دن سے زائد کا خیار دیتے ہیں ان کے یہاں یہ باہمی رضامندی کے ضابطہ سے ماخوذ ہے؛ لہٰذا یہ خلافِ قیاس نہیں ہے؛ بلکہ غور وفکر کی حاجت کے ساتھ معلول ہے، اور غور وفکر کے لیے بسا اوقات تین دن سے زائد کی بھی ضرورت ہوتی ہے، بالخصوص مہنگے سامانوں میں، اور امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو اونٹنی کے اندر دو ماہ کا خیار دیا تھا۔(۱) خیار کی مشروعیت کی علت اور اس بات کے پیش نظر کہ تین دن سے زائد کی نفی کے سلسلے میں کوئی صریح نص وارد نہیں ہے، راجح یہی ہے کہ تین دن سے زائد بھی مدتِ خیار ہوسکتی ہے، اور مبیع کے لحاظ سے اس مدت میں تبدیلی ہوتی رہے گی؛ لیکن مدت اتنی دراز نہیں ہونی چاہیے کہ عقد نہ کرنے کا گمان ہو اور نہ اتنی طویل مدت کی ضرورت ہو۔

۴۰۷۔ انگریزی قانون میں مبیع کی واپسی کا خیار

انگریزی قانون میں خیارِ شرط کے مماثل حکم وہ ہے جس کی تعبیر **تسلیم المبیع بخیار المشتری ان یشتری أو یرد** (Delivery on sale or return) سے کی جاتی ہے، بیع المال کے قانون میں یہ تصریح ہے کہ اس خیار کی وجہ سے مشتری کی جانب ملکیت منتقل نہیں ہوتی؛ بلکہ مبیع اس کے پاس امانت ہوتی ہے، اگر مشتری کی تعدی کے بغیر وہ ہلاک ہوجائے تو بائع کے مال سے ہلاک ہوتی ہے، اور مشتری کی جانب ملکیت اسی صورت میں منتقل ہوگی جب کہ وہ بیع کو صراحۃً قبول کرلے، یا دلالۃً کہ اس سے ایسا فعل صادر ہو جو رضامندی پر دلالت کرے، یا خیار کی متعینہ مدت گزر جائے اور اس دوران بیع کو ترک نہ کیا گیا ہو، اور اگر مدتِ خیار متعین نہ ہو تو ایک معقول مدت گزر جانے

(۱) المبسوط ۱۳/۴۱

سے جس کو عدالت طے کرے گی۔

قانون میں بیع کو کسی شرط پر معلق کرنے کی بھی اجازت ہے، اس لحاظ سے خیارِ شرط اور بیع مشروط (conditional sale) کے درمیان فرق جاننا بھی ضروری ہے، وہ فرق یہ ہے کہ بیع بشرط الخیار میں بیع کا وعدہ نہیں ہوتا؛ لہٰذا مشتری کو مبیع فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہے، اگر بیچ دے تو یہ دلیل رضا شمار ہوگی، جب کہ بیع مشروط میں شرط کے پائے جانے کے وقت بیع کا وعدہ ہوتا ہے، چنانچہ مشتری کو یہ حق ہے کہ وہ شرط کے پائے جانے اور ملکیت کے اس کی جانب منتقل ہونے سے پہلے ہی فروخت کردے؛ کیوں کہ قانون میں غیر مملوک کی بیع کی اجازت ہے۔(۱)

قوانین اور عدالتی فیصلوں کی جانب مراجعت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قانون میں خیارِ شرط، خیارِ عیب اور خیارِ فواتِ وصف میں کوئی فرق نہیں کیا گیا ہے؛ بلکہ ان میں سے ہر ایک یا تو بیع بشرط الخیار (delivery on sale or return) یا بیع مشروط (conditional sale) کے تحت داخل ہے۔

انسانی قوانین اور فقہ اسلامی کے مابین مقارنہ کرنے سے فقہاء کی مسائل خیار میں دقتِ نظری و باریک بینی کا اندازہ ہوتا ہے، خیار کے آئندہ مباحث سے اور زیادہ وضاحت ہوجائے گی۔

۴۰۸۔ مبیع وثمن کی ملکیت پر خیار کا اثر

بائع بھی خیار کی شرط لگا سکتا ہے اور مشتری بھی اور دونوں بھی؛ بلکہ کسی تیسرے شخص کے لیے بھی شرط لگائی جاسکتی ہے، اور یہ متفق علیہ ہے۔(۲) پھر مبیع کی ملکیت پر خیار کے اثر انداز ہونے کے سلسلے میں اختلاف ہے، مطلب یہ کہ مدتِ خیار میں کون مبیع اور ثمن کا مالک رہے گا۔

---

(۱) Pollock & mulla on sale of goods Act, section, 24 pp. 206 to 213

(۲) ہدایہ ۳/۳۲

۴۰۹۔ حنفیہ کا مذہب

اگر بائع نے خیار کی شرط لگائی ہو تو مبیع اس کی ملکیت ہی میں رہے گی، حتی کہ اگر مشتری بائع کی اجازت سے اس پر قبضہ کرلے تو یہ مقبوض علی سوم الشراء کے درجہ میں ہوگا، چنانچہ اس میں تصرف کا مشتری کو اختیار نہیں ہوگا، اور اگر مدتِ خیار کے اندر مبیع مشتری کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو مشتری قیمت کا ضامن ہوگا اگر وہ شئ ذوات القیم میں سے ہو، اور مثل کا ضامن ہوگا اگر مبیع ذوات المثل میں سے ہو، لیکن ثمن مشتری کی ملکیت سے نکل کر صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک بائع کی ملکیت میں داخل ہو جائے گا، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک داخل نہیں ہوگا۔(۱)

اور اگر مشتری نے خیار کی شرط لگائی ہو تو ثمن مشتری کی ملک سے نہیں نکلے گا، اور ثمن اگر عین ہو تو بائع کو اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے، اور دین ہونے کی صورت میں اس کو استحقاق نہیں ہوگا۔

رہی مبیع تو وہ بائع کی ملکیت سے نکل جائے گی، پھر اگر وہ مشتری کے قبضے میں ہلاک ہو جائے تو ثمن کے مقابل ہلاک ہوگی، یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ وہ عیب دار ہو جائے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مبیع اگر چہ بائع کی ملکیت سے نکل چکی ہے؛ لیکن مشتری کی ملک میں داخل نہیں ہوگی، اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما داخل ہونے کے قائل ہیں، یہی حکم ان زیادتیوں کا ہے جو مدتِ خیار کے اندر مبیع میں ہوئی ہوں اور غیر متولد اور منفصل ہوں، مثلاً: غلام کی کمائی مشتری کی ہوگی؛ اگر چہ وہ اس کے بعد بیع فسخ کردے؛ کیوں کہ جب وہ بائع کی ملک سے نکل گئی تو اگر مشتری کی ملک میں بھی داخل نہ ہو تو وہ زائل لا الی مالک ہوگی، اور شریعت میں ایسی کوئی نظیر نہیں ہے، اور جب مشتری اس کا مالک ہے تو نفع اور نقصان اسی کا ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ ثمن بالاتفاق مشتری کی ملک سے نہیں نکلا، تو

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۲۶۵

اگر ہم مبیع کو بھی اس کی ملک قرار دیں تو معاوضہ کے حکم کے پیشِ نظر ایک شخص کی ملکیت میں دو بدلوں کا جمع ہونا لازم آئے گا، اور شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں؛ کیوں کہ معاوضہ مساوات کا تقاضہ کرتا ہے۔(۱) اسی بنا پر جس غلام کی بیع میں مشتری نے خیار کی شرط لگائی ہو اس کی کمائی فسخ کے بعد بائع کی ہوگی۔(۲)

امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے اختلاف کا ثمرہ

امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے مابین اختلاف کا ثمرہ متعدد مسائل میں ظاہر ہوتا ہے، ان میں سے اکثر غلام باندیوں کی بیع سے متعلق ہیں، ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

۱) مشتری اگر بائع کی اجازت سے مبیع پر قبضہ کرلے پھر بائع کے پاس ودیعت رکھ دے اور مدتِ خیار میں مبیع بائع کے پاس ہلاک ہوجائے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ بائع کے مال سے ہلاک ہوگی؛ کیوں کہ مشتری کا مبیع کا مالک نہ ہونے کی وجہ سے ودیعت رکھنا درست نہیں تھا، پس مبیع بائع کے پاس بطورِ ودیعت نہیں رہی، اور لوٹانے کی وجہ سے بائع کا قبضہ بھی ختم ہوگیا، اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مشتری کے مال سے ہلاک ہوگا؛ کیوں کہ مشتری اس کا مالک تھا؛ لہٰذا اس کا ودیعت رکھنا بھی درست ہے، اور بلا تعدی اگر ودیعت مودَع کے پاس ہلاک ہوجائے تو وہ مودِع کے مال سے ہلاک ہوتی ہے۔

۲) اگر ایک ذمی نے دوسرے ذمی سے شراب خریدی اور اپنے لیے خیار کی شرط لگائی، پھر مدتِ خیار کے اندر اس نے اسلام قبول کرلیا، تو صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک خیار باطل ہوجائے گا؛ کیوں کہ وہ اس کا مالک تھا؛ لہٰذا مسلمان ہونے کی حالت میں وہ لوٹا کر مالک نہیں بنا سکتا، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع باطل ہوجائے گی؛ کیوں

---

(۱) فتح القدیر ۶/ ۳۰۷

(۲) الدر مع الرد ۴/ ۵۷۸

کہ وہ اس کا مالک ہی نہیں ہوا؛ لہٰذا خیار ساقط کر کے وہ بہ حالتِ اسلام اس کا مالک نہیں بن سکتا۔(۱)

۳) گھر کی خریداری تین دن کے خیار کی شرط کے ساتھ کی، اور وہ خود اس میں بطورِ اجارہ یا اعارہ قیام پذیر تھا، اور خریدنے کے بعد بھی اسی میں رہائش رکھی تو کیا یہ عقد کو اختیار کرنا کہلائے گا یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا اعتبار نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ گھر کا مالک نہیں ہوا؛ لہٰذا اس کی فی الحال رہائش بھی بطورِ اعارہ یا اجارہ ہی ہے، اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک رہائش اس بات کی دلیل ہوگی کہ اس نے عقد کو اختیار کرلیا ہے؛ کیوں کہ بیع کی وجہ سے وہ اس کا مالک ہوگیا تھا، اور رہائش عقد برقرار رکھنے کی دلیل ہے، جیسا کہ اس صورت میں ہوتا جب کہ وہ ابتداءً اس میں رہائش اختیار کرتا۔

شیخ الاسلام خواہر زادہ رحمۃ اللہ علیہ نے صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا یہی مذہب ذکر کیا ہے، اور امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رہائش باقی رکھنا عقد کو اختیار کر لینے کی دلیل نہیں۔ (۲) اس لحاظ سے اس جزئیہ کے اندر دونوں مذاہب میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

مجلۃ الاحکام العدلیۃ میں صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب اختیار کیا گیا ہے، اس کے دفعہ نمبر ۳۰۹ میں مذکور ہے:

إِذَا شُرِطَ الْخِيَارُ لِلْمُشْتَرِي فَقَطْ خَرَجَ الْمَبِيعُ مِنْ مِلْكِ الْبَائِعِ وَصَارَ مِلْكًا لِلْمُشْتَرِي فَإِذَا هَلَكَ الْمَبِيعُ فِي يَدِ الْمُشْتَرِي بَعْدَ قَبْضِهِ يَلْزَمُهُ أَدَاءُ ثَمَنِهِ الْمُسَمَّى لِلْبَائِعِ.(۳)

اگر صرف مشتری کے لیے خیار شرط ہو، تو مبیع بائع کی ملک سے

(۱) تفصیل کے لیے مراجعت کریں: الدر مع الرد ۴/ ۵۷۷

(۲) فتح القدیر ۶/ ۳۱۲

(۳) ص: ۳۰۹

نکل کر مشتری کی ملک میں داخل ہوجائے گی؛ لہٰذا اگر قبضہ کرنے کے بعد مبیع ہلاک ہو تو مشتری پر اس کا ثمن بائع کو دینا لازم ہوگا۔

اور اگر بائع ومشتری دونوں نے خیار کی شرط لگائی ہو تو مبیع بائع کی ملک میں اور ثمن مشتری کی ملک میں ہی رہے گا، اور مدت کے دوران کسی کے بھی فسخ کرنے سے بیع فسخ ہوجائے گی، اور جو اجازت دے اس کا خیار باطل ہوجائے گا اور اس کی جانب سے عقد باتّ مانا جائے گا، اور دوسرے کا خیار علی حالہٖ باقی رہے گا، اور اگر مدت کے اندر کسی کی طرف سے بھی فسخ یا اجازت نہ پائی جائے تو مدت گزرنے پر بیع لازم ہوجائے گی، اور اگر ایک اجازت دے اور دوسرا فسخ کردے تو بیع باطل ہوجائے گی، خواہ فسخ کا صدور اجازت سے قبل ہوا ہو یا بعد میں، یا دونوں ساتھ ہوئے ہوں، بہر صورت اجازت کا اعتبار نہیں ہوگا، اور بائع کا مبیع میں' یا مشتری کا ثمن میں جب کہ وہ عین ہو تصرف کرنا جائز ہے اور اس سے بیع فسخ ہوجائے گی، اور بائع کا ثمن میں جب کہ وہ عین ہو اور مشتری کا مبیع میں تصرف کرنا ناجائز ہے، اور سپردگی سے قبل کسی ایک کے ہلاک ہونے کی صورت میں بیع باطل ہوجائے گی، اسی طرح سپردگی کے بعد بھی ہلاک ہونے سے، اور قیمت لازم ہوگی۔(۱)

۴۱۰۔شافعیہ کا مذہب

شوافع کے اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں جن کا تفصیلی ذکر علامہ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے مہذب (۲) میں کیا ہے، لیکن شوافع کے نزدیک اظہر قول وہی ہے جو صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا مسلک ہے کہ اگر بائع کے لیے خیارِ شرط ہو تو اس کی ملکیت مبیع پر برقرار رہے گی، اور اگر مشتری کے لیے خیارِ شرط ہو تو وہ مبیع کا مالک ہوجائے گا، اور اگر دونوں کے لیے یا کسی اجنبی کے لیے خیارِ شرط ہو تو ملکیت موقوف ہوگی، اگر بیع تام ہوجائے تو یہ

(۱) الدر مع الرد ۴/ ۵۷۶و۵۷۷

(۲) مع المجموع ۹/ ۲۱۱ تا ۲۱۳

کہا جائے گا کہ عقد کے وقت ہی سے مشتری مبیع کا اور بائع ثمن کا مالک تھا، اور اگر بیع فسخ ہوجائے تو عقد کے وقت ہی سے بائع مبیع کا اور مشتری ثمن کا مالک شمار ہوگا، گویا کہ کوئی بھی چیز اس کے مالک کی ملکیت سے نہیں نکلی؛ کیوں کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے، لہٰذا بیع کے لازم ہونے یا فسخ ہونے تک معاملہ موقوف رہے گا۔(۱) اسی بنا پر مدتِ خیار کے اندر مبیع کے ہلاک ہونے کے سلسلے میں حسبِ ذیل تفصیل ہے:

۱) اگر مشتری نے خیار کی شرط لگائی ہو اور آسمانی آفت کی وجہ سے مبیع ہلاک ہوجائے تو راجح قول کے مطابق بیع فسخ نہیں ہوگی، اور مشتری کا خیار باقی رہے گا، اگر وہ اجازت دینا چاہے تو ثمن لازم ہوگا اور اگر فسخ کردے تو قیمت لازم ہوگی، اور اگر مشتری کے قبضہ میں رہتے ہوئے کسی اجنبی کے ہاتھ سے مبیع تلف ہوجائے تب بھی بیع فسخ نہیں ہوگی، مشتری کا خیار باقی رہے گا، اور اجنبی پر مبیع کی قیمت لازم ہوگی، پھر اگر مشتری بیع کی اجازت دے تو مبیع کی قیمت مشتری کی ہوگی اور اگر فسخ کردے تو بائع کی ہوگی؛ البتہ اگر مشتری مبیع تلف کردے تو بیع لازم ہوجائے گی اور ثمن ادا کرنا ہوگا۔(۲)

۲) اگر بائع نے اپنے لیے خیار کی شرط لگائی ہو اور مبیع مشتری کے قبضے میں ہلاک ہوجائے تو بیع فسخ ہوجائے گی؛ کیوں کہ پہلے آچکا ہے کہ مبیع بدستور بائع ہی کی ملکیت میں تھی، خواہ وہ مشتری کے قبضے میں ہو یا بائع کے، پس مدتِ خیار میں مبیع کا ہلاک ہونا ایسا ہی ہے جیسے مشتری کے قبضے سے قبل ہلاک ہوجائے؛ لیکن مشتری قیمت کا ضامن ہوگا۔

۳) اگر مبیع بائع کے پاس کسی آسمانی آفت کی وجہ سے ہلاک ہوجائے تو بیع فسخ ہوجائے گی، خواہ خیارِ شرط بائع کے لیے ہو یا مشتری کے لیے۔

۴) اگر مبیع بائع کے قبضہ میں ہو اور کوئی تیسرا شخص اس کو تلف کردے تو بیع فسخ نہیں ہوگی، خواہ خیارِ شرط بائع کے لیے ہو یا مشتری کے لیے؛ بلکہ دوسرے کا خیار باقی

---

(۱) نہایۃ المحتاج ۴/ ۱۹ و ۲۰

(۲) روضۃ الطالبین ۳/ ۴۵۳

رہے گا، اگر چاہے تو بیع کو فسخ کر دے، چنانچہ بائع تیسرے سے ضمان وصول کرے گا، اور اگر چاہے تو بیع کی اجازت دے دے تو مشتری اس سے ضمان وصول کرے گا۔

۵) اگر مشتری کے لیے خیارِ شرط ہو اور وہ مبیع تلف کر دے تو ثمن ادا کرنا ہوگا، خواہ مبیع بائع کے قبضہ میں ہو یا مشتری کے؛ کیوں کہ یہ قبضہ شمار ہوتا ہے۔

۶) اگر بائع کے لیے خیارِ شرط ہو اور مشتری مبیع کو تلف کر دے تو بیع فسخ ہو جائے گی، اور مشتری قیمت کا ضامن ہوگا، خواہ مبیع بائع کے قبضہ میں ہو یا مشتری کے۔

۴۱۱۔ مالکیہ کا مذہب

مالکیہ کا معتمد مذہب یہ ہے کہ مدتِ خیار کے اندر مبیع بائع کی ملکیت میں رہتی ہے، خواہ خیارِ شرط مشتری کے لیے ہو یا بائع کے لیے، دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں مبیع مشتری کی ملکیت میں رہتی ہے؛ لیکن لوٹانے کے احتمال کی وجہ سے اس کی ملکیت تام نہیں ہوتی؛ البتہ دونوں فریق کے نزدیک مبیع بائع کے ضمان ہی میں رہتی ہے، علامہ دسوقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> مدتِ خیار کے اندر مبیع بائع کی ملکیت میں رہتی ہے، یہی معتمد ہے، اس بنیاد پر بیع کو باقی رکھنا' مبیع کی ملکیت مشتری کی جانب منتقل کرنے کے معنی میں ہوگا، اور ایک قول یہ ہے کہ مشتری مالک ہوگا، اس صورت میں عقد باقی رکھنا' مشتری کی ملکیت برقرار رکھنے کے معنی میں ہوگا، اور اصل ملکیت تو عقد کی وجہ سے حاصل ہو چکی ہے، یہی فقہاء مالکیہ کے اس قول کا مطلب ہے: إِنَّ بَيْعَ الْخِيَارِ مُنْحَل یعنی مبیع بائع کی ملکیت میں رہتی ہے، أَوْ مُنْعَقِدٌ یعنی مشتری کی ملک میں رہتی ہے، لیکن لوٹانے کے احتمال کی وجہ سے ملک تام نہیں ہے؛ اس لیے دونوں قول میں بالاتفاق مبیع بائع کے ضمان میں رہتی ہے، ثمرۂ اختلاف

مدت خیار کے دوران حاصل ہونے والی کمائی اور اس کے ملحقات میں ہوگا، پہلے قول کے مطابق بائع اس کا مالک ہوگا اور دوسرے قول کے مطابق مشتری، البتہ دوسرے قول کے مطابق مشتری کی ملکیت قاعدہ **اَلْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ وَمَنْ لَهُ الْغُنْمُ عَلَيْهِ الْغُرْمُ** کے خلاف ہوگی؛ کیوں کہ غنم تو مشتری کے لیے ہے اور غرم بائع کے لیے، فتأمل۔(۱)

کتبِ مذہب میں پہلا قول ہی لیا گیا ہے کہ مبیع بائع کی ملکیت میں رہتی ہے، پھر مبیع کا بائع کے ضمان میں ہونا اور اسی کے مال سے ہلاک ہونا علی الاطلاق نہیں ہے؛ بلکہ مالکیہ نے مبیعات کی دو قسمیں کی ہیں: پہلی قسم جن کا چھپانا ممکن ہو، جیسے: کپڑے، زیور اور ہتھیار، مالکیہ اس کو **ما یغاب علیہ** سے تعبیر کرتے ہیں، اور دوسرا جنہیں چھپانا ممکن نہ ہو، جیسے عقار، جانور اور پانی میں کھڑی کشتی، مالکیہ اس کو **ما لا یغاب علیہ** سے تعبیر کرتے ہیں، اگر مبیع **ما لا یغاب علیہ** میں سے ہو اور مشتری کے قبضہ میں وہ ہلاک ہوجائے تو مشتری اس کا ضامن نہیں ہوگا (الَّا یہ کہ مشتری کی تعدی ثابت ہوجائے، یا بائع مشتری کے دعوائے ہلاک کے جھوٹا ہونے پر بینہ قائم کردے) اور اگر مبیع **ما یغاب علیہ** میں سے ہو اور مشتری بلا تعدی ہلاک ہونے کا دعوی کرے تو اس پر لازم ہے کہ اس پر بینہ قائم کرے کہ مبیع بلا تفریط یا کسی ظاہری وجہ ــــ مثلاً: چوری، کشتی کی غرقابی، گھر یا ہانڈی یا کپڑے کا جل جانا ــــ سے ہلاک ہوئی ہے، اگر مشتری بینہ سے ثابت کردے تو وہ ضامن نہیں ہوگا؛ بلکہ بائع کے ہی ضمان میں وہ ہلاک شمار ہوگی، اور اگر مشتری اس کو ثابت نہ کرپائے تو وہ ثمن کا ضامن ہوگا، صرف ایک صورت میں قیمت کا ضامن ہوگا، وہ صورت یہ ہے کہ خیار بائع کے لیے ہو اور قیمت ثمن سے زائد ہو، تو مشتری کو اس بات پر قسم کھلائی جائے گی کہ مبیع اس کی جانب سے کسی زیادتی کے بغیر ضائع اور ہلاک ہوئی

(۱) الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/ ۱۰۳

ہے، اگر وہ قسم کھالے تو ثمن کا ضامن ہوگا، اور اگر انکار کردے تو قیمت کا ضامن ہوگا۔(۱)

۴۱۲۔حنابلہ کا مذہب

حنابلہ کے نزدیک محض عقد کی وجہ سے مشتری کی جانب ملکیت منتقل ہوجاتی ہے، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَيَنْتَقِلُ الْمِلْكُ إِلَى الْمُشْتَرِي فِي بَيْعِ الْخِيَارِ بِنَفْسِ الْعَقْدِ فِي ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ كَوْنِ الْخِيَارِ لَهُمَا، أَوْ لِأَحَدِهِمَا، أَيُّهُمَا كَانَ، وَهَذَا أَحَدُ أَقْوَالِ الشَّافِعِيِّ.وَعَنْ أَحْمَدَ: أَنَّ الْمِلْكَ لَا يَنْتَقِلُ حَتَّى يَنْقَضِيَ الْخِيَارُ، وَهُوَ قَوْلُ مَالِكٍ، وَالْقَوْلُ الثَّانِي لِلشَّافِعِي. (۲)

ظاہر مذہب کے مطابق بیع خیار میں محض عقد کی وجہ سے مشتری کی جانب ملکیت منتقل ہوجاتی ہے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ خیار دونوں کے لیے ہو یا کسی ایک کے لیے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ خیار کے ختم ہونے تک مشتری مالک نہیں ہوتا، یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا قول ہے۔

حنابلہ نے تمام تفریعات میں ظاہر مذہب کے مطابق مشتری کی جانب ملکیت کی منتقلی ہی کو ترجیح دی ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں: جس طرح بیع باتّ میں ضمان مشتری کی جانب منتقل ہوجاتا ہے اسی طرح یہاں بھی منتقل ہوجائے گا، پھر اگر مبیع کا تعلق ایسی چیزوں سے ہو جن کے ساتھ حقِ توفیہ متعلق نہیں ہوتا تو محض عقد کی وجہ سے ضمان منتقل ہوگا،

---

(۱) التاج والاکلیل ۶/ ۳۲۴

(۲) المغنی ۳/ ۴۸۸

اور اگر ایسی چیزوں سے ہو جن کے ساتھ حقِ توفیہ متعلق ہوتا ہے تو قبضہ کے بعد ضمان منتقل ہوگا، جیسا کہ ہم سابق (۱) میں تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں، علامہ بہوتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(فَإِنْ تَلِفَ) الْمَبِيعُ زَمَنَ الْخِيَارَيْنِ (أَوْ نَقَصَ) بِعَيْبٍ (وَلَوْ قَبْلَ قَبْضِهِ) فَمِنْ ضَمَانِ مُشْتَرٍ (إِنْ لَمْ يَكُنْ مَكِيلًا وَنَحْوَهُ) كَمَوْزُونٍ وَمَعْدُودٍ وَمَذْرُوعٍ بِيعَ بِذَلِكَ وَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنْهُ أَيْ لَمْ يَمْنَعِ الْمُشْتَرِي مِنَ الْقَبْضِ (الْبَائِعُ أَوْ كَانَ) مَبِيعًا بِكَيْلٍ أَوْ وَزْنٍ أَوْ عَدٍّ أَوْ ذَرْعٍ (وَقَبَضَهُ مُشْتَرٍ) وَتَلِفَ أَوْ (نَقَصَ) زَمَنَ الْخِيَارَيْنِ (فَـ) هُوَ (مِنْ ضَمَانِهِ) أَيِ الْمُشْتَرِي، لِأَنَّهُ مَالُهُ تَلِفَ بِيَدِهِ (وَيَبْطُلُ خِيَارُهُ) أَيِ الْمُشْتَرِي بِتَلَفِ الْمَبِيعِ الْمَضْمُونِ عَلَيْهِ لِاسْتِقْرَارِ الثَّمَنِ بِذَلِكَ فِي ذِمَّتِهِ. (۲)

اگر مبیع دونوں خیار کے زمانے میں تلف ہو جائے یا کسی عیب کی وجہ سے اس میں نقص آجائے تو اگر چہ مشتری نے قبضہ نہ کیا ہو پھر بھی مشتری ضامن ہوگا، بشرطیکہ وہ مکیلی، موزونی، مذروعی اور عددی نہ ہو، اور بائع نے مشتری کو قبضہ سے منع نہ کیا ہو، یا مبیع تو مکیلی، موزونی، مذروعی اور عددی ہو؛ لیکن مشتری نے اس پر قبضہ کر لیا ہو، پھر دونوں خیار کے زمانے میں مبیع تلف ہو جائے یا اس میں نقص در آئے، تو مشتری ضامن ہوگا، کیوں کہ یہ مشتری ہی کا مال ہے اور اس کے قبضہ میں ہلاک ہوا ہے، اور تلف

---

(۱) رقم: ۳۴۷

(۲) کشاف القناع ۳/۲۰۶

ہونے سے مشتری کا خیار باطل ہوجائے گا، اور ثمن کی ادائیگی اس کے ذمہ لازم ہوگی۔

اسی طرح مدت خیار میں حاصل ہونے والی کمائی مشتری کی ہوگی، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَمَا يَحْصُلُ مِنْ غَلَّاتِ الْمَبِيعِ، وَنَمَائِهِ الْمُنْفَصِلِ فِي مُدَّةِ الْخِيَارِ، فَهُوَ لِلْمُشْتَرِي، أَمْضَيَا الْعَقْدَ، أَوْ فَسَخَاهُ...لَنَا قَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ...وَهَذَا مِنْ ضَمَانِ الْمُشْتَرِي، فَيَجِبُ أَنْ يَكُونَ خَرَاجُهُ لَهُ. (۱)

مدتِ خیار کے اندر مبیع سے حاصل ہونے والی آمدنی اور منفصل زیادتی مشتری کی ہوگی، خواہ عاقدین عقد کو باقی رکھیں یا فسخ کردیں، ہماری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: الْخَرَاجُ بِالضَّمَانِ، اور یہاں ضمان مشتری کا ہے، پس خراج بھی اسی کا ہوگا۔

۴۱۳۔ خیارِ شرط کب ساقط ہوگا؟

درج ذیل امور کی وجہ سے خیارِ شرط ساقط ہوجاتا ہے:

۱) جس شخص کو خیار حاصل ہے وہ بیع کی اجازت دے دے، مثلاً: وہ کہے کہ میری طرف سے بیع کی اجازت ہے، یا میں نے خیار ساقط کردیا۔

۲) جس شخص کو خیار حاصل ہے وہ ایسا تصرف کردے جو بیع کی اجازت پر دلالت کرے، چنانچہ اگر بائع نے خیار کی شرط لگائی تھی تو اس کے ثمن میں تصرف کرنے سے اس کا خیار ساقط ہوجائے گا، مثلاً: ثمن عین ہو اور بائع اس میں مالکوں کی طرح تصرف کردے، یعنی اس کو بیچ دے یا کسی سے بھاؤ تاؤ کرے، یا اس کو کرایہ یا رہن پر

(۱) المغنی ۴۸۹/۳

رکھ دے، اور اگر ثمن دین ہو تو اس میں تصرف کی شکل یہ ہے کہ بائع مشتری کو ثمن سے بری کر دے، یا اس سے کوئی چیز خرید لے، یا مشتری کو ہبہ کر دے تو یہ بائع کی جانب سے بیع کی اجازت شمار ہوگی۔

اور اگر مشتری نے خیار کی شرط لگائی ہو تو اس کا مبیع میں تصرف یہ ہے کہ وہ مبیع کسی اور کو بیچ دے یا ہبہ یا کرایہ یا رہن پر رکھ دے، تو یہ مشتری کی جانب سے بیع کی اجازت شمار ہوگی، اور اس کا خیار ساقط اور تصرف نافذ ہو جائے گا، یہ حنفیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے۔(۱) اور شافعیہ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، علامہ ابو سعید اصطخری رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے جو حنفیہ کے موافق ہے۔(۲) اسی طرح مالکیہ کے یہاں بھی دو قول ہیں: ایک یہ کہ جو شخص خیار کی شرط لگا کر کوئی چیز خریدے پھر کسی تیسرے کو بیچ دے، تو محض بیچ دینا رضامندی کی دلیل نہیں ہے؛ الّا یہ کہ مشتری خود کہے کہ میں نے بیچنے سے پہلے خریدنے کو اختیار کر لیا تھا، چنانچہ بعض کے نزدیک مع الیمین تصدیق کی جائے گی اور بعض کے نزدیک تصدیق نہیں کی جائے گی، دوسرا قول جسے علامہ ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے مدونہ میں نقل کیا ہے، یہ ہے کہ کسی تیسرے کو بیچنا اختیارِ عقد کی دلیل ہے، جیسا کہ شافعیہ اور حنفیہ کا مذہب ہے؛ بلکہ مبیع کو بازار لے جانا بھی دلیل رضا ہے، اور علامہ دردیر رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو معتمد علیہ قرار دیا ہے۔(۳)

۳) مدتِ خیار گزر جائے: کیوں کہ خیار مدت کے ساتھ مؤقت ہے، اور جو چیز کسی غایت کے ساتھ مؤقت ہوتی ہے غایت کے پائے جانے کی صورت میں ختم ہو جاتی ہے؛ لیکن کیا غایت خیارِ شرط میں داخل ہوگی، مثلاً: رات یا اگلے دن تک خیار کی شرط لگائے تو کیا رات یا دن بھی داخل ہوں گے؟ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دخول کے قائل ہیں، اور

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۲۶۷ والمغنی ۳/ ۴۸۷

(۲) المجموع ۹/ ۲۰۴

(۳) الشرح الکبیر مع الدسوقی ۳/ ۱۰۰ و ۱۰۱

صاحبین رحمۃ اللہ علیہما عدم دخول کے، یہی امام شافعی و امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب ہے۔(۱) کیوں کہ غایت مغیا میں داخل نہیں ہوتی، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے:

ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ.(۲)

اس کے بعد رات آنے تک روزے پورے کرو۔

یہاں رات میں روزہ رکھنا واجب نہیں ہے، اور جیسا کہ **تاجیل الی غایۃ** میں غایت اجل کے اندر داخل نہیں ہوتی۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ غایت کی دو قسمیں ہیں: غایتِ اخراج اور غایتِ اثبات، غایتِ اخراج مغیا میں داخل ہوتی ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ.(۳)

تو اپنے چہرے اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھولو۔

اور خیارِ شرط کے اندر غایت غایتِ اخراج کے معنی میں ہے، علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ لَمْ يَذْكُرِ الْوَقْتَ أَصْلًا لَاقْتَضَى ثُبُوتَ الْخِيَارِ فِي الْأَوْقَاتِ كُلِّهَا حَتَّى لَمْ يَصِحَّ؛ لِأَنَّهُ يَكُونُ فِي مَعْنَى شَرْطِ خِيَارٍ مُؤَبَّدٍ بِخِلَافِ التَّأْجِيلِ إِلَى غَايَةٍ، فَإِنَّهُ لَوْلَا ذِكْرُ الْغَايَةِ لَمْ يَثْبُتِ الْأَجَلُ أَصْلًا. فَكَانَتِ الْغَايَةُ غَايَةَ إِثْبَاتٍ، فَلَمْ تَدْخُلْ تَحْتَ مَا ضُرِبَتْ لَهُ الْغَايَةُ.(۴)

---

(۱) المغنی ۳/۵۰۱

(۲) البقرۃ:۱۸۷

(۳) المائدۃ:۶

(۴) بدائع الصنائع ۵/۲۶۸

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ وقت کا بالکل ہی ذکر نہ ہو تو یہ تمام اوقات میں ثبوتِ خیار کا تقاضہ کرتا ہے، حتیٰ کہ خیار درست نہیں ہوتا؛ کیوں کہ یہ خیار مؤبد کے معنی میں ہے، برخلاف **تاجیل الی غایۃ** کے؛ کیوں کہ اگر غایت کا ذکر ہی نہ کیا جائے تو اجل کا ثبوت ہی نہیں ہوگا، پس تاجیل کے اندر غایت غایتِ اثبات ہے؛ اس لیے غایت مغیا میں داخل نہیں ہے۔

بندہ کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم زبانوں کے بدلنے سے بدلتا رہے گا، کیوں کہ غایت کے لیے وضع کردہ الفاظ ایک زبان میں مغیا کے تحت داخل ہونے پر دلالت کرتے ہیں جب کہ دوسری زبان میں عدم دخول پر؛ لہٰذا کسی زبان یا شہر میں جس عرف کا تعین ہوجائے تو اسی عرف پر بالاتفاق عمل کیا جائے گا، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

۴) مبیع میں ایسی کوئی بات پائی جائے جو لوٹانے سے مانع ہو، اور موانع سے وہ موانع مراد ہیں جن کا تفصیلی ذکر ہم خیار عیب کی بحث میں کر چکے ہیں، جیسے مبیع کا ہلاک ہوجانا، اور ہلاک ہونے کی صورت میں ضمان اسی کے مطابق لازم ہوگا جو ہم انتقال الملک کی بحث میں ذکر کر چکے ہیں۔

۱۴۴۔ مدتِ خیار کے دوران مبیع کے عیب دار ہوجانے کا حکم

اگر مدتِ خیار کے دوران مبیع میں کوئی عیب پیدا ہوجائے تو درج ذیل احوال کے لحاظ سے حکم بھی مختلف ہوتا ہے:

۱) اگر مشتری کے لیے خیار ہو اور اس کے قبضے میں ایسا عیب پیدا ہوجائے جسے دور نہ کیا جاسکتا ہو تو یہ مانعِ رد ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خیار ساقط ہوجائے گا، اور بیع تام ہوجائے گی، خواہ اس میں عیب مشتری کے فعل سے ہوا ہو یا بائع کے فعل سے، یا کسی آسمانی آفت کی وجہ سے، یا مبیع کے فعل کی وجہ سے، یا کسی اجنبی کے فعل کی وجہ سے، اور اگر ایسا عیب ہو جو دور ہوسکتا ہو، مثلاً: مبیع جانور کو بیماری لگ جائے تو مشتری کو خیار

ہوگا، چاہے تو بیع کو فسخ کردے یا قبول کرلے۔

اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر بائع کے فعل سے مبیع میں نقصان ہوا ہو تو مشتری کو خیار ہوگا، چاہے تو مبیع کو لوٹا دے یا مبیع اپنے پاس رکھ کر بائع سے تاوان وصول کرلے، اور امام کرخی نے رحمۃ اللہ علیہ ذکر کیا ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔(۱)

۲) اگر بائع کے لیے خیار ہو اور مشتری کے قبضے میں کسی اجنبی کے فعل سے یا مشتری کے فعل سے یا کسی آسمانی آفت کی وجہ سے مبیع عیب دار ہوجائے تو بائع کو اختیار ہوگا، چاہے تو بیع کرلے یا فسخ کردے، اگر بیع کو اختیار کرے تو وہ مشتری سے کل ثمن لے گا، خواہ عیب کی وجہ مشتری کا فعل ہو یا اجنبی کا یا کوئی آسمانی آفت؛ کیوں کہ بیع کل مبیع میں جائز ہے، اور مشتری کو مبیع میں تغیر آجانے کی وجہ سے واپس کرنے کا اختیار نہیں ہوگا؛ کیوں کہ تغیر اس وقت ہوا ہے جب کہ مبیع اس کے قبضے اور ضمان میں تھی؛ البتہ اتنا فرق ہے کہ خود مشتری کے فعل سے عیب دار ہونے کی صورت میں مشتری کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہوگی، اور اگر اجنبی کے فعل سے مبیع عیب دار ہوئی ہو تو مشتری کو اس سے تاوان کے مطالبے کا اختیار ہوگا؛ کیوں کہ وہ بائع کے اجازت دے دینے کی وجہ سے عقد کے وقت ہی سے مبیع کا مالک ہے، پس یہ واضح ہے کہ جنایت اس کی ملکیت میں رہتے ہوئے ہوئی ہے، اور اگر بائع خیار کی بنا پر بیع فسخ کردے تو دیکھا جائے گا، اگر مشتری کے فعل سے مبیع عیب دار ہوئی ہو تو بائع باقی مبیع لے لے گا، اور مشتری سے تاوان بھی لے گا، کیوں کہ مبیع مشتری کے حق میں مضمون بالقیمۃ تھی۔

۳) اگر مشتری کے لیے خیار ہو اور مبیع بائع کے قبضے میں عیب دار ہوجائے تو ظاہر ہے کہ یہ بائع کے ضمان میں عیب دار کہلائے گی؛ کیوں کہ حنفیہ کے نزدیک قبضہ سے مشتری کی جانب ضمان منتقل ہوتا ہے، جیسا کہ سابق (۲) میں آچکا ہے؛ لہٰذا مشتری کی

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۲۶۹

(۲) رقم: ۳۴۷

جانب ضمان کی منتقلی سے قبل بائع مبیع کے عیب کا ضامن ہوگا، ہاں اگر اس صورت میں مشتری کے فعل کا دخل ہوتا تو یہ مبیع پر قبضہ شمار ہوتا اور وہی عیب کا ضامن ہوتا، امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَالْمُشْتَرِي إِذَا عَيَّبَ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ فِي يَدِ الْبَائِعِ لَمْ يَكُنْ لَهُ أَنْ يَرُدَّهُ بِحُكْمِ خِيَارِهِ.(۱)

مشتری اگر معقود علیہ کو عیب دار کردے تو خیار کی وجہ سے واپس کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

۴)اگر بائع کے لیے خیار ہو اور اسی کے قبضے میں مبیع عیب دار ہوجائے تو اس میں تفصیل ہے: اگر عیب کسی آسمانی آفت یا مبیع کے فعل کی وجہ سے ہوا ہو تو بیع باطل نہیں ہوگی؛ بلکہ بائع کو اختیار ہوگا، چاہے تو بیع کی اجازت دے تو مشتری کو کل ثمن کے عوض لینے نہ لینے کا اختیار ہوگا، اور اگر بائع کے فعل سے مبیع میں عیب آیا ہو تو بیع باطل ہوجائے گی، اور اگر کسی اجنبی کے فعل سے عیب آیا ہو تو بیع باطل نہیں ہوگی؛ بلکہ بائع کو اختیار ہوگا، چاہے تو بیع کو فسخ کر کے اجنبی سے تاوان لے لے، اور اگر چاہے تو بیع کی اجازت دے کر مشتری سے ثمن لے لے، اور مشتری اجنبی سے تاوان وصول کر لے گا، اور اگر مشتری کے فعل سے عیب آیا ہو تو بھی بیع باطل نہیں ہوگی؛ بلکہ بائع کو اختیار ہوگا، چاہے تو بیع کو فسخ کر کے مشتری سے تاوان لے لے یا بیع کی اجازت دے کر کل ثمن لے لے۔(۲)

مالکیہ کا مذہب آچکا ہے کہ مدت خیار کے دوران مبیع بائع کے ہی ضمان میں رہتی ہے؛ لہٰذا اگر مبیع عیب دار ہوجائے تو مشتری کو کل ثمن دے کر لینے یا نہ لینے کا اختیار ہوگا، خواہ خیار مشتری کے لیے ہو یا بائع کے لیے۔(۳) اور مالکیہ نے یہ حکم مطلق رکھا ہے جس

---

(۱) المبسوط ۱۳/ ۵۱

(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۲۷۲

(۳) الذخیرۃ للقرافی ۵/ ۴۲

کا تقاضہ یہ ہے کہ بہر صورت مذکورہ حکم ہی ہو، چاہے مبیع بائع کے فعل سے عیب دار ہوئی ہو یا مشتری کے فعل سے، یا کسی اجنبی کے فعل سے یا کسی آسمانی آفت کی وجہ سے، البتہ کچھ استثنائی مسائل بھی ہیں جن کی تفصیل سابق میں آچکی ہے۔

شافعیہ کا راجح مذہب یہ ہے کہ مشتری کے قبضہ میں اگر مبیع عیب دار ہو تو وہ اس عاقد کے ضمان سے ہوگی جو کہ مبیع کا مالک ہے، اور سابق میں آچکا ہے کہ شافعیہ کا اظہر قول صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے موافق ہے کہ خیار کے زمانے میں مبیع کا مالک وہ ہوتا ہے جس نے خیار کی شرط لگائی ہو، اگر بائع نے لگائی تو بائع اور مشتری نے لگائی تو مشتری، اور دونوں کے لیے یا کسی اجنبی کے لیے خیار کی شرط ہونے کی صورت میں ملکیت موقوف ہوتی ہے، قاضی زکریا انصاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

إِنْ كَانَ حُدُوثُهُ بَعْدَ الْقَبْضِ فِي زَمَنِ الْخِيَارِ قَالَ ابْنُ الرِّفْعَةِ فَالْقِيَاسُ بِنَاؤُهُ عَلَى مَا لَوْ تَلِفَ حِينَئِذٍ هَلْ يَنْفَسِخُ وَالْأَرْجَحُ عَلَى مَا قَالَهُ الرَّافِعِيُّ إِنْ قُلْنَا الْمِلْكُ لِلْبَائِعِ انْفَسَخَ وَإِلَّا فَلَا فَإِنْ قُلْنَا يَنْفَسِخُ فَحُدُوثُهُ كَوُجُودِهِ قَبْلَ الْقَبْضِ.(۱)

اگر عیب قبضہ کے بعد خیار کے زمانے میں پایا جائے تو علامہ ابن رفعہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: قیاس کی بنیاد اس صورت پر ہوگی جس میں مبیع تلف ہوئی ہے، کیا یہ فسخ ہوجائے گی؟ راجح قول علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق یہ ہے کہ اگر ہم بائع کو مالک قرار دیں تو بیع فسخ ہوجائے گی، ورنہ نہیں؛ اگر ہم فسخ کا قول اختیار کریں تو عیب کے پائے جانے کی حیثیت ایسی ہی ہوگی جیسا کہ وہ قبل القبض پایا گیا۔

---

(۱) الغرر البهية في شرح البهجة الوردية ۲/ ۴۵۶

اور اگر خیار کے زمانے میں مبیع بائع کے قبضے میں عیب دار ہو جائے تو ظاہر ہے کہ یہ بائع کے ہی ضمان میں ہوگا، خواہ مشتری کے لیے خیار ہو یا بائع کے لیے، اس لیے کہ حنفیہ کے مذہب کے مطابق ضمان کی منتقلی قبضہ سے ہوتی ہے، اور شافعیہ نے مطلقاً یہ بات کہی ہے کہ مشتری کے قبضہ سے قبل مبیع میں پایا جانے والا ہر عیب بائع کے ہی ضمان میں شمار ہوگا، پس اس کی وجہ سے مشتری کو خیار حاصل ہوگا، حتی کہ فقہاء نے کہا ہے: عقد کے بعد مشتری کے قبضہ سے قبل مبیع میں پایا جانے والا عیب اس عیب کی مانند ہے جو عقد کے مقارن ہو؛ لہٰذا اس کی وجہ سے خیار عیب ثابت ہوگا، ظاہر ہے کہ بیع بشرط الخیار میں ضمان کی منتقلی کا حکم بھی یہی ہوگا؛ کیوں کہ مبیع کی ضمان کی منتقلی کے سلسلے میں شوافع کا جو ضابطہ ہے اس سے انہوں نے بیع بشرط الخیار کا استثناء نہیں کیا ہے، علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

الْكَلَامُ الْآنَ فِي الْعَيْبِ الْحَادِثِ بَعْدَهُ وَقَدْ قَسَّمَهُ الْمُصَنِّفُ رَحِمَهُ اللّٰهُ إِلَى ثَلَاثَةِ أَقْسَامٍ (الْقِسْمُ الْأَوَّلُ) الْحَادِثُ قَبْلَ الْقَبْضِ فَحُكْمُهُ حُكْمُ الْمُقَارِنِ لِلْعَقْدِ لِأَنَّ الْمَبِيعَ مَضْمُونٌ قَبْلَ الْقَبْضِ عَلَى الْبَائِعِ بِجُمْلَتِهِ فَكَذَا أَجْزَاؤُهُ وَضَمَانُ الْجُزْءِ الَّذِي لَا يُقَابِلُهُ قِسْطٌ مِنَ الثَّمَنِ لَا يَقْتَضِي الْاِنْفِسَاخَ فَأَثْبَتَ الْخِيَارَ...وَقَدْ اتَّفَقَ الْأَصْحَابُ عَلَى هٰذَا الْحُكْمِ وَأَنَّ الْعَيْبَ الطَّارِئَ قَبْلَ الْقَبْضِ كَالْمُقَارِنِ لِلْعَقْدِ وَذٰلِكَ مِنْهُمْ تَفْرِيعٌ عَلَى مَا هُوَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ فِي الْمَذْهَبِ وَهُوَ أَنَّ الْبَيْعَ قَبْلَ الْقَبْضِ مِنْ ضَمَانِ الْبَائِعِ وَأَنَّهُ إِذَا تَلِفَ قَبْلَ الْقَبْضِ انْفَسَخَ الْبَيْعُ وَنَصَّ عَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ فِي مَوَاضِعَ. (۱)

(۱) المجموع ۱۲/ ۱۲۴

اب اس عیب کے متعلق بحث ہے جو عقد کے بعد پیدا ہو، مصنف نے اس کی تین قسمیں ذکر کی ہیں: پہلی قسم: وہ عیب جو قبضہ سے قبل پیدا ہو، یہ عیب عقد کے مقارن عیب کی مانند ہے؛ کیوں کہ قبضہ سے قبل کل مبیع بائع کے ضمان میں ہوتی ہے؛ لہٰذا اس کے اجزاء کا بھی یہی حکم ہوگا، اور ایسا جزء جس کے مقابلہ میں ثمن کا کوئی حصہ نہ ہو اس کا ضمان عقد کے فسخ ہونے کا تقاضا نہیں کرتا، پس اس سے خیار ثابت ہوگا، اور قبضہ سے قبل پیدا ہونے والے عیب کا عقد سے مقارن عیب کی مانند ہونا اس ضابطہ پر متفرع ہے جو شوافع کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ قبضہ سے قبل مبیع بائع کے ضمان میں ہوتی ہے، اور اگر وہ قبضہ سے قبل تلف ہوجائے تو بیع فسخ ہوجائے گی، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد مقامات پر اس کی تصریح فرمائی ہے۔

شوافع کے اس ضابطہ سے مبیع کے عیب دار ہونے کے مختلف احوال کا حکم معلوم ہوتا ہے، تفصیل درج ذیل ہے:

۱) اگر مشتری کے لیے خیار ہو اور مبیع اسی کے قبضہ میں عیب دار ہوجائے تو وہ اسی کے ضمان میں عیب دار شمار ہوگی؛ کیوں کہ مبیع کی ملکیت اس کی جانب منتقل ہوچکی ہے، اور خیار کے زمانے میں مشتری کے قبضہ میں مبیع کے عیب دار ہونے کا ضمان سابق میں ذکر کردہ ضابطہ کے موافق مبیع کے مالک پر ہوتا ہے؛ لہٰذا خیارِ شرط کی وجہ سے اس کو مبیع لوٹانے کا حق نہیں ہوگا؛ کیوں کہ اس کے ضمان میں ایسا عیب آچکا ہے جو بائع کے پاس نہیں تھا، جیسا کہ مشتری کو اس صورت میں بھی اختیار نہیں ہوتا جب کہ مشتری کے ضمان میں کوئی نیا عیب پیدا ہو پھر اس کو عیب قدیم کا علم ہو، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

۲) اگر بائع کے لیے خیار ہو اور مشتری کے قبضہ میں مبیع عیب دار ہوجائے تو وہ

بائع کے ضمان میں عیب دار شمار ہوگی؛ کیوں کہ بائع کی ملکیت بدستور باقی ہے، اور عیب دار ہونے کا ضمان مالکِ مبیع پر ہوتا ہے جیسا کہ پہلے آچکا، اس سے اس صورت کا استثناء کرنا چاہیے جس میں مبیع مشتری کے فعل سے ہلاک ہو، تو یہاں عیب کا ضامن مشتری ہوگا؛ اس لیے کہ بیع بات کے اندر شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ مشتری کا بائع کے قبضے میں مبیع کو تلف کردینا اس پر قبضہ کے قائم مقام ہے، اور انہوں نے عیب دار ہونے کے حکم کی تلف کے مسئلے پر تفریع کی ہے؛ لہٰذا مشتری کا بائع کے قبضہ میں مبیع کو عیب دار کردینا مبیع پر قبضہ شمار ہوگا، پس بائع کے خیار کے زمانے میں عیب دار کرنے کا حکم بیع بات میں عیب دار کرنے کی مانند ہوگا، علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَمَتَى حَصَلَ الْعَيْبُ مِنْ جِهَةِ الْمُشْتَرِي فَلَا خِيَارَ لَهُ عَلَى الصَّحِيحِ تَفْرِيعًا عَلَى أَنَّ إِتْلَافَهُ قَبْضٌ وَهُوَ الصَّحِيحُ الْمَشْهُورُ. (۱)

جب مبیع کے اندر عیب (مشتری کے قبضے سے قبل) مشتری کی وجہ سے پیدا ہو تو صحیح قول کے مطابق اس کو اختیار نہیں ہوگا، یہ مسئلہ اس پر متفرع ہے کہ مشتری کا تلف کردینا قبضہ کہلاتا ہے، یہی صحیح اور مشہور ہے۔

۳) اگر مبیع بائع کے قبضے میں عیب دار ہو جائے اور مشتری کے لیے خیار ہو تو یہ بائع کے ضمان میں عیب دار ہوگا اور مشتری کو واپس کرنے کا اختیار ہوگا، اس حکم سے اس صورت کا استثناء کرلینا چاہیے جب کہ عیب دار ہونے میں مشتری کا دخل ہو، ایسی صورت میں اس کو مشتری کا قبضہ شمار کیا جائے گا اور وہی اس کا ضامن ہوگا، جیسا کہ آچکا ہے۔

۴) اگر بائع کے لیے خیار ہو اور مبیع اسی کے قبضے میں عیب دار ہو جائے تو یہ بائع کے ضمان میں ہوگا۔

---

(۱) المجموع ۱۲/ ۱۲۵

علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے حنابلہ کا یہ مذہب آچکا ہے کہ بیع خیار میں محض عقد کی وجہ سے مشتری کی جانب مبیع کی ملکیت منتقل ہوجاتی ہے، خواہ خیار دونوں کو حاصل ہو یا کسی ایک کو، اور یہ بھی آچکا ہے کہ انہوں نے تمام تفریع شدہ مسائل میں اسی قول کو ترجیح دی ہے، وہ کہتے ہیں: جس طرح بیع بات میں ضمان مشتری کی جانب منتقل ہوجاتا ہے اسی طرح بیع خیار میں بھی منتقل ہوجائے گا، پھر اگر مبیع کا تعلق ایسی چیزوں سے ہو جن کے ساتھ حق توفیہ متعلق نہیں ہوتا تو محض عقد کی وجہ سے ضمان منتقل ہوگا اور اگر ایسی چیزوں سے ہو جن کے ساتھ حق توفیہ متعلق ہوتا ہے تو قبضہ کے بعد ضمان منتقل ہوگا، اسی سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مبیع اگر بائع کے قبضے میں عیب دار ہوجائے تو اگر مبیع ایسی چیزوں میں سے ہو جن کے ساتھ حق توفیہ متعلق نہیں ہوتا تو عیب مشتری کے ضمان میں شمار ہوگا، اور اگر ایسی چیزوں سے ہو جن کے ساتھ حق توفیہ متعلق ہوتا ہے تو عیب بائع کے ضمان میں شمار ہوگا، خواہ خیار دونوں کے لیے ہو یا کسی ایک کے لیے، اور اگر مشتری کے قبضے میں عیب دار ہوجائے تو مشتری ضامن ہوگا خواہ خیار دونوں کے لیے ہو یا کسی ایک کے لیے۔

۴۱۵۔ اگر عاقدین میں سے ہر ایک کے لیے خیار ہو اور مبیع عیب دار ہوجائے

مبیع کے عیب دار ہونے کے سلسلے میں گزشتہ تفصیل اس صورت میں ہے جب کہ خیار، عاقدین میں سے کسی ایک کے لیے ہو، اگر دونوں کے لیے خیار ہو تو حنفیہ کے نزدیک مجھے اس کے حکم کی صراحت نہیں مل سکی، البتہ حنفیہ کے یہاں خیار کے ساقط ہونے کا ضابطہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کے مطابق یہ ہے:

> اگر بائع اور مشتری دونوں نے خیار کی شرط لگائی ہو تو یہ خیار ان امور سے ساقط ہوجائے گا جن سے حالتِ انفراد میں ساقط ہوتا ہے، جو بھی صراحۃً یا دلالۃً اجازت دے دے یا اس سے ایسا فعل صادر ہو جو دلیلِ اجازت ہو تو اس کا خیار باطل ہوجائے گا، اور دوسرے کو اختیار رہوگا، چاہے تو اجازت دے اور چاہے تو

فسخ کردے، اور جو بھی صراحۃً یا دلالۃً فسخ کرے، یا اس سے
ایسا فعل صادر ہو جو دلیلِ فسخ ہو تو بیع بالکلیہ فسخ ہو جائے گی، اور
اس کے ساتھی کی اجازت اس کے بعد اس کے ساتھ لاحق نہیں
ہوگی، اجازت اور فسخ کے حکم میں اختلاف اس لیے ہے کہ فسخ '
عقد کے اندر باطل کرنے کے ذریعے تصرف کرنا ہے، اور عقد
باطل ہو جانے کے بعد اجازت کا احتمال نہیں رکھتا؛ کیوں کہ
باطل معدوم ہو جاتا ہے، اور اجازت تغییر کے ذریعے عقد میں
تصرف کرنے کا نام ہے، اور وہ لازم کرنا ہے نہ کہ معدوم کرنا؛ لہٰذا
اس میں فسخ واجازت کا احتمال باقی ہے، اور اگر ایک اجازت دے
اور دوسرا فسخ کردے تو عقد فسخ ہو جائے گا، خواہ فسخ بعد میں ہوا ہو یا
متصلاً؛ کیوں کہ فسخ اجازت سے قوی ہے۔(۱)

اس ضابطہ کا مقتضی یہ ہے کہ مبیع کے اندر اگر مشتری کے قبضے میں ایسا عیب پیدا ہو جائے جو دور نہیں ہوسکتا، تو یہ مانعِ رد ہے، چنانچہ مشتری کی جانب سے بیع لازم ہو جائے گی، اور بائع کو اختیار ہوگا، چاہے تو بیع کی اجازت دے کر مشتری سے ثمن لے لے، یا فسخ کر کے عیب دار مبیع لے لے، اور مشتری کے ذمہ تاوان بھی ہوگا، اگر بائع کے فعل سے مبیع عیب دار ہو تو امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمہ اللہ علیہم کا اختلاف ہے، جیسا کہ سابق میں آچکا ہے۔

اور اگر عاقدین کے لیے خیار ہو اور بائع کے قبضے میں مبیع عیب دار ہو جائے تو یہ بائع کے ضمان سے ہوگی، پھر اگر یہ آسمانی آفت یا اجنبی کے فعل سے ہو تو مشتری کو اختیار ہوگا، چاہے تو کل ثمن دے کر لے لے یا چھوڑ دے، اور اگر عیب مشتری کی وجہ سے ہوا ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی جانب سے بیع لازم ہو جائے گی، اور بائع کو اختیار ہوگا، چاہے تو بیع

(۱) بدائع الصنائع ۵/۲۷۱

کی اجازت دے کر مشتری سے ثمن لے لے یا فسخ کر کے تاوان وصول کرلے، اور اگر عیب بائع کے فعل سے ہوا ہو تو ظاہر ہے کہ بیع باطل ہو جائے گی، جیسا کہ اس صورت میں ہوتی جب کہ تنہا بائع کے لیے خیار ہوتا اور مبیع اسی کے قبضے میں اسی کے فعل سے عیب دار ہوتی، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

علامہ قرافی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ خیار کے زمانے میں مبیع بائع کے ضمان ہی میں عیب دار شمار ہوگی، خواہ بائع کے لیے خیار ہو یا مشتری کے لیے یا دونوں کے لیے، اور خواہ عیب بائع کے قبضے میں ہوا ہو یا مشتری کے۔(۱)

شافعیہ کے ضابطہ سے اس صورت کا حکم یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اگر مبیع بائع کے قبضے میں عیب دار ہوئی ہو تو اسی کے ضمان سے شمار ہوگی، اور اگر مشتری کے قبضے میں عیب دار ہو تو شوافع کے ضابطہ کا تقاضا یہ ہے کہ ضامن وہ شخص ہو جو مبیع کا مالک ہے، اور سابق میں آچکا ہے کہ دونوں کے لیے خیار کی شرط ہونے کی صورت میں ملکیت موقوف ہوتی ہے، اگر بیع ہو جائے تو یہ مانا جاتا ہے کہ عقد کے وقت ہی سے مشتری مبیع کا اور بائع ثمن کا مالک تھا، اور اگر بیع فسخ ہو جائے تو عقد کے وقت ہی سے بائع مبیع کا اور مشتری ثمن کا مالک سمجھا جاتا ہے، گویا کوئی چیز اپنے مالک کی ملکیت سے نہیں نکلی، اور ظاہر ہے کہ مشتری کے قبضے میں مبیع کا عیب دار ہو جانا بیع کے تام ہونے کا تقاضا کرتا ہے؛ کیوں کہ عیب دار مبیع بائع کو لوٹائی نہیں جا سکتی، اسی سے معلوم ہوا کہ عقد ہی کے وقت سے مشتری مبیع کا اور بائع ثمن کا مالک تھا، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

۴۱۶۔خیارِ شرط میں وراثت

جس شخص نے خیار کی شرط لگائی تھی وہ اگر بیع فسخ کرنے سے قبل مدتِ خیار کے اندر ہی انتقال کر جائے تو کیا یہ خیار اس کے ورثہ کی جانب بھی منتقل ہوگا؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، شافعیہ اور مالکیہ وراثت کی منتقلی کے قائل ہیں، جس طرح خیارِ عیب میں

---

(۱) الذخیرۃ ۵/ ۴۲

بالاتفاق وراثت منتقل ہوتی ہے اسی طرح یہاں بھی منتقل ہوگی، چنانچہ وارث کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوگا، اس کی بنیاد ان کے اس ضابطہ پر ہے کہ بیع سے متعلق حقوق میں وراثت جاری ہوتی ہے(۱) شوافع کا ایک شاذ قول خیارِ شرط میں وراثت جاری نہ ہونے کا ہے، اس کی تخریج خیارِ مجلس میں عدمِ جریان پر کی گئی ہے؛ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا راجح اور منصوص مذہب یہی ہے کہ خیارِ مجلس میں بھی وراثت جاری ہوگی؛ لہٰذا خیارِ شرط میں وراثت جاری نہ ہونے کا قول بعید ہے، امام الحرمین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مذهب الشافعي أن خيارَ الشرط موروث، فإذا شُرط للمتعاقدين، فمات أحدهما في مدة الخيار، قام وارثه مقامه...قال صاحب التقريب: إذا حكمنا بأن خيار المجلس لا يورث، فقد خرَّج عليه بعضُ أئمتنا قولاً أن خيار الشرط لا يورث، [فإنه] كما اختص المجلس بالعاقد، ولم يوجد منه فراق محسوس، فكذلك الشرط [يختص] بالعاقد. وهذا بعيدٌ جداً، لم أره لغيره. (۲)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ خیارشرط میں وراثت جاری ہوگی، پس جب عاقدین میں سے کسی ایک نے یہ شرط لگائی اور مدت خیار کے اندر اس کا انتقال ہوگیا تو اس کا وارث اس کا نائب ہوگا، صاحبِ تقریب لکھتے ہیں: جب ہم نے یہ بات کہی کہ خیارِ مجلس میں وراثت جاری نہیں ہوگی تو بعض اصحاب نے اس پر یہ تخریج کی کہ خیارِ شرط میں بھی وراثت جاری نہیں ہوگی؛

(۱) المدونۃ الکبریٰ ۳/ ۲۰۸و۲۰۹

(۲) نہایۃ المطلب فی درایۃ المذہب ۵/ ۲۷

کیوں کہ جس طرح مجلس، عاقد کے ساتھ مخصوص ہے اور محسوس جدائی نہیں پائی گئی اسی طرح خیارِ شرط بھی عاقد کے ساتھ مخصوص ہے، یہ بات بہت ہی بعید ہے، مجھے یہ بات کسی اور سے منقول نہیں ملی۔

حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں: خیارِ شرط میں وراثت جاری نہیں ہوگی، مطلب یہ کہ عاقد کے انتقال کر جانے سے بیع باتّ ہو جائے گی اور وارثین کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، البتہ خیارِ عیب میں بالاتفاق وراثت جاری ہوگی اور ورثہ مورِث کی موت کے بعد اس کا استعمال کر سکتے ہیں، امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ وجہِ فرق بیان کی ہے:

لِأَنَّ الْمَشْرُوطَ لَهُ الْخِيَارُ مُسَلَّطٌ عَلَى الْفَسْخِ مِنْ جِهَةِ صَاحِبِهِ...وَالْمُسَلَّطُ عَلَى التَّصَرُّفِ فِي حَقِّ الْغَيْرِ لَا يَقُومُ وَارِثُهُ مَقَامَهُ بَعْدَ مَوْتِهِ كَالْوَكِيلِ بِالْبَيْعِ إِذَا مَاتَ بِخِلَافِ خِيَارِ الْعَيْبِ فَالْمَقْصُودُ هُنَاكَ لَيْسَ هُوَ الْفَسْخَ، وَلَكِنَّ الْمُطَالَبَةَ بِتَسْلِيمِ مَا هُوَ الْمُسْتَحَقُّ بِالْعَقْدِ حَتَّى إِذَا تَعَذَّرَ الرَّدُّ بِالْعَيْبِ رَجَعَ بِحِصَّةِ الْبَيْعِ مِنَ الثَّمَنِ، وَالْوَارِثُ يَخْلُفُ الْمُوَرِّثَ فِيمَا هُوَ مَالٌ. (۱)

کیوں کہ جس شخص کو خیارِ شرط دیا گیا ہے اس کو اپنے ساتھی کی جانب سے فسخ کرنے کی قدرت دی گئی ہے، اور دوسرے کے حق میں تصرف کی جس کو قدرت دی جائے اس کے مرنے کے بعد اس کا وارث اس کا نائب نہیں ہوتا، اس کی نظیر وکیل بالبیع ہے جب کہ اس کا انتقال ہو جائے؛ البتہ خیارِ عیب میں مقصود فسخ

(۱) المبسوط ۱۳/ ۴۳

ہوتا ہے، اور عقد کی وجہ سے جس چیز کا وہ حق دار ہے اس کے
مطالبے کا اختیار ہوتا ہے، حتی کہ اگر عیب کی وجہ سے لوٹانا متعذر
ہو تو وہ اس کے عوض حصہ ثمن واپس لے گا، اور وارث مال میں
مورِث کا نائب ہوتا ہے۔

لیکن حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر صاحبِ خیار نے مدتِ خیار کے اندر مرنے سے قبل فسخ کا مطالبہ کیا تھا تو وارث اس کا نائب ہوگا، علامہ شمس الدین ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کا قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جانب بھی منسوب کیا ہے۔(۱) لیکن حنفیہ کی کتابوں میں مجھے اس کی صراحت نہیں ملی، ظاہر ہے کہ یہ خیار میں وراثت کے جاری ہونے کے قبیل سے نہیں ہے؛ کیوں کہ جب اس نے اپنی حیات ہی میں فسخ کا مطالبہ کرلیا تو بیع فسخ ہوگئی، صرف مبیع اور ثمن کا ایک دوسرے کو لوٹانا باقی رہا، چنانچہ مبیع بائع کی مملوک ہوگئی، اور اگر بائع نے ثمن پر قبضہ کرلیا تھا تو وہ اس کے ذمہ دین ہوگئی، پھر اگر خیار مشتری کے لیے ہو تو اس کے ورثہ ثمن کے اس وجہ سے مستحق ہوں گے کہ وہ بائع کے ذمہ دین ہے، یہ وجہ نہیں کہ ورثہ کی جانب خیار منتقل ہوا ہے، اور اگر بائع کے لیے خیار ہو تو ورثہ مبیع کے مستحق ہوں گے؛ کیوں کہ وہ ان کے مورِث کی ملکیت ہے۔(۲)

وراثت کے سلسلے میں مذکورہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ عقد کے اندر وراثت کے سلسلے میں کوئی بات نہ ہوئی ہو، اگر عقد میں عاقدین وارثین کی جانب خیار کی منتقلی کی شرط لگادیں تو اس مسئلہ میں مجھے فقہاء کے یہاں کوئی تصریح نہ مل سکی، موجودہ زمانے کے معاملات میں یہ تعامل ہے کہ ان میں ورثہ کی جانب عقد کی منتقلی کی تصریح ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ورثہ کی جانب خیار منتقل ہوگا، واللہ سبحانہ اعلم۔

---

(۱) الشرح الکبیر علی متن المقنع ۴/۷۷
(۲) الشرح الممتع علی زاد المستنقع ۸/۲۹۴

۴۱۷۔خیارِ تعیین

جن اشیاء پر عقد واقع ہوا ہے ان میں سے کسی ایک کو متعین کرنے کا عاقد کا حق خیارِ تعیین کہلاتا ہے، مطلب یہ کہ مشتری دو چیزیں منتخب کرے، اور ان میں سے کسی ایک پر عقد کرے، اور ایک معلوم مدت تک خیارِ تعیین کی شرط لگائے، مثلاً کہے: میں نے تجھ سے ان دو کپڑوں میں سے ایک خریدا اور تین دن کے اندر میں اس کی تعیین کرلوں گا، اور بائع اس کو قبول کرلے، یا بائع کہے: میں نے تجھے ان دو کپڑوں میں سے ایک فروخت کیا اور تین دن کے اندر میں اس کو متعین کردوں گا، اور مشتری اس کو قبول کرلے۔

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔(۱) اور شافعیہ و جمہور حنابلہ کے نزدیک ناجائز ہے۔(۲) کیوں کہ مبیع مجہول ہے، اور اس میں غرر ہے، علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَالْقِيَاسُ أَنْ يَفْسُدَ الْبَيْعُ فِي الْكُلِّ لِجَهَالَةِ الْمَبِيعِ، وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ. وَجْهُ الِاسْتِحْسَانِ أَنَّ شَرْعَ الْخِيَارِ لِلْحَاجَةِ إِلَى دَفْعِ الْغَبْنِ لِيَخْتَارَ مَا هُوَ الْأَرْفَقُ وَالْأَوْفَقُ، وَالْحَاجَةُ إِلَى هَذَا النَّوْعِ مِنَ الْبَيْعِ مُتَحَقِّقَةٌ؛ لِأَنَّهُ يَحْتَاجُ إِلَى اخْتِيَارِ مَنْ يَثِقُ بِهِ أَوِ اخْتِيَارِ مَنْ يَشْتَرِيهِ لِأَجْلِهِ وَلَا يُمَكِّنُهُ الْبَائِعُ مِنَ الْحَمْلِ إِلَيْهِ إِلَّا بِالْبَيْعِ فَكَانَ فِي مَعْنَى مَا وَرَدَ بِهِ الشَّرْعُ. (۳)

قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مبیع کے مجہول ہونے کی وجہ سے کل میں بیع فاسد ہوجائے، یہی امام زفر وامام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے، وجہِ استحسان یہ ہے کہ خیار کی مشروعیت حاجت کے پیشِ نظر غبن

(۱) فتح القدیر ۶/ ۳۲۵ والدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/ ۱۰۶

(۲) المغنی ۴/ ۹۹

(۳) ہدایہ ۳/ ۳۲ و ۳۳

دور کرنے کے لیے ہوئی ہے؛ تا کہ عاقد جس کو مناسب سمجھے
اس کو لے، اور اس قسم کی بیع کی حاجت متحقق ہے؛ کیوں کہ آدمی
یہ ضروری سمجھتا ہے کہ جو شخص اس کی نظر میں قابلِ اعتماد ہے وہ
اس کو پسند کرے، یا جس کے لیے خرید رہا ہے وہ اسے پسند
کرے، اور بائع تبھی لے جانے دیتا ہے جب کہ مشتری اس کو
خرید لے، پس یہ بھی ماورد بہ الشرع کے معنی میں ہے۔

۴۱۸۔ خیارِ تعیین کے شرائط

خیارِ تعیین کے ساتھ عقد کے جائز ہونے کے لیے درجِ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

۱) صلبِ عقد میں خیار کی شرط لگائی جائے، چنانچہ اگر دو بکریوں میں سے ایک کی بیع ہو اور خیار کے ذکر کے بغیر عاقدین علاحدہ ہو جائیں تو بیع باطل ہو جائے گی۔

۲) حنفیہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ خیارِ تعیین کی شرط ایسی مبیعات میں لگائی جائے جو ذوات القیم ہوں، یا اگر ذوات المثل ہوں تو مختلف الجنس ہوں، مثلاً: تین مدوں میں سے ایک مد فروخت کرے، ایک مد گیہوں، ایک جو اور ایک دال کا ہو، اور ہر ایک کا علاحدہ ثمن بھی بیان کرے۔(۱) لہٰذا متحد الجنس ذوات الامثال میں خیارِ تعیین درست نہیں ہے، اس کی علت یہ ہے کہ تفاوت نہ ہونے کی وجہ سے خیارِ تعیین کی کوئی حاجت نہیں ہے۔(۲)

لیکن یہ علت درست نہیں ہے؛ کیوں کہ جنس واحد میں بھی نوع اور صفات کا اختلاف ہوتا ہے، مثلاً: مبیع اگر گیہوں ہو، تو وہ جید، ردی اور درمیانی ہوتا ہے، اور ایک جگہ کی کھیتی سے اُگے ہوئے گیہوں کے اوصاف دوسری جگہ کے مقابل مختلف ہوتے ہیں، اور مشتری کو نوع اور صفت کے انتخاب میں غور وفکر کی ضرورت ہوتی ہے، تو جنس واحد میں

(۱) شرح مجلۃ الاحکام العدلیۃ للاتاسی ۲/ ۲۶۰
(۲) رد علی الدر ۴/ ۵۸۵

خیارِ تعیین نہ ہونے کی بات کیسے کہی جا سکتی ہے؟ الَّا یہ کہ اتحاد جنس سے اوصاف وانواع کا ہم مثل ہونا بھی مراد لیا جائے، تو ظاہر ہے کہ متحد الجنس میں بھی جب کہ انواع واوصاف کا تفاوت ہو خیارِ تعیین کی شرط سے کوئی مانع نہیں ہے، خواہ وہ ذوات القیم میں سے ہو یا ذوات المثل میں سے۔

اور بہت ساری چیزیں جنہیں فقہاء نے ذوات القیم میں سے شمار کیا تھا وہ موجودہ دور میں ذوات المثل بن چکی ہیں، جیسے کپڑے، سواریاں اور وہ سامان جو بجلی کی مشینوں سے بنائے جاتے ہیں؛ کیوں کہ ان کے افراد میں تفاوت نہیں ہوتا، اور جنس واحد کی بناوٹ مختلف ہوتی ہے؛ لہٰذا اس میں بلاشبہ خیارِ تعیین ثابت ہے، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

۴۱۹۔ خیارِ تعیین کی توقیت

۳) خیار کی ایک معلوم مدت متعین کی جائے، پھر اکثر حنفیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس کی مدت وہی ہے جو خیار شرط کی ہے، یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین دن، اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس سے زائد بھی، بشرطیکہ معلوم ہو، یہی امام کرخی وطحاوی رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے۔(۱) اور مجلۃ الاحکام العدلیۃ میں اسی کو لیا گیا ہے۔(۲)

مالکیہ بھی توقیت کی شرط لگاتے ہیں، لیکن انہوں نے تین دن کی قید نہیں لگائی ہے، علامہ محمد علیش رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَإِنْ مَضَتْ مُدَّةُ الْخِيَارِ وَلَمْ يَخْتَرْ ثُمَّ أَرَادَ الِاخْتِيَارَ بَعْدَهَا، فَإِنْ كَانَ بَعِيدًا مِنْ أَيَّامِ الْخِيَارِ فَلَيْسَ لَهُ ذَلِكَ، وَإِنْ قَرُبَ مِنْهَا فَذَلِكَ لَهُ.(۳)

اگر مدتِ خیار گزر جائے، اور وہ کسی ایک کو متعین نہ کرے پھر

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۱۵۷

(۲) ص: ۶۳

(۳) منح الجلیل ۵/ ۱۴۰

مدت کے بعد متعین کرنا چاہے، تو اگر مدتِ خیار گزرے ایک
عرصہ ہو چکا ہو تو یہ اختیار نہیں ہوگا، اور اگر کچھ ہی دن گزرے
ہوں تو اختیار رہوگا۔

اور آپ نے علامہ ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے، اس سے بظاہر یہ پتہ چلتا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک تین دن کی قید نہیں ہے۔

پھر اگر مدتِ خیار گزر جائے اور جس شخص کو خیار حاصل ہے وہ مبیع متعین نہ کرے، تو مالکیہ کے نزدیک اس کا حکم یہ ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک کا نصف اس پر لازم ہوگا، علامہ دردیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

لِأَنَّ ثَوْبًا قَدْ لَزِمَهُ وَلَا يُعْلَمُ مَا هُوَ مِنْهُمَا فَوَجَبَ أَنْ يَكُونَ فِيهِمَا شَرِيكًا. (۱)

کیوں کہ ایک کپڑا اس پر لازم ہو چکا ہے؛ لیکن یہ معلوم نہیں کہ
ان دونوں میں سے کون سا لازم ہوا ہے؛ لہٰذا وہ ان دونوں میں
شریک ہوگا۔

حنفیہ میں سے علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ مذکورہ صورت کے اندر کل میں بیع باطل ہو جائے گی۔ (۲) علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بات کا کوئی حوالہ پیش نہیں کیا۔ (۳) اور عام کتبِ احناف سے جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خیارِ تعیین کی مدت ختم ہونے کے بعد بیع فسخ نہیں ہوگی؛ بلکہ جس شخص کو خیار حاصل ہے اس کو تعیین پر مجبور کیا جائے گا، اس کی علت احناف نے یہ ذکر کی ہے کہ محض عقد کی وجہ سے کسی ایک میں عقد تام ہو چکا ہے، اور جب بیع تام ہو گئی تو

---

(۱) الشرح الکبیر مع الدسوقی ۳/ ۱۰۷

(۲) البحر الرائق ۶/ ۲۳

(۳) ردعلی الدر ۴/ ۵۸۶

مشتری کی حیثیت اس شریک کی ہے جس کا مال دوسرے کے مال کے ساتھ مخلوط ہو؛ لہٰذا مشتری کو تعیین پر مجبور کیا جائے گا، جیسا کہ اگر دوسرا شریک تقسیم کا مطالبہ کرے تو اس شریک کو مجبور کیا جائے گا۔(۱) اور خیارِ تعیین میں مدت کی تعیین کا ایک فائدہ یہ ہے کہ سامنے والا مدت گزرنے سے پہلے اس کو تعیین پر مجبور نہیں کرسکتا، دوسرا یہ کہ جس شخص کو خیار حاصل ہے وہ اچھی طرح غور وفکر کرکے کسی ایک کو متعین کرسکتا ہے، تیسرا یہ کہ جس مقصد کی خاطر خیار کو مشروع قرار دیا گیا ہے وہ حاصل ہوجاتا ہے۔(۲)

۴۲۰۔خیارِ تعیین میں تین اشیاء سے زائد لینا

۴) حنفیہ یہ شرط لگاتے ہیں کہ انتخاب کے لیے لی جانے والی اشیاء تین سے زائد نہ ہوں؛ لہٰذا اگر تین سے زائد لے تو خیارِ تعیین ناجائز ہے، علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَالْحَاجَةُ تَنْدَفِعُ بِالتَّحَرِّي فِي ثَلَاثَةٍ لِاقْتِصَارِ الْأَشْيَاءِ عَلَى الْجَيِّدِ وَالْوَسَطِ وَالرَّدِيءِ فَيَبْقَى الْحُكْمُ فِي الزِّيَادَةِ مَرْدُودًا إِلَى أَصْلِ الْقِيَاسِ، وَلِأَنَّ النَّاسَ تَعَامَلُوا هَذَا الْبَيْعَ لِحَاجَتِهِمْ إِلَى ذَلِكَ ... وَلَا تَعَامُلَ فِيمَا زَادَ عَلَى الثَّلَاثَةِ فَبَقِيَ الْحُكْمُ فِيهِ عَلَى أَصْلِ الْقِيَاسِ. (۳)

تین میں تحرّی کے ذریعے حاجت پوری ہوسکتی ہے؛ کیوں کہ اشیاء کی تین ہی نوع ہوتی ہیں: جید، وسط اور ردی؛ لہٰذا تین سے زائد کا حکم اصل قیاس کے مطابق ہوگا، نیز اس بیع کا تعامل بر بنائے حاجت ہے، اور تین سے زائد کا تعامل نہیں ہے، پس حکم اصل قیاس کے مطابق رہے گا۔

---

(۱) فتح القدیر ۶/ ۳۲۷

(۲) شرح المجلۃ للاتاسی ۲/ ۲۶۴

(۳) بدائع الصنائع ۵/ ۱۵۷

مالکیہ تین سے زائد میں بھی خیار کی اجازت دیتے ہیں جب کہ وہ صنف واحد ہی ہو، مدونہ میں مذکور ہے:

قُلْتُ: أَرَأَيْتَ إِنْ قَالَ: أَنَا آخُذُ مِنْكَ ثَوْبَيْنِ مِنْ هَذِهِ الْأَثْوَابِ وَهِيَ عِشْرُونَ ثَوْبًا بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ عَلَى أَنِّي بِالْخِيَارِ ثَلَاثًا آخُذُ أَحَدَهُمَا بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ أَيَجُوزُ هَذَا فِي قَوْلِ مَالِكٍ أَمْ لَا؟ قَالَ: ذَلِكَ جَائِزٌ. قُلْتُ: وَسَوَاءٌ إِنْ كَانَا ثَوْبَيْنِ أَوْ أَثْوَابًا كَثِيرَةً فَاشْتَرَى مِنْهَا ثَوْبًا يَخْتَارُهُ وَضَرَبَ لِذَلِكَ أَجَلًا أَيَّامًا قَالَ: نَعَمْ هُوَ سَوَاءٌ عِنْدَ مَالِكٍ.(۱)

اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے کہ مشتری کہے: میں ان بیس کپڑوں کو لے جارہا ہوں، ان میں سے دو کپڑے دس درہم میں لوں گا، اور مجھے تین دن کا خیار ہوگا، کیا یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے؟ آپ نے کہا: جائز ہے، میں نے پوچھا: خواہ دو کپڑے ہوں یا کئی، اور صرف ایک کپڑا لے اور کئی دن مدت متعین کرے؟ آپ نے کہا: سب صورتوں کا حکم یکساں ہے۔

اور علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے جو علت ہم نے ذکر کی ہے اس کا مقتضی یہ ہے کہ اگر حاجت موجود ہو تو تین سے زائد اشیاء بھی لی جاسکتی ہیں، اور موجودہ دور میں اتنے انواع ہیں کہ صرف جید، وسط اور ردی ہی نہیں؛ بلکہ ان میں سے ہر ایک کے اندر متعدد نوعیں ہوتی ہیں؛ لہٰذا تین اشیاء سے زائد میں خیارِ تعیین جائز قرار دینے کی حاجت ہے، اور اس کا تعامل بھی ہو چکا ہے؛ لہٰذا تین سے زائد میں خیار سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

---

(۱) ۲۲۴/۳

پھر کیا کسی ایک کا ہی انتخاب درست ہے یا ایک سے زائد کا بھی انتخاب کیا جا سکتا ہے؟ حنفیہ کے یہاں اس کی تصریح نہیں مل سکی؛ البتہ مالکیہ نے جواز کی صراحت کی ہے، علامہ قرافی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

يَجُوزُ شِرَاءُ ثَوْبٍ مِنْ ثَوْبَيْنِ بِخِيَارِهِ أَوْ خَمْسِينَ مِنْ مِائَةٍ إِنْ كَانَتْ جِنْسًا وَاحِدًا.(۱)

اگر جنس واحد ہو تو دو کپڑوں میں سے ایک اور سو میں سے پچاس کی خریداری کی جا سکتی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ حنفیہ کا مذہب اس سے انکار نہیں کرتا۔

اور خیارِ تعیین کی شرط جس طرح مشتری لگا سکتا ہے اسی طرح بائع بھی لگا سکتا ہے، جیسا کہ جامع الفصولین (۲) میں مذکور ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ مشتری کہے: میں نے تجھ سے ان دو کپڑوں میں سے ایک خریدا، اس کی تعیین بھی تو ہی کرے گا اور ثمن کی بھی، تو بائع کو یہ اختیار ہے کہ جو چاہے مشتری کو دے دے؛ الّا یہ کہ ایک عیب دار ہو جائے تو اس کو بلا رضامندی وہ مشتری کو نہیں دے سکتا۔ (۳)

۴۲۱۔ خیارِ تعیین کے ساتھ خیارِ شرط کی شرط

بعض حنفیہ نے خیارِ تعیین کے جواز کے لیے اس کے خیارِ شرط کے ساتھ متصل ہونے کو شرط قرار دیا ہے، مطلب یہ کہ جس شخص کو خیارِ تعیین حاصل ہے وہ یہ شرط لگائے کہ تعیین کے بعد اس کو خیارِ شرط بھی حاصل ہوگا، لیکن فخر الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے شرط نہ ہونے کو صحیح قرار دیا ہے، اور متاخرین نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے؛ لیکن خیارِ تعیین کے ساتھ خیارِ شرط کی شرط لگانا جائز ہے، اس طور پر کہ کہے: مجھے ان دونوں چیزوں میں سے

---

(۱) الذخیرۃ ۵/۳۲

(۲) ۱/۳۳۴

(۳) شرح مجلۃ الاحکام العدلیۃ للاتاسی ۲/۲۶۱

ایک کو متعین کرنے کا اختیار ہے، پھر تعیین کے بعد تین دن تک فسخ کا بھی اختیار ہوگا، پس ان دونوں خیار میں سے ہر ایک پر اس کا حکم جاری ہوگا، اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ غیر متعین طور پر دو میں سے کسی ایک میں خیارِ تعیین کے ساتھ خیارِ شرط کی شرط لگائے، پھر تین دن بعد خیارِ شرط ساقط کر دے، اب بیع کسی ایک میں تام ہو جائے گی، اور مزید تین دن کے اندر اس کو تعیین کا اختیار ہوگا۔(۱)

۴۲۲۔خیارِ تعیین کی شرط کے بعد مبیع کا ہلاک ہو جانا

پھر اگر مشتری کے لیے خیارِ تعیین ہو اور ان دونوں میں سے ایک ہلاک یا عیب دار ہو جائے تو حنفیہ کے نزدیک ہلاک شدہ میں بیع لازم ہو جائے گی اور مشتری پر ثمن لازم ہوگا؛ کیوں کہ عیب دار کو لوٹایا نہیں جاسکتا پس وہ بطورِ مبیع متعین ہے؛ کیوں کہ اس کو واپس کرنے کا اختیار اس صورت میں تھا جب کہ اس کا مبیع ہونا متعین نہ ہو، پھر اگر مشتری یہ دعویٰ کرے کہ جو چیز ہلاک نہیں ہوئی یا عیب سے محفوظ ہے اسی کا اس نے انتخاب کیا تھا تو اس کی بات نہیں مانی جائے گی؛ کیوں کہ وہ اپنے اس دعویٰ میں متہم ہے، غرض عیب دار ہونے کی وجہ سے یہ دلالۃً انتخاب کہلائے گا، اور دوسری چیز بطورِ امانت اس کے پاس ہوگی، حتی کہ اگر پہلے کے ہلاک ہونے کے بعد دوسرا بھی مشتری کی تعدی کے بغیر ہلاک یا عیب دار ہو جائے تو مشتری پر اس کی قیمت میں سے کچھ بھی لازم نہیں ہوگا، اگر اعتراض کیا جائے کہ دوسرے کا قبضہ کم از کم مقبوض علی سوم الشراء کے درجہ میں تو ہے ہی، اور اس میں ہلاک ہونے کی وجہ سے ضمان لازم ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس سے کم درجہ کا ہے، کیوں کہ مقبوض علی سوم الشراء بیع کی جہت سے مقبوض ہے، اور یہ اس طرح نہیں ہے؛ کیوں کہ اس نے خریدنے کے لیے اس پر قبضہ نہیں کیا، پھر یہ قبضہ مالک کی اجازت سے ہوا ہے، پس یہ امانت ہوگا، اور اگر مشتری کے قبضہ میں دونوں ایک ساتھ ہلاک ہو جائیں تو مشتری پر ان دونوں میں سے ہر ایک کا نصف ثمن لازم ہوگا؛ کیوں کہ بیع و

---

(۱) فتح القدیر ۶/ ۳۲۶ و ۳۲۷

امانت دونوں ان دونوں چیزوں میں مشاع ہیں، خواہ بائع کے لیے خیار ہو یا مشتری کے لیے، یہی حکم اس صورت میں ہے جب کہ دونوں یکے بعد دیگرے ہلاک ہوں؛ لیکن پہلے ہلاک ہونے والے کا علم نہ ہو۔(۱)

اگر دونوں میں سے ایک ضائع ہو جائے تو مالکیہ کے دو قول ہیں: مشتری پر ہلاک شدہ اور ما بقی دونوں کا نصف ثمن لازم ہوگا، اور باقی میں مشتری و بائع دونوں شریک ہوں گے، دوسرا قول یہ ہے کہ تلف شدہ کا نصف ثمن لازم ہوگا اور سالم شئ کو لوٹانے کا اختیار ہوگا۔

اور اگر دونوں تلف ہو جائیں تو ایک قول یہ ہے کہ صرف ایک کا ضامن ہوگا، دوسرا قول دونوں کے ضامن ہونے کا ہے، اور بھی اقوال ہیں۔(۲)

۴۲۳۔خیارِ تعیین میں وراثت

حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک خیارِ تعیین میں وراثت جاری ہوتی ہے۔(۳) جب کہ حنفیہ خیارِ شرط میں جاری نہ ہونے کے قائل ہیں، وجہِ فرق یہ ہے کہ خیارِ تعیین کے اندر وہ چیز مورِث کی ملکیت کے ساتھ مخلوط ہو گئی ہے، پس وہ بھی میراث بن گئی، اور خیارِ شرط میں ملکیت ہی حاصل نہیں ہوئی۔(۴) لیکن وراثت کے جاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وارث خیارِ تعیین کا استعمال کر کے ترکہ میں سے ثمن ادا کرے گا؛ کیوں کہ وہ مورِث کے ذمہ دین ہے، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

۴۲۴۔خیارِ نقد

مشتری اگر عقد کے اندر ایک متعین مدت تک ثمن ادا نہ کرے تو اس کی وجہ سے بائع کو بیع فسخ کرنے کا حق ملتا ہے اسی کو خیارِ نقد کہا جاتا ہے؛ مثلاً: مشتری کہے: اگر میں

---

(۱) فتح القدیر ۶/ ۳۲۸

(۲) الذخیرۃ للقرافی ۵/ ۴۸ والدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/ ۱۰۶

(۳) ہدایہ ۳/ ۳۱ والذخیرۃ للقرافی ۵/ ۳۵

(۴) فتح القدیر ۶/ ۳۱۸

نے اتنی مدت تک ثمن ادا نہیں کیا تو ہمارے درمیان بیع نہیں ہوگی، یا بائع کہے: اگر تو نے تین دن کے اندر ثمن ادا نہیں کیا تو ہمارے درمیان بیع نہیں ہوگی، بعض فقہاء نے اس کو خیارِ شرط کی ایک قسم قرار دیا ہے، لیکن دونوں میں فرق ہے، وہ یہ کہ خیارِ نقد میں مدت گزر جانے سے بیع براہِ راست فسخ ہوجاتی ہے، جب کہ خیارِ شرط میں اگر مدت کے اندر فسخ نہ کیا گیا ہو تو مدت گزرنے کے بعد بیع لازم ہوجاتی ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ خیار مشروع ہے، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فَإِنْ قَالَ: بِعْتُكَ عَلَى أَنْ تَنْقُدَنِي الثَّمَنَ إِلَى ثَلَاثٍ، أَوْ مُدَّةٍ مَعْلُومَةٍ، وَإِلَّا فَلَا بَيْعَ بَيْنَنَا. فَالْبَيْعُ صَحِيحٌ. نَصَّ عَلَيْهِ. وَبِهِ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ، وَالثَّوْرِيُّ، وَإِسْحَاقُ، وَمُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ.(۱)

اگر کہے: میں نے تجھے یہ چیز اس شرط پر فروخت کی کہ تو تین دن یا ایک متعین مدت تک ثمن ادا کردے؛ ورنہ ہمارے درمیان کوئی بیع نہیں ہوگی، تو یہ بیع درست اور منصوص ہے، امام ابوحنیفہ، ثوری، اسحق اور محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے۔

پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خیارِ نقد تین دن کے ساتھ مقید ہے، جیسا کہ خیارِ شرط میں بھی آپ کا یہی مذہب ہے، اور حنابلہ وامام محمد رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک کسی بھی معلوم مدت تک جائز ہے، تین دن کی قید نہیں ہے، جیسا کہ یہی خیارِ شرط کے سلسلے میں ان کا ضابطہ ہے، امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ خیارِ شرط اور خیارِ نقد کے درمیان فرق کرتے ہیں، چنانچہ پہلے میں تین دن کی قید نہیں لگاتے، جب کہ دوسرے میں لگاتے ہیں، علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ نے وجہِ فرق یہ بیان کی ہے کہ خیارِ شرط میں آپ نے اثر پر عمل کیا ہے(۲)

---

(۱) المغنی ۳/ ۵۰۴

(۲) یعنی تین دن سے زائد خیارِ شرط کے سلسلے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر کہ دو ماہ تک آپ نے خیارِ شرط کی اجازت دی۔

اور خیارِ نقد میں قیاس پر عمل کیا ہے۔(۱)

اور شوافع کے راجح مذہب کے مطابق خیارِ نقد غیر مشروع ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

لَوْ اشْتَرَى شَيْئًا بِشَرْطِ أَنَّهُ إِنْ لَمْ يَنْقُدْهُ الثَّمَنَ فِي ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَلَا بَيْعَ بَيْنَهُمَا أَوْ بَاعَ بِشَرْطِ أَنَّهُ إِنْ رَدَّ الثَّمَنَ فِي ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَلَا بَيْعَ بَيْنَهُمَا فَوَجْهَانِ حَكَاهُمَا الْمُتَوَلِّي وغيره (أحدهما) يصح العقد ويكون تقدير الصُّورَةِ الْأُولَى أَنَّ الْمُشْتَرِي شَرَطَ الْخِيَارَ لِنَفْسِهِ فَقَطْ وَفِي الثَّانِيَةِ أَنَّ الْبَائِعَ شَرَطَهُ لِنَفْسِهِ فقط وهذا قول أبي اسحق قَالَ لِأَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَجَازَ ذَلِكَ (وَالثَّانِي) وَهُوَ الصَّحِيحُ بِاتِّفَاقِهِمْ وَبِهِ قَطَعَ الرُّويَانِيُّ وَغَيْرُهُ أَنَّ الْبَيْعَ بَاطِلٌ فِي الصُّورَتَيْنِ لِأَنَّ هَذَا لَيْسَ بِشَرْطِ خِيَارٍ بَلْ هُوَ شَرْطٌ فَاسِدٌ مُفْسِدٌ لِلْبَيْعِ لِأَنَّهُ شَرَطَ فِي الْعَقْدِ شَرْطًا مُطْلَقًا فَأَشْبَهَ مَا لَوْ بَاعَ بِشَرْطِ أَنَّهُ إِنْ قَدِمَ زَيْدٌ الْقَوْمَ فَلَا بَيْعَ بَيْنَهُمَا.(۲)

اگر کوئی چیز اس شرط پر خریدے کہ تین دن تک اگر ثمن ادا نہیں کیا تو بیع نہیں ہوگی، یا اس شرط پر فروخت کرے کہ تین دن کے اندر اگر اس نے ثمن لوٹا دیا تو بیع نہیں ہوگی، تو علامہ متولی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر فقہاء نے دو قول نقل کیے ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ

---

(۱) ہدایہ ۳/۲۹و۳۰

(۲) المجموع ۹/۱۹۳

عقد درست ہے، چنانچہ پہلی صورت میں یہ مانا جائے گا کہ مشتری
نے اپنے لیے خیارِ شرط لیا ہے اور دوسری صورت میں یہ مانا
جائے گا کہ بائع نے اپنے لیے خیار کی شرط لگائی ہے، یہ امام ابو
اسحق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو
جائز قرار دیا تھا، دوسرا قول جو کہ متفق علیہ اور صحیح ہے اور علامہ
رویانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسی کو قطعیت دی ہے: یہ ہے کہ دونوں
صورتوں میں بیع باطل ہے؛ کیوں کہ یہ خیارِ شرط نہیں ہے؛ بلکہ
شرط فاسد ہے جس سے بیع فاسد ہوجاتی ہے؛ اس لیے کہ عقد
میں مطلق شرط لگائی گئی ہے، پس یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اس شرط
پر فروخت کرے کہ اگر زید فلاں جگہ آ گیا تو بیع نہیں ہوگی۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس باب میں تین روایات منقول ہیں: ایک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی مانند ہے کہ ایسی شرط سے بیع باطل ہوجائے گی، دوسری حنفیہ اور حنابلہ کے مذہب کی مانند ہے کہ بیع درست ہے اور شرط بھی نافذ، تیسری یہ کہ بیع درست ہے اور شرط باطل، مدونہ میں اسی روایت کو ذکر کیا گیا ہے، اور مختصر خلیل میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے، پھر بعض مالکیہ نے یہ کہا ہے کہ شرط کے باطل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ثمن فی الفور واجب ہوگا، اور بعض نے کہا ہے: متعینہ مدت تک ثمن کو مؤجل شمار کیا جائے گا، لیکن اگر اس مدت تک ثمن ادا نہ کرے تو بیع فسخ نہیں ہوگی، بلکہ بائع کو مطالبہ کا اختیار ہوگا، علامہ خلیل رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر میں اسی کو اختیار کیا ہے۔(۱)

اور فقہائے احناف نے صراحت کی ہے کہ اگر متعینہ مدت تک ثمن کی ادائیگی نہ ہو تو بیع فاسد ہوجائے گی، فسخ نہیں ہوگی، اسی پر یہ تفریع کی گئی ہے کہ مشتری اگر متعینہ مدت کے بعد مبیع غلام کو آزاد کردے تو آزادی نافذ ہوجائے گی، بشرطیکہ غلام اسی کے

(۱) الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/ ۱۷۵ و ۱۷۶

قبضے میں ہو، اور اس پر قیمت لازم ہوگی، اور اگر غلام بائع کے قبضے میں ہو تو آزادی نافذ نہیں ہوگی۔ (۱) اس لیے کہ مدت کے اندر ثمن ادا نہ کرنے کی وجہ سے بیع فاسد ہو چکی ہے، اور بیع فاسد میں تصرف اسی وقت نافذ ہوتا ہے جب کہ مشتری نے اس پر قبضہ کرلیا ہو؛ کیوں کہ قبضہ کے بغیر وہ اس کا مالک نہیں ہوتا، یہی حکم اس صورت میں ہونا چاہیے جب کہ مشتری مدت گزر جانے کے بعد مبیع کو فروخت کرے، پس اگر اس نے مبیع پر قبضہ کرلیا تھا تو بیع نافذ ہو جائے گی، اور اس پر مثل یا قیمت لازم ہوگی؛ کیوں کہ یہ بیع فاسد کے ذریعے قبضہ کردہ شئ کے حکم میں ہے۔

اور اگر مشتری نے مدت متعینہ کے اندر ہی فروخت کردیا اور ثمن ادا نہیں کیا تو بیع درست ہے اور ثمن واجب ہوگا۔ (۲)

اور اگر مبیع میں از خود عیب پیدا ہو جائے، اور بہت دن گزر جائیں، اور مشتری ثمن ادا نہ کرے تو بائع کو اختیار ہوگا، چاہے تو مبیع نقصان سمیت لے لے اور اگر چاہے تو مشتری کے پاس ہی چھوڑ دے اور ثمن لے لے۔

اور خیارِ نقد میں وراثت جاری نہیں ہوگی؛ لہٰذا اگر مشتری کا مدتِ خیار کے اندر انتقال ہو جائے تو بیع باطل ہو جائے گی۔

---

(۱) شرح المجلۃ للاتاسی ۲/ ۲۵۸

(۲) ردعلی الدر ۴/ ۵۷۱

تیسرا باب

۴۲۵۔ بیع باطل کا بیان

بیع باطل کی تعریف میں فقہاء کا اختلاف ہے؛ اس لیے کہ ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم میں سے تنہا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیع باطل اور بیع فاسد کے درمیان فرق کیا ہے، ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم یہ فرق نہیں کرتے۔(۱) بلکہ ہر بیع فاسد ان کے نزدیک باطل ہے، اسی بنیاد پر انہوں نے بیع باطل کی یہ تعریف کی ہے: جس پر بیع کا اثر مرتب نہ ہو اور نہ بیع کا کوئی فائدہ ہو یعنی ملک ثابت نہ ہو۔

حنفیہ بیع باطل اور بیع فاسد کے درمیان یہ فرق کرتے ہیں کہ بیع باطل نہ اصلاً درست ہوتی ہے اور نہ وصفاً، جب کہ فاسد صرف وصفاً درست نہیں ہوتی۔(۲) اور فقہاء احناف کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ معنی میں بیع تب باطل ہوتی ہے جب کہ بیع کے رکن یا محل میں خلل ہو۔(۳) بیع کے رکن سے ایجاب وقبول، اور محل بیع سے مبیع اور ثمن مراد ہیں، حاصل یہ کہ حنفیہ کے نزدیک بیع باطل کی دو قسمیں ہیں:

۴۲۶۔ پہلی قسم

پہلی قسم ایسی بیع جو ایجاب وقبول میں کوتاہی کی وجہ سے باطل ہوئی ہو، اس کی درج ذیل صورتیں ہیں:

۱) عاقدین میں سے کوئی مجنون ہو، یا ایسا بچہ ہو جس کو شعور وتمیز نہ ہو، سابق (۴)

---

(۱) الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۹/ ۵۲

(۲) عنایہ ۶/ ۴۰۲

(۳) رد علی الدر ۵/ ۵۰

(۴) رقم: ۵۲

میں اس کے مسائل کی تفصیل آچکی ہے۔

۲) بیع کسی شرط پر معلق ہو یا مستقبل کی جانب منسوب ہو؛ کیوں کہ بیع تعلیق اور اضافت کو قبول نہیں کرتی، صلبِ عقد سے متعلق شرائط کے بیان میں شرط اول اور شرط ثانی (۱) کے تحت اس مسئلہ پر گفتگو ہو چکی ہے، اور چوں کہ بیع تعلیق اور اضافت کو قبول نہیں کرتی؛ اس لیے ایجاب کالعدم ہو جائے گا، اس لحاظ سے یہ بیع بھی باطل بیوع میں داخل ہو جائے گی۔ (۲) بیع فاسد کے بیان میں یہ بات آئے گی کہ فقہائے احناف کی عبارات اس سلسلے میں مختلف ہیں۔

۳) جانبین سے ایک ہی شخص عاقد ہو؛ کیوں کہ ایک ہی شخص عقد کے دونوں جانب کی ذمہ داری نہیں لے سکتا، عاقدین کے متعدد ہونے کے احکام کے عنوان کے تحت (۳) عاقدین کے مسائل کے ضمن میں اس کی تفصیل آچکی ہے، اور یہ قسم بیوع باطلہ میں اس بنا پر داخل ہے کہ فقہاء احناف نے تعدد عاقدین کی شرط کا ذکر انعقادِ بیع کی شرائط کے تحت کیا ہے نہ کہ صحتِ بیع کے شرائط کے تحت۔ (۴)

۴) قبول ایجاب کے موافق نہ ہو، یا خیارِ قبول ساقط ہونے کے بعد قبول عمل میں آیا ہو، ایجاب وقبول کے مباحث (۵) میں ہم اس کا ذکر کر چکے ہیں۔

۴۲۷۔ دوسری قسم

دوسری قسم: ایسی بیع جو مبیع یا ثمن کے شرعاً مال نہ ہونے کی وجہ سے باطل ہوئی ہو، اس میں درج ذیل صورتیں داخل ہیں:

---

(۱) رقم: ۲۱۷ تا ۲۲۱

(۲) الدر مع الرد ۵/ ۲۴۱

(۳) رقم: ۷۰

(۴) بدائع الصنائع ۵/ ۱۳۵

(۵) رقم: ۱۲

۱) شراب، خنزیر، مردار، بہنے والا خون، آزاد شخص اور ہر ایسی چیز کی بیع جسے شریعت میں مال شمار نہیں کیا جاتا۔(۱)

شراب اور خنزیر کے متعلق حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر ان کا مبیع ہونا متعین ہو تو بیع باطل ہے، اور اگر وہ ثمن ہوں یا ان کو ثمن قرار دیا جا سکتا ہو، جیسا کہ مقایضہ میں، بایں طور کہ شراب یا خنزیر کے عوض کپڑوں کی بیع ہو تو بیع فاسد ہے، ملا مسکین رحمۃ اللہ علیہ نے کنز کی شرح میں اس ضابطہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

أَنَّ أَحَدَ الْعِوَضَيْنِ إِذَا لَمْ يَكُنْ مَالًا فِي دِينٍ سَمَاوِيٍّ فَالْبَيْعُ بَاطِلٌ سَوَاءٌ كَانَ مَبِيعًا أَوْ ثَمَنًا. فَبَيْعُ الْمَيْتَةِ وَالدَّمِ وَالْحُرِّ بَاطِلٌ، وَكَذَا الْبَيْعُ بِهِ، وَإِنْ كَانَ فِي بَعْضِ الْأَدْيَانِ مَالًا دُونَ الْبَعْضِ إِنْ أَمْكَنَ اعْتِبَارُهُ ثَمَنًا فَالْبَيْعُ فَاسِدٌ فَبَيْعُ الْعَبْدِ بِالْخَمْرِ أَوِ الْخَمْرِ بِالْعَبْدِ فَاسِدٌ، وَإِنْ تَعَيَّنَ كَوْنُهُ مَبِيعًا فَالْبَيْعُ بَاطِلٌ فَبَيْعُ الْخَمْرِ بِالدَّرَاهِمِ أَوِ الدَّرَاهِمِ بِالْخَمْرِ بَاطِلٌ.(۲)

عوضین میں سے اگر ایک کسی بھی آسمانی دین کے مطابق مال نہ ہو تو بیع باطل ہے، خواہ وہ مبیع ہو یا ثمن، چنانچہ مردار، خون اور آزاد کو نہ مبیع بنایا جا سکتا ہے نہ ثمن، اور اگر کسی آسمانی دین میں وہ مال شمار ہوتا ہو اور کسی میں نہیں، تو دیکھا جائے گا: اگر اس کو ثمن قرار دیا جا سکتا ہو تو بیع فاسد ہوگی، چنانچہ غلام کی بیع شراب کے عوض یا شراب کی بیع غلام کے عوض فاسد ہوگی، اور اگر اس کا مبیع ہونا متعین ہو تو بیع باطل ہوگی، پس شراب کی بیع دراہم کے

(۱) الدر مع الرد ۵/ ۵۰ تا ۵۲

(۲) علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے رد علی الدر ۵/ ۵۰ میں یہ عبارت نقل کی ہے۔

عوض یا دراہم کی بیع شراب کے عوض باطل ہے۔

دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ ان اشیاء کے مبیع ہونے کی صورت میں بیع پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا، اور ثمن ہونے کی صورت میں اگر مبیع شرعاً مال متقوم ہو تو بیع فاسد ہو جائے گی۔(۱) اور قبضہ کے بعد اس میں مشتری کی ملکیت ثابت ہو جائے گی، اور شراب وخنزیر میں باطل ہو جائے گی؛ لہٰذا بائع پر اس کو فسخ کر کے مبیع کی قیمت دینا لازم ہوگا۔

شراب کے مبیع ہونے اور ثمن ہونے کے درمیان فرق کی وجہ علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کے مطابق یہ ہے:

أَنَّ الْخَمْرَ مَالٌ وَكَذَا الْخِنْزِيرُ مَالٌ عِنْدَ أَهْلِ الذِّمَّةِ إِلَّا أَنَّهُ غَيْرُ مُتَقَوِّمٍ لِمَا أَنَّ الشَّرْعَ أَمَرَ بِإِهَانَتِهِ وَتَرْكِ إِعْزَازِهِ، وَفِي تَمَلُّكِهِ بِالْعَقْدِ مَقْصُودًا إِعْزَازٌ لَهُ، وَهَذَا لِأَنَّهُ مَتَى اشْتَرَاهُمَا بِالدَّرَاهِمِ فَالدَّرَاهِمُ غَيْرُ مَقْصُودَةٍ؛ لِكَوْنِهَا وَسِيلَةً لِمَا أَنَّهَا تَجِبُ فِي الذِّمَّةِ، وَإِنَّمَا الْمَقْصُودُ الْخَمْرُ فَسَقَطَ التَّقَوُّمُ أَصْلًا. بِخِلَافِ مَا إِذَا اشْتَرَى الثَّوْبَ بِالْخَمْرِ لِأَنَّ الْمُشْتَرِيَ لِلثَّوْبِ إِنَّمَا يَقْصِدُ تَمَلُّكَ الثَّوْبِ بِالْخَمْرِ. وَفِيهِ إِعْزَازٌ لِلثَّوْبِ دُونَ الْخَمْرِ فَبَقِيَ ذِكْرُ الْخَمْرِ مُعْتَبَرًا فِي تَمَلُّكِ الثَّوْبِ لَا فِي حَقِّ نَفْسِ الْخَمْرِ حَتَّى فَسَدَتِ التَّسْمِيَةُ وَوَجَبَتْ قِيمَةُ الثَّوْبِ دُونَ الْخَمْرِ، وَكَذَا إِذَا بَاعَ الْخَمْرَ بِالثَّوْبِ لِأَنَّهُ لَا يُعْتَبَرُ شِرَاءُ الثَّوْبِ بِالْخَمْرِ لِكَوْنِهِ مُقَايَضَةً. (۲)

شراب اور خنزیر ذمیوں کے یہاں مال ہے؛ البتہ غیر متقوم

(۱) الدر مع الرد ۵/۵۶

(۲) ہدایہ ۳/۴۳

ہے؛ کیوں کہ شریعت نے ان کی اہانت وتذلیل کا حکم دیا ہے، اور عقود کے ذریعے ان کا مالک بننے میں ان کا اعزاز ہے؛ اس لیے کہ جب آدمی دراہم کے عوض انہیں خریدے گا تو دراہم تو وسیلہ ہونے کی وجہ سے غیر مقصود ہیں، اور اصل مقصود تو شراب یا خنزیر ہے، پس تقوم بالکلیہ فوت ہوجائے گا؛ البتہ اگر شراب کے عوض کپڑا خریدے تو یہاں کپڑے کا خریدار کپڑے کا مالک بننا چاہتا ہے، اور اس میں کپڑے کا اعزاز ہے نہ کہ شراب کا، پس شراب کے تذکرہ کا اعتبار کپڑے کا مالک بننے کی حد تک کیا جائے گا، نفس شراب کے حق میں اس کا اعتبار نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ تسمیہ فاسد ہوجائے گا، اور کپڑے کی قیمت واجب ہوگی نہ کہ شراب، یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب کہ کپڑے کے عوض شراب خریدے تو اس کو مقایضہ ہونے کی بنا پر یہی مانا جائے گا کہ شراب کے عوض کپڑے کی خریداری ہورہی ہے۔

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے یہ وجہ ذکر کی ہے:

وَالْعَكْسُ وَإِنْ كَانَ مُمْكِنًا لَكِنْ تَرَجَّحَ هٰذَا الِاعْتِبَارُ لِمَا فِيهِ مِنَ الِاحْتِيَاطِ لِلْقُرْبِ مِنْ تَصَرُّفِ الْعُقَلَاءِ الْمُكَلَّفِينَ بِاعْتِبَارِ الْإِعْزَازِ لِلثَّوْبِ مَثَلًا فَيَبْقَى ذِكْرُ الْخَمْرِ مُعْتَبَرًا لِإِعْزَازِ الثَّوْبِ لَا الثَّوْبِ لِلْخَمْرِ فَوَجَبَ قِيمَةُ الثَّوْبِ لَا الْخَمْرُ. (۱)

اس کا برعکس (یعنی شراب کو مبیع اور کپڑے کو ثمن قرار دینا) بھی اگرچہ ممکن ہے؛ لیکن شراب کو ثمن قرار دینا ہی بر بنائے احتیاط

(۱) فتح القدیر ۶/ ۴۰۳

راجح ہے؛ کیوں کہ اس سے مکلف اور عقلمند لوگوں کے تصرف درست قرار پاتے ہیں، کہ کپڑے کا اعزاز کیا جائے، پس کپڑے کے اعزاز کے لیے ہی شراب کا ذکر باقی رہے گا، نہ کہ شراب کے اعزاز کے لیے کپڑے کا ذکر، چنانچہ کپڑے کی قیمت واجب ہوگی، شراب واجب نہ ہوگی۔

یہاں تک اس بات کی وضاحت تھی جو اکثر فقہائے احناف نے ذکر کی ہے، اور مبیع کے شرائط کی بحث (۱) میں ہم نے اسی کا ذکر کیا تھا؛ لیکن علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو قبول نہیں کیا ہے؛ بلکہ دونوں صورتوں میں بیع کو باطل قرار دیا ہے، خواہ شراب اور خنزیر مبیع ہوں یا ثمن، وہ لکھتے ہیں:

إِلَّا أَنِّي أَقُولُ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيقُ مَعَ ذٰلِكَ: إِنَّ الْخَمْرَ وَالْخِنْزِيرَ لَيْسَا بِمَالٍ فِي شَرِيعَتِنَا. فَإِنَّ الشَّارِعَ أَهَانَهُمَا بِكُلِّ وَجْهٍ حَتّٰى لَعَنَ حَامِلَهَا وَمُعْتَصِرَهَا مَعَ أَنَّهَا مَقْصُودَةٌ حَالَ الِاعْتِصَارِ، بَلْ الْمَوْجُودُ حِينَئِذٍ نِيَّةُ أَنْ يَصِيرَ خَمْرًا وَبَائِعَهَا وَآكِلَ ثَمَنِهَا وَهِيَ مَالٌ فِي شَرْعِ أَهْلِ الْكِتَابِ عَلَى زَعْمِهِمْ. وَحَيْثُ أَمَرَنَا أَنْ نَتْرُكَهُمْ وَمَا يَدِينُونَ فَقَدْ أَمَرَنَا بِاعْتِبَارِ بَيْعِهِمْ إِيَّاهَا وَبَيْعِهِمْ بِهَا. فَإِذَا كَانَ أَحَدُ الْعِوَضَيْنِ خَمْرًا أَوْ خِنْزِيرًا فِي بَيْعِ الْمُسْلِمِ فَهُوَ بَاطِلٌ لَا يُفِيدُ الْمِلْكَ فِي الْبَدَلِ الْآخَرِ وَإِنْ كَانَ ثَمَنًا، وَإِنْ كَانَ فِي بَيْعِهِمْ فَصَحِيحٌ. (۲)

---

(۱) رقم: ۱۲۲

(۲) فتح القدیر ۶/ ۴۶۱و۴۶۲

البتہ میری رائے یہ ہے — وباللہ التوفیق —: شراب اور خنزیر ہماری شریعت میں مال نہیں ہیں؛ کیوں کہ شارع نے ہر اعتبار سے انہیں قابلِ اہانت قرار دیا ہے، حتی کہ شراب کو لے جانے والے اور نچوڑنے والے تک کو ملعون قرار دیا ہے، حالاں کہ نچوڑتے وقت شراب مقصود نہیں تھی؛ بلکہ محض اس کے شراب بننے کی نیت تھی، اسی طرح شراب کے خریدار اور اس کا ثمن کھانے والے پر بھی لعنت کی ہے، اور اہلِ کتاب کے خیال میں شراب ان کے لیے مشروع تھی، اور ہمیں اہلِ کتاب کو ان کے دین پر چھوڑ دینے کا حکم ہے، پس اگر مسلمان کی خرید و فروخت میں شراب اور خنزیر مبیع یا ثمن ہوں تو یہ بیع باطل ہے اور کسی بھی عوض پر ملک حاصل نہیں ہوگی، اور اگر اہلِ کتاب ان کی خرید وفروخت کریں تو درست ہے۔

مذکورہ بات بہتر ہے، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

مردار اور خون کے تفصیلی احکام مبیع کی شرائط کے تحت دوسری شرط کے ذیل (۱) میں آچکے ہیں۔

۲) بیع باطل میں معدوم کی بیع، شرعاً مال غیر متقوم کی بیع اور غیر مملوک کی بیع داخل ہے، مبیع کی شرائط کے ذیل (۲) میں الحمدللہ ان سب کے بیان سے ہم فارغ ہو چکے ہیں۔

۳) فقہاء نے تھن کے اندر دودھ کی بیع کو بھی بیع باطل قرار دیا ہے؛ کیوں کہ یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ دودھ ہے یا خون یا ہوا، پس دودھ کا پایا جانا مشکوک ہے؛ لہٰذا وہ مال نہیں ہے۔(۳)

---

(۱) رقم: ۱۲۷ و ۱۲۹

(۲) رقم: ۱۱۹ و ۱۴۰ و ۱۴۴

(۳) ردعلی الدر ۴/ ۵۰۵

امام شافعی، احمد اور اسحاق رحمہ اللہ علیہم اسی کے قائل ہیں، حضرت ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے اور حضرت طاوس ومجاہد رحمہ اللہ علیہما نے اس کو مکروہ کہا ہے، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ معلوم ایام تک یہ جائز ہے جب کہ یہ معلوم ہو کہ بچہ کو پلانے کے لیے اس کا دودھ استعمال ہوگا، جیسے: دائی کا دودھ، حضرت حسن، سعید بن جبیر اور محمد بن مسلمہ رحمہ اللہ علیہم نے اس کو جائز قرار دیا ہے، مانعین کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیٹھ پر لگے ہوئے اون اور تھن میں موجود دودھ کی بیع سے منع کیا ہے، حضرت خلال رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث اپنی سند سے نقل کی ہے۔(۱) دوسری دلیل یہ ہے کہ اس کی صفت اور مقدار مجہول ہے، تو یہ حمل کے مشابہ ہے؛ کیوں کہ یہ ایسے عین کی بیع ہے جس کی ابھی تخلیق ہی نہیں ہوئی؛ لہٰذا یہ بھی ناجائز ہے، جیسا کہ اونٹنی کے حمل کی بیع ناجائز ہے، اور دایہ کے دودھ کی حلت اس وجہ سے ہے کہ وہاں حضانت کے لیے ضرورت ہے۔(۲)

اسی طرح طرفین رحمہ اللہ علیہما نے بکری کی پیٹھ پر لگے اون کی بیع کو بھی بیوع باطلہ میں شمار کیا ہے؛ کیوں کہ کاٹنے سے قبل وہ فی نفسہٖ مال غیر متقوم ہے؛ اس لیے کہ وہ حیوان کے وصف کے درجہ میں ہے؛ کیوں کہ وہ اسی کے ذریعہ قائم ہے، جیسا کہ حیوان کے اعضاء، اور امام مالک وابو یوسف رحمہ اللہ علیہما سے جواز منقول ہے، جیسا کہ ہدایہ (۳) میں ہے، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مختلف روایات منقول ہیں، ایک قول بیع کے ناجائز ہونے کا ہے، مذکورہ حدیث کی بنا پر اور اس وجہ سے کہ وہ حیوان سے متصل ہے؛ لہٰذا مستقل اس کا عقد درست نہیں ہوگا، جیسا کہ حیوان کے اعضاء کا بھی یہی حکم ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ فی الحال کاٹنے کی شرط کے ساتھ جائز ہے؛ اس لیے کہ وہ معلوم ہے اور سپردگی بھی ممکن ہے،

---

(۱) حدیث کی تحقیق کے لیے نصب الرایہ ۴/۱۱ و ۱۲ کی جانب مراجعت کریں۔

(۲) المغنی ۴/۱۵۷

(۳) ۳/۴۴

پس اس کی بیع جائز ہوگی، جیسے کہ تر کھجور، اور اعضاء پر قیاس نہیں کیا جا سکتا؛ کیوں کہ حیوان کی سلامتی کے ساتھ ان کی سپردگی ناممکن ہے، اور تھن کے اندر دودھ کی بیع میں جو اختلاف ہے وہی یہاں بھی ہے۔(۱)

اور فقہاء نے مٹی کی بیع کو بھی بیع باطل قرار دیا ہے؛ کیوں کہ وہ مال غیر متقوم ہے؛ لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ ایسی مٹی مراد ہے جو قلیل ہو اور اپنی جگہ میں ہو، ورنہ تو منتقل کرنے کی وجہ سے وہ معتبر مال شمار ہوگی، معلوم ہوا کہ عمارت وغیرہ بنانے میں زمین ہموار کرنے کے لیے جو مٹی بیچی جاتی ہے اس کی بیع درست ہے۔(۲)

۵) بیع باطل میں وہ صورت بھی داخل ہے کہ مبیع عقد میں متعین نہ ہو، مثلاً بائع کہے کہ میں نے تجھے یاقوت اتنے میں فروخت کیا، حالاں کہ وہ زجاج تھا، یا کہا: میں نے تجھے ریشم کا کپڑا فروخت کیا، جب کہ وہ کاٹن کا تھا، فقہاء نے اس کی علت معدوم ہونا ذکر کی ہے، علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَالْأَصْلُ فِي هَذَا أَنَّ الْإِشَارَةَ مَعَ التَّسْمِيَةِ إِذَا اجْتَمَعَتَا فِي بَابِ الْبَيْعِ فِيمَا يَصْلُحُ مَحَلَّ الْبَيْعِ يُنْظَرُ إِنْ كَانَ الْمُشَارُ إِلَيْهِ مِنْ خِلَافِ جِنْسِ الْمُسَمَّى، فَالْعِبْرَةُ لِلتَّسْمِيَةِ، وَيَتَعَلَّقُ الْعَقْدُ بِالْمُسَمَّى، وَإِنْ كَانَ مِنْ جِنْسِهِ لَكِنْ يُخَالِفُهُ فِي الصِّفَةِ فَإِنْ تَفَاحَشَ التَّفَاوُتُ بَيْنَهُمَا، فَالْعِبْرَةُ لِلتَّسْمِيَةِ أَيْضًا عِنْدَنَا، وَيُلْحَقَانِ بِمُخْتَلِفَيِ الْجِنْسِ، وَإِنْ قَلَّ التَّفَاوُتُ فَالْعِبْرَةُ لِلْمُشَارِ إِلَيْهِ، وَيَتَعَلَّقُ الْعَقْدُ بِهِ، وَإِذَا عُرِفَ هَذَا فَنَقُولُ: الْيَاقُوتُ مَعَ الزُّجَاجِ جِنْسَانِ مُخْتَلِفَانِ، وَكَذَا

---

(۱) المغنی ۴/۱۵۷و۱۵۸

(۲) ردعلی الدر ۵/۵۱

الْهَرَوِيُّ مَعَ الْمَرْوِيِّ نَوْعَانِ مُخْتَلِفَانِ، فَيَتَعَلَّقُ الْعَقْدُ فِيهِ بِالْمُسَمَّى وَهُوَ مَعْدُومٌ فَيَبْطُلُ وَلَا يَنْعَقِدُ. (۱)

اس سلسلہ میں اصل یہ ہے کہ باب بیع میں جب اشارہ اور تسمیہ جمع ہو جائیں تو دیکھا جائے گا، اگر مشار الیہ کی جنس مختلف ہو تو تسمیہ کا اعتبار ہوگا، اور عقد مسمّٰی پر واقع ہوگا، اور اگر جنس ایک ہو؛ لیکن صفت کا اختلاف ہو تو اگر تفاوت فاحش ہو تب بھی ہمارے نزدیک تسمیہ کا ہی اعتبار ہوگا، اور وہ مختلف الجنس کے ساتھ لاحق ہوں گے، اور اگر تفاوت قلیل ہو تو مشار الیہ کا اعتبار ہوگا اور عقد بھی اسی سے متعلق ہوگا، جب یہ ضابطہ آپ جان چکے تو اب ہم کہیں گے: یاقوت اور زجاج مختلف الجنس ہیں، اسی طرح ہروی اور مروی مختلف النوع ہیں؛ لہٰذا اس میں مسمّٰی کے ساتھ عقد متعلق ہوگا، اور مسمّٰی معدوم ہے؛ لہٰذا بیع باطل ہو جائے گی اور منعقد نہیں ہوگی۔

اور ظاہر ہے کہ کپڑے کی نوع اگر مسمّٰی کے برخلاف ہو، مثلاً: ریشم پر عقد ہو اور کاٹن نکلے تو بیع باطل ہے، اور اگر نوع ایک ہو؛ لیکن کاریگری الگ الگ ہو مثلاً جاپانی پر عقد ہو اور اسی نوع کا کوریا کا کپڑا نکلے تو بیع درست ہے اور مشتری کو اختیار ہوگا؛ کیوں کہ مخصوص کاریگری ایک مرغوب فیہ امر ہے، جو کہ یہاں موجود نہیں ہے، لہٰذا خیار فوات الوصف ثابت ہوگا، اور اس کی بہت سی نظیریں ہیں۔

۴۲۸۔ صفقہ واحدہ میں کن چیزوں کی بیع درست ہے؟

اگر ایک ہی صفقہ میں دو چیزوں کی بیع ہوئی ہو، ایک چیز ایسی ہو جس کی بیع باطل ہے، اور دوسری چیز ایسی کہ اس کی بیع درست ہو، تو اس کی ایک صورت فقہاء کے نزدیک

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۰

متفق علیہ ہے، وہ یہ کہ دو مبیع میں سے ایک معلوم نہ ہو، مثلاً: صفقہ واحدہ میں گھوڑے کی اور دوسری گھوڑی کے حمل کی بیع ہو، تو بیع کُل میں باطل ہے، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَلَا أَعْلَمُ فِي بُطْلَانِهِ خِلَافًا لِأَنَّ الْمَجْهُولَ لَا يَصِحُّ بَيْعُهُ لِجَهَالَتِهِ وَالْمَعْلُومُ مَجْهُولُ الثَّمَنِ وَلَا سَبِيلَ إِلَى مَعْرِفَتِهِ لِأَنَّ مَعْرِفَتَهُ إِنَّمَا تَكُونُ بِتَقْسِيطِ الثَّمَنِ عَلَيْهِمَا وَالْمَجْهُولُ لَا يُمْكِنُ تَقْوِيمُهُ فَيَتَعَذَّرُ التَّقْسِيطُ.(۱)

میرے علم کے مطابق بیع کا باطل ہونا متفق علیہ ہے؛ اس لیے کہ مجہول کی بیع جہالت کی وجہ سے درست نہیں ہے، اور معلوم کی اس لیے کہ اس کا ثمن مجہول ہے، اور ثمن جاننے کا بھی کوئی طریقہ نہیں ہے: کیوں کہ ثمن کی جان کاری ثمن کو ان دونوں پر تقسیم کر کے ہوسکتی ہے، اور مجہول کی قیمت نہیں لگائی جاسکتی؛ لہٰذا تقسیم بھی ممکن نہیں۔

ظاہر ہے کہ یہی حکم اس صورت میں بھی ہوگا جب کہ دو مبیع میں سے ایک معدوم ہو، ہمارے زمانے میں یہ ہوتا ہے کہ چند آدمی مل کر ایک رہائشی یا تجارتی کامپلیکس کی تعمیر کا منصوبہ بناتے ہیں، چنانچہ اس کے لیے وہ زمین خریدتے ہیں، پھر تعمیر کے شروع ہونے سے پہلے ہی ان میں سے ایک اپنا حصہ فروخت کرنا چاہتا ہے، اور یہ حصہ مشاع طور پر جہاں زمین میں ہے وہیں اس عمارت میں بھی جو ابھی بنی نہیں، پس حصہ کی بیع' موجود (زمین) اور معدوم (عمارت) کی بیع پر مشتمل ہے؛ لہٰذا یہ بیع کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے؛ لیکن اس کی جائز شکل یہ ہے کہ اپنا زمین کا حصہ فروخت کردے اور عمارت میں اپنی شراکت داری فسخ کردے اور بطورِ شراکت جتنا مال دیا تھا اس کو واپس

(۱) المغنی ۱۷۸/۴

لے لے، پھر زمین خریدنے والا دیگر شرکاء کی اجازت سے مال ادا کر کے عمارت میں شریک بن سکتا ہے، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

اگر دونوں مبیع موجود اور معلوم ہوں تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے جو کہ درج ذیل ہے:

۴۲۹۔ مالکیہ کا مذہب

مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ جب بھی ایسی دو چیزوں کی بیع ہو جن میں سے ایک کی بیع حلال اور دوسرے کی ناجائز ہو، اور عاقدین یا کسی ایک کو حرمت کا علم بھی ہو تو کل میں بیع باطل ہے، اور اگر کسی کو بھی حرمت کا علم نہیں تھا، مثلاً: سرکہ کے دو مٹکوں کی بیع ہوئی، پھر ان میں سے ایک شراب نکلا، یا دو مکان خریدے، اور ان میں سے ایک وقف کا نکلا، یا دو ذبح شدہ بکریاں خریدیں، اور ان میں سے ایک مردار نکلی، تو مشتری کو اختیار ہوگا کہ حلال کو اس کے حصہ ثمن کے عوض رکھ لے، بشرطیکہ حلال کی مقدار زیادہ اور حرام کی اقل ہو، اور اگر حرام کی مقدار اکثر ہو تو کل مبیع لوٹانا ضروری ہے، یا اگر حلال رکھنا چاہے تو کل ثمن ادا کرنا ضروری ہے، صرف اس کا حصہ ثمن ادا کرنا درست نہیں ہے۔(۱)

۴۳۰۔ حنفیہ کا مذہب

حنفیہ کے نزدیک جن چیزوں کی بیع باطل قرار پاتی ہے ان کی دو قسمیں ہیں:

۱) مجتہدین میں سے کسی کے نزدیک بھی ان کی بیع درست نہ ہو، جیسے: آزاد، مردار، شراب اور خنزیر کی بیع۔

۲) جن کی بیع درست ہونے کا امکان ہو، یا تو اس وجہ سے کہ اس میں مالک کی طرف سے اجازت ملنے کا احتمال ہو، مثلاً غیر مملوک کی بیع، تو یہ مالک کی اجازت سے درست ہو جاتی ہے، یا اس وجہ سے کہ اس کا حکم مجتہد فیہ ہو، بعض فقہاء کے نزدیک بیع درست ہو جاتی ہو، اسی طرح اس قول کے مطابق قاضی کا فیصلہ بھی درست کہلاتا ہو، جیسے:

---

(۱) الدسوقی مع الشرح الکبیر ۳/۱۵

مدبر اور مکاتب کی بیع، یا بعض حالات میں وہ بیع درست ہوسکتی ہو، جیسے: وقف کی بیع۔

پس جب ایسی دو چیزیں ملا کر فروخت کی جائیں جن میں سے ایک کی بیع درست ہو اور دوسری کا تعلق پہلی قسم سے ہو، مثلاً: شیرۂ انگور اور شراب، یا غلام اور آزاد، یا ذبیحہ اور مردار کی صفقہ واحدہ میں بیع کی جائے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سب میں بیع باطل ہوجائے گی؛ اگرچہ بائع نے ہر ایک کے لیے مستقلاً ثمن بیان کیا ہو، اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس صورت میں باطل ہوگی جب کہ ہر ایک کا مستقل ثمن ذکر نہ کیا گیا ہو، اگر ہر ایک کا مستقل طور پر ثمن متعین کر دیا جائے تو اس چیز کی بیع جائز ہوگی جس کی بیع درست ہو، جیسے: مذکورہ مثالوں میں: شیرۂ انگور، غلام اور ذبیحہ۔

اختلاف کی بنیاد اس بات پر ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر ایک کا ثمن مستقل بیان کر دینے سے صفقہ متعدد نہیں ہوتا؛ بلکہ صفقہ واحدہ ہی شمار ہوتا ہے، تو گویا شیرۂ انگور کی بیع کے لیے شراب کی بیع قبول کرنا بھی شرط قرار دیا گیا ہے، دوسری بات یہ کہ اگر صرف شیرۂ انگور وغیرہ میں بیع کو درست قرار دیا جائے تو صفقہ قبل التمام لازم آئے گا، اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ہر ایک کا ثمن مستقل طور پر ذکر کر دینے سے صفقہ متعدد ہوجاتا ہے؛ لہٰذا ایک کے اندر بیع کو درست قرار دینے سے تفریقِ صفقہ لازم نہیں آئے گا۔

اور اگر ایسی دو چیزیں ملا کر فروخت کی جائیں جن میں سے ایک کی بیع درست ہو اور دوسرے کا تعلق دوسری قسم سے ہو تو جس کی بیع درست ہے اس کے اندر اس کے حصۂ ثمن کے عوض ائمہ احناف کے نزدیک بیع بالاتفاق جائز ہے، اس قسم کی چند انواع ہیں:

۱) بائع اپنی مملوکہ اور دوسرے کی مملوکہ چیز کو صفقہ واحدہ میں فروخت کر دے، تو یہ اگرچہ دوسرے کی مملوک شیٔ کی بیع ہے جو کہ ناجائز ہے؛ لیکن اس میں مالک کی طرف سے اجازت کا بھی احتمال ہے، اور اسی وجہ سے یہ دوسری قسم میں داخل ہے؛ لہٰذا بائع جس چیز کا مالک ہے اس کی بیع اس کے حصہ ثمن کے عوض درست ہوگی، اور دوسرے کی مملوکہ چیز میں بیع باطل ہوجائے گی جب کہ دوسرے نے بیع کی اجازت نہ دی ہو۔

۲) ایسی دو چیزیں ملا کر فروخت کرے جن میں سے ایک کی بیع بالاجماع درست ہو اور دوسرے کی صرف احناف کے نزدیک باطل ہو، مثلاً: ایسی دو بکریاں بیچے جن میں سے ایک ذبیحہ ہو اور دوسری پر عمداً اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، تو ایسی بکری اگر چہ حنفیہ کے نزدیک حلال نہیں ہے؛ لیکن شوافع کے نزدیک حلال ہے، دوسری مثال یہ ہے کہ خالص غلام اور مدبر کو ملا کر فروخت کرے تو مدبر کی بیع حنفیہ کے نزدیک ناجائز؛ لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جائز کہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قاضی اس کو درست قرار دے سکتا ہے، اور اسی وجہ سے یہ دوسری قسم میں داخل ہے، اس نوع کا حکم یہ ہے کہ ذبیحہ بکری اور خالص غلام میں اس کے حصۂ ثمن کے عوض بیع درست ہوگی۔

۳) ایسی دو چیزیں ملا کر فروخت کرے جن میں سے ایک کی بیع درست ہو اور دوسرے کی عام حالات میں درست نہ ہو؛ البتہ بعض حالات میں درست ہو سکتی ہو، جیسے: صفقہ واحدہ میں مملوکہ زمین اور وقف شدہ زمین فروخت کرے تو وقف کی بیع عام حالات میں درست نہیں ہے؛ البتہ استبدال کے ذریعہ اس کی شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے موقوفہ زمین بیچی جا سکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ دوسری قسم میں داخل ہے، اس صورت کا حکم یہ ہے کہ مملوکہ زمین میں اس کے حصۂ ثمن کے عوض بیع درست ہے، اور یہ حکم عام ہے، خواہ عقد کے اندر ہر ایک کا مستقلاً ثمن ذکر کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو؛ البتہ اگر ذکر کر دیا جائے تو مملوکہ زمین کے ثمن کی تعیین میں سہولت ہوگی، اور اگر ذکر نہ کیا جائے تو مجموعی ثمن ان دونوں زمینوں کی قیمت پر تقسیم کیا جائے گا، پس جتنا حصہ مملوکہ زمین کا لگے گا وہی اس کا ثمن ہوگا، اسی طرح اگر صفقہ واحدہ میں سو دراہم کے عوض مملوک کپڑا اور غیر مملوک کپڑا فروخت کرے، مملوک کی قیمت چالیس اور غیر مملوک کی دس ہو تو سو کے پانچ حصے کیے جائیں گے، ایک حصہ یعنی بیس غیر مملوک کا، اور چار حصے یعنی اسی مملوک کے ہوں گے؛ لہٰذا مملوک کپڑے میں بیع اسی دراہم کے عوض درست ہوگی، اور غیر مملوک میں باطل ہو جائے گی۔(۱)

---

(۱) ملخص ومنقح از البحر الرائق ۶/ ۹۸ وفتح القدیر ۶/ ۴۵۶ وبدائع الصنائع ۵/ ۱۴۵

امام ابوحنیفہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم نے جو پہلی قسم اور دوسری قسم کے مابین فرق کیا ہے اس کی وجہ بیان کرنا بھی ضروری ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وجہ فرق یہ ہے کہ پہلی قسم کی اشیاء مثلاً: شراب اور خنزیر کو بیع میں داخل نہیں مانا جاسکتا؛ کیوں کہ وہ مسلمان کے حق میں شرعاً مال نہیں ہیں، پس جب ان کی بیع باطل ہے اور صفقہ بھی ایک ہے تو کل میں بیع باطل ہوجائے گی، اور دوسری قسم میں مالک یا قاضی کی اجازت کے ذریعے بیع کو درست قرار دیا جاسکتا ہے؛ لہٰذا ابتداءً تو عاقل کے کلام کو درست قرار دینے کے لیے وہ چیز بیع میں داخل ہوجائے گی، پھر بیع سے نکل جائے گی؛ لہٰذا اس کے ساتھ ملا کر جو چیز فروخت کی گئی تھی جس کی بیع بلا اشکال جائز تھی اس میں اس کے حصۂ ثمن کے عوض بیع درست ہوجائے گی، جیسا کہ جب دو غلاموں کو خریدے اور ان میں سے ایک قبضہ سے پہلے ہلاک ہوجائے، اور یہ غیر مبیع میں قبول کرنے کی شرط نہیں ہوگی اور نہ ابتداءً بیع بالحصہ ہوگی، یہی وجہ ہے کہ ہر ایک کا ثمن بیان کرنا شرط نہیں ہے۔(۱)

اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما جو پہلی قسم میں مستقل طور پر ثمن ذکر کرنے کی شرط لگاتے ہیں اور دوسری میں نہیں لگاتے، اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ پہلی قسم میں جو چیز ملا کر فروخت کی گئی تھی شرعاً وہ غیر متقوم ہے؛ لہٰذا ان دونوں میں سے ہر ایک کی قیمت پر ثمن کی تقسیم بھی نہیں ہوسکتی، جب دوسری قسم میں جو چیز ساتھ میں بیچی گئی ہے وہ متقوم ہے اس کی قیمت لگائی جاسکتی ہے، اور بطلان کا سبب دوسرا ہے، کہ یا تو وہ دوسرے کی مملوک ہے، یا صاحبین رحمۃ اللہ علیہما اس کی بیع کو ناجائز قرار دیتے ہیں، غرض یہاں ان دونوں میں سے ہر ایک کی قیمت پر ثمن کی تقسیم کی جاسکتی ہے۔

۴۳۱۔ شافعیہ کا مذہب

شافعیہ کا راجح قول یہ ہے کہ اگر صفقہ واحدہ میں ایسی دو چیزیں جمع کرے جن میں سے ایک کی بیع درست اور دوسرے کی درست نہ ہو، مثلاً: شراب اور سرکہ یا خنزیر

(۱) فتح القدیر ۶/ ۴۵۶

اور بکری بیچے تو جس کی بیع درست ہے اس میں بیع جائز ہے، یعنی سرکہ اور بکری میں، اور جس کی بیع درست نہیں اس میں بیع باطل ہے، پھر اگر مشتری کا مقصد وہ چیز خریدنا تھا جس کی بیع درست نہیں ہے تو مجموعی ثمن ان دونوں کی قیمت پر تقسیم کیا جائے گا، اور جس چیز کی بیع درست ہے اس کا جتنا حصہ لگے اتنے کی ادائیگی لازم ہوگی، اور شراب کی قیمت اس کو سرکہ فرض کر کے، خنزیر کی قیمت اس کو بکری فرض کر کے ــــ بڑائی اور چھوٹائی کا لحاظ رکھتے ہوئے ــــ اور مردار کی قیمت ذبیحہ فرض کر کے لگائی جائے گی، اور اگر جس چیز کی بیع ناجائز ہے اس کا خریدنا مشتری کا مقصد نہیں تھا تو کل ثمن واجب ہوگا، اور اگر وہ ناواقف ہو تو فسخ کا اختیار ہوگا۔(۱)

۴۳۲۔ حنابلہ کا مذہب

حنابلہ کہتے ہیں کہ اگر صفقہ واحدہ میں ایسی دو چیزیں جمع کرے جن میں سے ایک کی بیع درست اور دوسرے کی غیر درست ہو تو اس کی دو قسمیں ہیں:

۱) دونوں مبیع کا تعلق ایسی چیز سے ہو جس پر ثمن اجزاء تقسیم ہو جاتا ہو، جیسے ایک ہی ڈھیر میں سے دو قفیز فروخت کرے اور بائع مکمل ڈھیر کا مالک نہ ہو، حنابلہ کے نزدیک اس کا حکم مختلف فیہ ہے، راجح قول یہ ہے کہ جس کی بیع درست ہے اس میں بیع جائز اور دوسرے میں بیع باطل ہو جائے گی۔

۲) دونوں مبیع کا تعلق ایسی چیز سے ہو جس پر ثمن اجزاء تقسیم نہ ہوتا ہو، جیسے آزاد اور غلام، یا شراب اور سرکہ یا اپنا غلام اور دوسرے کا غلام، یا موجود غلام اور فرار شدہ غلام کو فروخت کرے تو اس میں بھی اختلاف ہے؛ لیکن علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے سب میں بیع کے فاسد ہونے کو اظہر قرار دیا ہے۔(۲)

چاروں مذاہب کے مطابق جو مذکورہ تفصیل بیان کی گئی وہ بیع ہو جانے کے بعد

---

(۱) حاشیۃ الشروانی علی تحفۃ المحتاج ۴/ ۳۲۳

(۲) المغنی ۴/ ۱۷۸

اس کے درست ہونے نہ ہونے سے متعلق ہے، رہا اس طرح کے معاملات کرنا جو کہ ممنوع اور ناجائز ہوں کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں ہوگا۔

۴۳۳۔ ان دکانوں کی بیع کا حکم جن میں ایسی چیزیں بھی ہوں جو شرعاً ممنوع ہیں

اسی سے ان بڑے ہوٹلوں کی بیع کا حکم بھی اخذ کیا جاسکتا ہے جن میں شراب اور دیگر ممنوع چیزیں فروخت کی جاتی ہیں، اسی طرح ایسے تجارتی مقامات بھی ہوتے ہیں جہاں کئی جگہوں پر شراب اور فلموں کا کاروبار ہوتا ہے، پس ایسے ہوٹلوں اور تجارتی مقامات کی بیع تبھی جائز ہوگی جب کہ ان ممنوع اشیاء کا استثناء کر دیا جائے؛ لہٰذا اگر کوئی مسلمان ہوٹل خریدنا چاہے تو بائع کو اس کا پابند بنائے کہ وہ شراب، خنزیر کا گوشت اور دیگر ممنوع چیزیں ہٹادے؛ تاکہ شرعاً جو چیزیں حلال ہیں انہی پر عقد واقع ہو، اسی طرح اگر تجارتی جگہ خریدنا چاہے تو پہلے ان ممنوع اشیاء کو ہٹا لینے کا حکم دے یا بیع میں ان کا استثناء کر دے۔

۴۳۴۔ بیع باطل کا حکم

بیع باطل کا حکم یہ ہے کہ اس پر بیع کے آثار میں سے کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا، حتی کہ مشتری قبضہ کے باوجود اس کا مالک نہیں ہوگا، یہ متفق علیہ ہے؛ لیکن اگر بیع باطل میں مبیع پر قبضہ کرنے کے بعد مشتری کے پاس وہ ہلاک ہوجائے تو اس سلسلے میں احناف کا اختلاف ہے، بعض متون میں یہ مذکور ہے کہ بیع باطل ہونے کی وجہ سے مشتری ضامن نہیں ہوگا؛ کیوں کہ وہ چیز اس کے پاس امانت تھی اور امانت اگر بلا تعدی ہلاک ہوجائے تو ضمان لازم نہیں ہوتا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ مشتری ضامن ہوگا، امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، کیوں کہ یہ کم از کم مقبوض علی سوم الشراء کے درجہ میں ہے، یہی ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کی بھی رائے ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ پہلا قول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اور دوسرا صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا ہے۔(۱)

(۱) رد علی الدر ۵/۵۹

چوتھا باب

۴۳۵۔ بیع فاسد کا بیان

حنفیہ کے نزدیک بیع فاسد وہ ہے جس میں وصف کے اندر فساد در آیا ہو نہ کہ اصل کے اندر، اور اصل کے صحیح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عاقدین ایجاب وقبول کے اہل ہوں، اور عوضین کو فی الجملہ مال شمار کیا جا سکتا ہو، اور مبیع بائع کی زیرِ ملکیت ہو؛ لیکن فساد کسی اور سبب سے آیا ہو۔

۴۳۶۔ بیع فاسد اور اس سے ملتی جلتی انگریزی اصطلاح

یہاں یہ بات جان لینی چاہیے کہ حنفیہ کے نزدیک جو بیع فاسد کی اصطلاح ہے اور انگریزی میں جو القابل للابطال (Voidable) کی اصطلاح ہے ان میں التباس ہو جاتا ہے، حالاں کہ در حقیقت ان دونوں میں بڑا فرق ہے، وہ یہ کہ انگریزی قانون میں القابل للابطال کی اصطلاح کا اطلاق اس بیع پر ہوتا ہے جس میں عاقدین میں سے کسی ایک کو عقد فسخ کرنے کا اختیار ہو، اور یہ اختیار دھوکہ دہی، تدلیس اور فریق مقابل کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے ــــ جو کہ اس کی رضامندی پر اثر انداز ہو ــــ حاصل ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وہ بذاتِ خود عقد فسخ کر سکتا ہے، اور یہ فقہ اسلامی میں خیارات کے تحت داخل ہے، جن کے مختلف اقسام کا سابق میں ذکر آ چکا ہے، اور حنفیہ کی اصطلاح میں بیع فاسد وہ ہے جس میں بیع کے تمام ارکان پائے جاتے ہیں، اور فساد ارکان بیع سے خارج کسی امر کی وجہ سے بحکم شرع آتا ہے، مثلاً: بیع میں مقتضائے عقد کے خلاف شرط لگا دی جائے، یا مبیع بائع کے قبضہ میں نہ ہو، اس بیع فاسد کی انسانی قوانین میں کوئی نظیر نہیں ملتی؛ کیوں کہ شریعت نے جن چیزوں کو فساد کا سبب قرار دیا ہے وہ ساری چیزیں انسانی

قوانین میں درست ہیں۔

دونوں کے حکم میں فرق یہ ہے کہ بیع اگر انسانی قوانین میں فسخ کے قابل ہو تو جس شخص کو حق فسخ حاصل ہے وہ فسخ کرنے کے بجائے عقد پر راضی بھی ہوسکتا ہے۔(۱) جب کہ حنفیہ کی اصطلاح میں جو بیع فاسد ہے عاقدین پر اس کو فسخ کرنا واجب ہے، کسی کے لیے بھی اس کو نافذ کرنا جائز نہیں ہے، ڈاکٹر عبدالرزاق سنہوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فاذا تركنا هذه المقابلات المتناثرة فى نواح مختلفة، واقتصرنا على تعدد مراتب البطلان والصحة فى العقد، وجدنا الفقه الاسلامى اكثر تدرجا من الفقه الغربى فى ذلك، فعنده العقد الباطل، ويقابله فى الفقه الغربى العقدالباطل ايضا، وهما سواء، وعنده العقد الفاسد، ولا يقابله نظير فى الفقه الغربى، وعنده العقد الموقوف، ولا نظير له فى الفقه الغربى، واقرب شبه به هو العقد القابل للابطال، وان كان يقصر دونه.(۲)

چنانچہ جب ہم تقابل کو ترک کر کے صرف عقد کی صحت اور بطلان کے مراتب کو دیکھیں تو فقہ اسلامی میں مغربی فقہ کے بالمقابل زیادہ اقسام نظر آئیں گے، چنانچہ فقہ اسلامی میں بیع باطل کی اصطلاح ہے اور یہ فقہ مغربی میں بھی ہے، اور فقہ اسلامی میں عقد فاسد کی اصطلاح ہے؛ لیکن فقہ مغربی میں اس کی نظیر نہیں، اور فقہ اسلامی میں بیع موقوف کی اصطلاح ہے؛

---

(۱) Contract Act 1872 section 19

(۲) مصادر الحق ۲/۲٦٦

لیکن فقہ مغربی میں اس کا ذکر نہیں؛ البتہ اس سے قریب تر عقد قابل للابطال کی اصطلاح ہے؛ اگر چہ وہ بھی قاصر ہے۔

لیکن بیع فاسد اور بیع قابل للابطال اس بات میں جمع ہو جاتے ہیں کہ مشتری اگر عاقدین میں سے کسی کی جانب سے بیع کو باطل کرنے سے قبل کسی اور کو مبیع فروخت کر دے تو یہ بیع درست ہے، اور جدید مشتری کی جانب ملکیت منتقل ہو جائے گی، جیسا کہ بیع فاسد کے احکام (۱) کے تحت آئے گا، اور بیع المال کے قانون کے دفعہ نمبر ۲۹ میں بیع قابل للابطال کی اصطلاح کے تحت اس کی تصریح کی گئی ہے، فقہ اسلامی اور مغربی قوانین کے درمیان یہ فرق جاننے کے بعد اب ہم حنفیہ کے مذہب کے مطابق بیع فاسد کے احکام کا آغاز کرتے ہیں، اور فقہاء احناف کے کلام کی تلخیص یہ ہے کہ فساد درج ذیل اسباب کی بنا پر آتا ہے:

۴۳۷۔ پہلا سبب

پہلا سبب یہ ہے کہ ثمن کے کسی معنی کی وجہ سے فساد در آیا ہو، اس کی درج ذیل صورتیں ہیں:

۱) ثمن شراب یا خنزیر ہو جو کہ ذمیوں کے نزدیک مال اور مسلمانوں کے نزدیک مال نہیں ہیں، تو مشہور قول کے مطابق یہ بیع فاسد ہے، باطل نہیں، اور ہم یہ ذکر کر چکے ہیں (۲) کہ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے بطلان کو مختار کہا ہے، اور یہی دلیل کے لحاظ سے راجح ہے۔

۲) ثمن میں ایسی جہالت ہو جو مفضی الی النزاع ہو، خواہ جہالت ثمن کی جنس میں ہو یا وصف میں یا مقدار میں یا اجل میں، شرائطِ ثمن کے ذیل میں (۳) ان سب کی

---

(۱) رقم: ۴۴۰

(۲) رقم: ۴۲۷ کے تحت

(۳) رقم: ۱۸۶

تفصیل آچکی ہے۔

۳) ثمن کا ذکر نہ کیا گیا ہو، فقہاء نے بیع فاسد کے اقسام کے تحت اس کا ذکر کیا ہے، اس کی علت یہ ہے کہ مطلق بیع' معاوضہ کا تقاضہ کرتی ہے، پس جب بائع نے ثمن ذکر نہیں کیا تو قیمت اس کا مقصود ہے، گویا کہ اس نے قیمت کے عوض مبیع فروخت کی۔ (۱) اور یہ بازاری قیمت پر بیع کے فاسد ہونے کے قول پر متفرع ہے، اور ہم نے شرائط ثمن کی بحث (۲) میں ذکر کر دیا ہے بازاری قیمت پر بیع جائز ہے، بشرطیکہ افراد کے تفاوت سے قیمتوں میں تفاوت نہ آتا ہو۔

اسی بنیاد پر اگر اس حالت میں ثمن کا ذکر نہ کیا جائے، اور بازاری قیمت معلوم ہو تو یہ جائز ہونا چاہیے، اور ثمن گویا تقدیراً مذکور ہوگا، اس کی مثال یہ ہے کہ ایسا اخبار خریدے جس کی قیمت معروف ہو اور تبدیل نہ ہوتی ہو، اور عقد کے وقت عاقدین نے ثمن کا ذکر نہ کیا ہو، تو بیع درست ہو جائے گی؛ کیوں کہ ثمن حکماً مذکور ہے؛ البتہ اگر عاقدین ثمن نہ ہونے کی صراحت کر دیں تو بیع باطل ہے، علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(وَ) بَطَلَ (بَيْعٌ صُرِّحَ بِنَفْيِ الثَّمَنِ فِيهِ) لِانْعِدَامِ الرُّكْنِ وَهُوَ الْمَالُ. (۳)

جس بیع میں صراحۃً ثمن کی نفی کر دی گئی ہو وہ باطل ہے؛ کیوں کہ رکن یعنی مال معدوم ہے۔

۴۳۸۔ دوسرا سبب: مبیع کے اندر کسی معنی کی وجہ سے فساد در آیا ہو

اس کی درج ذیل صورتیں ہیں:

۱) مبیع میں ایسی جہالت ہو جو مفضی الی النزاع ہو، ایسی جہالت عام طور پر بیع کو

---

(۱) الدر مع الرد ۵/۶۰

(۲) رقم: ۱۸۹

(۳) الدر مع الرد ۵/۵۹

فاسد کردیتی ہے، خواہ یہ مبیع کی جنس میں ہو، یا مقدار میں، یا تعیین میں، اس کے مسائل مبیع سے متعلق شرائط کے ذیل (۱) میں تفصیل سے آچکے ہیں، اور اسی میں ملامسہ اور منابذہ بھی داخل ہے۔

ملامسہ یہ ہے کہ عاقدین میں سے ہر ایک دوسرے کا کپڑا بلا سوچے سمجھے چھوئے؛ تاکہ چھونے والے پر بیع لازم ہوجائے اور اس کو دیکھتے وقت خیار حاصل نہ ہو، مثلاً: وہ تاریکی میں ہو یا کپڑا نظر تو آرہا ہو؛ لیکن لپٹا ہوا ہو، اور عاقدین اس پر متفق ہوں کہ اگر وہ اس کو چھولے تو اس کی بیع نافذ ہوجائے گی، اور فاسد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں تملیک کو اس بات پر معلق کیا گیا ہے کہ جب وہ کپڑا چھولے گا تو بیع ہوجائے گی، اور خیار بھی نہیں ملے گا۔

اور منابذہ یہ ہے کہ عاقدین میں سے ہر ایک اپنا کپڑا دوسرے کی جانب پھینکے اور کسی نے بھی دوسرے کا کپڑا دیکھا نہ ہو، اور اسی پھینکنے کو بیع قرار دے دیا جائے، یہ بیوع زمانہ جاہلیت میں متعارف تھے۔

اسی طرح القاءِ حجر بھی اس میں داخل ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ جہاں کپڑے رکھے ہوئے ہوں ان پر کنکری پھینکے، جس کپڑے پر بھی کنکری گرے وہی مبیع قرار پائے گی، اور یہاں غور وفکر کا موقعہ ہی نہیں ملا، اور خیار بھی حاصل نہیں ہوتا؛ البتہ ثمن پر پہلے ہی اتفاق ہوجاتا ہے۔ (۲) اور مبیع متعین ہو یا نہ ہو دونوں میں کوئی فرق نہیں، اور ممانعت کی وجہ مجہول ہونا اور تملیک کا خطرہ پر معلق ہونا ہے۔ (۳)

اسی قبیل سے ضربۃ القانص بھی ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ مچھلی کا شکار کرنے والا کہے: یہ جال ایک بار ڈالنے سے جو مچھلیاں پکڑی جائیں گی وہ میں نے تجھے فروخت

(۱) رقم: ۱۵۹
(۲) البحر الرائق ۶ / ۸۳
(۳) فتح القدیر ۶ / ۴۱۷

کیا، تو اگر جس حوض میں جال ڈالا جا رہا ہے وہ بائع کی ملکیت ہو تو بیع فاسد ہے، اور اگر بائع اس کا مالک نہ ہو تو بیع باطل ہے۔(۱)

اسی میں مجازفۃً بیع مزابنہ بھی داخل ہے؛ کیوں کہ درخت پر موجود پھل کی مقدار معلوم نہیں ہے، اور اس میں شبہہ ربا ہے، اور ربا کی بحث (۲) میں اس کا تفصیلی بیان آچکا ہے۔

مبیع غیر مقدور التسلیم ہو، پھر اگر وہ بائع کی ملکیت میں ہی نہ ہو تو بیع باطل ہے، مثلاً: فضا میں اڑتے غیر مملوک پرندہ کی بیع کرے، اور اگر وہ اس کا مملوک ہو اور ہوا میں اڑ رہا ہو تو اگر پرندہ کی عادت ہو کہ وہ لوٹ آتا ہو تو اکثر مشائخ کے نزدیک بیع جائز ہے؛ کیوں کہ انہوں نے اس کو اس مبیع پر قیاس کیا ہے جو کہیں دور جگہ غائب ہو، اور اگر لوٹ آنا اس کی عادت نہ ہو تو بیع فاسد ہے۔(۳) اور علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

وَلَا فَرْقَ بَيْنَ كَوْنِ الطَّائِرِ يَأْلَفُ الرُّجُوعَ، أَوْ لَا يَأْلَفُهُ، لِأَنَّهُ لَا يَقْدِرُ عَلَى تَسْلِيمِهِ الْآنَ، وَإِنَّمَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ إِذَا عَادَ. (۴)

پرندے کی عادت لوٹ آنے کی ہو یا نہ ہو بہر صورت بیع درست نہیں ہے؛ کیوں کہ فی الحال وہ غیر مقدور التسلیم ہے، بائع کو پرندہ کے لوٹ آنے کے بعد ہی سپردگی کی قدرت ہوگی۔

اور علامہ نے پرندہ اور دور جگہ غائب مبیع کے درمیان یہ فرق بیان کیا ہے کہ غائب مبیع کو لے آنے پر بائع قادر ہے، جب کہ پرندہ کا لوٹ آنا بائع کی قدرت میں نہیں ہے؛ بلکہ یہ خود پرندہ کا اپنا فعل ہے۔

---

(۱) الدر مع الرد ۵/ ۶۵

(۲) رقم: ۳۰۶

(۳) الدر مع الرد ۵/ ۶۱

(۴) المغنی ۴/ ۱۵۱

اور اگر پرندہ لوٹ آئے اور بائع مشتری کو سپرد کردے تو مشائخ بلخ کے نزدیک یہ بیع جائز نہیں ہوگی؛ کیوں کہ ان کے نزدیک یہ بیع باطل میں داخل ہے، گویا کہ ہوا میں اڑنے کے بعد وہ اس کی ملک سے نکل گیا، پس بیع باطل ہوجائے گی، اور باطل کرنے والے سبب کے مرتفع ہوجانے سے بیع صحیح نہیں ہوجاتی؛ کیوں کہ بیع صفتِ بطلان کے ساتھ قائم نہیں تھی؛ بلکہ معدوم ہوگئی تھی، اور امام کرخی وطحاوی رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک بیع جائز ہوگی۔(۱) علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے؛ کیوں کہ جب مبیع بائع کی مملوک ہو اور صرف تسلیم کی قدرت نہ ہو تو اس سے بیع باطل نہیں؛ بلکہ فاسد ہوتی ہے؛ لہٰذا جب سپردگی پر قادر ہوگیا تو یہ مانع زائل ہوگیا۔(۲)

اسی میں پانی کے اندر مچھلی کی بیع بھی داخل ہے، پس اگر مچھلی کا بائع مالک نہ ہو تو بیع باطل ہے، اور اگر بائع مالک ہو، مثلاً: حوض بائع کی ملکیت میں ہو، تو اگر مچھلی پکڑنے کے لیے تدبیر کی ضرورت پڑتی ہو تو بیع فاسد ہے، اور اگر ضرورت نہیں پڑتی تو بیع درست ہے، اور مشتری کو خیارِ رؤیت حاصل ہوگا، اور پانی میں دیکھنے کا اعتبار نہیں ہوگا؛ کیوں کہ پانی کے اندر اور باہر مچھلی میں فرق ہوتا ہے۔(۳)

اور علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

لَا يَجُوزُ بَيْعُهُ فِي الْمَاءِ إِلَّا أَنْ يَجْتَمِعَ ثَلَاثَةُ شُرُوطٍ، أَحَدُهَا، أَنْ يَكُونَ مَمْلُوكًا. الثَّانِي، أَنْ يَكُونَ الْمَاءُ رَقِيقًا، لَا يَمْنَعُ مُشَاهَدَتَهُ وَمَعْرِفَتَهُ. الثَّالِثُ، أَنْ يُمْكِنَ اصْطِيَادُهُ وَإِمْسَاكُهُ. فَإِنِ اجْتَمَعَتْ هَذِهِ الشُّرُوطُ، جَازَ بَيْعُهُ، لِأَنَّهُ مَمْلُوكٌ مَعْلُومٌ مَقْدُورٌ عَلَى

---

(۱) الدر مع الرد ۵/ ۶۱

(۲) فتح القدیر ۶/ ۴۱۰

(۳) الدر مع الرد ۵/ ۶۰

تَسْلِيمِهِ، فَجَازَ بَيْعُهُ، كَالْمَوْضُوعِ فِي الطَّسْتِ. وَإِنْ اخْتَلَّ شَرْطٌ مِمَّا ذَكَرْنَا، لَمْ يَجُزْ بَيْعُهُ، لِذَلِكَ. (۱)

پانی کے اندر مچھلی کی بیع تین شرائط کے ساتھ جائز ہے: ۱) وہ مملوک ہو۔ ۲) اتنی گہرائی نہ ہو کہ مچھلی دیکھنے اور پہچاننے میں دشواری ہو۔ ۳) اس کو پکڑنا اور شکار کرنا ممکن ہو، اگر یہ ساری شرائط پائی جائیں تو بیع درست ہے؛ کیوں کہ وہ مملوک بھی ہے، معلوم بھی اور مقدور التسلیم بھی؛ لہٰذا بیع جائز ہوگی، جیسا کہ برتن میں رکھی ہوئی مچھلی کی بیع جائز ہوتی ہے، اور اگر مذکورہ شرائط میں سے کوئی موجود نہ ہو تو بیع جائز نہیں ہے۔

اسی بنا پر فقہ اسلامی اور مغربی قوانین میں امتیاز ہو جاتا ہے، مغربی قوانین میں بہتیرے ایسے معاملات کو جائز قرار دیا گیا ہے جن میں تعلیق التملیک علی الخطر ہوتا ہے، چنانچہ ان قوانین میں یہ شرط نہیں ہے کہ مبیع مقدور التسلیم ہو، اور اس کی دلیل انہوں نے یہ پیش کی ہے کہ ایک عقل مند آدمی کو ایسے معاملات کی اجازت ہونی چاہیے جن میں خطرہ ہو، انگریزی بیع المال کے قانون کے ایک شارح نے لکھا ہے:

The contray viwe, however, is preferable in viwe of the plan language of ss4(2) and 6(2) of the Act, and the buyer may have to pay in any event for a man buy the chance of the obtaining goods. (2)

قانون کے دفعہ نمبر ۴(۲) اور ۶(۲) کے پیش نظر دوسرا نظریہ

(۱) المغنی ۴/ ۱۵۲

(۲) buddle v green (1857) 27 LJ EX 33 P.34 114-RR

راجح معلوم ہوتا ہے، اور مشتری پر ہر حال میں ثمن کی ادائیگی ضروری ہوگی؛ کیوں کہ اس کو سامان کی حصول یابی کا ایک موقعہ (Chance) خریدنے کا حق حاصل ہے۔

and if a man shuld be foolish enough to make a purchase of a chance, he must perhaps abide by the consequence of his rashness.(1)

کیوں کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص سامان کے حصول کے لیے محض ایک موقعہ (Chance) کی خریداری کرے، اور یہ کہ اگر کوئی شخص اتنا بے وقوف ہو کہ وہ محض موقعہ کی خریداری کرے تو اس پر اپنے وعدہ کو پورا کرنا لازم ہونا چاہیے، اور اپنی ناعاقبت اندیشی کا خمیازہ بھگتے۔

شریعت اسلامی میں فریقین میں سے ہر ایک کے حق کی رعایت کی گئی ہے، اور کسی کو یہ قدرت نہیں دی گئی کہ وہ دوسرے کا مال ناحق لے سکے، اسی طرح اس بات کا بھی اہتمام کیا گیا ہے کہ عقد اس طرح واقع ہو کہ جانبین کی بھی مصلحت ہو اور پورے معاشرے کی بھی، اور جو عقود خطرات پر معلق ہوتے ہیں وہ بازاری قوتوں کی طبعی رفتار میں رکاوٹ ثابت ہوتے ہیں، اور پورے معاشی نظام کو بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں، جیسا کہ موجودہ دور میں جو رائج ہے اس میں اس کا مشاہدہ ہو چکا ہے۔

۳) مبیع بائع کے قبضے میں نہ ہو، بایں طور کہ بائع کی جانب اس کا ضمان منتقل نہ ہو، پس غیر مقبوض کی بیع فاسد ہے، اور مبیع کے شرائط کے تحت ساتویں شرط کے بیان (۲)

---

(1) pollock & mulla, Eighth edition p. 98

(۲) رقم: ۱۷۱

میں اس پر تفصیلی کلام آچکا ہے۔

۴۳۹۔ تیسرا سبب: عقد کے کسی معنی کی وجہ سے فساد در آیا ہو

عقد میں ایسی شرط لگائی جائے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو، صلب عقد سے متعلق شرائط کے تحت تیسری شرط کے بیان (۱) میں اس کی تفصیل آچکی ہے، اسی طرح کسی شرط پر معلق بیع یا مستقبل کی جانب منسوب بیع بھی فاسد ہے، بیع معلق اور بیع مضاف کے سلسلے میں فقہاء کی عبارات مختلف ہیں، چنانچہ انہوں نے بعض مقامات پر ان دونوں کے لیے لفظِ بطلان کا استعمال کیا ہے اور بعض پر فساد کا، لیکن ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے ان کو فاسد ہی مانا ہے نہ کہ باطل، اور جہاں بطلان کا ذکر ہے وہاں فساد ہی مراد ہے؛ کیوں کہ انہوں نے تعلیق کا حکم شرط فاسد کے بعد متصلاً ذکر کیا ہے، اور شرط فاسد کی وجہ سے بیع باطل نہیں؛ بلکہ فاسد ہوتی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ مذکورہ دونوں بیع کے درست نہ ہونے کی علت انہوں نے تملیک علی الخطر ذکر کی ہے، اور تملیک علی الخطر مفسد بیع ہے، یہی وجہ ہے کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فقہاء کے قول "لَا یَصِحُّ تَعْلِیْقُهٗ" کی یہ تشریح کی ہے:

> لَیْسَ الْمُرَادُ بِهٖ بُطْلَانَ نَفْسِ التَّعْلِیْقِ مَعَ صِحَّةِ الْمُعَلَّقِ لِأَنَّ مَا كَانَ مِنَ التَّمْلِیْكَاتِ یَفْسُدُ بِالتَّعْلِیْقِ، بَلِ الْمُرَادُ أَنَّهٗ لَا یَقْبَلُ التَّعْلِیْقَ بِمَعْنٰی أَنَّهٗ یَفْسُدُ بِهٖ. (۲)
>
> اس سے یہ مراد نہیں کہ معلق درست ہے، اور نفسِ تعلیق باطل ہے؛ کیوں کہ جن عقود کا تعلق تملیکات سے ہے وہ تعلیق کی وجہ سے فاسد ہو جاتے ہیں؛ بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ تعلیق کو قبول نہیں کرتا، یعنی عقد اس کی وجہ سے فاسد ہو جاتا ہے۔

اور علامہ حموی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ احتمال ذکر کیا ہے کہ بیع مقرون بالشرط الفاسد تو فاسد

---

(۱) رقم: ۲۲۲

(۲) رد علی الدر ۵/ ۲۴۰ و ۲۴۱

ہوگی اور بیع معلق باطل(۱) اور شاید بیع معلق یا مضاف کے باطل ہونے کا قول اس پر مبنی ہو کہ ایجاب وقبول کو خطرہ پر معلق کرنے سے رکن بیع میں خلل آتا ہے؛ کیوں کہ ایجاب وقبول کا تقاضا یہ ہے کہ وہ جازم ہوں، اور تعلیق کی وجہ سے جزم باقی نہیں رہتا، اور سابق میں آچکا ہے کہ جو چیز رکن بیع میں خلل انداز ہو اس سے بیع باطل ہو جاتی ہے، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

۴۴۰۔ بیع فاسد کا حکم

حنفیہ ــ جو کہ بیع فاسد اور باطل کے درمیان تفریق کے قائل ہیں ــ کے نزدیک بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ عاقدین پر اس کا فسخ کرنا واجب ہے؛ لیکن مشتری کے مبیع پر قبضہ کر لینے کے بعد اس کو ملک خبیث حاصل ہوگی، اور اس پر درج ذیل امور متفرع ہیں:

۱) اس طرح کی بیع کرنا ناجائز ہے؛ کیوں کہ یہ غیر مشروع طریقہ سے ہوئی ہے۔

۲) اگر مشتری نے بیع فاسد کی وجہ سے حاصل ہونے والی مبیع پر قبضہ نہیں کیا تو وہ اس کا مالک نہیں ہوگا اور نہ اس میں اس کا تصرف نافذ ہوگا، سوائے اس تصرف کے جو قبضہ کے حکم میں ہو، جیسا کہ آگے آئے گا، اور عاقدین پر بیع کو نافذ کرنے سے رکنا لازم ہے۔

۳) اگر مشتری نے مبیع پر حقیقی یا حکمی قبضہ کر لیا ہو تو عاقدین پر فسخ کرنا واجب ہے۔

۴) اگر مشتری نے مبیع پر قبضہ کر لیا تو اس کو ملک خبیث حاصل ہوگی، اس سے کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں ہوگا، کھا کر ہو، یا پی کر، یا پہن کر، یا کوئی اور تصرف کر کے؛ البتہ اگر مُفسِد کا ازالہ کر کے عقد جدید کرے تو جائز ہے۔

۵) چوں کہ مشتری مبیع کا مالک ہو چکا ہے؛ اگرچہ کہ ملک خبیث ہے، تو اس کے تصرفات بھی نافذ ہوں گے، مثلاً: وہ کسی تیسرے شخص کو فروخت کر دے؛ لیکن نفع حلال نہیں ہوگا؛ بلکہ اس کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

۶) اگر مشتری کے قبضہ میں مبیع نہ رہے، بایں طور کہ وہ اس کے پاس ہلاک ہو جائے،

(۱) غمز عیون البصائر ۴/ ۴۲

یا وہ اس میں ایسا تصرف کر دے جو مانعِ رد ہو تو وہ ثمن واپس لے کر بائع کو مبیع کی قیمت یا مثل دے گا۔

مذکورہ نقاط پر ہم تفصیلی گفتگو کریں گے:

۴۴۱۔ بیع فاسد کا عدمِ جواز

پہلا نقطہ یہ ہے کہ بیع فاسد شرعاً ناجائز ہے؛ کیوں کہ وہ غیر مشروع طریقہ پر واقع ہوئی ہے۔

۴۴۲۔ قبضہ سے قبل بیع فاسد سے ملکیت حاصل نہیں ہوتی

دوسرا نقطہ یہ ہے کہ قبضہ سے قبل ملکیت حاصل نہیں ہوگی، اور عاقدین پر لازم ہوگا کہ وہ اس کو نافذ نہ کریں، صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

وَإِنَّمَا لَا يَثْبُتُ الْمِلْكُ قَبْلَ الْقَبْضِ كَيْ لَا يُؤَدِّيَ إِلَى تَقْرِيرِ الْفَسَادِ الْمُجَاوِرِ إِذْ هُوَ وَاجِبُ الرَّفْعِ بِالِاسْتِرْدَادِ فَبِالِامْتِنَاعِ عَنِ الْمُطَالَبَةِ أَوْلَى، وَلِأَنَّ السَّبَبَ قَدْ ضَعُفَ لِمَكَانِ اقْتِرَانِهِ بِالْقَبِيحِ. (۱)

قبضہ سے قبل ملکیت اس لیے حاصل نہیں ہوگی؛ تاکہ وہ فساد متصل کو برقرار رکھنے کا سبب نہ بنے؛ کیوں کہ واپس لے کر عقد کو ختم کرنا واجب ہے؛ لہٰذا اس کا مطالبہ نہ کرنے کے ذریعہ بدرجۂ اولیٰ ہوگا، اور اس لیے کہ سبب' ملک قبیح کے ساتھ اتصال کی بنا پر کمزور ہو گیا ہے۔

۴۴۳۔ بیع فاسد کو فسخ کرنا واجب ہے

تیسرا نقطہ یہ ہے کہ عاقدین پر بیع کو فسخ کرنا ضروری ہے؛ اگرچہ مشتری نے مبیع پر قبضہ کر لیا ہو؛ کیوں کہ بیع کے ساتھ ایسا محظور شامل ہو گیا ہے جس سے توبہ کرنا ضروری ہے،

---

(۱) ہدایہ ۳/۵۱

اور توبہ کی صورت یہی ہے کہ وہ بیع کو فسخ کر دیں، اور مشتری کے قبضہ سے قبل ہر ایک کو بالاتفاق فسخ کرنے کا اختیار ہے، اور مشتری کے قبضہ کے بعد بھی شیخین رحمۃ اللہ علیہما اسی کے قائل ہیں؛ البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اگر فساد کسی زائد شرط کی بنا پر ہوا ہو، مثلاً: نامعلوم مدت تک بیع، یا ایسی شرط کے ساتھ بیع جس میں عاقدین میں سے کسی ایک کا نفع ہو، تو جس شخص کو منفعت حاصل ہو رہی ہے اسی کو فسخ کرنے کا حق ہوگا، اور جس شخص کو نفع حاصل نہیں ہو رہا وہ دوسرے کی رضامندی سے یا قاضی کے فیصلے کے ذریعے فسخ کر سکتا ہے، ہدایہ میں یہ اختلاف ذکر نہیں کیا گیا؛ بلکہ صرف امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ذکر کیا گیا۔(۱) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کو فسخ کا اختیار ہے اگر وہ فسخ نہ کرے تو دوسرا فریق بطریق قضاء اس کو فسخ پر مجبور کر سکتا ہے۔

۴۴۴۔ قبضہ کے بعد بیع فاسد سے ملک خبیث حاصل ہوتی ہے

چوتھا نقطہ یہ ہے کہ بیع فاسد میں قبضہ کے بعد ملکیت حاصل ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے یہ شرط ہے کہ مشتری نے بائع کی صراحۃً یا دلالۃً اجازت سے مبیع پر قبضہ کیا ہو، مثلاً: مجلس عقد کے اندر بائع کی موجودگی میں مبیع پر قبضہ کیا اور بائع نے اس کو منع نہیں کیا، اور اگر مجلس ختم ہوگئی ہو تو صراحۃً اجازت ضروری ہے؛ الّا یہ کہ بائع نے ثمن پر قبضہ کر لیا ہو اور ثمن اس لائق ہو کہ اس سے کوئی چیز خریدی جا سکتی ہو تو یہ بائع کی جانب سے مبیع پر قبضہ کرنے کی دلالۃً اجازت شمار ہوگی۔(۲) اور کیا اس مسئلہ میں تخلیہ قبضہ کے قائم مقام ہوگا؟ اس میں فقہاء حنفیہ کے دو قول ہیں، خانیہ، خلاصہ، بحر اور نہر میں اس قول کی تصحیح کی گئی ہے کہ تخلیہ قبضہ کے قائم مقام ہوگا۔(۳) اور قبضہ جس طرح بالبراجم ہو سکتا ہے اسی طرح حکمی بھی، مثلاً: بطریق وکالت، حتی کہ فقہاء نے کہا ہے: اگر مشتری نے بیع فاسد

---

(۱) ردعلی الدر ۵/۹۱

(۲) ردعلی الدر ۵/۸۹

(۳) ردعلی الدر ۵/۸۸

کے طور پر خریدے گئے گیہوں کو پیسنے کا' یا بیع فاسد کے طور پر خریدی ہوئی بکری کو ذبح کرنے کا بائع کو حکم دیا، تو مشتری کو اقتضاءً قابض مانا جائے گا۔(۱)

اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ حکم حنفیہ کے ساتھ خاص ہے، اور شافعیہ وغیرہ کے نزدیک بیع فاسد اور باطل میں کوئی فرق نہیں ہے، حنفیہ کی اصطلاح میں جو فاسد ہے وہ ان کے یہاں باطل ہے؛ لہٰذا قبضہ کے باوجود ملکیت حاصل نہیں ہوگی؛ کیوں کہ یہ ایک ممنوع امر ہے؛ لہٰذا اس سے ملکیت کی نعمت حاصل نہیں ہوسکتی، اس کی بنیاد اصولِ فقہ کے ایک مسئلہ پر ہے کہ افعال شرعیہ کی نہی کی وجہ سے ان حضرات کے نزدیک فعل کا تحقق نہیں ہوتا؛ بلکہ فعل کے باطل ہونے کا تقاضا کرتا ہے، اور حنفیہ کا موقف یہ ہے کہ نہی مشروعیت کو برقرار رکھتی ہے؛ کیوں کہ وہ اس کے متصوَّر ہونے کا مقتضِی ہے، اور یہاں بیع کا رکن اہل سے صادر ہوا اور محل میں نافذ ہوا ہے؛ لہٰذا بیع منعقد تو ضرور ہوگی، پس نفسِ بیع تو مشروع ہے، اور اس سے ملکیت کی نعمت حاصل کی جا سکتی ہے، محظور تو اس چیز میں ہے جو اس کے ساتھ متصل ہے، مثلاً: اذانِ جمعہ کے وقت بیع کرنا۔(۲) اور اسی محظور کی وجہ سے ہم یہ کہتے ہیں کہ قبضہ سے قبل بیع کو نافذ کرنے سے رکنا اور قبضہ کے بعد اس کو فسخ کر دینا ضروری ہے۔

اور یہ ملک' خبیث اس وجہ سے ہے کہ غیر مشروع طریقہ سے حاصل ہوئی ہے؛ لہٰذا اس سے کسی قسم کا انتفاع حلال نہیں ہوگا اور نہ کوئی تصرف جائز ہوگا۔

اور حنفیہ کے علاوہ دیگر مکاتبِ فکر میں اگرچہ بنیادی طور پر بیع فاسد اور بیع باطل کی کوئی تقسیم نہیں ہے؛ لیکن انہوں نے بعض مسائل میں عقد فاسد کے آثار مرتب کیے ہیں، جیسا کہ اگلے نقطہ میں آ رہا ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۴۴۵۔ بیع فاسد کے ذریعہ قبضہ کردہ مبیع میں مشتری کے تصرفات

پانچواں نقطہ یہ ہے کہ مقبوضہ مبیع میں مشتری کے تصرفات نافذ ہوں گے اور ملکیت

(۱)　الدر مع الرد ۵/ ۹۲

(۲)　ہدایہ مع فتح القدیر ۶/ ۴۶۱

کے احکام ثابت ہوں گے، چنانچہ وہ اس مبیع کا دعوی کرنے والے کا خصم ہوگا؛ کیوں کہ وہی اس مبیع کا مالک ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے، اور اگر مشتری اس کو فروخت کردے تو وہ ثمن کا مالک ہوگا، اور اگر آزاد کردے تو آزادی نافذ ہوگی اور ولاء کا وہی حق دار ہوگا، اور اگر بائع آزاد کرے تو آزاد نہیں ہوگا، اور اگر اس گھر کے پڑوس میں کوئی گھر فروخت کیا جائے تو مشتری کو شفعہ ملے گا۔ (۱) حنفیہ نے تصرف کے ناجائز ہونے کے باوجود ان تصرفات کو اس لیے نافذ قرار دیا ہے کہ مشتری مبیع کا مالک ہے؛ اگرچہ ملک خبیث ہے؛ لہٰذا اگر وہ کسی تیسرے کو فروخت کرے تو اس بیع کو ختم نہیں کیا جائے گا؛ اس لیے کہ اس سے بندہ کا حق متعلق ہو چکا ہے، اور وہ بندہ مشتری ثانی ہے؛ لیکن جو نفع حاصل ہو اس کا استعمال ناجائز ہوگا اور اس کو صدقہ کرنا واجب ہے۔

البتہ اگر بائع نے ثمن پر قبضہ کرنے کے بعد اس سے کوئی چیز خریدی تو نفع اس کے لیے حلال ہوگا؛ کیوں کہ اصح قول کے مطابق بیع فاسد میں نقود متعین نہیں ہوتے، جیسا کہ سابق (۲) میں اس کے تفصیلی دلائل آچکے ہیں؛ لہٰذا جس ثمن سے اس نے وہ چیز خریدی ہے وہ غیر متعین ہے؛ لہٰذا یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ جس ثمن کے عوض اس نے مبیع خریدی ہے وہ وہی ہے جس پر اس نے بیع فاسد کے اندر قبضہ کیا تھا؛ لیکن اگر اس کو پہلی بیع فاسد میں نفع ہوا تھا تو یہ نفع حلال نہیں ہوگا؛ بلکہ مشتری اول کو ثمن لوٹا کر بیع کو فسخ کرنا واجب ہوگا، جب کہ مبیع مشتری کے پاس موجود ہو۔

اگر مبیع موجود نہ ہو اور واپس نہیں کی جاسکتی تو اگر مبیع مثلی ہو تو مثل اور اگر قیمی ہو تو قیمت مشتری پر لازم ہوگی، اور اس کو ثمن دے دیا جائے گا، اور اگر مشتری کے نہ ملنے کی وجہ سے بائع ثمن نہیں لوٹا سکتا ہو تو اس نفع کو صدقہ کرنا واجب ہوگا، مال خبیث کی اقسام کے تحت پانچویں قسم (۳) کے بیان میں مزید تفصیل آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

---

(۱) ردعلی الدر ۵/ ۹۲

(۲) رقم: ۲۱۳

(۳) رقم: ۵۰۶

۴۴۶۔ مبیع کی واپسی متعذر ہونے کے وقت مثل یا قیمت واجب ہونا

چھٹا نقطہ یہ ہے کہ اگر مشتری بائع کو مبیع نہیں لوٹا سکتا تو اگر مبیع ذوات المثل میں سے ہو تو مثل اور اگر ذوات القیم میں سے ہو تو قیمت لوٹانا لازم ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل مبیع واپس کرنا اس پر ضروری تھا؛ لیکن جب یہ ممکن نہیں ہے تو مثل یا قیمت دے، جیسا کہ غصب کے اندر یہی حکم ہے، اور بائع سے ثمن واپس لے لے گا۔(۱)

۴۴۷۔ مبیع کی واپسی ممکن نہ ہونے کے اسباب

مبیع کی واپسی ممکن نہ ہونے کے مختلف اسباب ہیں:

۱) مبیع مشتری کے قبضہ میں ہلاک ہوجائے، اس صورت میں ضمان واجب ہوگا، اگر مبیع ذوات المثل میں سے ہو تو مثل، اور اگر ذوات القیم میں سے ہو تو قیمت۔

۲) مشتری ایسا تصرف کردے جس سے مبیع کے اندر اس کی ملکیت زائل ہوجائے، مثلاً: کسی کو مبیع فروخت کردے، اور یہ بیع صحیح اور باتّ ہو، اس میں کسی قسم کا خیار مشروط نہ ہو، یا کسی اور کو ہبہ کردے اور سامنے والا اس پر قبضہ بھی کرلے، یا صحیح طور پر اس کو وقف کردے، یا اس مبیع کے متعلق صحیح طور پر وصیت کرکے مرجائے، ان تمام صورتوں میں مشتری کی ملکیت زائل ہوجانے کی وجہ سے لوٹانا ناممکن ہے۔

البتہ بعض حالات میں مشتری کی ملکیت تو زائل نہیں ہوتی؛ لیکن اس سے ایسا حق متعلق ہوجاتا ہے جس کو ختم نہیں کیا جاسکتا، مثلاً: مشتری کسی کے پاس اس کو بطورِ رہن رکھ دے تو یہ بھی مانعِ فسخ ہے؛ کیوں کہ اس سے مرتہن کا حق لازم متعلق ہوچکا ہے۔(۲)

اور مشتری کے کسی اور کو مبیع فروخت کردینے کی وجہ سے مبیع کا لوٹانا ناممکن ہو تو حقِ فسخ اس صورت میں عود کر آئے گا جب کہ مشتری ثانی وہ مبیع کسی وجہ سے لوٹا دے، خواہ قضائے قاضی کے ذریعے خیارِ شرط کی وجہ سے یا خیارِ رؤیت کی وجہ سے یا خیارِ عیب کی

(۱)　ردعلی الدر ۵ / ۹۳

(۲)　بدائع الصنائع ۵ / ۳۰۲

وجہ سے، اسی طرح اگر مشتری نے اس کو ہبہ کر دیا تھا پھر موہوب لہ نے اس کو لوٹا دیا تو فسخ کرنے کا حق عود کر آئے گا، یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب کہ مشتری نے مرتہن کے پاس سے رہن چھڑا لیا ہو۔

لیکن مذکورہ تمام صورتوں میں حق فسخ لوٹ آنے کی شرط یہ ہے کہ قاضی نے مشتری پر قیمت کا فیصلہ نہ کیا ہو، اگر قاضی نے فیصلہ کر دیا ہو تو حق فسخ عود نہیں کرے گا؛ کیوں کہ قاضی نے عین کے اندر بائع کے حق کو باطل کر کے اس کو قیمت کی جانب منتقل کر دیا ہے؛ لہٰذا سبب کے مرتفع ہو جانے کے باوجود عین کے اندر بائع کا حق نہیں لوٹے گا۔(۱)

۳) مشتری کوئی حسی فعل کے ذریعے مبیع میں تصرف کر دے، مثلاً: مبیع زمین ہو اور مشتری اس میں درخت لگا دے، یا عمارت بنا دے، تو امام صاحب کے نزدیک یہ تصرف مانع رد ہے اور اس پر زمین کی قیمت واجب ہوگی، اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں: یہ مانع رد نہیں ہے؛ لہٰذا عمارت یا درختوں کو ہٹانا لازم ہوگا، اور بائع کو زمین لوٹانا پڑے گا، اور علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے قول کو ترجیح دی ہے اور اسی کو اوجہ کہا ہے۔(۲) لیکن صاحب نہر رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔(۳)

۴۴۸۔ بیع فاسد کی وجہ سے حاصل کردہ مبیع میں زیادتی

اگر مشتری نے مبیع میں ایسی کوئی زیادتی کر دی ہو جو مبیع سے متصل ہو؛ لیکن متولد نہ ہو، مثلاً: مبیع کپڑا تھی، اور اس نے اس کو رنگ دیا یا سل دیا، تو اس کا یہ تصرف مانع فسخ ہے، علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَالْأَصْلُ فِي هَذَا أَنَّ الْمُشْتَرِيَ إِذَا أَحْدَثَ فِي الْمَبِيعِ صُنْعًا لَوْ أَحْدَثَهُ الْغَاصِبُ فِي الْمَغْصُوبِ يَقْطَعُ حَقَّ

(۱) ردعلی الدر ۵/ ۹۵

(۲) فتح القدیر ۶/ ۴۷۳

(۳) ردعلی الدر ۵/ ۹۹

الْمَالِكِ، يَبْطُلُ حَقُّ الْفَسْخِ وَيَتَقَرَّرُ حَقُّهُ فِي ضَمَانِ الْقِيمَةِ أَوِ الْمِثْلِ. كَمَا إِذَا كَانَ الْمَبِيعُ قُطْنًا فَغَزَلَهُ، أَوْ غَزْلًا فَنَسَجَهُ، أَوْ حِنْطَةً فَطَحَنَهَا، أَوْ سِمْسِمًا أَوْ عِنَبًا فَعَصَرَهُ، أَوْ سَاحَةً فَبَنَى عَلَيْهَا، أَوْ شَاةً فَذَبَحَهَا وَشَوَاهَا أَوْ طَبَخَهَا وَنَحْوَ ذَلِكَ. وَإِنَّمَا كَانَ كَذَلِكَ؛ لِأَنَّ الْقَبْضَ فِي الْبَيْعِ الْفَاسِدِ كَقَبْضِ الْغَصْبِ أَلَا تَرَى أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَضْمُونُ الرَّدِّ حَالَ قِيَامِهِ، وَمَضْمُونُ الْقِيمَةِ أَوِ الْمِثْلِ حَالَ هَلَاكِهِ؟ ، فَكُلُّ مَا يُوجِبُ انْقِطَاعَ حَقِّ الْمَالِكِ هُنَاكَ يُوجِبُ انْقِطَاعَ حَقِّ الْبَيْعِ لِلْبَائِعِ هَهُنَا. (۱)

اس سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ مشتری اگر مبیع میں ایسا کوئی تصرف کردے کہ اگر غاصب مغصوب میں اس قسم کا تصرف کرتا تو ملکیت ختم ہوجاتی تو ایسے تصرف سے حق فسخ باطل ہوجائے گا، اور بائع کا حق' قیمت یا ثمن کے اندر متعین ہوگا، مثلاً: مبیع روئی تھی جس کو مشتری نے کات دیا، یا دھاگہ تھی جس کو اس نے بُن دیا، یا گیہوں تھی جس کو اس نے پیس دیا، یا تل یا انگور تھی جس کو اس نے نچوڑ دیا، یا زمین تھی جس پر اس نے تعمیر کردی، یا بکری تھی جس کو اس نے ذبح کردیا، اور بھون دیا یا پکا دیا وغیرہ، یہ حکم اس لیے ہے کہ بیع فاسد میں قبضہ غصب کے قبضہ کی مانند ہے؛ کیوں کہ ان دونوں میں اگر شئی برقرار ہو تو اس کو لوٹانا لازم ہوتا ہے، اور ہلاک ہونے کی صورت میں مثل یا قیمت لازم ہوتی ہے؛

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۳۰۳

لہٰذا وہ تمام چیزیں جو غصب کے اندر مالک کے حق کو ختم کردیتی
ہیں بیع فاسد کے اندر حق فسخ کو باطل کردیں گی۔

اور وہ زیادتی جو مبیع سے متولد ہو اور متصل ہو، جیسے: جانور کا موٹا پا، اور جو متولد ہو؛ لیکن منفصل ہو، جیسے: بچہ، تو یہ مانع فسخ نہیں ہے، اور اگر یہ زوائد مشتری کے قبضہ میں ہلاک ہوجائیں تو مشتری ان کا ضامن نہیں ہوگا؛ البتہ ہلاک کرنے کی صورت میں ضامن ہوگا، اور اگر صرف مبیع ہلاک ہو تو بائع زیادتی لے گا اور مبیع کی قبضہ کے دن کی قیمت لے گا، اور اگر زیادتی متولد نہ ہو اور منفصل ہو، جیسے آمدنی، تو بائع کو زیادتی سمیت مبیع لینے کا حق ہوگا؛ لیکن وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی؛ بلکہ صدقہ کرنا لازم ہوگا، اور اگر زیادتی مشتری کے پاس ہلاک ہوجائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا؛ البتہ ہلاک کرنے کی صورت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضامن ہوگا، اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا؛ البتہ صرف مبیع ہلاک کرنے کی صورت میں ضامن ہوگا، اور زوائد بھی اسی کے ہوں گے؛ کیوں کہ اصل کا ضمان برقرار ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَبِهِ عُلِمَ أَنَّ الزِّيَادَةَ بِأَقْسَامِهَا الْأَرْبَعِ لَا تَمْنَعُ الْفَسْخَ إِلَّا الْمُتَّصِلَةَ الْغَيْرَ الْمُتَوَلِّدَةِ، أَمَّا الْمُتَّصِلَةُ الْمُتَوَلِّدَةُ كَالسِّمَنِ وَالْمُنْفَصِلَةُ الْمُتَوَلِّدَةُ كَالْوَلَدِ وَالْغَيْرُ الْمُتَوَلِّدَةُ كَالْكَسْبِ فَإِنَّهَا لَا تَمْنَعُ الْفَسْخَ، وَأَنَّهُ يَضْمَنُ الْمُنْفَصِلَةَ الْمُتَوَلِّدَةَ بِالِاسْتِهْلَاكِ لَا بِالْهَلَاكِ، وَكَذَا غَيْرُ الْمُتَوَلِّدَةِ عِنْدَهُمَا لَا عِنْدَهُ. (۱)

معلوم ہوا کہ زیادتی کی چاروں قسمیں سوائے غیر متولد متصل کے مانع فسخ نہیں ہیں؛ لہٰذا متصل متولد زیادتی، جیسے موٹا پا، متولد منفصل زیادتی، جیسے بچہ اور غیر متولد زیادتی جیسے: آمدنی،

(۱) رد علی الدر ۵/۱۰۰

یہ سب مانع فسخ نہیں ہیں، اور منفصل متولد زیادتی ہلاک کرنے
کی صورت میں مشتری ضامن ہوگا نہ کہ ہلاک ہونے کی
صورت میں، یہی حکم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غیر متولد کا
بھی ہے، صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک نہیں ہے۔

۴۴۹۔ بیع فاسد کی وجہ سے حاصل کردہ مبیع میں کمی

اور اگر مشتری کے قبضہ میں مبیع کے اندر کوئی نقص پیدا ہوجائے تو سببِ نقص کے بدلنے سے حکم بھی مختلف ہوگا، اس کی تین قسمیں ہیں:

۱) نقص مشتری کے فعل سے آیا ہو، مثلاً: بیع فاسد کے طور پر خریدا ہوا کپڑا کاٹ دے، یا مبیع کے فعل سے، مثلاً مبیع جانور میں اسی کے فعل سے یا آسمانی آفت کی وجہ سے نقص آجائے، مثلاً: جانور میں ایسا عیب پیدا ہوجائے جس سے اس کی قیمت کم ہوجاتی ہو، تو بائع جانور واپس لینے کے ساتھ ساتھ ارش بھی لے گا، اور اس پر مجبور کیا جائے گا، پھر اگر عیب زائل ہوجائے تو بائع پر مشتری کو ارش لوٹا دینا لازم ہوگا۔

۲) اگر بائع کے فعل سے مبیع میں نقص آئے، تو اس فعل کی وجہ سے بائع کو مبیع واپس لینے والا شمار کیا جائے گا، اور اگر مبیع مشتری کے قبضہ میں ہو تو مشتری اس نقص کے ساتھ ہی لوٹا دے گا اور وہ ضامن بھی نہیں ہوگا، حتی کہ اگر مبیع مشتری کے پاس ہلاک ہوجائے اور مشتری نے بائع کو مبیع واپس لینے سے روکا بھی نہیں تھا تو یہ بائع کے ضمان سے ہلاک شمار ہوگی۔

۳) کسی اجنبی کے فعل سے نقص پیدا ہو تو بائع کو اختیار ہوگا، چاہے تو مبیع ارش سمیت مشتری سے وصول کرلے اور مشتری اجنبی سے ارش لے گا، یا بائع اجنبی سے ارش لے لے، پھر مشتری سے صرف مبیع ہی واپس لینے کا حق ہوگا۔(۱)

۴۵۰۔ بیع فاسد کے سلسلے میں حنفی مذہب کے علاوہ دیگر مذاہب

سابق میں ذکر کردہ تمام تفصیلات حنفی مذہب کے مطابق تھیں، دیگر اہل مذاہب

---

(۱) ردعلی الدر ۵/ ۱۰۰ و ۱۰۱

اصطلاحی لحاظ سے بیع فاسد اور بیع باطل کے درمیان فرق نہیں کرتے؛ البتہ بعض مسائل پر انہوں نے بیع فاسد کے احکام جاری کیے ہیں، بالخصوص مالکیہ نے۔

۴۵۱۔ بیع فاسد کے سلسلے میں مالکیہ کا مذہب

علامہ ابن رشد حفید رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّ الْبُيُوعَ الْفَاسِدَةَ إِذَا وَقَعَتْ وَلَمْ تَفُتْ بِإِحْدَاثِ عَقْدٍ فِيهَا أَوْ نَمَاءٍ، أَوْ نُقْصَانٍ، أَوْ حَوَالَةِ سُوقٍ أَنَّ حُكْمَهَا الرَّدُّ أَعْنِي: أَنْ يَرُدَّ الْبَائِعُ الثَّمَنَ، وَالْمُشْتَرِي الْمَثْمُونَ. وَاخْتَلَفُوا إِذَا قُبِضَتْ وَتُصُرِّفَ فِيهَا بِعِتْقٍ، أَوْ هِبَةٍ، أَوْ رَهْنٍ، أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ مِنْ سَائِرِ التَّصَرُّفَاتِ: هَلْ ذَلِكَ فَوْتٌ يُوجِبُ الْقِيمَةَ، كَذَلِكَ إِذَا نَمَتْ أَوْ نَقَصَتْ؟ فَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَيْسَ ذَلِكَ كُلُّهُ فَوْتًا، وَلَا شُبْهَةَ مِلْكٍ فِي الْبَيْعِ الْفَاسِدِ، وَأَنَّ الْوَاجِبَ الرَّدُّ. وَقَالَ مَالِكٌ: كُلُّ ذَلِكَ فَوْتٌ يُوجِبُ الْقِيمَةَ إِلَّا مَا رَوَى عَنْهُ ابْنُ وَهْبٍ فِي الرِّبَا أَنَّهُ لَيْسَ بِفَوْتٍ، وَمِثْلُ ذَلِكَ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ.(۱)

تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ بیوع فاسدہ کا حکم لوٹانا ہے، یعنی بائع ثمن اور مشتری مبیع لوٹا دے، بشرطیکہ بیع بدستور باقی ہو، کوئی عقد جدید نہ کیا گیا ہو، نہ مبیع میں کوئی کمی بیشی ہوئی ہو، اور نہ مبیع بازار لے جائی گئی ہو، پھر ان کے مابین اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ مبیع میں اگر کمی بیشی ہو جائے، یا عتق، ہبہ اور رہن یا کوئی اور تصرف کر دیا جائے تو کیا یہ ہلاکت کہلائے گا کہ

---

(۱) بدایۃ المجتہد ۳/۲۰۸

مشتری پر قیمت لازم ہو؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نہ یہ ہلاک ہونا کہلائے گا، اور نہ بیع فاسد میں ملکیت کا شائبہ تک حاصل ہوگا، لوٹانا ہی واجب ہوگا، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ہلاک ہونا کہلائے گا، اور قیمت لازم ہوگی؛ البتہ ربا کے باب میں علامہ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت یہ ہے کہ یہ ہلاک ہونا نہیں کہلائے گا، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

پھر علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

وَالْبُيُوعُ الْفَاسِدَةُ عِنْدَ مَالِكٍ تَنْقَسِمُ إِلَى مُحَرَّمَةٍ، وَإِلَى مَكْرُوهَةٍ: فَأَمَّا الْمُحَرَّمَةُ: فَإِنَّهَا إِذَا فَاتَتْ مَضَتْ بِالْقِيمَةِ. وَأَمَّا الْمَكْرُوهَةُ: فَإِنَّهَا إِذَا فَاتَتْ صَحَّتْ عِنْدَهُ، وَرُبَّمَا صَحَّ عِنْدَهُ بَعْضُ الْبُيُوعِ الْفَاسِدَةِ بِالْقَبْضِ لِخِفَّةِ الْكَرَاهَةِ عِنْدَهُ فِي ذٰلِكَ.(۱)

بیوع فاسدہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو طرح کے ہیں: حرام اور مکروہ، حرام اگر فوت ہو جائیں تو قیمت لازم ہوگی، اور مکروہ اگر فوت ہو جائیں تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ انہیں درست قرار دے دیتے ہیں، اور بہت سے بیوع فاسدہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قبضہ کی وجہ سے درست ہو جاتے ہیں؛ کیوں کہ ان کے اندر کراہت کم ہوتی ہے۔

مذہب مالکی کی تفصیل یہ ہے کہ بیع فاسد میں اگر کسی سبب کی بنا پر مبیع لوٹانا ناممکن ہو جائے تو اس کے مخصوص احکام ہیں، اور لوٹانے کا ناممکن ہونا ان کے یہاں فوات کہلاتا ہے، اور اس فوات کا تحقق مختلف وجوہ سے ہوتا ہے، مثلاً: عقار اور ذوات المثل کے علاوہ

---

(۱) حوالہ سابق

میں قیمت کا تبدیل ہو جانا، یا مبیع کی ذات میں تغیر آ جانا، جیسے جانور کا موٹا یا دبلا ہو جانا، یا مبیع زمین میں کاشت کاری کے لیے کنواں کھود دینا، یا اس میں چشمہ پھوٹ پڑنا، یا اس میں ایسے درخت لگا دینا یا عمارت بنا دینا جس پر بڑا خرچہ آیا ہو، یا مبیع جانور ہو اور اس کا بائع کے پاس تقریباً تین ماہ رہ جانا، مشتری کا ایسی جگہ مبیع لے جانا جس کی منتقلی میں مشقت ہو، بیع صحیح، یا ہبہ، یا صدقہ، یا وقف کی وجہ سے مبیع کا مشتری کے قبضہ سے نکل جانا، مبیع سے غیر کا حق متعلق ہو جانا، مثلاً مشتری اس کو رہن رکھ دے اور تنگ دستی کی وجہ سے اسے چھڑا نہ پائے، یا بطورِ اجارہ لازمہ کسی کو کرایہ پر دے دے کہ اس کو فسخ نہ کر سکتا ہو۔

مذکورہ تمام احوال جن میں فوات کا تحقق ہو چکا ہے ان میں دیکھا جائے گا: اگر بیع کا فاسد ہونا مختلف فیہ ہو، یعنی بعض معتبر فقہی مذاہب میں بیع درست ہو؛ اگرچہ مالکی مذہب کے علاوہ ہو، تو مشتری کی جانب ملکیت منتقل ہو جائے گی اور اس پر ثمن لازم ہوگا؛ البتہ بعض استثناءات بھی ہیں، مثلاً: اذانِ جمعہ کے وقت بیع، تو اگر فوات کا تحقق ہو جائے تو یہاں قیمت لازم ہوگی، حالاں کہ اس صورت میں فساد مختلف فیہ ہے۔

اور اگر بیع کا فاسد ہونا متفق علیہ ہو اور فوات کا تحقق ہو گیا ہو تو مشتری قبضہ کے دن کی مبیع کی قیمت کا ضامن ہوگا اگر مبیع ذوات القیم میں سے ہو، اور اگر ذوات المثل میں سے ہو تو مثل کا ضامن ہوگا، بشرطیکہ مبیع کی فروختگی کیلاً یا وزناً یا عدداً ہوئی ہو، اور اس کی مقدار بھی معلوم ہو، نیز وہ عام طور پر پائی جاتی ہو؛ لہٰذا اگر اندازہ سے بیع کی گئی ہو، یا کیل، وزن اور عدد کے ذریعہ ہی بیع ہوئی ہو؛ لیکن واپس کرنے کے فیصلے کے وقت مقدار بھول چکا ہو، یا مقدار تو معلوم ہو؛ لیکن اس وقت اس کا پایا جانا متعذر ہو، تو پھر وہ قیمت کا ضامن ہوگا۔(۱)

۴۵۲۔ بیع فاسد کے سلسلے میں شافعیہ کا مذہب

شافعیہ کہتے ہیں: اگر کوئی چیز ایسی بیع کر کے خریدے جو کسی شرط فاسد یا کسی اور

(۱) ملخص از حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۳/ ۷۱ تا ۷۵

وجہ سے فاسد ہوگئی ہو تو مبیع پر قبضہ کرنا مشتری کے لیے جائز نہیں ہے، اگر وہ اس پر قبضہ کرلے تب بھی اس کا مالک نہیں ہوگا، خواہ بیع کے فاسد ہونے کا علم ہو یا نہ ہو، اور نہ کوئی تصرف مثلاً: بیع، عتق اور ہبہ وغیرہ درست ہوگا؛ بلکہ بائع کو لوٹانا ضروری ہے، اور واپسی کا خرچہ اسی پر ہوگا، جیسا کہ مغصوب اور مقبوض علی سوم الشراء میں ہوتا ہے، اور ثمن واپس لینے کے لیے اس کو روکنا بھی جائز نہیں ہوگا، اور جتنی مدت مبیع اس کے پاس تھی اس کا کرایہ بھی لازم ہوگا؛ خواہ اس نے اس سے نفع اٹھایا ہو، یا اس کے قبضہ میں نفع تلف ہوگیا ہو؛ کیوں کہ وہ مشتری کے ذمہ مضمون ہے، اور اس سے انتفاع کی اسے اجازت بھی نہیں ہے؛ لہٰذا قیمت کا ضامن ہوگا، جیسا کہ مغصوب میں، اور اگر مبیع مشتری کے قبضہ میں عیب دار ہوجائے تو اس پر ارش لازم ہوگا، اور اگر تلف ہوجائے تو ضمان لازم ہوگا، اور قیمت بطورِ ضمان لازم ہوگی، خواہ قبضہ سے لے کر تلف کرنے تک قیمت کتنی ہی بڑھ گئی ہو، جیسا کہ مغصوب کا حکم ہے۔

اور مشتری کے قبضہ میں مبیع کے اندر ہونے والی زیادتیاں بائع کی ملکیت ہوں گی؛ لہٰذا اگر وہ مشتری کے پاس ہلاک ہوجائیں تو ضمان لازم ہوگا، خواہ وہ منفصل ہوں، جیسے: دودھ، پھل، بچہ اور اون، یا متصل ہوں، مثلاً: جانور موٹا تھا پھر دبلا ہوگیا، پھر چاہے عین بھی ہلاک ہوگیا ہو یا صرف زوائد، صرف زوائد ہلاک ہونے کی صورت میں وہ مبیع لوٹا دے گا اور زوائد کا ضمان ادا کرے گا۔

اور اگر مبیع چوپایہ ہو اور مشتری نے اس پر خرچہ کیا ہو تو بائع سے وہ خرچہ نہیں لے سکتا؛ کیوں کہ وہ اس میں متبرع ہے۔

اور اگر مشتری کسی اور کو وہ چیز فروخت کردے تو یہ بیع باطل ہوگی، اور مشتری ثانی پر اصل مالک تک وہ چیز پہونچانا ضروری ہوگا، مشتری اول کو لوٹانا درست نہیں ہوگا، پھر اگر وہ مشتری ثانی کے پاس ہلاک ہوجائے تو دیکھا جائے گا: اگر مبیع کی قیمت دونوں کے قبضہ میں برابر ہی تھی یا مشتری ثانی کے پاس بڑھ گئی تھی تو مالک جس سے چاہے ضمان

لے سکتا ہے؛ البتہ مشتری ثانی ہی بالآخر ضامن ہوگا؛ کیوں کہ مبیع اسی کے پاس تلف ہوئی ہے، اور اگر پہلے کے پاس زیادہ تھی تو جتنی قیمت کم ہوئی ہے اس کا ضامن تو پہلا ہی ہوگا، اور بقیہ جس سے چاہے لے لے؛ لیکن مشتری ثانی ہی بالآخر ضامن ہوگا، خلاصہ یہ کہ جو بھی نقص مشتری اول کے قبضہ میں مبیع کے اندر آیا ہو اس کا ضمان اسی سے لیا جائے گا، اور مشتری ثانی کے قبضہ میں آنے والے نقص کے ضمان کا مطالبہ کسی سے بھی کیا جا سکتا ہے؛ لیکن بالآخر مشتری ثانی ہی اس کا ضامن ہوگا۔(۱)

۴۵۳۔ بیع فاسد کے سلسلے میں حنابلہ کا مذہب

ظاہر یہی ہے کہ حنابلہ کے نزدیک بھی بیع فاسد کا حکم شوافع کے مذہب کی مانند ہے؛ کیوں کہ انہوں نے مقبوض بالبیع الفاسد کو ضمان کے سلسلے میں مغصوب کے مثل قرار دیا ہے، البتہ علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا جو قول نقل کیا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر مشتری کے پاس مبیع کے اندر کوئی زیادتی پیدا ہو، پھر وہ ہلاک ہو جائے تو مشتری ضامن نہیں ہوگا، اور اگر زیادتی کے بعد مبیع ہلاک ہو جائے تو قیمت سے اتنی مقدار ساقط کر دی جائے گی جو زیادتی کی ہو اور پھر باقی قیمت وہ ادا کرے گا۔(۲)

---

(۱) ملخص از المجموع شرح المہذب ۹/ ۳۶۹ تا ۳۷۲

(۲) المغنی ۴/ ۱۷۵

پانچواں باب

۴۵۴۔ بیع موقوف کا بیان

بیع موقوف ایسی بیع ہے جس کا نافذ ہونا غیر عاقد کی اجازت پر موقوف ہو، جن مسائل میں بیع موقوف ہوتی ہے فقہاء نے ان کی تعداد تیس سے زائد بتائی ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے النہر الفائق کے حوالہ سے ان سب کا ذکر کیا ہے۔(۱) لیکن اکثر مسائل کا مرجع فضولی کی بیع ہے، اور یہی اہم ہے؛ اس لیے ہم اسی کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔

۴۵۵۔ فضولی کی بیع

درمختار کی تصریح کے مطابق فضولی کی تعریف یہ ہے:

(مَنْ يَتَصَرَّفُ فِي حَقِّ غَيْرِهِ)...(بِغَيْرِ إِذْنٍ شَرْعِيٍّ) (۲)

جو شرعی اجازت کے بغیر دوسرے کے حق میں تصرف کرے۔

اسی میں اپنا مال بیچنے والا صبی ممیز بھی داخل ہے؛ کیوں کہ یہ اس کے ولی کا حق ہے؛ لہٰذا اس کا اپنا مال بیچنا بظاہر اپنے ہی حق میں تصرف ہے؛ لیکن درحقیقت دوسرے یعنی ولی کے حق میں تصرف ہے، سابق (۳) میں صبی ممیز کے مسائل تفصیل سے آچکے ہیں، اور اسی کے حکم میں معتوہ اور محجور علیہ بھی ہے۔

شافعیہ کے جدید قول اور حنابلہ کے راجح قول کے مطابق فضولی کی بیع باطل ہے؛ کیوں کہ شرعی تصرفات کے صحیح ہونے کے لیے یا تو ملکیت ضروری ہے یا ولایت، اور فضولی کے تصرف میں یہ دونوں نہیں ہیں؛ لہٰذا اس کا تصرف لغو قرار پائے گا۔

---

(۱) ردعلی الدر ۵/ ۱۱۳

(۲) الدرمع الرد ۵/ ۱۰۶

(۳) رقم: ۵۴

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں: فضولی کے وہ تصرفات جن کی اجازت دینے والا کوئی ہو تو عقد کے وقت وہ منعقد ہوجائیں گے اور مجیز کی اجازت پر موقوف رہیں گے، اگر وہ اجازت دے تو عقد نافذ؛ ورنہ باطل۔(۱)

اجازت کے بعد فضولی کی بیع کے جائز ہونے پر ان حضرات کا استدلال اس حدیث سے ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عروہ بن ابی جعد بارقی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهُ دِينَارًا يَشْتَرِي لَهُ بِهِ شَاةً، فَاشْتَرَى لَهُ بِهِ شَاتَيْنِ، فَبَاعَ إِحْدَاهُمَا بِدِينَارٍ، وَجَاءَهُ بِدِينَارٍ وَشَاةٍ، فَدَعَا لَهُ بِالْبَرَكَةِ فِي بَيْعِهِ، وَكَانَ لَوِ اشْتَرَى التُّرَابَ لَرَبِحَ فِيهِ.(۲)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اپنے لیے ایک بکری خریدنے کے لیے ایک دینار عطا کیا، میں نے اس سے دو بکریاں خریدیں، اور ایک کو ایک دینار کے عوض بیچ دیا، اور آپ کے پاس ایک دینار اور ایک بکری لے آیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے تجارت میں برکت کی دعا دی، (اس دعا کے بعد) آپ کا حال یہ تھا کہ مٹی بھی خرید لیتے تو اس میں نفع کما لیتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان دو مملوکہ بکریوں میں سے ایک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت کے بغیر حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کا تصرف کرنا فضولی کا تصرف تھا جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جائز قرار دیا تھا؛ لہٰذا مالک کی اجازت ملنے کے بعد اس قسم کے تصرف کا جواز ثابت ہوگیا۔

اس طرح کا قصہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے، جس کی تخریج امام

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۸

(۲) بخاری، حدیث نمبر: ۳۶۴۲

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے؛ لیکن حضرت حبیب بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے حدیث کو معلول قرار دیا ہے؛ کیوں کہ انہوں نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے وہ حدیث نہیں سنی۔ (۱)

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَلِأَنَّ تَصَرُّفَ الْعَاقِلِ مَحْمُولٌ عَلَى الْوَجْهِ الْأَحْسَنِ مَا أَمْكَنَ، وَقَدْ أَمْكَنَ حَمْلُهُ عَلَى الْأَحْسَنِ هٰهُنَا، وَقَدْ قَصَدَ الْبِرَّ بِهِ وَالْإِحْسَانَ إِلَيْهِ بِالْإِعَانَةِ عَلَى مَا هُوَ خَيْرٌ لِلْمَالِكِ فِي زَعْمِهِ لِعِلْمِهِ بِحَاجَتِهِ إِلَى ذٰلِكَ...فَيَتَوَقَّفُ عَلَى إِجَازَةِ الْمَالِكِ حَتَّى لَوْ كَانَ الْأَمْرُ عَلَى مَا ظَنَّهُ مُبَاشِرَ التَّصَرُّفِ إِجَازَةً وَحَصَلَ لَهُ النَّفْعُ مِنْ جِهَتِهِ، فَيَنَالُ الثَّوَابَ وَالثَّنَاءَ وَإِلَّا فَلَا يُجِيزُهُ. (۲)

بقدرِ امکان عقل مند کے تصرف کو احسن طریقہ پر محمول کرنا چاہیے، اور یہاں احسن طریقہ یہ ہے کہ یہ کہا جائے: فضولی نے مالک کے ساتھ بھلائی، احسان اور مالک کے حق میں جو اس کی دانست میں بہتر تھا اس میں اعانت کی کوشش کی تھی؛ کیوں کہ اس کو علم تھا کہ مالک کو اس کی ضرورت ہے... پس یہ مالک کی اجازت پر موقوف ہوگا، حتی کہ اگر صورت حال وہی ہو جو فضولی نے سمجھی تھی تو مالک اجازت دے دے، چنانچہ فضولی تعریف کا مستحق ہے؛ ورنہ اجازت نہ دے۔

۴۵۶۔ حنفیہ کے نزدیک فضولی کی بیع درست ہونے کے شرائط

فضولی کی بیع درست ہونے کے لیے حنفیہ کے نزدیک درج ذیل شرائط کا پایا جانا

---

(۱) ترمذی، حدیث نمبر: ۱۲۵۷

(۲) بدائع الصنائع ۵/ ۱۴۹

ضروری ہے:

۱) عقد کے وقت اس کی اجازت دینے والا کوئی ہو، اگر کوئی بھی نہ ہو تو بیع باطل ہو جائے گی، مثلاً: صبی اپنا مال بہت ہی زیادہ چھوٹ کے ساتھ فروخت کرے(۱) کیوں کہ اس کا ولی اس کی اجازت نہیں دے سکتا؛ اس لیے کہ یہ اس کے حق میں محض نقصان دہ ہے، پھر اگر صبی بالغ ہو جائے اور اس کے بعد بیع کی اجازت دے تو یہ جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ عقد کے وقت وہ موجود نہیں تھا۔

۲) بیع اس طرح کرے کہ وہ اس کی مالک کی جانب سے فروخت کر رہا ہے نہ کہ اپنے لیے، اگر وہ اپنے لیے بیع کرے تو یہ بالکل منعقد نہیں ہوگی؛ کیوں کہ یہ غیر مملوک کی بیع ہے۔

۳) اجازت ملنے تک عاقدین، معقود علیہ اور مالک باقی رہیں، اگر بائع یا فضولی ہلاک ہو جائے تو بیع باطل ہو جائے گی، یہی حکم ہے جب کہ مبیع ہلاک ہو جائے یا اس میں ایسا تغیر آ جائے کہ وہ کوئی دوسری چیز بن جائے، اور اگر ثمن کوئی متعین عرض ہو تو اس کا باقی رہنا بھی شرط ہے، جیسا کہ مقایضہ میں ہوتا ہے؛ کیوں کہ وہ من وجہٍ مبیع ہے، اور اگر مالک کا انتقال ہو جائے تو اجازت کا حق اس کے ورثہ کی جانب منتقل نہیں ہوگا؛ بلکہ بیع باطل ہو جائے گی۔

۴) اجازت دینے والے مالک کو اجازت کے وقت مبیع کے باقی رہنے کا علم ہو، اگر مالک کو یہ علم نہ ہو تو اجازت صحیح نہیں ہوگی، یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا آخری قول ہے، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اجازت درست ہے؛ اگر چہ مالک کو اس کا علم نہ ہو، یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مرجوع عنہ قول ہے۔

۵) مالک کی اجازت سے پہلے بائع یا فضولی نے بیع فسخ نہ کی ہو؛ اس لیے کہ اجازت سے قبل دونوں کو عقد فسخ کرنے کا اختیار ہے؛ کیوں کہ یہ عقد کے لازم ہونے

---

(۱) ردعلی الدر ۵/۱۰۷

سے قبل فسخ کرنا ہے، اور مالک کی اجازت سے پہلے فضولی کے لیے فسخ کرنا جائز ہے؛ تاکہ وہ اپنی ذات سے حقوق دفع کر سکے؛ اس لیے کہ اجازت کے بعد وہ وکیل کے درجہ میں ہوجائے گا، اور عقد کے حقوق اسی کی جانب لوٹیں گے؛ لہٰذا اسی سے سپردگی کا مطالبہ کیا جائے گا اور عیب کے سلسلے میں وہی خصم ہوگا، اور اس میں فضولی کا ضرر ہے؛ لہٰذا ضرر کے ثابت ہونے سے قبل اس کو دفع کرنے کا اس کو حق ہوگا۔(۱)

۴۵۷۔ مالکیہ کے نزدیک فضولی کی بیع درست ہونے کے شرائط

مالکیہ نے فضولی کی بیع درست ہونے کے لیے درج ذیل شرائط لگائی ہیں:

۱) مالک مجلس عقد میں موجود نہ ہو؛ البتہ شہر میں موجود ہو، یا اتنا دور ہو کہ اس کی آمد اور اس سے مشورہ کا انتظار کرنا موجبِ ضرر نہ ہو؛ لہٰذا اگر مالک مجلس عقد میں موجود ہو اور خاموش رہے تو بیع لازم ہوجائے گی، اور فضولی اس کا وکیل بالبیع ہوگا، چنانچہ وہی مشتری سے ثمن کا مطالبہ کرے گا، پھر مالک اس سے ثمن وصول کرلے گا، اور اگر تقریباً ایک سال گزرجائے اور مالک فضولی سے ثمن نہ لے تو اب فضولی بری الذمہ ہوجائے گا، اور ثمن کا وہ مالک ہوجائے گا، اور اگر مالک ثمن کا دعوی کرے تو خاموش رہنے کے سلسلے میں لاعلمی کا عذر ناقابل قبول ہوگا، اور مالک کو ایک سال کے اندر فضولی سے ثمن کے مطالبے کا اختیار ہے، اگر سال گزرنے تک خاموش رہا تو ثمن میں اس کا حق ساقط ہوجائے گا، یہ تفصیل اس وقت ہے جب کہ بیع اس کی موجودگی میں ہوئی ہو۔

اگر بیع اس کی غیر موجودگی میں ہوئی ہو تو ایک سال تک اس بیع کو ختم کرنے کا حق ہوگا، اگر معلوم ہونے کے بعد ایک سال گزرجائے اور وہ خاموش ہی رہے تو اب وہ بیع ختم نہیں کرسکتا؛ البتہ اس کو مدتِ حیازت تک ثمن کے مطالبے کا اختیار ہوگا، اور مدتِ حیازت دس سال ہے۔

۲) بیع صرف نہ ہو۔

---

(۱) ملخص از رد علی الدر ۵/ ۱۰۷، فصل فی الفضولی

۳) بیع وقف کے علاوہ میں ہو، اگر وقف کی بیع ہو تو فضولی کی بیع باطل ہوگی۔(۱)

۴۵۸۔فضولی کی بیع کی اجازت کی نوعیت

مالک کی جانب سے اجازت قولی بھی ہوتی ہے کہ ایسا جملہ بولے جو رضامندی پر دلالت کرے، جیسے: میں نے اجازت دی، اور کبھی فعلی ہوتی ہے، مثلاً: ثمن یا اس کا کچھ حصہ لے لے، یا مشتری کو ہبہ کردے؛ البتہ مجلس عقد میں موجودگی اور بیع کے وقت خاموشی حنفیہ کے نزدیک اجازت شمار نہیں ہوگی۔(۲) کیوں کہ ان کا ضابطہ ہے کہ خاموش کی جانب کوئی قول منسوب نہیں ہوگا، اور مالکیہ اس کو اجازت شمار کرتے ہیں، جیسا کہ اوپر آچکا ہے۔

۴۵۹۔انسانی قوانین میں فضولی کے تصرف کا حکم

ہمارے ملک میں رائج انسانی قانون اس مسئلہ میں مالکیہ کے مذہب کے موافق ہے کہ عقد کے وقت مالک کی خاموشی اس کی جانب سے اجازت شمار ہوگی، جیسا کہ بیع المال کے قانون کے دفعہ نمبر ۲۷ میں اس کی تصریح ہے؛ لیکن فضولی کے تصرف کے متعلق انسانی قوانین میں دو نظریے ہیں:

پہلا نظریہ یہ ہے کہ جس مشتری نے فضولی کو مالک سمجھتے ہوئے بیع کرلی تھی اس کی مدد کی جائے؛ لہٰذا اس میں حتی الامکان بیع کو درست قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ اصل مالک کی حمایت کی جائے؛ لہٰذا اس میں غیر مالک کی طرف سے ہونے والے عقود کو باطل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور انگریزی قانون میں ان دونوں نظریات کو جمع کر کے یہ ضابطہ بنایا گیا کہ مالک کی اجازت ـــ خواہ سکوت ہی کے ذریعہ ہو ـــ کے بغیر فضولی کے تصرف کا کوئی اثر نہیں ہوگا؛ لیکن اس ضابطہ سے کچھ امور مستثنیٰ ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ مالک تجارتی وکیل (Mercantile Agent)

---

(۱) الدسوقی مع الشرح الکبیر ۳/ ۱۲

(۲) الدر مع الرد ۵/ ۱۱۹

کو بیع کی ذمہ داری دے دے اور ایک مخصوص ثمن کے عوض فروخت کی شرط لگائے؛ لیکن وکیل کم ثمن میں بیچ کر غائب ہوجائے، اور مشتری کا یہی گمان تھا کہ وکیل نے مالک کے حسبِ منشا فروخت کیا ہے، تو یہاں بیع درست ہوگی، اور مشتری اس عقد کی وجہ سے مبیع کا مالک ہوجائے گا۔(۱) جب کہ شریعت اسلامی میں اگر وکیل مؤکل کے شرائط کی خلاف ورزی کرے تو وہ ایسے تصرفات میں فضولی کہلاتا ہے، اور وہ نافذ نہیں ہوتے، اور مالک کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ بینہ کے ذریعہ یہ ثابت کردے کہ اس نے ایک خاص ثمن کی شرط لگائی تھی جس کی وکیل نے خلاف ورزی کی ہے۔

۴۶۰۔فضولی کی بیع پر مالک کی اجازت کا اثر

اگر مالک فضولی کی بیع کی اجازت دے دے تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک بالاتفاق فضولی تمام احکام میں مالک کا وکیل ہوجائے گا؛ لہٰذا اگر ثمن پر قبضہ کرنے کے بعد وکیل کی تعدی کے بغیر وہ اس کے پاس ہلاک ہوجائے تو وکیل ضامن نہیں ہوگا، خواہ ثمن اجازت ملنے سے پہلے ہلاک ہوا ہو یا اجازت ملنے کے بعد؛ کیوں کہ فضولی بعد میں ملنے والی اجازت کی بنا پر وکیل بن گیا ہے؛ لہٰذا قبضہ ہی کے وقت سے ثمن اس کے پاس امانت ہوگا، لہٰذا وہ اجازت دینے والے کے ہی ضمان سے ہلاک ہوگا؛ اگرچہ اجازت ہلاک ہونے کے بعد دی گئی ہو۔(۲)

۴۶۱۔شخص معنوی کی جانب سے اجازت

اگر مالک شخص معنوی ہو تو اس شخص کی اجازت کا اعتبار ہوگا جو اس شخص معنوی کا نمائندہ ہو، مثلاً وقف کا متولی؛ لہٰذا اگر فضولی وقف مال فروخت کرے تو مالکیہ کے نزدیک تو یہ باطل ہے؛ البتہ حنفیہ کے نزدیک حکم یہ ہے کہ اگر ایسی چیز فروخت کرے جس کو متولی بھی بیچنے کا مالک نہیں تو ان کے یہاں بھی بیع باطل ہوگی، جیسے: مسجد کی بیع،

---

(۱) Sale of goods Act Section 27 example 10

(۲) ردعلی الدر ۵/ ۱۱۳

اور اگر ایسی چیز بیچے جس کی بیع کا متولی مالک ہے، مثلاً: وقف کے مملوکات جو خود وقف نہیں ہیں، یا وہ وقف جس میں واقف نے استبدال کی شرط لگائی ہو، تو یہاں متولی کی اجازت پر بیع موقوف ہوگی، اور اگر وقف کے دو متولی ہوں اور ایک دوسرے کی موجودگی میں فروخت کرے تو دوسرے کی اجازت پر بیع موقوف ہوگی۔(۱)

اسی طرح کمپنیوں کا مال کوئی ایسا شخص فروخت کرے جس کو بیچنے کا حق نہ ہو تو وہ فضولی ہوگا؛ اگر چہ وہ اس کمپنی کا تنخواہ دار ہو، اجازت کا اختیار اسی کو ہوگا جو کمپنی کے نظام کے تحت بیچنے کا حق دار ہو، اور مبیع کی نوعیت کے لحاظ سے اجازت دینے والے مختلف ہوسکتے ہیں؛ اس لیے کہ معمولی چیزوں کی بیع کا حق بعض تنخواہ داروں کو بھی ہوتا ہے، بعض کا انتظامی کمیٹی کو اور بعض کا مجلس ادارت یا عمومی کمیٹی کو۔

۴۶۲۔ فضولی کی بیع کو رد کرنے کا حق

جس شخص کو اجازت کا حق حاصل ہے وہ اگر اجازت نہ دے تو بیع باطل ہے، اور اگر فضولی نے ثمن پر قبضہ کرلیا ہو تو مشتری کو واپس کرنا ضروری ہے، پھر اگر ثمن فضولی کے پاس ہلاک ہوجائے اور مشتری کو معلوم تھا کہ جس کو وہ ثمن دے رہا ہے وہ فضولی ہے تو فضولی بلا تعدی ہلاکت کی صورت میں ضامن نہیں ہوگا؛ کیوں کہ وہ امین ہے، امین ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مشتری نے جب اس کے فضولی ہونے کا علم ہونے کے باوجود ثمن دے دیا تو گویا اس نے مالک کو ثمن دینے کا اس کو وکیل بنا دیا، اور اگر مشتری کو فضولی ہونے کا علم نہیں تھا، اور ثمن ہلاک ہو گیا ہو تو فضولی ضامن ہوگا اور اس پر مثل واپس کرنا ضروری ہوگا۔(۲)

---

(۱) درر الحکام فی شرح مجلۃ الاحکام ۱/ ۴۹۸

(۲) رد علی الدر ۵/ ۱۱۴

چھٹا باب

۴۶۳۔ بیع مکروہ کا بیان

پانچویں قسم بیع مکروہ ہے، اس سے مراد ایسی بیع ہے جس سے شارع نے صلب عقد سے خارج کسی سبب کی بنا پر منع کیا ہو، حنفیہ کے نزدیک اس کا حکم یہ ہے کہ عاقد گنہگار ہوگا؛ البتہ بیع نافذ ہو جائے گی، اور کراہت سے مراد تحریمی ہے۔(۱) بعض فقہاء کا مذہب ہے کہ اس قسم کی بیع کو فسخ کرنا واجب نہیں ہے(۲) لیکن علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے کہ فسخ کرنا واجب ہے؛ تاکہ بقدرِ امکان معصیت کو ختم کیا جا سکے، اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تطبیق دی ہے کہ بیع مکروہ میں صرف دیانۃً فسخ کرنا واجب ہے، اور بیع فاسد میں دیانۃً وقضاءً فسخ کرنا واجب ہے۔(۳)

حنفیہ کے علاوہ دیگر مذاہب کا ذکر ہر مکروہ بیع کے تحت آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۴۶۴۔ اذان جمعہ کے وقت بیع

بیع مکروہ کی ایک قسم اذان جمعہ سے لے کر نماز کی ادائیگی تک کے دوران کی جانے والی بیع ہے، دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ. (۴)

---

(۱) فتح القدیر ۱۰/ ۴

(۲) ردعلی الدر ۵/ ۱۰۱

(۳) ردعلی الدر ۵/ ۱۰۵

(۴) الجمعہ:۹

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے تو
اللہ کے ذکر کی طرف لپکو، اور خرید وفروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے
لیے بہتر ہے اگر تم سمجھو۔

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اذان اول کا اعتبار ہوگا، اور مالکیہ (۱) وحنابلہ کا معتمد مذہب یہ ہے کہ امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد دی جانے والی دوسری اذان کا اعتبار ہوگا؛ البتہ اگر کسی شخص کا گھر مسجد سے اتنا دور ہو کہ اذان سے پہلے ہی چل کر وہ مسجد پہونچ سکتا ہو تو اس پر ایسے وقت چل دینا لازم ہوگا کہ وہ جمعہ پا سکے۔ (۲)

اور شافعیہ نے تفصیل کی ہے، وہ کہتے ہیں:

إِنْ كَانَ قَبْلَ الزَّوَالِ لَمْ يُكْرَهْ وَإِنْ كَانَ بَعْدَهُ وَقَبْلَ ظُهُورِ الْإِمَامِ أَوْ قَبْلَ جُلُوسِهِ عَلَى الْمِنْبَرِ وَقَبْلَ شُرُوعِ الْمُؤَذِّنِ فِي الْأَذَانِ بَيْنَ يَدَيِ الْخَطِيبِ كُرِهَ كَرَاهَةَ تَنْزِيهٍ وَإِنْ كَانَ بَعْدَ جُلُوسِهِ عَلَى الْمِنْبَرِ وَشُرُوعِ الْمُؤَذِّنِ فى الاذان حرم البيع على المتابعين جميعا. (۳)

زوال سے پہلے بیع مکروہ نہیں ہے، اور زوال کے بعد امام کے ظہور یا امام کے منبر پر بیٹھنے اور خطیب کے سامنے مؤذن کے اذان شروع کرنے سے پہلے کی جانے والی بیع مکروہ تنزیہی ہے، اور امام کے منبر پر بیٹھنے اور اذان شروع کرنے کے بعد کی جانے والی بیع دونوں عاقدین کے لیے حرام ہے۔

---

(۱) الشرح الکبیر مع الدسوقی ۱/۳۸۶

(۲) المغنی ۲/۲۲۰

(۳) المجموع ۴/۵۰۰

پھر بیع کی ممانعت حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں اس شخص کے ساتھ خاص ہے جس پر جمعہ واجب ہو، ؛ لہٰذا عورتوں، مسافرین اور بچوں کے لیے بیع مکروہ نہیں ہے؛ اس لیے کہ نہی کی علت سعی واجب کو ترک کرنا ہے؛ لہٰذا جو سعی کا مخاطب نہیں ہے اس کو نہی بھی شامل نہیں ہوگی۔(۱)

مالکیہ کے نزدیک امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد ہر ایک کے لیے بیع حرام ہے؛ اگرچہ عاقدین پر جمعہ واجب نہ ہو، علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بازاروں میں ہونے والی بیع کے ساتھ مقید کیا ہے، اور بازار کے علاوہ میں بیع اس شخص کے لیے جائز ہے جس پر جمعہ واجب نہ ہو۔(۲)

۴۶۵۔ اذان جمعہ کے وقت کی جانے والی بیع کا حکم

اذان جمعہ کے وقت بیع کی جائے تو یہ حنابلہ کے نزدیک صحیح نہیں ہوگی، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فإن باع لم يصح البيع للنهي عنه. (۳)

اگر بیع کرے تو درست نہیں ہوگی؛ کیوں کہ یہ منہی عنہ ہے۔

اور حنفیہ کا مذہب آچکا ہے کہ بیع درست ہے؛ البتہ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک فسخ کرنا واجب ہے، اور شافعیہ کہتے ہیں:

لا يبطل البيع لان النهي لا يختص بالعقد فلم يمنع صحته كالصلاة في ارض مغصوبة. (۴)

بیع باطل نہیں ہوگی؛ کیوں کہ نہی عقد کے ساتھ خاص نہیں ہے؛

---

(۱) ردعلی الدر ۵/۱۰۱ اور المجموع ۴/۵۰۰ و المغنی ۲/۲۲۰

(۲) الشرح الکبیر مع الدسوقی ۱/۳۸۶

(۳) الشرح الکبیر علی المقنع ۴/۳۹

(۴) المجموع ۴/۵۰۰

لہٰذا یہ اس کے صحیح ہونے سے مانع نہیں، جیسا کہ غصب کردہ
زمین میں نماز پڑھنا۔

اوران حضرات نے فسخ کے واجب ہونے کی صراحت نہیں کی ہے، اور مالکیہ نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر عاقدین میں سے ہر ایک یا کسی ایک پر جمعہ لازم ہو تو بیع فسخ کرنا واجب ہے، اور اگر جمعہ لازم نہ ہو جیسے عورت اور مسافر تو بیع فسخ نہیں کی جائے؛ البتہ وہ توبہ واستغفار کریں۔(۱)

پھر فقہاء نے حرمت سے ایسی چیز کی بیع کا استثناء کیا ہے جس کی نماز جمعہ کے لیے ضرورت ہو، جیسے: پانی، علامہ دسوقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَاعْلَمْ أَنَّ مَحَلَّ حُرْمَةِ الْبَيْعِ ... مَا لَمْ يَنْتَقِضْ وُضُوءُهُ
وَاحْتَاجَ لِشِرَاءِ مَاءِ الْوُضُوءِ وَإِلَّا جَازَ لَهُ الشِّرَاءُ. (۲)

بیع تب حرام ہوگی جب کہ اس کا وضو باقی ہو اور اس کو پانی
خریدنے کی ضرورت نہ ہو؛ ورنہ خریداری جائز ہوگی۔

پھر آپ نے علامہ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

لِأَنَّ الْمَنْعَ مِنَ الشِّرَاءِ وَالْبَيْعِ إِنَّمَا هُوَ لِأَجْلِ الصَّلَاةِ
وَبَيْعُ الْمَاءِ وَشِرَاؤُهُ حِينَئِذٍ إِنَّمَا هُوَ لِيُتَوَصَّلَ بِهِ
لِلصَّلَاةِ فَلِذَلِكَ جَازَ. (۳)

کیوں کہ خرید وفروخت سے ممانعت نماز کی بنا پر ہے، اور پانی
کی خرید وفروخت اس وقت نماز کے لیے ہی ہوگی، اسی وجہ سے
یہ جائز ہے۔

---

(۱) الشرح الکبیر مع الدسوقی ۱/ ۳۸۸

(۲) الشرح الکبیر مع الدسوقی ۱/ ۳۸۸

(۳) حوالہ سابق

اسی سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جو چیزیں نماز یا سعی میں معاون ہوں راستہ میں ان کی خرید وفروخت جائز ہوگی۔

۴۶۶۔مختلف اوقات میں تعددِ جمعہ

فقہاء نے اس صورت کا حکم ذکر نہیں کیا ہے جب کہ ایک ہی شہر میں مختلف اوقات کے اندر نماز جمعہ ادا کی جاتی ہو؛ کیوں کہ پہلے زمانہ میں عادت یہ تھی کہ جمعہ ایک ہی جگہ یا مختلف جگہوں پر ایک ہی وقت میں ادا کیا جاتا تھا، اور موجودہ دور میں عام طور پر مختلف جگہوں میں مختلف اوقات کے اندر جمعہ پڑھی جاتی ہے، تو کیا پہلی اذان شہر میں جہاں کہیں بھی ہو تبھی سے بیع مکروہ قرار پائے گی، یا عاقدین سے جو مسجد سب سے قریب ہے اس میں اذان کے وقت سے؟ اس مسئلہ میں ہمارے مشائخ کے فتاویٰ مختلف ہیں، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی یہ ہے کہ شہر میں سب سے پہلے جہاں بھی اذان ہو اسی وقت سے بیع مکروہ ہوگی، اس کو انہوں نے اذان کا جواب دینے کے مسئلے پر قیاس کیا ہے، کہ انسان پر شہر میں سب سے پہلے ہونے والی اذان کا جواب دینا ضروری ہوتا ہے، اگر چہ وہ اذان محلہ کی مسجد کے علاوہ کہیں اور ہو۔(۱) اور مولانا رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ محلہ کی مسجد کی اذان کے وقت سے بیع مکروہ ہوگی؛ کیوں کہ اسی اذان پر قدم سے جواب دینا (یعنی مسجد کے لیے چل دینا) واجب ہوتا ہے۔(۲) اور ظاہر ہے کہ یہی راجح ہے؛ کیوں کہ فقہاء نے بیع کی ممانعت کی علت یہ ذکر کی ہے کہ اس سے واجب سعی ترک ہو جاتی ہے، اور جب کوئی شخص قریبی مسجد میں نماز ادا کرتا ہو اور ابھی اس میں اذان نہیں ہوئی تو یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ شہر میں دور کسی جگہ اذان ہونے سے اس پر سعی واجب ہوگئی ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے سعی کا وجوب اس اذان کی جانب منسوب کیا ہے جس کا مکلف مخاطب ہو، اور ایسی اذان اس مسجد کی

---

(۱) امداد الفتاوی ۱/ ۴۴۲

(۲) احسن الفتاوی ۴/ ۱۱۸، یہاں اور ایک پہلو بھی ہے جو کتاب کے آخر میں موجود رسالہ ''دفعات کی شکل میں'' کے اندر اسی موضوع کے تحت ذکر کیا جائے گا۔ از مترجم

اذان ہے جس میں وہ جمعہ ادا کرنا چاہتا ہے، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

اسی طرح بعض احناف نے اس صورت کا استثناء کیا ہے جب کہ عاقدین جمعہ کے لیے چلتے چلتے بیع کریں؛ کیوں کہ اس سے سعی میں خلل نہیں آتا؛ لیکن اس میں بھی فتاوی مختلف ہیں۔(۱) لہٰذا کسی شدید ضرورت کے بغیر اس سے احتیاط اولیٰ ہے۔

بعض تاجرین کی عادت یہ ہے کہ جمعہ کی اذان کے بعد وہ دکانوں کو بند نہیں کرتے، اور جواز یہ پیش کرتے ہیں کہ ایک دکان کے متعدد افراد مختلف جگہوں پر مختلف اوقات میں نمازِ جمعہ ادا کر لیتے ہیں، اس طرح جمعہ کی نماز ان سے فوت نہیں ہوتی، ظاہر ہے کہ یہ ناجائز ہے؛ اس لیے کہ دکان کھلی رکھنے کی وجہ سے خریداروں کو اذان کے بعد بھی خریدنے کا اختیار ہوتا ہے، حتیٰ کہ سعی میں خلل آنے کی وجہ سے جن کے لیے خریداری جائز نہیں ہے وہ بھی خرید سکتے ہیں، اور فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ اس صورت میں عاقدین میں سے ہر ایک گنہگار ہوگا، علامہ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فان تبايع رجلان احدهما من اهل فرض الجمعة والآخر ليس من اهل فرضها اثما جميعا لان احدهما توجه عليه الفرض فاشتغل عنه والآخر شغله عنه.(۲)

اگر ایسے دو آدمی خرید وفروخت کریں جن میں سے ایک پر جمعہ فرض ہو اور دوسرے پر نہیں تو دونوں گنہگار ہوں گے؛ کیوں کہ ایک فرض کو چھوڑ کر بیع میں مشغول ہو گیا اور دوسرے نے اس کو مشغول کر دیا۔

بندہ کی رائے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَذَرُوا الْبَيْعَ.(۳) میں بیع کی

(۱) الدر مع الرد ۵/۱۰۱

(۲) المہذب مع المجموع ۴/۵۰۰

(۳) الجمعہ:۹

ممانعت صرف انفرادی عمل کی نہیں ہے؛ بلکہ اجتماعی سطح پر اس وقت خرید وفروخت کا دروازہ بند کرنا ہے؛ کیوں کہ جمعہ شعائرِ اسلام میں سے ہے؛ لہٰذا اس کا عام مظہر بھی ہونا چاہیے، اور جن پر جمعہ واجب نہیں ہے ان کے لیے جن حضرات نے بیع کی اجازت دی ہے وہ انفرادی سطح پر مستثنیات میں سے ہے، اس کو اصل قرار نہیں دیا جائے گا، اور نہ بازاروں کو کھلا رکھنے کی اجازت ہوگی، خواہ باری باری ہی کیوں نہ ہو، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

۴۶۷۔ دوسرے کے بھاؤ تاؤ پر بھاؤ تاؤ کرنا

مکروہ بیوع میں سے وہ بیع ہے جس میں دوسرے کے بھاؤ تاؤ پر بھاؤ تاؤ کیا گیا ہو، صحیح حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

لَا يَسُمِ الْمُسْلِمُ عَلَى سَوْمِ أَخِيهِ. (۱)

مسلمان اپنے بھائی کے بھاؤ تاؤ پر بھاؤ تاؤ نہ کرے۔

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ تفسیر کی ہے:

وَهُوَ أَنْ يَتَرَاضَيَا بِثَمَنٍ وَيَقَعَ الرُّكُونُ بِهِ فَيَجِيءُ آخَرُ فَيَدْفَعُ لِلْمَالِكِ أَكْثَرَ أَوْ مِثْلَهُ غَيْرَ أَنَّهُ رَجُلٌ وَجِيهٌ فَيَبِيعُهُ مِنْهُ لِوَجَاهَتِهِ. (۲)

عاقدین کا ثمن پر اتفاق ہوجائے اور بیع کی جانب ان کا میلان ہوجائے، پھر دوسرا آئے اور وہ مالک کو اس سے زائد یا اس کے مثل رقم دے دے، ایسا نہ ہو کہ وہ شخص ذی وجاہت ہو اور اس کی وجاہت کی بنا پر اس کو فروخت کردیا گیا ہو۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

(۱) مسلم، حدیث نمبر: ۱۴۱۳

(۲) فتح القدیر ۶/ ۴۷۷

لَا يَبِيعُ بَعْضُكُمْ عَلَى بَيْعِ أَخِيهِ. (۱)

تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے۔

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ تفسیر کی ہے:

أَنْ يَتَرَاضَيَا عَلَى ثَمَنِ سِلْعَةٍ فَيَجِيءُ آخَرُ فَيَقُولُ أَنَا أَبِيعُكَ مِثْلَ هَذِهِ السِّلْعَةِ بِأَنْقَصَ مِنْ هَذَا الثَّمَنِ فَيَضُرُّ بِصَاحِبِ السِّلْعَةِ. (۲)

عاقدین کا سامان کے ثمن پر اتفاق ہو جائے، پھر دوسرا آ کر کہے: میں تمہیں یہی سامان اس سے کم ثمن میں فروخت کروں گا، اس سے سامان کے مالک کو ضرر لاحق ہوگا۔

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تشریح کی ہے: کوئی شخص خیارِ شرط کے ساتھ کوئی سامان خرید لے، پھر دوسرا آ کر اس سے کہے کہ تم یہ بیع فسخ کر دو، میں تمہیں یہی چیز اس سے کم ثمن میں دوں گا، اس حکم میں شراء علی شراء البعض بھی داخل ہے، وہ یہ کہ بائع کے لیے خیار ہو اور کوئی اس سے آ کر کہے کہ تم یہ بیع فسخ کر دو، میں اس سے زائد ثمن کے عوض تم سے خرید لوں گا۔ (۳)

خلاصہ یہ کہ جب عاقدین کی رضامندی اور ایک کا دوسرے کی جانب میلان ظاہر ہو جائے تو کوئی تیسرا شخص بالاتفاق بھاؤ تاؤ کرنے کا مجاز نہیں ہے، اور اگر ایسی کوئی بات نہ ہو جو کہ رضامندی اور عدمِ رضامندی پر دلالت کرے تو بھاؤ تاؤ جائز ہے، جیسا کہ باہمی رضامندی ظاہر نہ ہونے کی صورت میں ایک کے پیغامِ نکاح پر دوسرے کا پیغامِ نکاح بھیجا جا سکتا ہے، دلیل حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ہے کہ انہوں

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۲۱۳۹

(۲) فتح القدیر ۶/ ۴۷۷

(۳) فتح الباری ۴/ ۳۵۳

نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت ابوجہم اور امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم نے انہیں پیغام نکاح دیا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

أَمَّا أَبُو جَهْمٍ، فَلَا يَضَعُ عَصَاهُ عَنْ عَاتِقِهِ، وَأَمَّا مُعَاوِيَةُ فَصُعْلُوكٌ لَا مَالَ لَهُ، انْكِحِي أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ.(۱)

ابوجہم رضی اللہ عنہ اپنی لاٹھی اپنے کندھے سے نہیں ہٹاتے، اور معاویہ رضی اللہ عنہ فقیر ہیں ان کے پاس دولت نہیں ہے، تم اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے نکاح کرلو۔

اسی سے معلوم ہوا کہ خریداروں کے سامنے تاجرین جو مالوں کی پیش کش کرتے ہیں یہ ممنوع نہیں ہے؛ کیوں کہ پیش کش کے وقت رضا مندی ظاہر نہیں ہوتی؛ لہٰذا ایک تاجر کا دوسرے تاجر سے آگے بڑھ کر سامان بتلانے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ عاقدین کا ثمن پر اتفاق نہ ہوا ہو اور رضامندی کا ظہور نہ ہوا ہو۔

پھر دوسرے کے بھاؤ تاؤ پر بھاؤ تاؤ کرنا تمام ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک ممنوع ہے؛ البتہ بعض نے اس کو کراہت اور بعض نے حرمت سے تعبیر کیا ہے؛ لیکن اس کے گناہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے، البتہ دوسرے بھاؤ تاؤ کرنے والے سے اگر بیع صحیح ہوجائے تو جمہور کے نزدیک یہ بیع درست ہے؛ البتہ حضرت داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ نے اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ بیع بالکل بھی منعقد نہیں ہوگی، مالکیہ اور حنابلہ کی یہی ایک روایت ہے، البتہ جمہور کا مذہب راجح ہے۔(۲)

۴۶۸۔ نجش

نجش (جیم کے سکون کے ساتھ، ایک قول فتحہ کا بھی ہے) کے لغوی معنی ایک قول کے مطابق یہ ہیں: شکار کو بھڑکانا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ بھگانا، دوسرے قول کے مطابق

(۱) مسلم، حدیث نمبر: ۱۴۸۰

(۲) فتح الباری ۴/ ۳۵۴ و بدایۃ المجتہد ۳/ ۱۸۳ و المغنی ۴/ ۱۶۲

دھوکہ دہی کے ہیں، اور تیسرا قول یہ ہے کہ تعریف میں مبالغہ کرنا نجش کہلاتا ہے، اور فقہی اصطلاح میں اس کا معنی یہ ہے کہ آدمی سامان کے ثمن میں اضافہ کردے، اور ایسا اس سامان میں خود کی دلچسپی کی وجہ سے نہ ہو؛ بلکہ دوسرے کو دھوکہ دینا ہو کہ وہ اس سامان میں دلچسپی لے اور زائد ثمن کے عوض خرید لے، صحیح اور صریح حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، حضرت ابو ہریرہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

وَلاَ تَنَاجَشُوا.(۱)

اور تم آپس میں نجش مت کرو۔

یہی وجہ ہے کہ اس کی حرمت پر فقہاء کا اجماع ہے، پھر اگر ناجش نے یہ فعل از خود کیا ہو، بائع کو اس کا علم نہ ہو یا بائع نے اس کو یہ حکم نہ دیا ہو، تو تنہا ناجش ہی گنہگار ہوگا، اور اگر بائع کے ساتھ سمجھوتہ بھی کیا گیا ہو تو دونوں گنہگار ہوں گے۔

علامہ ابن عربی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بائع کو دیکھے کہ اس کو بیع میں غبن ہورہا ہے، بعض خریدار اس سے سامان قیمت مثلی سے کم میں بھی خرید رہے ہیں، تو اتنی حد تک نجش جائز ہے کہ سامان کا ثمن قیمت کے مساوی ہوجائے؛ بلکہ اپنے مسلمان بھائی سے غبن رفع کرنے پر وہ ماجور بھی ہوگا۔(۲) حنفیہ بھی اس کے قائل ہیں، علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فَأَمَّا إِذَا لَمْ تَكُنْ بَلَغَتْ قِيمَتُهَا فَزَادَ الْقِيمَةَ لَا يُرِيدُ الشِّرَاءَ فَجَائِزٌ؛ لِأَنَّهُ نَفْعُ مُسْلِمٍ مِنْ غَيْرِ إِضْرَارٍ بِغَيْرِهِ إِذْ كَانَ شِرَاءُ الْغَيْرِ بِالْقِيمَةِ.(۳)

اگر سامان کی قیمت قیمت مثلی سے کم ہو اور دوسرا شخص قیمت

---

(۱) بخاری، حدیث نمبر: ۲۱۴۰

(۲) شرح الابی علی مسلم ۴/ ۱۸۱

(۳) فتح القدیر ۶/ ۴۷۶

بڑھادے اور اس کا ارادہ خریدنے کا نہ ہو تو یہ جائز ہے؛ کیوں
کہ یہ ایک مسلمان کو نفع پہونچانا ہے، اور کسی کا ضرر بھی نہیں ہے؛
کیوں کہ دوسرا بھی قیمت کے عوض ہی خریدے گا۔

اور جو بیع بطور نجش کی جائے حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے راجح مذہب کے مطابق گناہ کے ساتھ درست ہو جائے گی، اور اہل ظاہر کہتے ہیں: بیع بالکل باطل ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے، اور اگر بیع میں غبن فاحش ہو تو مالکیہ (۱) اور حنابلہ کے نزدیک مشتری کو خیار فسخ ہوگا، خواہ نجش بائع کے سمجھوتہ سے ہوا ہو یا نہیں، حنفیہ کے نزدیک مشتری کو مطلقاً خیار نہیں ہوگا، یہی شوافع کی ایک روایت ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ اس صورت میں خیار ہوگا جب کہ نجش بائع کے سمجھوتہ سے ہوا ہو۔ (۲)

بیع مزایدہ کی بحث (۳) میں الحمد للہ اس کے احکام تفصیل سے آچکے ہیں۔

---

(۱) الشرح الکبیر مع الدسوقی ۳/ ۶۸

(۲) المغنی ۴/ ۱۶۰

(۳) رقم: ۳۹

۴۶۹۔نویں بحث

آزادانہ تجارت میں حکومتوں کی دخل اندازی

شریعتِ الٰہی میں یہ حکمت ملحوظ ہے کہ بازار میں آزاد تجارت ہو، جس میں بائع اور مشتری اپنی آزادانہ رضامندی سے معاملہ کریں، اس میں خارج سے دخل اندازی نہ ہو؛ لیکن اسی کے ساتھ اس بات کی بھی رعایت کی گئی ہے کہ عاقدین کی رضامندی سے عامۃ المسلمین کا حق فوت نہ ہوتا ہو، اسی وجہ سے متعدد بیوع کی ممانعت کی گئی ہے، حالاں کہ بیع کے صحیح ہونے کے تمام شرائط ان میں موجود تھے، وجہ یہی تھی کہ عامۃ المسلمین کی ضروریات پوری کرنے کے سلسلے میں وہ مضر تھے، یا بازار کی طبعی رفتار میں حارج تھے، ذیل میں اسی قسم کے چند معاملات کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

۴۷۰۔ شہری کی دیہاتی سے خریداری

انھی میں سے ایک شہری کی دیہاتی سے خرید وفروخت ہے، اور یہ مکروہ ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے:

نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُتَلَقَّى الرُّكْبَانُ، وَأَنْ يَبِيعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ. (۱)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قافلوں سے ملاقات کرنے اور دیہاتی کے لیے شہری کے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔

علماء نے اس کی دو تفسیریں کی ہیں، ایک تفسیر علامہ مرغینانی اور علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہما نے کی ہے: شہری بائع اس بات کا التزام کرے کہ وہ صرف دیہاتیوں ہی کو فروخت کرے گا؛ تاکہ مہنگی قیمت حاصل کر سکے، وجہ ممانعت یہ ہے کہ اس میں شہر والوں کو تنگی میں چھوڑ دینا لازم آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان حضرات نے اس کو شہر میں قحط اور تنگی کی حالت کے ساتھ مقید کیا ہے۔ (۲)

---

(۱) مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۲۱

(۲) ہدایہ ۳/ ۵۴ وبدائع الصنائع ۵/ ۲۳۲

دوسری تفسیر جمہور فقہاء اور محدثین کی اختیار کردہ ہے، اور علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے اس کو ذکر کیا ہے:

هُوَ أَنْ يَمْنَعَ السِّمْسَارُ الْحَاضِرُ الْقَرَوِيَّ مِنَ الْبَيْعِ وَيَقُولَ لَهُ لَا تَبِعْ أَنْتَ أَنَا أَعْلَمُ بِذٰلِكَ مِنْكَ فَيَتَوَكَّلُ لَهُ وَيَبِيعُ وَيُغَالِي. وَلَوْ تَرَكَهُ يَبِيعُ بِنَفْسِهِ لَرَخَّصَ عَلَى النَّاسِ.(۱)

شہری دلال دیہاتی کو بیع سے روک دے اور کہے: تم مت بیچو، میں اچھے طریقہ سے بیچوں گا، چنانچہ وہ اس کا وکیل بن کر مہنگے داموں میں فروخت کرے، اگر وہ خود دیہاتی کو بیع کرنے دیتا تو سستے میں لوگ خرید سکتے۔

یہ تفسیر زیادہ صحیح ہے، ایک تو حدیث کے الفاظ کے پیش نظر، دوسری وجہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث کے آخر میں یہ بھی منقول ہے:

دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقِ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ. (۲)

تم لوگوں کو چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے سے رزق عطا کرتے ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حدیث کی تشریح میں یہ فرمایا:

لَا يَكُنْ لَهُ سِمْسَارًا. (۳)

شہری دیہاتی کا دلال نہ بنے۔

اور چوں کہ نہی کی علت اہل شہر کو ضرر لاحق ہونا ہے؛ اس لیے فقہاء نے ایسی شرائط لگائی ہیں جو اہل شہر کے ضرر سے متعلق ہیں، مثلاً: ایک شرط یہ ہے کہ اس سے بازار

(۱) فتح القدیر ۶/ ۴۷۸

(۲) مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۲۲

(۳) مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۲۱

میں قیمتیں بڑھ جاتی ہوں، میں نے تکملہ فتح الملہم (۱) میں اس پر تفصیلی کلام کیا ہے۔

پھر بیع اگر چہ منہی عنہ ہے؛ لیکن حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک گناہ کے ساتھ بیع منعقد ہو جائے گی، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی یہی ایک روایت ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ بیع بالکل منعقد نہیں ہوگی، اور علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ نہی اس صورت کے ساتھ خاص ہے جس میں اہل شہر کو ضرر پہونچتا ہو تو جہاں اہل شہر کو ضرر نہ ہو اور شہری کا مقصد صرف دیہاتی کی مدد کرنا ہو ، قیمت سے اس کا لینا دینا نہ ہو تو یہ جائز ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں اسی جانب اشارہ کیا ہے، چنانچہ یہ عنوان قائم کیا ہے:

بَابٌ: هَلْ يَبِيعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ بِغَيْرِ أَجْرٍ، وَهَلْ يُعِينُهُ أَوْ يَنْصَحُهُ.

پھر یہ حدیث ذکر کی ہے:

إِذَا اسْتَنْصَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيَنْصَحْ لَهُ.

اسی بنا پر ہمارے زمانے میں جو کھیت اور باغ والے بعض تاجرین کو اپنا وکیل بنا لیتے ہیں اور انہی کو غلے اور پھل فراہم کرتے ہیں؛ تاکہ وہ ان کی نیابت میں اس کو فروخت کریں تو اس کے جواز کی یہ شرط ہوگی کہ اہل شہر کو ضرر نہ ہو، مثلاً: تاجرین ان پھلوں اور غلوں کو ذخیرہ کرلیں اور بازار میں مہنگائی کا انتظار کریں، ہاں! اگر ذخیرہ اندوزی نہ ہو اور نہ بازاروں میں اس سے کوئی فرق پڑتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

۱۷۴۔ تلقی جلب

تلقی جلب سے ممانعت بھی اسی میں داخل ہے، جلب سے مراد وہ سوار افراد ہیں

---

(۱) ۷/ ۳۲۴و۳۲۵

جو شہر تک سامان لے جاتے ہیں، اور تلقی سے مراد یہ ہے کہ اہلِ شہر میں سے کوئی ان کے شہر پہونچنے سے قبل ہی ان کے پاس جائے اور ان سے سامان خرید لے، یہ دو حالتوں میں ممنوع ہے:

پہلی حالت یہ کہ اہلِ شہر کو ان سامانوں کی ضرورت ہو اور یہ شخص سامان خرید کر اہلِ شہر کو مہنگے داموں میں فروخت کرے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ ان لوگوں کو قیمت کا علم نہ ہو اور یہ شخص ان سے سستے داموں میں خرید لے، یہ بھی بیع الحاضر للبادی کے تحت ذکر کردہ حدیث کی بنا پر ممنوع ہے، اور نہی کی علت ضرر ہے، خواہ اہلِ شہر کو لاحق ہو، جیسا کہ پہلی صورت میں، یا قافلہ والوں کو، جیسا کہ دوسری صورت میں، حنفیہ کا یہی قول ہے، جیسا کہ الدر مع الرد (۱) میں ہے، اور علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے (۲) جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ وہ اس قسم کی بیع کو جائز سمجھتے ہیں درست نہیں ہے۔

اور تلقی جلب کے طور پر سامان کی خریداری بالاتفاق نافذ ہوجائے گی؛ البتہ شافعیہ کہتے ہیں: بائع اگر بازار میں آئے اور اس کو مشتری کی جانب سے غبن کا علم ہو تو اس کو بیع برقرار رکھنے یا فسخ کردینے کا اختیار ہوگا، اور مالکیہ کہتے ہیں: بازار والوں پر سامان پیش کیا جائے گا اور وہ اس میں باہم شریک ہوں گے، اور امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بازار میں اسے فروخت کیا جائے گا۔ (۳)

حنفیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ بیع نافذ ہونے اور بائع کے بازار آنے کے بعد فسخ کا اختیار نہیں ہوگا، اگرچہ اس کو غبن ہوا ہے، شافعیہ اور حنابلہ کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

---

(۱) ۱۰۲/۵

(۲) المغنی ۱۶۵/۴

(۳) حوالۂ سابق

لَا تَلَقَّوُا الْجَلَبَ، فَمَنْ تَلَقَّاهُ فَاشْتَرَى مِنْهُ، فَإِذَا أَتَى سَيِّدُهُ السُّوقَ، فَهُوَ بِالْخِيَارِ. (۱)

تم تلقی جلب نہ کرو، جو شخص تلقی کر کے خرید لے، پھر جب اس کا مالک بازار آئے تو اس کو خیار ہوگا۔

اور ہم خیارِ مغبون کی بحث میں ذکر کر چکے ہیں کہ متاخرین احناف نے مغبون کے لیے خیار ثابت ہونے کا فتوی دیا ہے، اور یہ حدیث اس کی دلیل ہے اور کوئی نص اس کے معارض بھی نہیں ہے، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

۴۷۲۔احتکار

احتکار سے ممانعت بھی اسی میں داخل ہے، احتکار یہ ہے کہ ضرورت کی چیزیں مہنگائی کے انتظار میں آدمی اپنے پاس ذخیرہ کر لے اور ان کی بیع نہ کرے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنِ احْتَكَرَ فَهُوَ خَاطِئٌ. (۲)

جو شخص ذخیرہ اندوزی کرے تو وہ گنہ گار ہوگا۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَنِ احْتَكَرَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ طَعَامَهُمْ، ضَرَبَهُ اللّٰهُ بِالْجُذَامِ وَالْإِفْلَاسِ. (۳)

جو شخص مسلمانوں کا کھانا ان پر ذخیرہ اندوزی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو جذام اور افلاس کی بیماری میں مبتلا کر دیں گے۔

اور ایک حدیث میں ہے:

---

(۱) مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۱۹

(۲) مسلم، حدیث نمبر: ۱۶۰۵

(۳) ابن ماجہ، حدیث نمبر: ۲۱۵۵

الْجَالِبُ مَرْزُوقٌ، وَالْمُحْتَكِرُ مَلْعُونٌ. (۱)

لوگوں کو غذا فراہم کرنے والے کو رزق دیا جاتا ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والے پر لعنت ہوتی ہے۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

مَنِ احْتَكَرَ طَعَامًا أَرْبَعِينَ لَيْلَةً، فَقَدْ بَرِءَ مِنَ اللّٰهِ وَبَرِءَ اللّٰهُ مِنْهُ. (۲)

جو شخص چالیس رات غلہ کا ذخیرہ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ سے بے زار اور اللہ تعالیٰ اس سے بے زار ہیں۔

اور مسند احمد میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت فروخ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے:

أَنَّ عُمَرَ - وَهُوَ يَوْمَئِذٍ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ - خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَرَأَى طَعَامًا مَنْثُورًا، فَقَالَ: مَا هَذَا الطَّعَامُ؟ فَقَالُوا: طَعَامٌ جُلِبَ إِلَيْنَا، قَالَ: بَارَكَ اللهُ فِيهِ وَفِيمَنْ جَلَبَهُ، قِيلَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فَإِنَّهُ قَدِ احْتُكِرَ. قَالَ: وَمَنِ احْتَكَرَهُ؟ قَالُوا: فَرُّوخُ مَوْلَى عُثْمَانَ، وَفُلَانٌ مَوْلَى عُمَرَ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِمَا فَدَعَاهُمَا، فَقَالَ: مَا حَمَلَكُمَا عَلَى احْتِكَارِ طَعَامِ الْمُسْلِمِينَ؟ قَالَا: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، نَشْتَرِي بِأَمْوَالِنَا، وَنَبِيعُ، فَقَالَ عُمَرُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنِ احْتَكَرَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ طَعَامَهُمْ، ضَرَبَهُ

---

(۱) مسلم، حدیث نمبر: ۲۱۵۳

(۲) مستدرک حاکم، حدیث نمبر: ۲۱۶۵

اللّٰهُ بِالْإِفْلَاسِ، أَوْ بِجُذَامٍ فَقَالَ فَرُّوخُ عِنْدَ ذَلِكَ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، أُعَاهِدُ اللّٰهَ وَأُعَاهِدُكَ، أَنْ لَا أَعُودَ فِي طَعَامٍ أَبَدًا، وَأَمَّا مَوْلَى عُمَرَ، فَقَالَ: إِنَّمَا نَشْتَرِي بِأَمْوَالِنَا وَنَبِيعُ.قَالَ أَبُو يَحْيَى: فَلَقَدْ رَأَيْتُ مَوْلَى عُمَرَ مَجْذُومًا. (۱)

خلافتِ فاروقی کا واقعہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد آئے، اور غلہ بکھرا پڑا دیکھا، تو آپ نے فرمایا: یہ غلہ ایسے کیوں پڑا ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ غلہ ہمارے لیے لایا گیا ہے، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ غلے میں اور اس کو لانے والے میں برکت دے، کسی نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! یہ غلہ تو ذخیرہ کیا گیا تھا، آپ نے دریافت کیا: کس نے ذخیرہ کیا تھا؟ لوگوں نے کہا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مولیٰ فروخ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مولیٰ فلاں، آپ نے ان دونوں کو بلا بھیجا، (جب وہ آئے تو) ان سے کہا: مسلمانوں کے غلہ کی ذخیرہ اندوزی پر تمہیں کس چیز نے آمادہ کیا، انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! ہم اپنے مال سے خریدتے ہیں اور بیچتے ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جو شخص مسلمانوں کا کھانا ان پر ذخیرہ اندوزی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو جذام اور افلاس کی بیماری میں مبتلا کر دیں گے، یہ حدیث سن کر فروخ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اے امیر المؤمنین! میں اللہ تعالیٰ سے اور آپ سے معاہدہ کرتا ہوں کہ

---

(۱) مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۳۵

میں کبھی بھی غلہ ذخیرہ نہیں کروں گا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مولیٰ
نے کہا: ہم اپنے مال سے خرید وفروخت کریں گے، ابو یحییٰ
رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مولیٰ کو دیکھا کہ
اس کو جذام ہو گیا تھا۔

اکثر فقہاء نے یہ ممانعت انسانی غذاؤں اور جانور کے چاروں کے ساتھ خاص کی ہے، بشرطیکہ اہل شہر کو اس سے نقصان ہو، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ کپڑوں میں بھی یہ ممانعت ہے، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اس ممانعت کو ہر اس چیز میں عام قرار دیتے ہیں جو عامۃ المسلمین کے لیے باعث ضرر ہو۔(۱) یہی مالکیہ کا مذہب ہے، علامہ حطاب رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

وَالْحُكْرَةُ فِي كُلِّ شَيْءٍ مِنْ طَعَامٍ أَوْ إِدَامٍ أَوْ كَتَّانٍ أَوْ صُوفٍ أَوْ عُصْفُرٍ أَوْ غَيْرِهِ فَمَا كَانَ احْتِكَارُهُ يَضُرُّ بِالنَّاسِ مُنِعَ مُحْتَكِرُهُ مِنَ الْحُكْرَةِ، وَإِنْ لَمْ يَضُرَّ ذٰلِكَ بِالنَّاسِ وَلَا بِالْأَسْوَاقِ، فَلَا بَأْسَ بِهِ. (۲)

احتکار ہر چیز میں ہوتا ہے، کھانا ہو یا سالن یا کاٹن یا اون یا عطر یا کچھ اور، پس جس چیز کا احتکار مضر ہو محتکر کو اس سے منع کیا جائے گا، اور اگر لوگوں اور بازاروں کے لیے مضر نہ ہو تو احتکار میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پھر بعض فقہاء نے ممانعت صرف اس صورت کے ساتھ خاص کی ہے جب کہ آدمی بازار ہی سے سامان خرید کر اس کا ذخیرہ کرلے؛ لہٰذا جس نے اپنی کھیتی کا ذخیرہ کیا، یا ایسے بازار سے خرید کر ذخیرہ کیا جہاں سے اہل شہر عام طور پر سامان نہ خریدتے ہوں تو

---

(۱) الدر مع الرد ۶/ ۳۹۸

(۲) مواہب الجلیل ۴/ ۲۲۷

ان حضرات کے نزدیک احتکار جائز ہے، حنابلہ، شافعیہ اور بعض حنفیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (۱) اور علامہ رہونی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ باجی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

إِذَا وَقَعَتِ الشِّدَّةُ أُمِرَ أَهْلُ الطَّعَامِ بِإِخْرَاجِهِ مُطْلَقًا، وَلَوْ كَانَ جَالِبًا لَهُ، أَوْ كَانَ مِنْ زِرَاعَتِهِ. (۲)

جب سخت ضرورت ہو تو غلہ نکالنے کا مطلق حکم ہوگا، خواہ اس نے بازار سے سامان لایا ہو یا اپنی کھیتی سے۔

اور علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ (۳) اور نہی کے عام ہونے کی وجہ سے یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے، اور چوں کہ علت اہل شہر کو نقصان لاحق ہونا ہے؛ لہٰذا نہی ان تمام چیزوں کو شامل ہوگی جن کی اہل شہر کو ضرورت ہو۔

اور جو شخص ایسی چیز کا احتکار کرے جس کا احتکار ممنوع ہے تو حکومت کی طرف سے اس کو وہ چیز بازار میں لانے کا پابند کیا جائے گا، علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(وَ) يَجِبُ أَنْ (يَأْمُرَهُ الْقَاضِي بِبَيْعِ مَا فَضَلَ عَنْ قُوتِهِ وَقُوتِ أَهْلِهِ فَإِنْ لَمْ يَبِعْ) بَلْ خَالَفَ أَمْرَ الْقَاضِي (عَزَّرَهُ) بِمَا يَرَاهُ رَادِعًا لَهُ (وَبَاعَ) الْقَاضِي (عَلَيْهِ) طَعَامَهُ (وِفَاقًا) عَلَى الصَّحِيحِ. (۴)

محتکر کو اپنے اور اہل خانہ کے غلے سے زائد کی بیع پر قاضی مجبور

---

(۱) بدائع الصنائع ۵ / ۱۲۹ والبیان فی مذہب الامام الشافعی ۵ / ۳۵۷ والمغنی ۴ / ۱۶۷

(۲) الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۲ / ۹۳

(۳) بدائع الصنائع ۵ / ۱۲۹

(۴) الدر مع الرد ۶ / ۳۹۹

کرے گا، اگر وہ قاضی کا حکم نہ مانے اور نہ بیچے تو قاضی اس کی مناسب تعزیر کرے گا، اور خود وہ چیز بیچ دے گا۔

اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

أَيْ إِذَا امْتَنَعَ بَاعَهُ جَبْرًا عَلَيْهِ قَالَ فِي الْهِدَايَةِ: وَهَلْ يَبِيعُ الْقَاضِي عَلَى الْمُحْتَكِرِ طَعَامَهُ مِنْ غَيْرِ رِضَاهُ قِيلَ: هُوَ عَلَى اخْتِلَافٍ عُرِفَ فِي بَيْعِ مَالِ الْمَدْيُونِ، وَقِيلَ: يَبِيعُ بِالِاتِّفَاقِ لِأَنَّ أَبَا حَنِيفَةَ يَرَى الْحَجْرَ لِدَفْعِ ضَرَرٍ عَامٍّ وَهَذَا كَذَلِكَ. (۱)

یعنی اگر وہ نہ بیچے تو قاضی جبراً فروخت کردے گا، ہدایہ میں ہے: کیا قاضی محتکر کے پاس موجود طعام جبراً بیچ سکتا ہے؟ ایک قول یہ ہے: یہ مدیون کے مال کی بیع میں عرف کے اختلاف پر مبنی ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ بالاتفاق فروخت کردے گا؛ کیوں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ضرر عام کو دفع کرنے کے لیے حجر کے قائل ہیں اور احتکار بھی حجر ہی ہے۔

اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَالْحِكْمَةُ فِي تَحْرِيمِ الِاحْتِكَارِ دَفْعُ الضَّرَرِ عَنْ عَامَّةِ النَّاسِ كَمَا أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلَى أَنَّهُ لَوْ كَانَ عِنْدَ إِنْسَانٍ طَعَامٌ واضطر الناس إليه ولم يجدوا غيره أجير عَلَى بَيْعِهِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنِ النَّاسِ. (۲)

احتکار کو حرام قرار دینے کی حکمت ضرر عام کو دور کرنا ہے، اسی

(۱) حوالہ سابق

(۲) شرح نووی علی مسلم ۱۱/ ۴۳

وجہ سے علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی چیز ذخیرہ کرلے اور لوگوں کو اس کی ضرورت ہو تو جبراً اس کی بیع کی جائے گی؛ تاکہ لوگوں کا ضرر دور کیا جا سکے۔

۴۷۳۔ قیمتوں کی تعیین کے لیے تاجروں کا کمیٹی تشکیل دینا

احتکار کے حکم میں یہ صورت بھی داخل ہونی چاہیے جو موجودہ زمانہ میں بازاروں کے اندر رائج ہے کہ ایک کارخانے والے یا ایک سامان کے تاجرین ایک کمیٹی (cartel) بناتے ہیں جو سامانوں کی ایک قیمت متعین کر دیتی ہے، جس کی وجہ سے قیمتوں کے اندر مسابقت نہیں ہوتی، اور لوگ کمیٹی کی جانب سے مقرر کردہ قیمتوں پر ہی خریدنے پر مجبور ہوتے ہیں: لہٰذا اس میں بھی احتکار کی مانند ضرر لاحق ہوتا ہے، اسی وجہ سے حکومت کو ایسی کمیٹی نہیں بننی دینی چاہیے، اور بعض مسائل کے تحت بعض فقہاء نے اس کا ذکر کیا ہے، ہدایہ میں مذکور ہے:

(وَلَا يَتْرُكُ الْقُسَّامَ يَشْتَرِكُونَ) كَيْ لَا تَصِيرَ الْأُجْرَةُ غَالِيَةً بِتَوَاكُلِهِمْ، وَعِنْدَ عَدَمِ الشَّرِكَةِ يَتَبَادَرُ كُلٌّ مِنْهُمْ إِلَيْهِ خِيفَةَ الْفَوْتِ فَيُرَخِّصُ الْأَجْرَ. (۱)

اور تقسیم کرنے والوں کو شریک بننے نہیں دیا جائے گا؛ تاکہ ان کے باہمی اتفاق کی وجہ سے قیمت مہنگی نہ ہو جائے، اور شریک نہ ہونے کی صورت میں ہر ایک فوت ہو جانے کے خوف سے سبقت کرے گا جس کی وجہ سے اجرت بھی سستی ہوگی۔

اور تقسیم کرنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو اجرت لے کر کئی شرکاء کے درمیان مشترکہ زمین کو تقسیم کرتے ہیں، حکومت ان لوگوں کو باہمی کمیٹی بنانے سے روکے گی؛ تاکہ وہ زبردستی تقسیم کی ایک قیمت متعین نہ کریں، اور ظاہر ہے کہ تقسیم کی اجرت مہنگی

(۱) ہدایہ ۴/۳۲۶

ہونے کے بالمقابل غلوں اور کھانوں کی قیمت کی مہنگائی زیادہ ضرر والی ہے؛ لہٰذا لوگوں کی ضرورت کی چیزوں کی قیمتیں متعین کرنے پر تاجرین کی مشارکت کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

۴۷۴۔ تسعیر

تسعیر یہ ہے کہ حاکمِ وقت تاجرین کو متعینہ قیمت پر سامان کی فروختگی کا پابند کردے، شریعتِ اسلامی میں اصل یہ ہے کہ طرفین کی رضامندی سے ہونے والی تجارت میں کوئی دخل اندازی نہ کرے، اور قیمتوں کا تعین بازار میں آزادانہ مسابقت سے ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع الحاضر للبادی کے سلسلے میں اسی نکتہ کی جانب اشارہ فرمایا ہے:

دَعُوا النَّاسَ يَرْزُقِ اللهُ بَعْضَهُمْ مِنْ بَعْضٍ. (۱)

تم لوگوں کو چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے سے رزق عطا کرتے ہیں۔

اور اسی وجہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تسعیر کی صریح ممانعت آئی ہے:

غَلاَ السِّعْرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، سَعِّرْ لَنَا. فَقَالَ إِنَّ اللهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ، الْقَابِضُ، الْبَاسِطُ، الرَّزَّاقُ، وَإِنِّي لأَرْجُو أَنْ أَلْقَى رَبِّي وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ يَطْلُبُنِي بِمَظْلِمَةٍ فِي دَمٍ وَلاَ مَالٍ. (۲)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قیمتیں بڑھ گئیں، تو لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے قیمت متعین کردیجیے، آپ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی تسعیر کرنے والے،

---

(۱) مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۲۲

(۲) ترمذی، حدیث نمبر: ۱۳۱۴

تنگی کرنے والے، کشادگی کرنے والے اور رزق عطا کرنے والے ہیں، اور میں امید کرتا ہوں کہ اپنے پروردگار سے اس حال میں ملاقات ہو کہ تم میں سے کوئی جان یا مال میں کسی ظلم کی مجھ سے شکایت کرنے والا نہ ہو۔

اسی حدیث کی بنیاد پر جمہور فقہاء نے حاکم کو تسعیر سے منع کیا ہے۔(۱) لیکن صاحب ہدایہ نے لکھا ہے:

(وَلَا يَنْبَغِي لِلسُّلْطَانِ أَنْ يُسَعِّرَ عَلَى النَّاسِ) لِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - لَا تُسَعِّرُوا فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ...فَإِنْ كَانَ أَرْبَابُ الطَّعَامِ يَتَحَكَّمُونَ وَيَتَعَدَّوْنَ عَنِ الْقِيمَةِ تَعَدِّيًا فَاحِشًا، وَعَجَزَ الْقَاضِي عَنْ صِيَانَةِ حُقُوقِ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا بِالتَّسْعِيرِ فَحِينَئِذٍ لَا بَأْسَ بِهِ بِمَشُورَةٍ مِنْ أَهْلِ الرَّأْيِ وَالْبَصِيرَةِ، فَإِذَا فَعَلَ ذَلِكَ وَتَعَدَّى رَجُلٌ عَنْ ذَلِكَ وَبَاعَ بِأَكْثَرَ مِنْهُ أَجَازَهُ الْقَاضِي، وَهَذَا ظَاهِرٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ؛ لِأَنَّهُ لَا يَرَى الْحَجْرَ عَلَى الْحُرِّ وَكَذَا عِنْدَهُمَا، إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْحَجْرُ عَلَى قَوْمٍ بِأَعْيَانِهِمْ. وَمَنْ بَاعَ مِنْهُمْ بِمَا قَدَّرَهُ الْإِمَامُ صَحَّ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُكْرَهٍ عَلَى الْبَيْعِ. (۲)

بادشاہ کو تسعیر کی اجازت نہیں ہے؛ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تم قیمتیں متعین مت کرو، بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہی تسعیر

(۱) المغنی ۴/ ۱۶۴

(۲) ہدایہ ۴/ ۳۷۷و۳۷۸

کرنے والے، تنگی کرنے والے، کشادگی کرنے والے اور رزق عطا کرنے والے ہیں؛ لیکن اگر غلہ وغیرہ کے مالکین زبردستی کرر ہے ہوں اور قیمت مثلی سے بہت زیادہ قیمت لگا رہے ہوں، اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے قاضی کے پاس تسعیر کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہو تو اہل رائے اور ذی بصیرت افراد کے مشورہ سے وہ تسعیر کرسکتا ہے، پھر اگر قاضی کے تسعیر کر دینے کے بعد کوئی شخص اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے زائد قیمت میں فروخت کردے تو قاضی اس کو جائز قرار دے گا، یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے؛ کیوں کہ آپ آزاد پر حجر کے قائل نہیں ہیں، یہی حکم صاحبین رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک بھی ہے؛ الاّ یہ کہ حجر متعینہ قوم پر ہے، اور جو شخص امام کی تسعیر کے مطابق فروخت کرے تو اس کی بیع درست ہے؛ کیوں کہ وہ مکرَہ نہیں ہے۔

اور علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے تعدی فاحش کی یہ تحدید کی ہے کہ قیمت دوگنی ہو جائے۔(۱)

اور علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

إِنَّ لِوَلِيِّ الْأَمْرِ أَنْ يُكْرِهَ النَّاسَ عَلَى بَيْعِ مَا عِنْدَهُمْ بِقِيمَةِ الْمِثْلِ عِنْدَ ضَرُورَةِ النَّاسِ إِلَيْهِ. (۲)

لوگوں کی ضرورت کے وقت حاکم تاجرین کو قیمت مثل پر فروخت کرنے پر مجبور کرسکتا ہے۔

اور علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے بطورِ دلیل یہ حدیث پیش کی ہے:

(۱) تبیین الحقائق ۶ / ۲۸

(۲) الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۱۱ / ۳۰۵

مَنْ أَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ، فَكَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ، قُوِّمَ عَلَيْهِ قِيمَةَ الْعَدْلِ. (۱)

جو شخص کسی مشترک غلام کو آزاد کرے، اور اس کے پاس اتنا مال ہو جو غلام کی قیمت کے برابر ہو تو اس کی مناسب قیمت لگائی جائے گی۔

وجہِ استدلال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام کی قیمت مثل لگانے کا حکم دینا در حقیقت تسعیر ہی ہے، پس جب آزادی کی تکمیل کی مصلحت کی خاطر شارع نے قیمت مثل کے عوض اس چیز کو اپنی ملک سے نکالنے کا حکم دیا اور مالک کو قیمت سے زائد کے مطالبے کا حق نہیں دیا تو اس صورت میں جب کہ لوگوں کی حاجت زیادہ بڑی ہے بدرجۂ اولیٰ یہ حکم ہوگا۔

اور تسعیر کی ممانعت کے سلسلے میں وارد حدیث کے متعلق علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

هَذِهِ قَضِيَّةٌ مُعَيَّنَةٌ، وَلَيْسَتْ لَفْظًا عَامًّا، وَلَيْسَ فِيهَا أَنَّ أَحَدًا امْتَنَعَ مِنْ بَيْعِ مَا النَّاسُ يَحْتَاجُونَ إِلَيْهِ، وَمَعْلُومٌ أَنَّ الشَّيْءَ إِذَا قَلَّ رَغِبَ النَّاسُ فِي الْمُزَايَدَةِ فِيهِ، فَإِذَا بَذَلَهُ صَاحِبُهُ - كَمَا جَرَتْ بِهِ الْعَادَةُ، وَلَكِنَّ النَّاسَ تَزَايَدُوا فِيهِ - فَهُنَا لَا يُسَعَّرُ عَلَيْهِمْ. (۲)

یہ ایک متعینہ قضیہ ہے، عام حکم نہیں ہے، اور اس کا بھی ذکر نہیں ہے کہ کسی نے ضرورت کی اشیاء بیچنی بند کر دی تھی، اور یہ معلوم ہے کہ کوئی چیز جب کم ہوتی ہے تو لوگ اس میں دلچسپی لینے لگتے

---

(۱) مسلم، حدیث نمبر: ۱۵۰۱

(۲) الطرق الحکمیۃ، ص: ۲۱۷

ہیں اور قیمتوں میں بھی اضافہ کرتے ہیں، پس جب عادت کے
مطابق اس طرح قیمتیں بڑھ جائیں تو تسعیر نہیں کی جائے گی۔

مذکورہ اقوال کا حاصل یہ ہے کہ تسعیر اسی صورت میں کی جائے گی جب کہ لوگوں کو ضرورت کی اشیاء کی سخت حاجت ہو اور قیمتیں نہایت مہنگی ہوگئی ہوں؛ ورنہ تو اصل یہی ہے کہ تاجروں اور خریداروں کو باہمی رضامندی سے ثمن متعین کرنے دیا جائے۔

اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ اگر احتکار نہیں ہوگا اور نہ تاجرین کی کمیٹی ہوگی تو اس سے بازار میں آزادانہ مسابقت کا دروازہ وا ہوگا، اور کوئی بھی شخص قیمت مثل سے زیادہ میں فروخت نہیں کرے گا؛ ورنہ گاہک اس کی جانب رخ نہیں کریں گے، لہٰذا تسعیر کی بھی ضرورت نہیں پڑے گی، اس کی ضرورت تو اس وقت پیش آتی ہے جب کہ تاجرین نے کاروبار میں شریعت اسلامی کے احکام کو ملحوظ نہیں رکھا ہو، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

۴۷۔ دسویں بحث

مال حرام کے احکام

موجودہ دور میں بہت سے باطل اور فاسد معاملات عام ہو چکے ہیں، اور جو افراد ایسے معاملات کرتے ہیں عموماً انہی کے ساتھ خرید وفروخت کا اتفاق ہوتا ہے؛ لہٰذا یہاں یہ ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ مال حرام اور ملک خبیث کے کیا احکام ہیں؟ اور جس شخص کے پاس مال خبیث ہو اس کے ساتھ بیع کرنے کی صورت میں کب حرمت منتقل ہوگی اور کب نہیں؟ یہ احکام کتبِ فقہ میں مختلف ابواب کے تحت بکھرے ہوئے ہیں، اور مال خبیث کے احکام کے سلسلے میں ان کی عبارات بسا اوقات متعارض نظر آتی ہیں، بعض سے پتہ چلتا ہے کہ حرمت صرف مال خبیث کمانے والے تک ہی منحصر ہوگی، جو شخص اس سے خریدے یا ہدیہ لے اس کی جانب متجاوز نہیں ہوگی، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ متجاوز بھی ہوگی، اسی طرح بعض عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مال اگر حلال اور حرام دونوں ہو تو غلبہ کا اعتبار ہوگا، اور بعض سے یہ حکم واضح ہوتا ہے کہ خالط اس کا مالک ہوگا؛ لہٰذا مشتری یا موہوب لہٗ اس سے انتفاع کرسکتا ہے، ان عبارات کے اندر میں نے غور وخوض کیا، مختلف ابواب کے تحت فقہاء کے ذکر کردہ اقوال کا جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجے پر پہونچا کہ مال حرام یا مال خبیث کی متعدد قسمیں ہیں، اور ہر قسم کے مختلف احکام ہیں، میں ذیل میں ان اقسام کا ذکر کروں گا، ساتھ ہی تشریح بھی کروں گا، پھر جدید تجارتی شکلوں پر ان کا انطباق بھی، **واللہ سبحانہٗ ہو الموفق للسداد والصواب.**

۴۷۶۔ پہلی قسم

پہلی قسم: ایسا مال جو دوسرے کی ملک ہونے کی وجہ سے حرام ہو، یہ غصب کردہ مال کی مانند ہے جو غاصب کے قبضے میں ہو، اور اس کی دیگر املاک سے ممتاز ہو، اور اسی کے حکم میں وہ چیز ہے جس پر باطل بیوع میں سے کسی بیع کے ذریعے قبضہ کیا گیا ہو؛ اگرچہ مال مغصوب اور مال مقبوض بالبیع الباطل میں بظاہر فرق یہ ہے کہ غصب کے اندر غاصب کی رضا نہیں پائی جاتی، جب کہ عقد باطل عام طور پر طرفین کی رضامندی سے منعقد ہوتا

ہے؛ لیکن خلافِ شرع ہونے کی وجہ سے اس رضامندی کا اعتبار نہیں ہے، تو یہ بھی گویا معدوم ہی ہے، اسی وجہ سے اس کا اور مال مغصوب کا حکم ایک ہی ہے؛ البتہ حنفیہ کی اصطلاح میں جو بیع فاسد ہے وہ اس کے تحت داخل نہیں ہے؛ کیوں کہ شریعت میں بعض احکام کے سلسلے میں اس کو بیع مانا گیا ہے، جس کی وجہ سے ان احکام میں طرفین کی رضامندی بھی مؤثر ہوگی، یہی وجہ ہے کہ بیع فاسد کی وجہ سے حاصل کردہ مال کا حکم ایک مستقل قسم (پانچویں قسم) کے تحت ہم نے کیا ہے۔

پہلی قسم کی تفصیل کرتے وقت ہم تمام عقود باطلہ کو غصب سے اور ان کے ذریعے حاصل ہونے والے مال کو مغصوب سے تعبیر کریں گے، اور ایسا بس سہولت کی خاطر ہے، اور یہ تعبیر ہر ایسے مال کو عام ہوگی جس کا انسان شرعاً مالک نہ ہو، خواہ غصب یا چوری یا رشوت یا ربا القرض یا بیع باطل کے طور پر لیا ہوا مال ہو۔

پہلی قسم کا حکم

غاصب کے لیے اس سے انتفاع کرنا یا اس میں تصرف کرنا حرام ہے، اور مالک کو یا مالک کی وفات کے بعد اس کے وارث کو وہ لوٹا دینا ضروری ہے، اور اگر وہ مالک یا اس کے وارث کو نہ جانتا ہو یا کوئی اور مانع رد ہو تو ثواب کی نیت کیے بغیر اس کو صدقہ کر دینا لازم ہے۔

اور یہ حکم عام ہے، خواہ مغصوب عرض ہو یا نقد؛ کیوں کہ غصب کے اندر نقود متعین ہو جاتے ہیں، حتی کہ حنفیہ کے نزدیک بھی جو کہ متعین نہ ہونے کے قائل ہیں، پھر اگر مغصوب غاصب کے پاس بعینہ موجود ہو تو اس شئ کی حرمت اس شخص کی جانب بھی منتقل ہوگی جو اس کو بطور بیع یا ہبہ یا وراثت لے، جب کہ وہ جانتا ہو کہ وہ چیز غصب کی ہوئی ہے، اتنی بات فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے، علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

إِذَا كَانَ الْحَرَامُ عِنْدَ آخِذِهِ لَمْ يَفُتْ رُدَّ بِعَيْنِهِ إِلَى رَبِّهِ وَمَالِكِهِ وَسَوَاءٌ كَانَ لَهُ مَالٌ حَلَالٌ أَوْ لَمْ يَكُنْ يَعْنِي

لِلْغَاصِبِ وَلَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ أَنْ يَشْتَرِيَهُ مِنْهُ إِنْ كَانَ عَرْضًا وَلَا يُبَايِعُهُ فِيهِ إِنْ كَانَ عَيْنًا وَلَا يَأْكُلُهُ إِنْ كَانَ طَعَامًا وَلَا يَقْبَلُ مِنْهُ شَيْئًا هِبَةً وَلَا يَأْخُذُهُ مِنْهُ فِي حَقٍّ كَانَ لَهُ عَلَيْهِ وَمَنْ فَعَلَ شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ وَهُوَ عَالِمٌ كَانَ سَبِيلُهُ سَبِيلَ الْغَاصِبِ فِي جَمِيعِ أَحْوَالِهِ. (۱)

جب کسی شخص کے پاس حرام مال بعینہ موجود ہو تو مالک کو لوٹا دینا لازم ہوگا، خواہ اس کے پاس حلال مال ہو یا نہ ہو، اور اگر وہ عرض ہو تو کسی کے لیے اس کو خریدنا اور اگر نقد ہو تو اس سے معاملہ کرنا، اگر طعام ہو تو کھانا، مال حرام کا ہدیہ قبول کرنا، اور کسی لازم حق کے عوض اس کو قبول کرنا سب ناجائز ہوگا، اور اگر کوئی شخص اس کو مال حرام جانتے ہوئے بھی ایسا کرے تو وہ بھی غاصب کہلائے گا۔

۴۷۷۔ فقہاء کے قول ''حرمت دو ذموں کی جانب تجاوز نہیں کرتی'' کا مطلب

اور بعض فقہائے احناف نے جو ذکر کیا ہے کہ حرمت دو ذمہ کی جانب متعدی نہیں ہوتی، یہ اس صورت میں ہے جب کہ حرمت کا علم نہ ہو، یعنی لینے والا یہ بات نہ جانتا ہو کہ دینے والا اس کا مالک نہیں ہے اور وہ حرام ہے، اسی طرح صحیح قول کے مطابق ورثہ بھی اگر حرمت سے واقف ہوں تو وہ مال ان کے لیے حلال نہیں ہوگا؛ لہٰذا اگر وہ مالک سے واقف ہوں تو انہیں لوٹا دیں، اور اگر ناواقف ہوں تو صدقہ کر دیں۔ (۲)

اور بعض مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ مغصوب اگر بعینہ موجود ہو تب تو ورثہ کے لیے حلال نہیں ہے؛ لیکن اگر بعینہ موجود نہ ہو کہ غاصب نے اس سے کوئی سامان خرید لیا ہو تو

---

(۱) مواہب الجلیل ۵/۲۷۹

(۲) رد علی الدر ۶/۳۸۶

ورثہ کے لیے وہ حلال ہے، اسی طرح اگر غاصب نے کسی کو ہبہ کر دیا تو موہوب لہٗ کے لیے وہ حلال ہے، اور اس کے ورثہ اس کے وارث ہوں گے، علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول حضرت ابن مزین، ابن شہاب زہری اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہم سے نقل کیا ہے؛ لیکن آپ نے اس پر فتویٰ نہیں دیا۔(۱)

۴۷۸۔ غاصب کا غصب کردہ سامان فروخت کرنا

اگر غاصب کسی اور کو مالِ مغصوب فروخت کرنا چاہے تو عروض اور نقود کے اعتبار سے اس کا حکم مختلف ہوگا، اگر مغصوب عرض ہو اور غاصب کے پاس موجود ہو تو دوسرے کے لیے اس سے خریدنا جائز نہیں ہوگا، اگر خرید لے تو حنفیہ کے نزدیک بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی، اگر مالک بیع کو فسخ کر دے تو بیع فسخ ہو جائے گی اور مشتری پر اس کو لوٹانا لازم ہوگا، اور بائع مشتری کو ثمن واپس کرے گا، اور اگر خصومت سے قبل مالک نے اجازت دے دی تو حنفیہ کے یہاں بالاتفاق بیع جائز ہے، اور اگر خصومت اور قاضی کے فیصلے کے بعد اجازت دے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے، جب کہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک جائز ہے؛ کیوں کہ اجازت عقدِ موقوف کے ساتھ لاحق ہوگئی ہے، پس بیع درست ہوگی، جیسا کہ خصومت سے قبل تھی؛ کیوں کہ مالک نے صراحۃً فسخ نہیں کیا ہے، اور خصومت میں دو باتوں کا احتمال ہے:

۱) یہ ملک کو برقرار رکھنے کے لیے ہو تو محض خصومت کو فسخِ عقد مانا جائے گا۔

۲) خصومت ملکیت ثابت کرنے کے لیے ہو، اور محض ملکیت کا اثبات فسخِ بیع نہیں مانا جاتا؛ بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ ثبوتِ ملک کے بعد بیع کی اجازت دے دے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر وہ بیع کی اجازت دینا چاہتا تو قاضی کے پاس خصومت کی ضرورت نہیں ہوتی؛ بلکہ وہ خود بھی اجازت دے سکتا تھا؛ لیکن جب وہ مقدمہ عدالت میں لے گیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا مقصد ملکیت کو برقرار رکھنا

---

(۱) فتاویٰ ابن رشد، ص: ۶۳۹ و ۶۴۰

ہے؛ لہٰذا محض خصومت کی وجہ سے وہ بیع کو فسخ کرنے والا کہلائے گا؛ اس لیے فسخ کے بعد اجازت دینے کا اختیار نہیں ہوگا؛ الاّ یہ کہ عقد جدید کیا جائے۔(۱)

۳۷۹۔غصب کردہ نقود سے خریداری

اگر مغصوب نقد ہو اور غاصب اس سے کوئی چیز خریدنا چاہے تو ضمان ادا کرنے سے پہلے بالاتفاق اس سے خریداری جائز نہیں ہوگی؛ لیکن اگر وہ ضمان ادا کرنے سے پہلے کچھ خریدلے تو علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع منعقد نہیں ہوگی، اور ایک قول یہ ہے کہ بیع منعقد ہوجائے گی، اور جس کے نقود غصب ہوئے وہ غاصب سے وہ سامان لے سکتا ہے، اور مالکیہ کے نزدیک بہر حال کسی کو بھی غاصب سے مغصوب خریدنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

اور بعض حضرات نے عدمِ جواز کو اس صورت کے ساتھ مقید کیا ہے جب کہ بعینہٖ مغصوب نقود کے عوض سامان خریدے، اگر مشتری اپنے ذمہ پر خریدے پھر ان مغصوب نقود سے ثمن ادا کرے تو وہ طعام کھانا یا سامان خریدنا مکروہ ہوگا، حتی کہ اس کے عوض دراہم یا دنانیر ادا کردے یا اپنے آپ کو بری کرالے۔(۲)

اور ذمہ پر خریداری کے سلسلے میں شافعیہ کے دو قول ہیں، علامہ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> وان غصب دراهم فاشترى سلعه فى الذمه، ونقد الدراهم فى ثمنها وربح، ففى الربح قولان، قال فى القديم: هو للمغصوب منه، لانه نماء ملكه فصار كالثمرة والولد، فعلى هذا يضمنه الغاصب إذا تلف فى يده كالثمرة والولد، وقال فى الجديد: هو للغاصب

---

(۱) المحیط البرہانی ۵/ ۵۰۷

(۲) فتاوی ابن رشد ص: ۶۳۷ و ۶۳۸

لانه بدل ماله.(۱)

اگر دراہم غصب کرلے، پھر ذمہ میں کوئی چیز خریدے، اور بطور ثمن ان دراہم کو ادا کرے اور اس میں نفع بھی اٹھائے تو اس نفع میں دو قول ہیں: قدیم قول یہ ہے کہ وہ اس شخص کا ہوگا جس کے دراہم غصب ہوئے ہیں؛ کیوں کہ وہ اسی کی ملکیت کا اضافہ ہے، پس یہ پھل اور بچہ کی مانند ہے، اسی وجہ سے اگر غاصب کے پاس وہ تلف ہوجائے تو وہ اس کا ضامن ہوگا، اور جدید قول یہ ہے کہ وہ غاصب کا ہوگا؛ کیوں کہ یہ اسی کے مال کا بدل ہے۔

ظاہر ہے کہ پہلا قول بیع کے منعقد نہ ہونے پر مبنی ہے؛ کیوں کہ اس نے غصب کردہ دراہم سے ثمن ادا کیا ہے، اور دوسرا قول بیع کے منعقد ہونے پر مبنی ہے؛ کیوں کہ اس نے ان دراہم کے عوض بیع کی تھی جو اس کے ذمہ میں ہیں، پس وہ اس کا مالک ہوجائے گا۔

مشائخ احناف نے مال حرام سے خریداری کی پانچ قسمیں ذکر کی ہیں:

۱) اولاً بائع کو وہ غصب کردہ نقود دے، پھر ان سے کوئی چیز خریدے۔

۲) غصب کردہ نقود کی جانب اشارہ کرکے ان سے خریدے پھر انہی سے ثمن ادا کرے۔

۳) غصب کردہ نقود کی جانب اشارہ کرکے انہی سے عقد کرے؛ لیکن ثمن ان کے علاوہ سے ادا کرے۔

۴) نقود کی جانب بالکل بھی اشارہ نہ کرے؛ بلکہ مطلقاً عقد کرے، پھر ثمن ان غصب کردہ نقود سے ادا کرے۔

۵) غیر مغصوب نقود کی جانب اشارہ کرکے ان سے خریدے؛ لیکن ثمن غصب کردہ نقود سے ادا کرے۔

---

(۱) المہذب مع المجموع ۱۴/ ۲۴۸

مذکورہ صورتوں کے احکام کے سلسلے میں حنفیہ کے تین اقوال ہیں:

۴۸۰۔ پہلا قول

ضمان کی ادائیگی سے پہلے ان سے خریدی جانے والی چیز سے انتفاع حلال نہیں ہے، اگر ضمان ادا کرنے سے پہلے بیچ کر کے نفع کمالے (اس طرح کہ جتنے میں خریدا تھا اس سے زیادہ میں فروخت کردے) تو وہ نفع اس کے لیے حلال نہیں ہوگا، حتی کہ ضمان کی ادائیگی کے بعد بھی، (ہاں! مالک کو ضمان ادا کرنے کے بعد خریدی ہوئی چیز بیچ کر نفع کمائے تو یہ بالاتفاق حلال ہے) اور مذکورہ تمام صورتوں کا یہی حکم ہے، یہی ظاہر الروایہ کا مقتضی ہے، علامہ ابوبکر اسکاف رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، ہدایہ(۱) بدائع (۲) اور ہندیہ (۳) میں تبیین (۴) کے حوالے سے اسی کو راجح قرار دیا گیا ہے۔

۴۸۱۔ دوسرا قول

یہ امام ابو اللیث اور ابو نصر رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے، مذکورہ تمام صورتوں میں خریداری سے جو نفع حاصل ہو وہ حلال ہے؛ البتہ پہلی صورت مستثنیٰ ہے، دلیل یہ ہے کہ مشتری کے ذمہ مطلق دراہم واجب ہیں، اور ادا کردہ نقود ذمہ کا بدل ہیں، اشارہ نہ ہونے کی صورت میں تو ظاہر ہے، اور اشارہ کی صورت میں یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ دراہم کی جانب اشارہ مفیدِ تعیین نہیں ہے؛ لہٰذا یہاں اشارہ عدم کے ساتھ لاحق ہوجائے گا، اور اس کے ذمہ مطلق دراہم واجب تھے، اور ادا کردہ نقود اس کا بدل ہیں؛ لہٰذا خریدی ہوئی چیز میں حرمت اور خباثت نہیں آئے گی۔

۴۸۲۔ تیسرا قول

تیسرا قول امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، پہلی دو صورتوں میں مشتری کے لیے نہ خریدا ہوا

(۱) مع فتح القدیر ۹/ ۳۳۰ و ۳۳۱

(۲) ۷/ ۱۵۴

(۳) ۵/ ۱۴۱

(۴) ۵/ ۲۲۶

سامان حلال ہے اور نہ اس کا نفع، اور آخری تین صورتوں میں حلال ہے؛ کیوں کہ ان صورتوں میں بیع بعینہٖ مغصوب کی جانب منسوب نہیں ہے۔

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے قول کو راجح قرار دیا ہے، اور یہ دلیل پیش کی ہے:

> علامہ ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ اس شخص نے مال حرام سے حقیقت یا شبہہ کے طور پر ملک حاصل کی ہے؛ لہٰذا وہ خبیث ہوگی، تفصیل یہ ہے کہ اس نے مغصوبہ دراہم کی جانب اشارہ کیا ہے، اور مشار الیہ اگرچہ حق استحقاق میں متعین نہیں ہوتا؛ لیکن نقد کی جنس اور مقدار کی معرفت کے ذریعے جوازِ عقد کے حق میں متعین ہوجاتا ہے؛ لہٰذا وہ من وجہٍ مبیع کا بدل ہے، خواہ انہی سے ثمن ادا کیا ہو یا دوسرے دراہم سے، اور اگر اس نے ان مغصوبہ دراہم کی جانب اشارہ نہیں کیا؛ لیکن ثمن انہی سے ادا کیا تو اس نے اس کے ذریعے مبیع کی سلامتی کا فائدہ اٹھایا ہے، پس شبہہ پایا گیا؛ لہٰذا ربح خبیث ہوگا، اور جامع صغیر و کبیر اور کتاب المضاربہ میں مطلق جواب کا ہونا اس قول کے صحیح ہونے کی دلیل ہے، موجودہ زمانے میں حرام کے غلبہ کی وجہ سے لوگوں کے لیے سہولت پیدا کرنے کی خاطر بعض مشائخ نے امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتوی دیا ہے، اور کتابوں میں مذکور بات اقرب الی الاحتیاط ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، اور ایک وجہ یہ ہے کہ مغصوبہ دراہم مالک کو لوٹانا ضروری ہے، اور استحقاق کی صورت میں عقد سرے سے ہی فسخ ہوجاتا ہے، معلوم ہوا کہ مبیع عقد فاسد کے طور پر خریدی گئی ہے؛ لہٰذا اس سے انتفاع حلال نہیں ہوگا۔(۱)

---

(۱) بدائع الصنائع ۷ / ۱۵۴ و ۱۵۵

یہ کلام نہایت وجیہ ہے۔

۴۸۳۔امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی توجیہ

بندہ کے ذہن میں یہ بات آتی ہے — واللہ سبحانہٗ اعلم — کہ امام کرخی، ابولیث اور ابونصر رحمۃ اللہ علیہم نے جو ربح کے حلال ہونے کی بات کہی ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ غاصب نے ضمان ادا کردیا ہو؛ اگرچہ کتابوں میں یہ قید مذکور نہیں ہے، اوران کی مراد یہ ہے کہ غاصب اگر مغصوبہ نقود مثلاً سو درہم سے کوئی کپڑا خریدے، پھر مغصوبہ نقود کا ضمان ادا کرنے سے پہلے ہی ایک سو دس میں اس کو فروخت کردے تو یہاں اس کو دس کا نفع ہوا ہے، پھر اس نے ضمان ادا کردیا تو طرفین کے نزدیک بعد میں ضمان ادا کرنے کی وجہ سے نفع حلال نہیں ہوگا؛ کیوں کہ نفع تو ضمان ادا کرنے سے پہلے حاصل ہوا ہے، اور اس وقت اس کی ملک خبیث تھی، جیسا کہ چوتھی قسم میں آئے گا، اور امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اخیر کی تین صورتوں میں ضمان کی ادائیگی سے نفع حلال ہوجائے گا، اور پہلی ودوسری صورت میں حلال نہیں ہوگا؛ کیوں کہ ان دونوں میں مغصوبہ نقود سے خریدنا متعین ہے، اور حضرت ابونصر وابواللیث رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں: پہلی صورت کے علاوہ باقی چار صورتوں میں نفع حلال ہوگا، ہوسکتا ہے کہ ان مشائخ کا کلام طرفین کے قول کی تفسیر ہو، چنانچہ حضرت ابونصر وابولیث رحمۃ اللہ علیہما نے تو پہلی صورت پر جب کہ امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی اور دوسری پر طرفین کے قول کو محمول کیا ہے۔

مشائخ کے کلام کی یہ توجیہ ہم نے دو اسباب کی بنا پر کی ہے:

۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ. (۱)

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت میں) اٹھیں گے تو اس شخص

(۱) البقرۃ:۲۷۵

کی طرح اٹھیں گے جسے شیطان نے چھو کر پاگل بنا دیا ہو۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ.(۱)

اے ایمان والو! کئی گنا بڑھا چڑھا کر سود مت کھاؤ، اور اللہ سے ڈرو؛ تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اکل کو ربا کی جانب منسوب کیا ہے، حالاں کہ ربا عام طور پر نقود میں ہوتا ہے، اور نقود کھائے نہیں جاسکتے؛ بلکہ اس سے خریدی ہوئی چیز کھائی جاتی ہے۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے:

إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ النَّارُ أَوْلَى بِهِ.(۲)

جنت میں وہ گوشت داخل نہیں ہوگا جو حرام سے پروان چڑھا ہو جہنم اس کے زیادہ مستحق ہے۔

تو اگر امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا یہ مطلب لیا جائے کہ ضمان کی ادائیگی یا صدقہ کرنے سے قبل بھی ربح حلال ہے تو اکل ربا کا تصور شاذ و نادر ہی باقی رہ جائے گا؛ کیوں کہ معاملات میں عام طور پر نقود متعین نہیں کیے جاتے، اور ان مشائخ کی جانب اس کا جواز منسوب کرنا بہت ہی بعید ہے۔

۲) ان مشائخ کا قول ضمان کی ادائیگی کے بعد مغصوبہ نقود کے ربح کے سیاق میں ذکر کیا گیا ہے؛ اس لیے کہ چوتھی قسم میں یہ بات آئے گی کہ طرفین کے نزدیک غاصب اگر مالک کو ضمان ادا کردے تو مغصوب کا استعمال تو درست ہوگا؛ لیکن ضمان سے قبل حاصل

---

(۱) آل عمران: ۱۳۰

(۲) مسند احمد، حدیث نمبر: ۱۴۴۴۱

ہونے والا ربح اس کے لیے حرام ہی رہے گا، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے، اسی سیاق میں ہدایہ اور بدائع کے اندر ظاہر الروایہ اور امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اختلاف کا ذکر کیا گیا ہے، اور جس مسئلہ میں امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے اس کا ذکر جامع صغیر میں ہے، اس کی عبارت علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہے:

(وَمَنْ غَصَبَ أَلْفًا فَاشْتَرَى بِهَا جَارِيَةً فَبَاعَهَا بِأَلْفَيْنِ ثُمَّ اشْتَرَى بِالْأَلْفَيْنِ جَارِيَةً فَبَاعَهَا بِثَلَاثَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ فَإِنَّهُ يَتَصَدَّقُ بِجَمِيعِ الرِّبْحِ، وَهَذَا عِنْدَهُمَا).(۱)

جو شخص ہزار درہم غصب کر کے اس سے باندی خریدے، اور اس کو دو ہزار میں بیچ دے، پھر ان دو ہزار سے باندی خرید کر تین ہزار میں فروخت کر دے تو وہ سارے نفع کو صدقہ کر دے گا، یہ حکم طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے یہاں ہے۔

پھر علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

قَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ اشْتَرَى بِهَا إِشَارَةً إِلَى أَنَّ التَّصَدُّقَ إِنَّمَا يَجِبُ إِذَا اشْتَرَى بِهَا وَنَقَدَ مِنْهَا الثَّمَنَ. أَمَّا إِذَا أَشَارَ إِلَيْهَا وَنَقَدَ مِنْ غَيْرِهَا أَوْ نَقَدَ مِنْهَا وَأَشَارَ إِلَى غَيْرِهَا أَوْ أَطْلَقَ إِطْلَاقًا وَنَقَدَ مِنْهَا بِطِيبٍ لَهُ، وَهَكَذَا قَالَ الْكَرْخِيُّ؛ لِأَنَّ الْإِشَارَةَ إِذَا كَانَتْ لَا تُفِيدُ التَّعْيِينَ لَا بُدَّ أَنْ يَتَأَكَّدَ بِالنَّقْدِ لِيَتَحَقَّقَ الْخُبْثُ. وَقَالَ مَشَايِخُنَا: لَا يَطِيبُ لَهُ قَبْلَ أَنْ يَضْمَنَ، وَكَذَا بَعْدَ الضَّمَانِ بِكُلِّ حَالٍ، وَهُوَ الْمُخْتَارُ لِإِطْلَاقِ الْجَوَابِ فِي الْجَامِعَيْنِ وَالْمُضَارَبَةِ.(۲)

---

(۱) ہدایہ ۴/۲۹۸

(۲) حوالہ سابق

إذا اشتری بھا کا جملہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صدقہ کرنے کا حکم اس صورت میں ہے جب کہ اس نے مغصوبہ نقود سے خریداری کی ہو اور انہی سے ثمن ادا کیا ہو؛ البتہ اگر ان کی جانب صرف اشارہ کیا، ان سے ثمن ادا نہیں کیا، یا انہی سے ثمن ادا کیا؛ لیکن دوسرے کی جانب اشارہ کیا تھا یا مطلق بیع کی اور مغصوبہ نقود سے ثمن ادا کیا تو امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ربح حلال ہے؛ کیوں کہ جب اشارہ سے تعیین نہیں ہوتی تو ادا کرنے سے ہوجائے گی؛ تاکہ خبث پایا جائے، اور ہمارے مشائخ کہتے ہیں: ضمان ادا کرنے سے پہلے ربح حرام ہے، اسی طرح ضمان کے بعد بھی ہر حال میں، اور جامع صغیر وکبیر اور کتاب المضاربہ کی مطلق عبارت کی بنا پر یہی مختار ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ ضمان ادا کرنے کے بعد بھی حرام رہنے والی چیز وہ ربح ہے جو ضمان سے قبل حاصل ہوا تھا، رہا اصل خریدا ہوا سامان اور ضمان کے بعد حاصل ہونے والا ربح تو وہ بالاتفاق حلال ہے، معلوم ہوا کہ مشائخ کا اختلاف ضمان ادا کرنے سے پہلے سامان اور اس کے ربح کے حلال ہونے کے متعلق نہیں ہے؛ کیوں کہ وہ بہر صورت بالاتفاق حرام ہے، اختلاف تو اس صورت میں ہے جب کہ غاصب نے ضمان ادا کردیا ہو تو کیا ضمان سے پہلے حاصل ہونے والا ربح حلال ہوجائے گا؟ ظاہر روایت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حلال نہیں ہوگا، اور امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ پہلی دو صورتوں کے علاوہ میں حلت کے قائل ہیں۔

اعتراض ہوتا ہے کہ اگر مسئلہ کی یہی صورت ہے تو امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی دو صورتوں اور باقی تین صورتوں میں تفریق کیوں کی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ معاوضات کے اندر نقود اگرچہ متعین نہیں ہوتے؛ لیکن پہلی دو صورتوں میں اشارہ اور نقد دونوں جمع ہوگئے ہیں؛ لہٰذا خریدی ہوئی چیز نظری تو نہیں؛ لیکن فعلاً مغصوب کے عوض

ہوگئی، پس اس میں خبث آ گیا، اور یہ ایسا ہی ہوگیا جیسا کہ اس نے خبیث عین کے عوض وہ چیز خریدی ہو، لہٰذا اس سے حاصل ہونے والے ربح کی جانب بھی خبث متجاوز ہوگا، پھر جب اس نے ضمان ادا کر دیا تو مغصوب کے عوض سے تو خبث زائل ہو گیا؛ لیکن طرفین کے ضابطہ کے مطابق ربح سے زائل نہیں ہوا، جب کہ اخیر کی تین صورتوں میں بعینہٖ مغصوب کا ثمن ہونا متعین نہیں ہے؛ بلکہ اس کی جانب بیع کی صرف نسبت کی گئی ہے، یا تو محض اشارہ سے، یا نقد سے، اور اس نسبت کی وجہ سے شبہۂ خبث پایا گیا نہ کہ حقیقی خبث، جیسا کہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت آ چکی ہے، اسی وجہ سے ان میں خبث صرف اسی وقت تک رہے گا جب تک ضمان ادا نہ کیا گیا ہو، پھر جب ضمان ادا کر دیا جائے تو سامان اور ربح دونوں حلال ہوں گے، امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی یہی توجیہ میری سمجھ میں آئی ہے، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

اور اکثر متاخرین نے لوگوں سے حرج دفع کرنے کے لیے امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو مفتی بہ کہا ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَعَلَى هَذَا مَشَى الْمُصَنِّفُ فِي كِتَابِ الْغَصْبِ تَبَعًا لِلدُّرَرِ وَغَيْرِهَا. (۱)

صاحب درمختار نے درر وغیرہ کی اتباع میں یہی قول اختیار کیا ہے۔

اور ہمارے مشائخ کی ایک جماعت کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ (۲)

تو اگر امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہماری ذکر کردہ تفسیر کے مطابق لیا جائے تو اس کا راجح ہونا مسلم ہے، اور اگر یہ قول اس بنیاد پر لیا جائے کہ اس سے مغصوبہ نقود سے خریدی ہوئی چیز اور اس کا ربح حلال ہو جاتا ہے تو صاحب ہدایہ و بدائع نے جو طرفین کے قول کو ترجیح دی ہے وہی ترجیح کے زیادہ لائق ہے، اور یہی احوط ہے، دل کو یہی بات لگتی ہے؛

(۱) الدر مع الرد ۵ / ۲۳۵

(۲) فتاوی دار العلوم دیوبند ۱۴ / ۳۹۴ تا ۳۹۸

اگر چہ عموم بلویٰ کی وجہ سے اکثر متاخرین نے امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے، اسی وجہ سے مبتلیٰ بہ شخص کے لیے تو حاجت شدیدہ کے وقت اس قول پر عمل کی گنجائش ہوگی؛ البتہ احتیاط اولیٰ ہے، اور جس بائع نے مشتری سے مغصوبہ نقود لیے ہیں کیا اس کے لیے ان نقود کا استعمال درست ہوگا؟ امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا حکم منقول نہیں ہے؛ لیکن ہمارے علماء نے جواز کا فتویٰ دیا ہے، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

۴۸۴۔دوسری قسم

دوسری قسم یہ ہے کہ مغصوب کے اندر غاصب نے ایسا تصرف کر دیا ہو جس کی وجہ سے مبیع کے نام اور اس کے اکثر منافع متغیر ہو چکے ہوں، مثلاً: کسی نے بکری غصب کر کے اس کو ذبح کر دیا اور بھون دیا یا پکا دیا، گیہوں غصب کر کے اس کو پیس دیا، لوہا غصب کر کے اس کو تلوار بنا دیا، پیتل غصب کر کے اس کے برتن بنا دیے، حنفیہ کے نزدیک اس قسم کا حکم یہ ہے کہ اس تغیر کی وجہ سے مالک کی ملکیت زائل ہو جائے گی، اور غاصب کو ملک خبیث حاصل ہوگی، اور وہ اس کا ضامن ہوگا، اور ضمان ادا کرنے تک اس سے انتفاع حلال نہیں ہوگا، مالکیہ کا بھی یہی مذہب معلوم ہوتا ہے، علامہ ابن حاجب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَإِذَا ذَبَحَ الشَّاةَ ضَمِنَ قِيمَتَهَا.(۱)

بکری ذبح کر دے تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

اور علامہ ابن عرفہ جلاب رحمۃ اللہ علیہ نے مزید یہ کہا:

وَكَانَ لَهُ أَكْلُهَا.(۲)

وہ بکری کھا سکتا ہے۔

اور علامہ ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ مالک جس حالت میں سامان ہے اسی حالت میں اس کو لے بھی سکتا ہے اور قیمت بھی لے سکتا ہے۔(۳)

(۱) مواہب الجلیل ۵ / ۲۷۷

(۲) حوالۂ سابق

(۳) حوالۂ سابق

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مالک کا حق باقی رہے گا اور اسی حالت میں مالک کو لوٹانا ضروری ہوگا، اور اپنے عمل کے بدلہ میں غاصب اس کا شریک نہیں ہوگا؛ کیوں کہ یہ دوسرے کی ملک میں بطورِ تبرع کیا گیا عمل ہے؛ لہٰذا وہ شریک بھی نہیں ہوگا۔(۱) اور اگر غاصب کے تصرف کی وجہ سے قیمت میں کمی آگئی ہو تو اس کا ضمان بھی لازم ہوگا۔(۲) یہی حنابلہ کا مذہب ہے۔(۳) اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت ہے، جیسا کہ ہدایہ(۴) میں ہے۔

علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ نے حنفیہ کی دلیل یہ ذکر کی ہے:

أَنَّهُ أَحْدَثَ صَنْعَةً مُتَقَوِّمَةً صَيَّرَ حَقَّ الْمَالِكِ هَالِكًا مِنْ وَجْهٍ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ تَبَدَّلَ الِاسْمُ وَفَاتَ مُعْظَمُ الْمَقَاصِدِ وَحَقُّهُ فِي الصَّنْعَةِ قَائِمٌ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ فَيَتَرَجَّحُ عَلَى الْأَصْلِ الَّذِي هُوَ فَائِتٌ مِنْ وَجْهٍ، وَلَا نَجْعَلُهُ سَبَبًا لِلْمِلْكِ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ مَحْظُورٌ، بَلْ مِنْ حَيْثُ إِنَّهُ إِحْدَاثُ الصَّنْعَةِ. (۵)

اس نے مغصوب میں ایسی متقوم کاری گری کی ہے جس سے مالک کا حق من وجہٍ ختم ہوگیا، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ نام بھی بدل گیا ہے اور اکثر مقاصد بھی فوت ہوگئے ہیں، اور صنعت میں اس کا حق من وجہٍ باقی بھی ہے؛ لہٰذا اس کو اس اصل پر ترجیح ہوگی جو کہ من وجہٍ فوت ہوگیا ہے، اور اس کو محظور ہونے کی حیثیت سے نہیں؛

---

(۱) المہذب ۲/ ۲۰۲

(۲) تکملۂ مجموع شرح المہذب للمطیعی ۱۴/ ۲۵۱

(۳) المغنی لابن قدامہ ۵/ ۱۹۶

(۴) ۴/ ۲۹۹

(۵) حوالۂ سابق

بلکہ کاریگری کرنے کی حیثیت سے سببِ ملک قرار دیں گے۔

اور ضمان کی ادائیگی سے قبل حلال نہ ہونا یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح قول ہے، اور امام حسن وزفر رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس سے انتفاع جائز ہے، اور امام ابولیث رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کی روایت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی نقل کی ہے؛ کیوں کہ اس میں غاصب کی ملکیت ثابت ہوچکی ہے؛ لیکن اکثر مشائخ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت کا انکار کیا ہے، اور علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ امام ابولیث رحمۃ اللہ علیہ کی روایت مقتضائے قیاس اور دوسری روایت مقتضائے استحسان ہے۔(۱)

۴۸۵۔ مالک کی اجازت کے بغیر لی گئی بکری سے متعلق حدیث

استحسان کی دلیل وہ روایت ہے، جو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الآثار میں عن ابی حنیفة عن عاصم بن كليب عن رجل من اصحاب محمد ﷺ کی سند سے نقل کی ہے:

صنع رجل من أصحاب محمد- صلّى الله عليه وسلم- طعاماً فدعاه، فقام وقمنا معه فلما وضع الطعام تناول منه شيئاً وتناولنا معه فأخذ النبي صلّى الله عليه وسلم بضعة فلاكها في فيه طويلاً لا يستطيع أن يأكلها فالقاها من فيه و امسك عن الطعام فدعا النبي- صلّى الله عليه وسلم- صاحب الطعام فقال أخبرني عن لحمك هذا من أي هو قال يا رسول الله شاة كانت لصاحب لنا فلم يكن عندنا نشتريها منه وعجلنا وذبحناها فصنعناها لك

(۱) حوالۂ سابق، اس مسئلہ کے متعلق فتاویٰ عالمگیری ()()۵/۱۴۰ میں محیط کے حوالہ سے مکمل عبارت ذکر نہیں کی گئی ہے، جس سے اشتباہ ہوجاتا ہے؛ لہٰذا المحیط البرہانی ()()۵/۴۹۷ کی جانب ضرور مراجعت کرنی چاہیے۔

حتی یجیء فنعطیه ثمنها فأمر النبی - صلّی الله علیه وسلم - ان یرفع الطعام و أن یطعمه الأساری.(۱)

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی نے کھانا بنایا اور آپ کو دعوت دی، آپ چلے اور ہم بھی آپ کے ساتھ چلے، جب کھانا چن دیا گیا تو آپ نے اس سے تھوڑا سا تناول فرمایا، ہم نے بھی آپ کے ساتھ تناول کیا، اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے گوشت کی ایک بوٹی لی اور دیر تک اس کو منہ میں چباتے رہے؛ لیکن اس کو کھا نہ سکے، آپ نے اس کو اگل دیا، اور کھانے سے ہاتھ روک لیا، پھر داعی کو بلا کر دریافت کیا کہ یہ گوشت کہاں سے آیا؟ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! ایک بکری ہماری پڑوسی کی تھی، وہ موجود نہیں تھا کہ ہم اس سے بکری خرید سکیں، اور ہمیں جلدی تھی؛ اس لیے ہم نے اسے ذبح کر کے آپ کے لیے کھانا بنایا، جب وہ آجائے گا تو اس کو ثمن دے دیں گے، تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کھانا اٹھا لینے کا حکم فرمایا اور قیدیوں کو کھلا دینے کے لیے کہا۔

پھر علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَإِذَا أَدَّى الْبَدَلَ يُبَاحُ لَهُ، لِأَنَّ حَقَّ الْمَالِكِ صَارَ مُوَفًّى بِالْبَدَلِ...وَكَذٰلِكَ إِذَا أَبْرَأَهُ لِسُقُوطِ حَقِّهِ بِهِ، وَكَذَا إِذَا أَدَّى بِالْقَضَاءِ أَوْ ضَمِنَهُ الْحَاكِمُ أَوْ ضَمِنَهُ الْمَالِكُ لِوُجُودِ الرِّضَا مِنْهُ، لِأَنَّهُ لَا يَقْضِي إِلَّا بِطَلَبِهِ.(۲)

اگر ضمان ادا کر دے تو مغصوب اس کے لیے مباح ہے؛ کیوں

(۱) کتاب الآثار ۲/ ۸۴۴

(۲) ہدایہ ۴/ ۳۰۰

کہ مالک کا حق ضمان سے ادا ہو چکا ہے، یہی حکم اس صورت
میں ہے جب کہ مالک اس کو بری کردے؛ کیوں کہ اس سے
مالک کا حق ساقط ہوجاتا ہے، اسی طرح جب وہ قضاء یا حاکم یا
مالک کے کہنے کی وجہ سے ضمان ادا کرے تو بھی یہی حکم ہے۔

ظاہر ہے کہ مالک کی رضا مندی معلوم ہوجانے کے بعد مغصوب سے انتفاع غاصب کے لیے بلا کراہت حلال ہوگا، اور اگر مالک ناگواری کے ساتھ ضمان لے تو غاصب لے لیے اس سے بچنا اور اس کو صدقہ کردینا اولیٰ ہے، یہی وجہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے بکری کے واقعہ کے تحت لکھا ہے:

ہمارا اسی حدیث پر عمل ہے، اگر گوشت اپنی پہلی حالت پر ہوتا
تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیدیوں کو کھلانے کا حکم نہیں دیتے؛ لیکن آپ
کی رائے میں بکری مالک کی ملکیت سے نکل چکی تھی، اور آپ
نے خود کھانے کو ناپسند فرمایا؛ کیوں کہ بکری کے مالک کو ابھی
ضمان نہیں دیا گیا تھا، اور جو شخص کسی چیز کا ضامن ہو تو وہ من وجہٍ
غصب شمار ہوتی ہے؛ لٰہذا یہی بہتر ہے کہ خود کھانے کے بجائے
اس کو صدقہ کردے، اور اس کا ربح بھی استعمال نہ کرے، اور
قیدی ہمارے نزدیک محتاج ہیں، یہ ساری تفصیل امام ابوحنیفہ
رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہے۔(۱)

اس روایت سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱) بکری کو ذبح کرنے والا ذبح کرنے اور پکانے کی وجہ سے بکری کا مالک بن گیا؛ لٰہذا اس نے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا وہ اسی کا مملوک تھا، پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے تناول نہیں فرمایا، معلوم ہوا کہ غاصب اگرچہ مغصوب میں تبدیلی

---

(۱) کتاب الآثار ۲/ ۸۴۴

کر دینے سے اس کا مالک ہو جاتا ہے؛ لیکن ضمان کی ادائیگی سے قبل اس سے انتفاع یا اس کو بطور ہدیہ وغیرہ پیش کرنا درست نہیں ہے۔

۲) بکری کو ذبح کرنے والے نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے صراحت کر دی تھی کہ وہ مالک کو قیمت دے دے گا، اور ظاہر ہے کہ دیا بھی ہوگا، اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیمت دینے تک انتظار نہیں فرمایا اور اس کھانے کو روکے نہیں رکھا؛ بلکہ قیدیوں کو کھلا دینے کا حکم دیا، معلوم ہوا کہ غاصب اگر چہ ضمان ادا کرنے کا التزام کرلے، پھر بھی اس چیز کو استعمال کرنا بہتر نہیں ہے؛ بلکہ اس کو صدقہ کر دے، حتی کہ ضمان کی ادائیگی کے بعد بھی؛ کیوں کہ اس چیز کی ملکیت غیر مشروع طریقہ پر حاصل ہوئی ہے، اسی بات کی جانب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے:

ومن ضمن شيئا فصار له من وجه غصب، فأحب الينا ان يتصدق به ولا يأكله، وكذلك ربحه. (۱)

جو شخص کسی چیز کا ضامن ہو تو وہ من وجہٍ غصب شمار ہوتی ہے؛ لہٰذا یہی بہتر ہے کہ خود کھانے کے بجائے اس کو صدقہ کر دے، اور اس کا نفع بھی استعمال نہ کرے۔

اور علامہ نجم الدین نسفی رحمۃ اللہ علیہ اس کی علت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لأنه استفاده بفعل لا يحل، فصار كالمملوك بالبيع الفاسد عند القبض، إلا أن يجعله صاحبه في حل فحينئذٍ يباح تناوله لانقطاع ذلك السبب. (۲)

کیوں کہ اس نے وہ چیز حرام طریقہ سے حاصل کی ہے، پس یہ اس چیز کی مانند ہے جس پر بیع فاسد کے ذریعے قبضہ کیا گیا ہو؛

(۱) کتاب الآثار ۲/ ۸۴۴

(۲) المحیط البرہانی ۵/ ۴۹۷

الَّا یہ کہ مالک اس کو حلال قرار دے تو سبب کے ختم ہو جانے کہ وجہ سے اس کا استعمال مباح ہوگا۔

لیکن ضمان ادا کرنے کے بعد اگر وہ مغصوب کو بیچے یا ہدیہ دے تو مشتری اور موہوب لہٗ کے لیے بلا کراہت اس سے انتفاع حلال ہے؛ کیوں کہ یہاں ایسی چیز خریدی یا ہدیہ میں قبول کی گئی ہے جس کا بائع یا ہدیہ دینے والا مالک ہے، کراہت تو خود اس کے حق میں ہے، نہ کہ مشروع طریقہ پر اس سے لینے والے کے حق میں، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

۴۸۶۔ تیسری قسم

تیسری قسم: ایسا مال جو حلال وحرام دونوں سے مخلوط ہو، اس کی چار صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ غاصب یا حرام کمانے والے کے پاس حلال حرام سے جدا ہو، تو ان دونوں میں سے ہر ایک پر اس کے احکام جاری ہوں گے، اگر وہ کسی کو حلال مال میں سے دے تو لینے والے کے لیے حلال، اور اگر حرام مال میں سے دے تو لینے والے کے لیے حرام ہے، اور اگر لینے والا یہ تو جانتا ہو کہ اس شخص کے پاس حلال اور حرام دونوں مال الگ الگ ہیں؛ لیکن یہ علم نہ ہو کہ جو مال وہ دے رہا ہے وہ حلال میں سے ہے یا حرام میں سے تو حنفیہ کے نزدیک غلبہ کا اعتبار ہوگا، اگر دینے والے کا اکثر مال حرام ہو تو لینا ناجائز ہے، اور اگر حلال مال غالب ہو تو اجازت ہے، یہی اس مسئلہ کا محمل جو الاشباہ و النظائر اور دیگر کتابوں میں مذکور ہے:

إِذَا كَانَ غَالِبُ مَالِ الْمُهْدِي حَلَالًا، فَلَا بَأْسَ بِقَبُولِ هَدِيَّتِهِ، وَأَكْلِ مَالِهِ مَا لَمْ يَتَبَيَّنْ أَنَّهُ مِنْ حَرَامٍ، وَإِنْ كَانَ غَالِبُ مَالِهِ الْحَرَامَ لَا يَقْبَلُهَا، وَلَا يَأْكُلُ إِلَّا إِذَا قَالَ: إِنَّهُ حَلَالٌ وَرِثَهُ أَوِ اسْتَقْرَضَهُ. (۱)

(۱) الاشباہ والنظائر ۱/۹۶

اگر ہدیہ دینے والے کا اکثر مال حلال ہو تو اس کا ہدیہ قبول کرنے اور دعوت کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ اس کا مال حرام میں سے ہونا واضح نہ ہوا ہو، اور اگر اکثر مال حرام ہے تو ہدیہ نہ لے اور نہ دعوت کھائے؛ الّا یہ کہ وہ خود کہے: یہ حلال ہے، مجھے وراثت میں ملا تھا یا یہ کہ بطور قرض میں نے کسی سے لیا ہے۔

یہ جملہ ''مَا لَمْ يَتَبَيَّنْ أَنَّهُ مِنْ حَرَامٍ'' اس بات کی دلیل ہے کہ اس مسئلہ کا تعلق اس صورت سے ہے جب حرام حلال سے جدا ہو، اور اگر یہ مقصود ہے کہ مخلوط غیر متمیز میں بھی غلبہ کا اعتبار ہے تو پھر یہ ورع پر محمول ہوگا، جیسا کہ تیسری صورت کے تحت حنفیہ کے مذہب کی تحقیق میں آئے گا۔

اور حنابلہ کی عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے یہاں اس صورت میں غلبہ کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ بیع کرنا یا اس کا ہدیہ قبول کرنا کراہت کے ساتھ درست ہے، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَإِذَا اشْتَرَى مِمَّنْ فِي مَالِهِ حَرَامٌ وَحَلَالٌ، كَالسُّلْطَانِ الظَّالِمِ، وَالْمُرَابِي، فَإِنْ عَلِمَ أَنَّ الْمَبِيعَ مِنْ حَلَالِ مَالِهِ، فَهُوَ حَلَالٌ، وَإِنْ عَلِمَ أَنَّهُ حَرَامٌ، فَهُوَ حَرَامٌ، وَلَا يُقْبَلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِي عَلَيْهِ فِي الْحُكْمِ، لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ مَا فِي يَدِ الْإِنْسَانِ مِلْكُهُ. فَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ مِنْ أَيِّهِمَا هُوَ، كَرِهْنَاهُ لِاحْتِمَالِ التَّحْرِيمِ فِيهِ، وَلَمْ يَبْطُلِ الْبَيْعُ؛ لِإِمْكَانِ الْحَلَالِ، قَلَّ الْحَرَامُ أَوْ كَثُرَ. وَهَذَا هُوَ الشُّبْهَةُ، وَبِقَدْرِ قِلَّةِ الْحَرَامِ وَكَثْرَتِهِ، تَكُونُ كَثْرَةُ الشُّبْهَةِ وَقِلَّتُهَا. (۱)

---

(۱) المغنی لابن قدامہ ۴/۲۰۱

جس شخص کے پاس حلال وحرام دونوں طرح کے مال ہوں،
جیسے: ظالم بادشاہ اور سود خور، اگر کوئی اس سے کوئی چیز خریدنا
چاہے تو مبیع اگر حلال مال میں سے ہے تو حلال ہے اور اگر حرام
میں سے ہے تو حرام ہے، اور مشتری کی بات نہیں مانی جائے گی؛
کیوں کہ ظاہر یہی ہے کہ انسان کے قبضہ میں جو چیز ہوگی وہ اسی
کی ملک ہوگی، اور اگر معلوم نہ ہو کہ مبیع حلال مال میں سے ہے
یا حرام مال میں سے، تو حرمت کے احتمال کی وجہ سے ہم اس کو
مکروہ سمجھتے ہیں؛ لیکن حلال کے امکان کی وجہ سے بیع باطل
نہیں ہوگی، خواہ حلال مال کم ہو یا زیادہ، یہی شبہہ ہے، اور
حرام کے قلیل یا کثیر ہونے کے بقدر شبہہ بھی کثیر یا قلیل ہوگا۔

۴۸۷۔ دوسری صورت

غاصب نے متعدد افراد سے اموال غصب کیے، پھر انہیں باہم اس طرح ملا دیا کہ امتیاز نہیں کیا جاسکتا؛ لیکن سب کا سب غصب کا ہی ہے، اور یہ بات معلوم بھی ہو۔

غاصب کے لیے مال مغصوب کو کسی اور چیز کے ساتھ ملا دینا بالاتفاق ناجائز ہے؛ کیوں کہ یہ غیر ملک میں تصرف ہے؛ لیکن اگر وہ ملا دے تو اس مخلوط کے حکم کے سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

۴۸۸۔ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک غاصب مال مغصوب خلط ملط کر دینے سے اس کا مالک نہیں ہوگا؛ بلکہ وہ مخلوط مال اس کے مالکان کے درمیان مشترک رہے گا، ان کی ملکیت زائل نہیں ہوگی۔(۱) اور اس پر پہلی قسم کے احکام جاری ہوں گے، یعنی غاصب کے لیے اس سے انتفاع حلال نہیں ہے، اسی طرح کسی اور کے لیے اس سے خرید و

(۱) المحیط البرہانی ۵/ ۴۸۱و۴۸۲

فروخت کرنا یا ہدیہ قبول کرنا ناجائز ہے۔

۴۸۹۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک سے زائد افراد سے غصب کیے ہوئے اموال کو اگر غاصب آپس میں ملا دے تو غاصب کی اس پر ملک خبیث ثابت ہو جائے گی، اور اس پر اس کا مثل لازم ہوگا، اور اس سے انتفاع ناجائز ہوگا، دونوں قولوں میں فرق یہ ہے کہ غاصب اگر مخلوط مال فروخت کرے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع نافذ ہو جائے گی (مطلب یہ کہ مشتری کی جانب مغصوب کا ضمان مع خبث منتقل ہو جائے گا؛ لہٰذا ضمان کی ادائیگی سے قبل وہ بھی اس سے نفع نہیں اٹھا سکتا) اور غاصب پر مالکان کو ضمان دینا لازم ہوگا، جب کہ ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک بیع ہی نہیں ہوگی؛ کیوں کہ بائع اس کا مالک ہی نہیں ہے۔

متاخرین مشائخ کی ایک جماعت جیسے علامہ ابوبکر، محمد بن فضل اور فقیہ ابولیث رحمۃ اللہ علیہم نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتوی دیا ہے۔(۱) اور خلاصۃ الفتاوی (۲) اور درمختار (۳) میں اسی کو لوگوں کے حق میں زیادہ سہولت والا قرار دیا گیا ہے۔

لیکن واضح رہے کہ خلط ملط کرنے کی وجہ سے حاصل ہونے والی ملکیت خبیث ہے؛ لہٰذا ضمان ادا کرنے سے پہلے وہ اس سے انتفاع نہیں کر سکتا۔(۴)

۴۹۰۔بیع فاسد سے حاصل کردہ چیز اور مال مغصوب سے خریدی ہوئی چیز میں فرق

خیال رہے کہ مذکورہ صورت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع کا نافذ ہو جانا ویسا نہیں ہے جیسا کہ بیع فاسد کے طور پر حاصل کی ہوئی چیز کو فروخت کرنے والے سے

---

(۱) فتاوی عالمگیری ۵/ ۳۴۲

(۲) ۱/ ۲۴۵

(۳) ۲/ ۲۹۰

(۴) المحیط البرہانی ۵/ ۴۸۱

بیع نافذ ہوجاتی ہے، چنانچہ مشتری کے لیے بلا کراہت اس سے انتفاع حلال ہوتا ہے؛ اگرچہ نفس بیع مکروہ ہوتی ہے؛ اس لیے کہ خلط ملط مغصوبات میں بیع اسی حد تک نافذ ہوتی ہے کہ بیع درست ہوجائے اور ملک خبیث اپنے خبث سمیت منتقل ہوجائے؛ لہٰذا جب تک مالک کو ضمان نہ مل جائے تب تک مشتری کے لیے اس سے انتفاع حلال نہیں ہوگا۔

اس کی دلیل وہ مسئلہ ہے جو سیر کبیر کی شرح میں مذکور ہے کہ مسلمان اگر دار الحرب میں امان لے کر داخل ہو، پھر حربی کی کوئی چیز غصب کر کے دار الاسلام لے آئے تو اس احراز کی وجہ سے اس کو ملک خبیث حاصل ہوجائے گی؛ لیکن مالک کو لوٹانے کا حکم دیا جائے گا، اس صورت کے بارے میں امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

> اگر کوئی شخص اس سے وہ چیز خرید لے تو خریدنا جائز ہے: البتہ وہ گنہگار ہوگا؛ کیوں کہ وہ اسی کی ملکیت ہے، اور شرعاً سبب کا فاسد ہونا ثبوتِ ملک سے مانع نہیں ہے، اور اس خریداری کی ممانعت اس کے کسی ذاتی سبب کی وجہ سے نہیں ہے، اور خریداری جائز ہونے کے بعد مشتری کو وہی حکم دیا جائے گا جو بائع کو دیا جاتا ہے کہ حربی کو مال لوٹا دے؛ کیوں جس وجہ سے لوٹانا واجب ہے وہ بیع کے بعد بھی موجود ہے، اور اس کا حکم اس چیز سے الگ ہے جس کو مشتری نے بیع فاسد کے طور پر خریدا ہو پھر اس کو بیع صحیح کے طور پر کسی اور کو فروخت کردے تو یہاں مشتری ثانی کو لوٹانے کا حکم نہیں ہوگا؛ اگرچہ بائع کے ذمہ ابھی تک لوٹانا لازم ہے؛ کیوں کہ یہاں جس سبب کی بنا پر لوٹانا واجب تھا وہ بیع کی وجہ سے زائل ہوچکا ہے: اس لیے کہ بیع فاسد ہونے کی وجہ سے لوٹانے کا حکم صرف مشتری کی ملک تک محدود ہے، اور دوسرے کو فروخت کرنے کی وجہ سے اس کی

ملک ختم ہوگئی ہے، جب کہ غصب کی صورت میں لوٹانے کا حکم مال مغصوب میں حربی کی ملک کی رعایت اور امان کی وجہ سے کیے گئے وعدہ کو توڑنے کی وجہ سے ہے، اور یہ وجہ مشتری کی ملک میں بھی موجود ہے، جیسا کہ غاصب بائع کی ملک میں موجود تھی، اسی وجہ سے جیسے بائع کو لوٹانے کا حکم ہے مشتری کو بھی اسی کا فتویٰ دیا جائے گا۔(۱)

خلاصہ یہ کہ مال مغصوب اس مال سے الگ ہے جسے بیع فاسد کے طور پر خریدا گیا ہو، بیع فاسد میں تو ثمن لینے والے بائع کی رضامندی کی وجہ سے مشتری کو مبیع کی ملکیت حاصل ہوگئی ہے، اور فساد تو کسی عارض کی وجہ سے آیا ہے؛ لہٰذا مشتری کے کسی اور کو مال فروخت کرتے وقت بھی بائع کی رضامندی برقرار ہے، اور جو فساد آیا تھا وہ مشتری اول کی ملکیت زائل ہونے سے ختم ہوگیا؛ لہٰذا اس سے کسی بندہ کا حق متعلق نہیں ہوگا، اور مغصوب کے اندر مالک کی رضامندی مفقود ہے، ملک تو کسی عارض کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے، یعنی ہلاک کردینے یا خلط ملط کردینے کی وجہ سے؛ لہٰذا اس بیع کی وجہ سے مشتری کو اسی قسم کی ملکیت حاصل ہوگی جیسی غاصب کو حاصل تھی، اور بیع سے قبل جس طرح مالک کی رضامندی مفقود تھی بیع کے بعد بھی مفقود ہے؛ لہٰذا جیسے بائع کے لیے انتفاع حرام تھا مشتری کے لیے بھی حرام ہوگا، تا آں کہ غاصب یا مشتری مالک کو ضمان ادا کردے۔

۴۹۱۔ مخلوط مغصوب اشیاء میں سے ہدیہ دینا

اگر مالک کو ضمان دینے سے قبل مخلوط مال میں سے کسی کو ہبہ کرے تو اگر موہوب لہٗ فقیر ہو تو اس کے لیے لینا اور اس سے نفع اٹھانا حلال ہے، علامہ ابوبکر فضلی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کا فتویٰ دیا ہے، فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

فَقِيلَ لَهُ لَوْ أَنَّ فَقِيرًا يَأْخُذُ جَائِزَةَ السُّلْطَانِ مَعَ عِلْمِهِ

(۱) شرح سیر کبیر ۱/۱۱۱۹

أَنَّ السُّلْطَانَ يَأْخُذُهَا غَصْبًا أَيَحِلُّ لَهُ؟ قَالَ إِنْ خَلَطَ ذٰلِكَ بِدَرَاهِمَ أُخْرَى، فَإِنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ، وَإِنْ دَفَعَ عَيْنَ الْمَغْصُوبِ مِنْ غَيْرِ خَلْطٍ لَمْ يَجُزْ.(۱)

آپ سے سوال کیا گیا: اگر فقیر بادشاہ سے انعام یہ جاننے کے بعد بھی لیتا ہے کہ بادشاہ نے اس کو بطور غصب لیا ہے تو کیا اس کے لیے یہ حلال ہوگا؟ آپ نے جواب دیا: اگر عین مغصوب دے تو حرام ہے اور اگر دوسرے دراہم کے ساتھ ان کو ملا دے تو حلال ہے۔

ظاہر ہے کہ اتنی بات فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

اور اگر لینے والا ایسا شخص ہو جس کے لیے زکوۃ حلال نہیں ہے تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، مالکیہ اور حنفیہ کا راجح مذہب یہ ہے کہ اس سے انتفاع حلال نہیں ہے، فتاویٰ بزازیہ میں مذکور ہے:

ما يأخذه الأعونة من الأموال ظلماً، ويخلطه بماله وبمال مظلوم آخر يصير ملكاله وينقطع حق الأول، فلا يكون أخذه عندنا حراما محضا نعم لا يباح الانتفاع به قبل اداء البدل فى الصحيح من المذهب.(۲)

وزراء جو مال ظلماً لے کر اپنے مال کے ساتھ ملا لیتے ہیں تو وہ اس کے مالک ہو جائیں گے؛ لہٰذا ہمارے نزدیک غاصب سے مال مغصوب لینا حرام محض نہیں ہوگا، ہاں! صحیح مذہب کے مطابق

---

(۱)　۵/۳۴۲

(۲)　بزازیہ علی ہامش الہندیہ ۴/ ۸۳

ضمان کی ادائیگی سے قبل اس سے انتفاع کی اجازت نہیں ہوگی۔

اس مسئلہ میں غنی اور فقیر کے درمیان فرق کی وجہ یہ ہے کہ ملک خبیث کا مصرف یہ ہے کہ اگر مالک کو نہ لوٹایا جاسکے تو فقیر پر اس کو صدقہ کر دیا جائے اور فقیر کے لیے وہ لینا جائز ہے؛ لیکن اگر مالک کو لوٹانا ممکن ہو تو غاصب بری الذمہ نہیں ہوگا، اور ہمارے علم میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔

۴۹۲۔ مخلوط مغصوب اشیاء سے خریداری

اگر غاصب اس قسم کے مخلوط مال سے کوئی چیز خریدے تو ائمہ ثلاثہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک اس پر پہلی قسم کے احکام جاری ہوں گے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بیع نافذ ہوجائے گی، مطلب یہ کہ مشتری غاصب کی جانب مبیع کی ملکیت منتقل ہوجائے گی؛ لیکن مالکان کو ضمان ادا کرنے تک اس سے انتفاع حلال نہیں ہوگا، اور بائع کے لیے اس ثمن سے انتفاع حلال ہوگا جس پر اس نے قبضہ کیا ہے، اگرچہ ثمن نقود سے دیا گیا ہو؛ کیوں کہ مالکان کو لوٹانے کا فریضہ غاصب کے خلط ملط کرنے کی وجہ سے اس کے ذمہ کی جانب منتقل ہوگیا ہے؛ لہٰذا بائع نے جس ثمن پر قبضہ کیا ہے وہ بعینہٖ مغصوب نہیں ہے۔

۴۹۳۔ تیسری صورت

غاصب نے مال مغصوب اپنے مال کے ساتھ ملا دیا، اور اپنے مال اور مغصوب مال میں امتیاز نہ ہو اور یہ بات اس کے تعلق سے معلوم بھی ہو، اس صورت کا حکم فقہاء کے یہاں مختلف فیہ ہے، اس میں مختلف اقوال ہیں:

پہلا قول

علامہ اصبغ مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کی کسی چیز سے انتفاع، اس کا ہدیہ قبول کرنا اور اس کے ساتھ خرید وفروخت کرنا سب ناجائز ہے؛ اگرچہ اکثر مال حلال ہو؛ کیوں کہ حرام کے اختلاط کی وجہ سے کل مال حرام ہوگیا ہے۔

۴۹۴۔ دوسرا قول

علامہ ابن وہب مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ مشتبہ مال ہے؛ لہٰذا اس سے انتفاع،

اس کا ہدیہ قبول کرنا اور خرید وفروخت کرنا مکروہ ہوگا؛ اگرچہ اکثر مال حلال ہو، علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ وجہ ذکر کی ہے کہ حرام جب غاصب کے مال کے ساتھ مخلوط ہونے کی وجہ سے اس میں شائع ہوگیا ہے، پس جب کسی چیز میں معاملہ ہوگا تو اس میں حرام کا ایک جزء بھی داخل ہوگا؛ لہٰذا یہ مشتبہ ہے اور اس سے بچنا اولیٰ ہے۔

۴۹۵۔ تیسرا قول

اگر غاصب کا اکثر مال حلال ہو تو اس کا ہدیہ قبول کرنا، اس کی دعوت کھانا اور اس کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے، اور اگر اکثر مال حرام ہو تو مکروہ ہے؛ الَّا یہ کہ وہ حلال سامان خریدے تو اس سے وہ سامان خریدنے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح ہدیہ بھی لیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ یہ معلوم ہو کہ ہدیہ دینے کے بعد غاصب کے پاس اتنا مال باقی رہے گا کہ وہ ضمانات ادا کرسکے، علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ علامہ ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا قول قیاس اور علامہ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ کا قول استحسان ہے، اور علامہ اصبغ رحمۃ اللہ علیہ کا قول خلاف قیاس مبنی بر تشدید ہے۔(۱)

۴۹۶۔ چوتھا قول

اگر حلال مال اکثر ہو تو حلال کے بقدر اس سے انتفاع درست ہے، اور اگر قلیل ہو تو احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ کل کو صدقہ کردے، ایک شخص کے پاس تین دراہم ہوں جن میں سے ایک حرام ہو تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تینوں کو صدقہ کردے، اور اگر دو سو میں دس حرام ہوں تو دس کو صدقہ کردے؛ کیوں کہ حلال کثیر ہے اور حرام قلیل ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے قلیل اور کثیر کی تحدید منقول نہیں ہے، قاضی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> یہ بطورِ تحدید نہیں ہے؛ بلکہ بطورِ اختیار ہے؛ کیوں کہ حلال جب بھی کثیر ہو تو کل سے بچنا دشوار ہے، اور اگر قلیل ہو تو کل کو صدقہ کردینا آسان ہے، اور دونوں صورتوں میں واجب تو صرف

---

(۱) کتاب الجامع ۳/ ۴۲۲

بقدرِ حرام مال صدقہ کرنا ہے، اور بقیہ مباح ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی حرمت لعینہٖ نہیں ہے؛ بلکہ دوسرے کا حق متعلق ہونے کی وجہ سے اس میں حرمت آئی ہے، پس جب اس نے حرام کا عوض صدقہ کر دیا تو حرمت زائل ہوگئی، جیسا کہ اگر مالک موجود ہو اور وہ عوض پر راضی ہو جائے تو حرمت زائل ہو جاتی ہے، خواہ حرام قلیل ہو یا کثیر، اور احتیاط یہ ہے کہ اتنا مال صدقہ کر دے جس سے یہ یقین ہو جائے کہ عین حرام باقی نہ رہا، اور یہ یقین تبھی ہوگا جب کہ کل کو صدقہ کر دے؛ لیکن جب حلال کثیر ہو تو ایسا کرنا دشوار ہے؛ اس لیے مشقت سے بچانے کے لیے اس کا پابند نہیں کیا گیا؛ بلکہ صرف واجب کے صدقہ پر اکتفا کا حکم دیا گیا، پھر یہ حکم لوگوں کے معاشی حالات کے لحاظ سے مختلف ہوگا، بعض کے پاس چند ہی دراہم ہوتے ہیں اور ان کا صدقہ کرنا دشوار ہوتا ہے، اور بعض کے پاس بہت مال ہوتا ہے، اور وہ اتنے دراہم آسانی سے صدقہ کر سکتا ہے۔(۱)

مذکورہ تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر غاصب مخلوط مال میں سے حلال کے بقدر کسی کو ہبہ یا شراء کے طور پر کوئی چیز دے تو لینے والے کے لیے اس سے انتفاع حلال ہوگا؛ کیوں کہ کل مال صدقہ کرنے کا حکم بطورِ تقویٰ ہے، واجب تو صرف حرام مال صدقہ کرنا ہے۔

۴۹۸۔ پانچواں قول

شافعیہ کا قول حنابلہ کے قول کے قریب قریب ہے؛ البتہ اتنا فرق ہے کہ حلال کے قلیل اور نادر ہونے کی صورت میں کل مال صدقہ کرنا صرف تقویٰ نہیں؛ بلکہ شوافع کے

(۱) المغنی لابن قدامہ ۴/ ۲۰۲ و ۲۰۳

نزدیک واجب ہے؛ لہٰذا حلال کے بقدر بھی اس کا ہبہ قبول کرنا یا اس سے معاملہ کرنا جائز نہیں ہوگا، علامہ عزالدین بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> اگر آپ پوچھیں: ایسے شخص کے ساتھ معاملہ کا کیا حکم ہے جو اس بات کا اعتراف کرے کہ اس کا اکثر مال حرام ہے، جائز ہے یا ناجائز؟ ہم جواب دیں گے: اگر حرام مال کا غلبہ ہو اور حلال بہت ہی قلیل ہو تو اس کے ساتھ معاملہ کرنا جائز نہیں ہے، مثلاً وہ اقرار کرے کہ میرے پاس ہزار دینار ہیں اور ان میں صرف ایک دینار حلال ہے تو ایسے شخص کے ساتھ ایک دینار کا معاملہ کرنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ حلال ہونا نادر الوقوع ہے، اور اگر ایک سے زائد دینار میں معاملہ کیا جائے تو اس کی حرمت میں کوئی شک نہیں ہے، اور حلال کا غلبہ ہو کہ ایک ہزار حلال دینار کے ساتھ ایک حرام دینار مل گیا ہو تو معاملہ جائز ہے، اور ان دونوں درجوں یعنی حرام کے قلیل یا کثیر ہونے کے درمیان اور بھی درجے ہیں جو حرام، مکروہ اور مباح ہیں، ان کا ضابطہ یہ ہے کہ حرام جتنا زیادہ ہوگا حرمت بھی اتنی شدید ہوگی اور جتنا کم ہوگا اتنی ہی خفیف ہوگی، چنانچہ دو دیناروں میں سے ایک کا دوسرے سے مشتبہ ہوجانا یا ایک حلال دینار کا ایک ہزار دینار حرام کے ساتھ مشتبہ ہوجانا ہو واضح طور پر حرمت کا سبب ہے، اور ان دونوں کے مابین بھی کچھ امور ہیں جو مشتبہ ہیں، اور اشتباہ کی بنیاد حرام کے قلیل وکثیر ہونے پر ہے، حرام کی جتنی کثرت ہوگی اشتباہ بھی اتنا قوی ہوگا، اور جتنی قلت ہوگی اشتباہ بھی اتنا ضعیف ہوگا، اور اگر حلال وحرام دونوں مساوی ہوں تو اشتباہ بھی مساوی ہوگا۔(۱)

---

(۱) قواعد الاحکام فی مصالح الانام ۱/ ۸۴و۸۵

اور بعض شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ مخلوط مال سے حلال کے بقدر انتفاع جائز ہے، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ ابن الصلاح کے حوالے سے لکھتے ہیں:

لَوْ اخْتَلَطَ دِرْهَمٌ حَلَالٌ بِدَرَاهِمَ حَرَامٍ. وَلَمْ يَتَمَيَّزْ فَطَرِيقُهُ: أَنْ يَعْزِلَ قَدْرَ الْحَرَامِ بِنِيَّةِ الْقِسْمَةِ. وَيَتَصَرَّفُ فِي الْبَاقِي، وَالَّذِي عَزَلَهُ إِنْ عَلِمَ صَاحِبَهُ سَلَّمَهُ إِلَيْهِ، وَإِلَّا تَصَدَّقَ بِهِ عَنْهُ، وَذَكَرَ مِثْلَهُ النَّوَوِيُّ وَقَالَ: اتَّفَقَ أَصْحَابُنَا. وَنُصُوصُ الشَّافِعِيِّ عَلَى مِثْلِهِ فِيمَا إِذَا غَصَبَ زَيْتًا أَوْ حِنْطَةً. وَخَلَطَ بِمِثْلِهِ، قَالُوا: يَدْفَعُ إِلَيْهِ مِنَ الْمُخْتَلَطِ قَدْرَ حَقِّهِ. وَيَحِلُّ الْبَاقِي لِلْغَاصِبِ. قَالَ: فَأَمَّا مَا يَقُولُهُ الْعَوَامُّ: إِنَّ اخْتِلَاطَ مَالِهِ بِغَيْرِهِ يُحَرِّمُهُ، فَبَاطِلٌ، لَا أَصْلَ لَهُ. (۱)

اگر ایک حلال درہم، حرام دراہم کے ساتھ مل جائے اور امتیاز نہ ہو سکے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ تقسیم کی نیت سے حرام کو الگ کر لے، اور باقی میں تصرف کرے، اور جو مقدار الگ کی ہے اگر اس کا مالک معلوم ہو تو اس کو دے دے؛ ورنہ صدقہ کر دے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کے مثل ذکر کیا ہے، اور کہا ہے: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نصوص سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر زیتون یا گیہوں غصب کر لے اور دوسرے زیتون یا گیہوں کے ڈھیر کے ساتھ ملا دے تو مخلوط میں سے اس کے حق کے بقدر ہی دیا جائے گا، اور باقی غاصب کے لیے حلال ہوگا، اسی پر ہمارے اصحاب کا اتفاق ہے، اور عوام جو کہتی ہے کہ دوسرے

---

(۱) الاشباہ والنظائر للسیوطی ۱/۱۰۷

مال کے ساتھ اگر حرام مال مل جائے تو وہ اس کو بھی حرام بنا دیتا ہے باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔

اور آگے لکھتے ہیں:

مُعَامَلَةُ مَنْ أَكْثَرُ مَالِهِ حَرَامٌ إِذَا لَمْ يَعْرِفْ عَيْنَهُ لَا يَحْرُمُ فِي الْأَصَحِّ لَكِنْ يُكْرَهُ وَكَذَا الْأَخْذُ مِنْ عَطَايَا السُّلْطَانِ إِذَا غَلَبَ الْحَرَامُ فِي يَدِهِ كَمَا قَالَ فِي شَرْحِ الْمُهَذَّبِ إِنَّ الْمَشْهُورَ فِيهِ الْكَرَاهَةُ. لَا التَّحْرِيمُ، خِلَافًا لِلْغَزَالِيِّ. (۱)

جس شخص کے پاس اکثر مال حرام ہو، لیکن عین حرام معلوم نہ ہو تو اصح قول کے مطابق اس سے معاملہ کرنا کراہت کے ساتھ جائز ہے، اسی طرح جس سلطان کے پاس اکثر اموال حرام طریقہ سے آئے ہوں اس کے عطایا قبول کرنے کا بھی یہی حکم ہے، جیسا کہ شرح مہذب میں ہے: مشہور قول کراہت کا ہے نہ کہ حرمت کا، اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے۔

۴۹۸۔ چھٹا قول

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ضابطہ یہ ہے کہ غاصب مال مغصوب اپنے یا کسی اور کے مال کے ساتھ ملا دینے کی وجہ سے مخلوط مال کا مالک ہو جائے گا، درمختار میں ہے:

(أَوْ اخْتَلَطَ) الْمَغْصُوبُ (بِمِلْكِ الْغَاصِبِ بِحَيْثُ يَمْتَنِعُ امْتِيَازُهُ) ... (ضَمِنَهُ وَمَلَكَهُ بِلَا حِلِّ انْتِفَاعٍ قَبْلَ أَدَاءِ ضَمَانِهِ). (۲)

---

(۱) حوالہ سابق

(۲) الدر مع الرد ۶/۱۹۱

یا مغصوب غاصب کی ملکیت کے ساتھ اس طرح خلط ہو جائے کہ امتیاز ناممکن ہو تو غاصب اس کا ضامن ہوگا اور اس کا مالک ہو جائے گا؛ البتہ ضمان ادا کرنے سے قبل انتفاع حلال نہیں ہوگا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت لکھتے ہیں:

(قَوْلُهُ بِمِلْكِ الْغَاصِبِ) وَكَذَا بِمَغْصُوبٍ آخَرَ.(۱)

یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب کہ ایک مال مغصوب دوسرے مغصوب کے ساتھ ملا دے۔

اس عبارت سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اپنے مال کے ساتھ ملائے گئے مال مغصوب اور دوسرے کے مال کے ساتھ ملائے گئے مال مغصوب کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، دونوں صورتوں میں کل مال سے انتفاع حلال نہیں ہوگا؛ بلکہ اصل مقصد دونوں میں صرف اس حکم کے اندر مساوات بیان کرنا ہے کہ غاصب مخلوط کا مالک ہو جائے گا، رہا انتفاع کا حلال ہونا تو اس حکم میں دونوں کے درمیان فرق ہے، وہ یہ کہ اگر دوسرے مغصوب کے ساتھ ملائے تو کسی بھی جزء سے انتفاع حلال نہیں ہوگا؛ کیوں کہ کل مال خبیث ہے، اور اگر اپنے مال کے ساتھ ملائے تو صرف اس حصہ سے انتفاع حرام ہوگا جو مغصوبہ ہے، اور اپنے مال کے بقدر انتفاع حلال ہے، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ۔

اگر کسی شخص کے پاس حرام وحلال دونوں مال ملے جلے ہوں تو اس کے ساتھ معاملہ کے حکم کے سلسلے میں یہ مشہور ہے کہ اگر حلال کثیر ہو تو معاملہ جائز ہے، اور بعض فتاویٰ میں بھی یہی حکم ذکر کیا گیا ہے؛ لیکن فقہائے احناف کے کلام کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ حلال کے غلبہ کا اعتبار اس صورت میں ہے جب کہ آدمی کے پاس دونوں الگ الگ رکھے ہوں، اور معاملہ کرنے والے کو یہ علم نہ ہو کہ وہ حرام میں سے دے رہا ہے یا حلال میں سے، اس وقت غلبہ کا اعتبار ہوگا، مطلب یہ کہ اگر اکثر مال حلال

---

(۱) حوالہ سابق

ہوتو یہ مانا جائے گا کہ وہ حلال ہی میں سے دے رہا ہے، اور اکثر مال حرام ہوتو یہ کہا جائے گا کہ وہ حرام ہی میں سے دے رہا ہے، جیسا کہ پہلی صورت کے ذیل میں فقہی عبارات سے یہ بات واضح کی جاچکی ہے۔

اور اگر حلال وحرام اس طرح مخلوط ہوں کہ امتیاز نہ ہوتو حنفیہ کے نزدیک اس صورت میں غلبہ کا اعتبار نہیں ہوگا؛ بلکہ مخلوط سے حلال کے بقدر انتفاع جائز ہوگا، خواہ قلیل ہو یا کثیر، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

پہلی دلیل

درمختار کی عبارت ''ضَمِنَهٗ وَ مَلَكَهٗ'' میں ہاء ضمیر مغصوب کی جانب راجع ہے؛ کیوں کہ وہی ضمان اور ملک جدید کا محل ہے، رہا حلال مال تو وہ نہ اس کا ضامن ہوگا اور نہ اس میں جدید ملک کا ثبوت ہوگا، اور آگے ''بِلَا حِلِّ انْتِفَاعٍ'' کا جملہ ضمان اور ملک جدید سے متعلق ہے، اس مال سے متعلق نہیں ہے جس کا غاصب ضامن نہیں ہے، اور وہ وہ مال ہے جس کا وہ خلط ملط کرنے سے پہلے مالک تھا، معلوم ہوا کہ انتفاع کے حلال نہ ہونے کا حکم صرف مغصوبہ مال سے متعلق ہے۔

دوسری دلیل

فقہاء نے انتفاع کی حرمت کو مالک کی رضامندی پر معلق کیا ہے، یا تو غاصب ضمان ادا کردے یا مالک اس کو بری کردے، جیسا کہ درمختار میں ہے، اور یہ علت صرف مغصوبہ مال پر ہی صادق آتی ہے، نہ کہ غاصب کے مملوکہ مال پر۔

تیسری دلیل

فقہاء نے مذکورہ صورت میں انتفاع کی حرمت کا حکم اس شکل کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے کہ حرام کا غلبہ ہو، اگر ہم کل مال سے انتفاع کو حرام قرار دے دیں تو یہ لازم آئے گا کہ غاصب اپنے حلال مال سے بھی فائدہ نہ اٹھا سکے، اور اگر یہ کہا جائے: بطریق شیوع حرمت حلال کی جانب بھی سرایت کرگئی ہے، جیسا کہ علامہ اصبغ مالکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، تو

یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے خلاف ہے؛ کیوں کہ وہ کہتے ہیں: غاصب خلط ملط کرنے کی وجہ سے اس کا مالک ہو گیا ہے، اور جس سے غصب کیا گیا وہ اس کا اس مال میں شریک نہیں ہے؛ لہٰذا شیوع کا بھی تصور نہیں کیا جا سکتا۔

اور اگر بعض مال میں خبث کی بنا پر شیوع معنوی مراد لیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ اکثر مال حلال ہونے کی صورت میں بھی انتفاع حلال نہ ہو؛ کیوں کہ اس میں بھی شیوع معنوی موجود ہے، پس اگر کسی کے پاس ایک ہزار دینار حلال ہوں اور اسی میں ایک دینار حرام مخلوط ہو تو غاصب کے لیے کسی بھی جزء سے انتفاع حلال نہیں ہوگا، اور یہ خلاف بداہت ہے، حنفیہ میں سے کوئی اس کا قائل نہیں ہے، اور دوسری قسم (مخلوط متمیز) کے تحت ہم فقہاء احناف کا یہ قول ذکر کر چکے ہیں کہ اگر متمیز اموال میں حلال غالب ہو تو موہوب لہٗ کے لیے شئ موہوب سے انتفاع جائز ہے، بشرطیکہ یہ معلوم نہ ہو کہ واہب نے حرام مال سے ہبہ کیا تھا، فقہاء نے اس کی یہ علت ذکر کی ہے:

لِأَنَّ أَمْوَالَ النَّاسِ لَا تَخْلُو عَنْ قَلِيلِ حَرَامٍ. (۱)

لوگوں کے اموال میں کچھ نہ کچھ مقدار حرام کی بھی ہوتی ہے۔

یہاں جو اکثر مال حلال ہے اس میں بھی کچھ حرام ہونے کا احتمال ہے اس کے باوجود ہدیہ وغیرہ کی اجازت ہے، تو مال مخلوط سے بقدر حلال انتفاع بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا؛ کیوں کہ اس میں حرام کا احتمال نہیں ہے۔

چوتھی دلیل

کتبِ فقہ میں بعض ایسی جزئیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مخلوط سے بقدرِ حلال انتفاع جائز ہے، چنانچہ فتاویٰ تاتارخانیہ میں جامع الجوامع کے حوالے سے مذکور ہے:

غصب كرا فخلط بكره ثم باع نصفه مشاعا جاز. (۲)

(۱) الاختیار لتعلیل المختار ۴/ ۱۷۶

(۲) فتاوی تاتارخانیہ ۱۶/ ۴۷۵

ایک کرّ غصب کر کے اپنے ایک کرّ کے ساتھ ملا دیا پھر مشترکہ طور پر نصف بیچ دیا تو یہ جائز ہے۔

اس جزئیہ سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ بقدر حلال مخلوط میں تصرف کرنا جائز ہے، اسی طرح یہ جزئیہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ انتفاع کے حلال ہونے کا حکم حلال کے اکثر ہونے کے ساتھ مقید نہیں ہے؛ کیوں کہ مفروضہ مسئلہ میں حلال وحرام مساوی ہیں، حلال غالب نہیں ہے۔

اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی صراحت کے ساتھ بقدرِ حلال انتفاع کا درست ہونا منقول ہے، تاتارخانیہ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے مذکور ہے:

غصب عشرة دنانير فألقى فيها ديناراً، ثم أعطى منه رجلا ديناراً، جاز، ثم ديناراً آخر لا.(۱)

دس دینار غصب کر کے اس میں ایک دینار ڈال دیا، پھر ایک شخص کو ایک دینار دیا تو جائز ہے؛ لیکن مزید کسی اور کو دینار دینا ناجائز ہے۔

یہاں حلال قلیل ہے، اس کے باوجود غلبہ کا اعتبار کیے بغیر بقدرِ حلال تصرف کو جائز قرار دیا گیا۔

پانچویں دلیل

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَلَوْ خَلَطَ الْغَاصِبُ دَرَاهِمَ الْغَصْبِ بِدَرَاهِمِ نَفْسِهِ خَلْطًا لَا يَتَمَيَّزُ ضَمِنَ مِثْلَهَا وَمَلَكَ الْمَخْلُوطَ؛ لِأَنَّهُ أَتْلَفَهَا بِالْخَلْطِ. وَإِنْ مَاتَ كَانَ ذٰلِكَ لِجَمِيعِ الْغُرَمَاءِ وَالْمَغْصُوبُ مِنْهُ أُسْوَةُ الْغُرَمَاءِ؛ لِأَنَّهُ زَالَ مِلْكُهُ

(۱) فتاوی تاتارخانیہ ۱۶/۵۰۹

عَنْهَا وَصَارَ مِلْكًا لِلْغَاصِبِ. (۱)

اگر غاصب غصب کے دراہم اپنے دراہم کے ساتھ اس طرح ملادے کہ امتیاز نہ ہوسکے تو وہ مخلوط کا مالک ہوجائے گا، اور اس کے مثل کا ضامن ہوگا؛ کیوں کہ خلط کرنے سے اس نے دراہم تلف کردیے ہیں، اور اگر مرجائے تو وہ سارے غرماء کا ہوگا، اور جس سے غصب کیا گیا وہ غرماء کا اسوہ ہوگا؛ کیوں کہ ان دراہم سے اس کی ملکیت زائل ہوچکی ہے، اور وہ غاصب کی ملکیت میں ہیں۔

یہاں جس شخص سے غصب کیا گیا اس کا غرماء کے لیے اسوہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ دیگر غرماء اپنے دیون کے بقدر اس میں سے لے سکتے ہیں، اور جو لے لیں اس سے انتفاع بھی جائز ہے، پھر علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَلَوِ اخْتَلَطَتْ دَرَاهِمُ الْغَصْبِ بِدَرَاهِمِ نَفْسِهِ بِغَيْرِ صُنْعِهِ، فَلَا يَضْمَنُ وَهُوَ شَرِيكٌ لِلْمَغْصُوبِ مِنْهُ؛ لِأَنَّ الِاخْتِلَاطَ مِنْ غَيْرِ صُنْعِهِ هَلَاكٌ، وَلَيْسَ بِإِهْلَاكٍ، فَصَارَ كَمَا لَوْ تَلِفَتْ بِنَفْسِهَا وَصَارَا شَرِيكَيْنِ لِاخْتِلَاطِ الْمِلْكَيْنِ عَلَى وَجْهٍ لَا يَتَمَيَّزُ. (۲)

اگر غاصب کے فعل کے بغیر مغصوبہ دراہم اس کے دراہم کے ساتھ خلط ملط ہوجائیں تو وہ ضامن نہیں ہوگا؛ بلکہ جس شخص سے غصب کیا تھا اس کا شریک ہوجائے گا؛ کیوں کہ غاصب کے فعل کے بغیر خلط ہوجانا ہلاک ہے نہ کہ اِہلاک، تو یہ ایسا ہی

---

(۱) بدائع ۷/ ۱۶۶

(۲) حوالہ سابق

ہو گیا جیسا کہ دراہم از خود تلف ہو گئے ہوں، اور دونوں ملکیتوں کے غیر ممتاز طور پر مخلوط ہونے کی وجہ سے وہ دونوں شریک ہو جائیں گے، اور ہر شریک کا اپنے حصہ میں تصرف کرنا جائز ہوگا۔

چھٹی دلیل

درمختار میں مذکور ہے:

(وَلَوْ خَلَطَ السُّلْطَانُ الْمَالَ الْمَغْصُوبَ بِمَالِهِ مَلَكَهُ فَتَجِبُ الزَّكَاةُ فِيهِ وَيُورَثُ عَنْهُ) ؛ لِأَنَّ الْخَلْطَ اسْتِهْلَاكٌ إِذَا لَمْ يُمْكِنْ تَمْيِيزٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَوْلُهُ أَرْفَقُ إِذْ قَلَّمَا يَخْلُو مَالٌ عَنْ غَصْبٍ. وَهٰذَا إِذَا كَانَ لَهُ مَالٌ غَيْرُ مَا اسْتَهْلَكَهُ بِالْخَلْطِ مُنْفَصِلٌ عَنْهُ يُوَفِّي دَيْنَهُ وَإِلَّا فَلَا زَكَاةَ، كَمَا لَوْ كَانَ الْكُلُّ خَبِيثًا كَمَا فِي النَّهْرِ عَنِ الْحَوَاشِي السَّعْدِيَّةِ.(۱)

اگر بادشاہ مال مغصوب کو اپنے مال کے ساتھ ملا دے تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا، اس میں زکوۃ بھی واجب ہوگی اور وراثت جاری ہوگی؛ کیوں کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خلط کر دینا استہلاک کے حکم میں ہے، جب کہ الگ کرنا ممکن نہ ہو، اور آپ کے قول میں زیادہ سہولت ہے؛ کیوں کہ بہت کم اموال غصب سے خالی ہوتے ہیں، پھر یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ اس کے پاس مخلوط مال سے الگ دوسرا مال بھی ہو جس سے وہ دین ادا کر سکے؛ ورنہ زکوۃ بھی لازم نہیں ہوگی، جیسا کہ اس صورت میں ہے جب کہ کل مال خبیث ہو، یہ بات نہر میں حواشی سعدیہ کے حوالے سے ذکر کی گئی ہے۔

---

(۱) الدر مع الرد ۲/ ۲۹۰و۲۹۱

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت لکھتے ہیں:

(قَوْلُهُ: بِمَالِهِ) مُتَعَلِّقٌ بِخَلَطَ، وَأَمَّا لَوْ خَلَطَهُ بِمَغْصُوبٍ آخَرَ فَلَا زَكَاةَ فِيهِ. (۱)

بمالہ: اگر دوسرے مغصوب کے ساتھ ملا دے تو زکوۃ لازم نہیں ہوگی۔

یہیں پر فقہاء نے اس مال مغصوب کے درمیان جو دوسرے کے مال مغصوب کے ساتھ مخلوط ہو اور جو غاصب کی ملکیت کے ساتھ مخلوط ہو فرق کیا ہے، حالاں کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں غاصب مخلوط مال کا مالک ہو جاتا ہے، تو ظاہر ہے کہ دوسرے مغصوب کے ساتھ مخلوط مال مغصوب مکمل خبیث ہے، جب کہ خود کی ملک کے ساتھ مخلوط مال مغصوب میں صرف اتنی مقدار خبیث ہے جو مغصوب ہے، باقی مقدار حلال ہے، یہی وجہ ہے اس حصے کے بقدر زکوۃ بھی واجب ہوگی؛ اس لیے کہ زکوۃ خبیث مال پر واجب نہیں ہوتی۔

ان دلائل کا تقاضا یہ ہے کہ اگر غاصب کسی کو مخلوط میں سے حلال کے بقدر مال دے تو سامنے والا اس کو لے بھی سکتا اور اس سے نفع بھی اٹھا سکتا ہے، خواہ وہ غنی ہو یا فقیر، فتاوی خانیہ میں فقیہ ابو اللیث کے حوالے سے یہ بات مجھے صریح طور پر ملی:

ان كان مختلطا بماله ...على قول ابي حنيفة رحمه الله تعالى يملك المال بالخلط، ويكون للآخذ ان يأخذ اذا كان في بقية مال الميت وفاء بمقدار ما يؤدي به حق الخصماء. (۲)

خلط کی وجہ سے غاصب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مخلوط کا

---

(۱) حوالۂ سابق

(۲) فتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیۃ ۳/۴۰۱

مالک ہوجائے گا، اور لینے والا اس کو لے سکتا ہے، بشرطیکہ میت
کا باقی ماندہ مال اتنا ہو کہ اس سے دیگر فریقوں کے مالی حقوق
ادا کیے جاسکیں۔

یہی وجہ ہے کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد مسائل میں یہ فتوی دیا ہے کہ جس شخص کے پاس حرام وحلال مخلوط مال ہو اس سے معاملہ کرنا جائز ہے، چنانچہ ایک استفتاء یہ تھا کہ ایک شخص اپنے والد اور بھائیوں کے ساتھ رہتا ہے، بھائی رشوت کی کمائی کرتے ہیں اور سائل کا مال حلال ہے، اور گھر کے اخراجات میں وہ ان بھائیوں کے ساتھ شریک رہتا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: خلط ملط کردینا استہلاک کے حکم میں ہے، اور استہلاک کی وجہ سے ملکیت ثابت ہوجاتی ہے، تو اگر یہ رقوم ایک ساتھ صرف کیے جاتے ہیں تو سائل کے لیے مسئلہ کی رو سے تو جائز ہے؛ البتہ خلاف تقوی ہے، اور اگر ہر ایک اپنی رقم باری باری صرف کرتا ہے تو جب رشوت کا مال صرف کیا جائے تو سائل کے لیے اس کا کھانا حرام ہوگا، حاصل یہ کہ سائل کے لیے مخلوط سے اپنے حصہ کے بقدر انتفاع جائز ہے؛ اگر چہ کہ بظاہر اس کا حصہ والد اور بھائیوں کے حصص کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔(۱)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غاصب خلط کردینے کی وجہ سے مغصوب کا مالک نہیں ہوتا؛ بلکہ جس سے غصب کیا گیا اس کو اختیار ہوتا ہے کہ یا تو غاصب کا شریک بن جائے یا مال مغصوب کا ضمان لے لے؛ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خلط کردینے سے غاصب کی اپنے مال سے بھی ملکیت زائل ہوجاتی ہے؛ بلکہ وہ بدستور اس کا مالک رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ اس شخص کا شریک بن سکتا ہے جس کا اس نے مال غصب کیا ہے، اسی بنا پر اس صورت میں اور دوسری صورت میں کہ جس میں غاصب کا کچھ بھی مال نہیں ہوتا انتفاع کے حلال ہونے کا مسئلہ مختلف ہوجاتا ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ضابطہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ

---

(۱) امداد الفتاوی ۱/ ۱۲۳ و ۱۲۴

مخلوط سے حلال کے بقدر انتفاع جائز ہے، اس سے زائد نہیں۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب نقل کرنے میں فقہاء کی عبارات مضطرب ہیں، اور ظاہر قول یہ ہے کہ وہ مخلوط میں غلبہ کا اعتبار کرتے ہیں، اگر غاصب کا مال کم ہو تو وہ مخلوط سے صرف بقدرِ حلال انتفاع کرسکتا ہے، اور اگر اس کا مال زیادہ ہے تو کل سے نفع اٹھانا جائز ہے، محیط برہانی میں منتقی کے حوالہ سے مذکور ہے:

قال هشام: سألت محمداً رحمه الله عن رجل غصب من رجل ألف درهم، وخلطها درهماً من ماله، قال: مذهب أبي يوسف في هذا أن دراهم الخالط إذا كان أكثر، فهو مستهلك ضامن للدراهم المغصوبة، وإن كان دراهم الخالط أقل، فالمغصوب منه بالخيار إن شاء ضمنه دراهم، وإن شاء شاركه في المخلوط بقدر دراهمه قلت: فإن كانا سواء، فما مذهب أبي يوسف؟ فقال: لا أدري، وأما في قولنا: المغصوب منه بالخيار على كل حال، إن شاء ضمن الغاصب دراهمه، وإن شاء كان شريكاً فيها. (۱)

علامہ ہشام رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے شخص کے متعلق دریافت کیا جس نے ایک ہزار درہم غصب کرکے اس میں اپنا ایک درہم ملا دیا تو آپ نے کہا: امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر غاصب کے دراہم کم ہوں تو جس کا مال غصب کیا گیا اس کو اختیار ہوگا، چاہے تو غاصب سے ضمان لے لے یا اس کا شریک بن جائے، میں

(۱) ۴۸۲/۵

نے پوچھا: اگر مال مغصوب اور غاصب کا مال دونوں کی مقدار مساوی ہو تو؟ آپ نے کہا: مجھے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب معلوم نہیں؛ البتہ میرا قول یہ ہے کہ غاصب کو بہر حال مذکورہ اختیار ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ غاصب نے اگر مال مغصوب اپنے مال کے ساتھ ملا دیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ اس کا مالک ہو جائے گا اور اپنے حصے کے بقدرِ انتفاع حلال ہوگا، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مالک تو نہیں ہوگا؛ لیکن اپنے حصے کے بقدر انتفاع حلال ہوگا؛ لہٰذا اس میں سے ہبہ کرنا یا خرید وفروخت کرنا جائز ہوگا، اور اگر اپنا حصہ استعمال کر لینے کے بعد بیع یا ہبہ کرے تو یہ دوسری صورت میں داخل ہو جائے گا، جس میں کل مخلوط مال مغصوب ہی ہوتا ہے، اور ضمان کی ادائیگی تک نہ غاصب کے لیے اس سے انتفاع حلال ہوتا ہے اور نہ مشتری یا موہوب لہٗ کے لیے۔

پھر اگر لینے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ مخلوط میں دینے والے کا کتنا حصہ ہے تو وہ غالب ظن پر عمل کرے گا، اگر غالب گمان یہ ہو کہ جتنی مقدار میں وہ معاملہ کر رہا ہے وہ حلال ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ چوتھی صورت میں آرہا ہے، اور چوں کہ مال مخلوط میں حلال کی مقدار جاننے میں دشواری ہوتی ہے یا یہ جاننا دشوار ہوتا ہے کہ غاصب نے حلال ہی میں سے خرچ کیا ہے؛ اس لیے اس سے بچنا ہی اولیٰ ہوگا؛ الَّا یہ کہ حلال مال غالب ہو؛ لیکن یہ تقویٰ سے تعلق رکھتا ہے، فتویٰ سے نہیں، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

۴۹۹۔ چوتھی صورت

چوتھی صورت یہ ہے کہ مال حلال وحرام سے مرکب ہو، اور یہ علم نہ ہو کہ حلال و حرام دونوں الگ الگ ہیں یا مخلوط ہیں اور ان میں امتیاز بھی نہیں ہے، اور مخلوط ہونے کی صورت میں حلال کتنی مقدار میں ہے؟ اس صورت کا حکم یہ ہے کہ احتیاط اولیٰ ہے؛ لیکن لینے والا ہبہ یا بیع کے طور پر اس سے مال لے سکتا ہے؛ کیوں کہ اباحت اصل ہے، اور

اس میں یہ قید لگانی چاہیے کہ لینے والے کو یہ معلوم ہو حلال اتنا ہی ہے جتنی مقدار وہ لے رہا ہے یا اس سے زائد ہے، درج ذیل عبارات کا یہی محمل ہے:

۱) امام محمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ان ابا العوجاء العشار كان صديقا لمسروق، فكان يدعوه، فيأكل من طعامه ويشرب من شرابه ولا يسأله. قال محمد: وبه نأخذ، ولا بأس بذلك، ما لم يعرف خبيثا بعينه، وهو قول ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ.(۱)

ابو العوجاء عشار حضرت مسروق رحمۃ اللہ علیہ کے دوست تھے، وہ ان کی دعوت کرتے تھے اور آپ ان کے پاس جا کر کھاتے پیتے تھے اور کچھ نہیں پوچھتے تھے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ہمارا اسی پر عمل ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ بعینہٖ اس کے خبیث ہونے کا علم نہ ہو جائے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

۲) مصنف عبد الرزاق میں یہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے:

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: جَاءَ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ: إِنَّ لِي جَارًا يَأْكُلُ الرِّبَا، وَإِنَّهُ لَا يَزَالُ يَدْعُونِي، فَقَالَ: مَهْنَؤُهُ لَكَ وَإِثْمُهُ عَلَيْهِ، قَالَ سُفْيَانُ: فَإِنْ عَرَفْتَهُ بِعَيْنِهِ فَلَا تُصِبْهُ. (۲)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہا: میرا ایک پڑوسی سود خور ہے، اور وہ میری دعوت کرتا رہتا

(۱) کتاب الآثار ۲ / ۸۴۳ کتاب الادب

(۲) حدیث نمبر: ۱۴۶۷۵

ہے، تو آپ نے کہا: مزیدار کھانا تیرے لیے اور گناہ اس کے لیے، امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اگر بعینہ اس کا حرام ہونا معلوم ہو جائے تو دعوت مت کھاؤ۔

امام محمد اور امام ثوری رحمۃ اللہ علیہما نے جو وضاحت کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حلت اس صورت میں ہے جب کہ یہ معلوم نہ ہو کہ غاصب کے پاس حلال وحرام دونوں جدا ہیں، اسی طرح مخلوط مال میں حلال کتنا فیصد ہے وہ بھی معلوم نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے حلال کے غلبہ کی شرط نہیں لگائی ہے۔

۳) مصنف عبدالرزاق میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

إِذَا كَانَ لَكَ صَدِيقٌ عَامِلٌ، أَوْ جَارٌ عَامِلٌ، أَوْ ذُو قَرَابَةٍ عَامِلٌ، فَأَهْدَى لَكَ هَدِيَّةً أَوْ دَعَاكَ إِلَى طَعَامٍ، فَاقْبَلْهُ، فَإِنَّ مَهْنَأَهُ لَكَ وَإِثْمُهُ عَلَيْهِ. (۱)

جب تمہارا کوئی دوست یا پڑوسی یا رشتہ دار حکومتی کارندہ ہو اور وہ تم کو ہدیہ دے یا دعوت دے تو اس کو قبول کرلو؛ کیوں کہ مزیدار کھانا تمہارے لیے ہے اور گناہ اس کو ہوگا۔

۴) اور مصنف عبدالرزاق ہی میں مذکور ہے:

عَنْ مَنْصُورٍ قَالَ: قُلْتُ لِإِبْرَاهِيمَ: عَرِيفٌ لَنَا يَهْبِطُ وَيُصِيبُ مِنَ الظُّلْمِ فَيَدْعُونِي، فَلَا أُجِيبُهُ قَالَ: الشَّيْطَانُ عَرَضَ بِهَذَا لِيُوقِعَ عَدَاوَةً، وَقَدْ كَانَ الْعُمَّالُ يَهْبِطُونَ وَيُصِيبُونَ، ثُمَّ يَدْعُونَ فَيُجَابُونَ. (۲)

منصور رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: ہمارا گورنر

---

(۱) حدیث نمبر: ۱۴۶۷۷

(۲) حدیث نمبر: ۱۴۶۷۹

ظالم ہے، وہ مجھے دعوت دیتا ہے تو میں نہیں جاتا، آپ نے فرمایا: یہ بات شیطان نے ڈالی ہے؛ تاکہ وہ دشمنی پیدا کردے، گورنر تو ظلم کرتے ہیں پھر دعوت کرتے ہیں ان کی دعوت قبول کی جائے گی۔

۵) اور مصنف عبدالرزاق ہی میں ہے:

عَنْ مَنْصُورٍ قَالَ: قُلْتُ لِإِبْرَاهِيمَ: نَزَلْتُ بِعَامِلٍ، فَنَزَلَنِي وَأَجَازَنِي قَالَ: اقْبَلْ قُلْتُ: فَصَاحِبُ رِبًا قَالَ: اقْبَلْ مَا لَمْ تَأْمُرْهُ أَوْ تُعِنْهُ.(۱)

منصور رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ اگر کوئی گورنر مجھے مہمان بنائے تو کیا میں یہ قبول کرلوں؟ آپ نے اثبات میں جواب دیا تو انہوں نے کہا: اگر وہ سودی معاملات کرتا ہو تو؟ آپ نے کہا: تم قبول کرسکتے ہو، بشرطیکہ تم بعینہٖ سود نہ دیکھ لو۔

۶) فتاویٰ خانیہ میں ہے:

وإذا مات عامل من عمال السلطان وأوصى أن يعطى الحنطة للفقراء، قالوا: إذا كان ما أخذه من الناس مختلطا بماله لا بأس به، وإن كان غير مختلط لا يجوز للفقراء أن يأخذوا إذا علموا أنه مال الغير، فإن كان ذلك الغير معلوماً رده عليه، وإن لم يعلم الآخذ أنه من ماله أو من مال غيره، فهو حلال متى يتبين أنه حرام.(۲)

---

(۱) حدیث نمبر: ۱۴۶۸۰

(۲) علی ہامش الہندیۃ ۳/ ۴۰۰

جب بادشاہ کے گورنروں میں سے کوئی مرجائے اور اس کی
وصیت یہ ہو کہ گیہوں فقراء میں تقسیم کر دیا جائے تو اگر لوگوں
سے لیا جانے والا مال اس گورنر نے اپنے مال کے ساتھ ملا دیا
تھا تو وصیت پوری کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر نہ ملا یا
ہو تو فقراء کے لیے گیہوں لینا جائز نہیں ہوگا، بشرطیکہ ان کو معلوم
ہو کہ وہ دوسرے کا مال ہے، پھر اگر وہ دوسرا معلوم ہو تو اس کو لوٹا
دیا جائے، اور اگر لینے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ گورنر کا مال
ہے یا دوسرے کا تو جب تک حرام واضح نہ ہو جائے تب تک لینا
درست ہے۔

مذکورہ جزئیہ میں مالِ مخلوط سے لینے کا جواز' لینے والے کے فقیر ہونے کی وجہ سے نہیں ہے؛ اس لیے کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو مخلوط نہ ہونے کی صورت میں بھی ان کے لیے لینا جائز رہتا؛ کیوں کہ اس کا صدقہ کرنا واجب ہے، یہاں فقراء کا ذکر صرف اس لیے ہے کہ مسئلہ ان کے متعلق وصیت کے بارے میں فرض کیا گیا تھا، مالِ مخلوط سے لینے کے جائز ہونے میں ان کے فقر کا کوئی دخل نہیں ہے۔

۷) فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

قَالَ الْفَقِيهُ أَبُو اللَّيْثِ - رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى - اخْتَلَفَ النَّاسُ فِي أَخْذِ الْجَائِزَةِ مِنَ السُّلْطَانِ قَالَ بَعْضُهُمْ يَجُوزُ مَا لَمْ يَعْلَمْ أَنَّهُ يُعْطِيهِ مِنْ حَرَامٍ. (۳)

فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بادشاہ سے انعام لینے کے جواز کے سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں: جب تک دی جانے والی چیز کا حرام ہونا ظاہر نہ ہو جائے لینا جائز ہے۔

---

(۳) ۵/۳۴۲

۸) فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

وَكَانَ الْعَلَّامَةُ بِخُوَارِزْمَ لَا يَأْكُلُ مِنْ طَعَامِهِمْ وَيَأْخُذُ جَوَائِزَهُمْ، فَقِيلَ لَهُ فِيهِ، فَقَالَ: تَقْدِيمُ الطَّعَامِ يَكُونُ إِبَاحَةً وَالْمُبَاحُ لَهُ يُتْلِفُهُ عَلَى مِلْكِ الْمُبِيحِ فَيَكُونُ آكِلًا طَعَامَ الظَّالِمِ وَالْجَائِزَةُ تَمْلِيكٌ فَيَتَصَرَّفُ فِي مِلْكِ نَفْسِهِ.(۱)

جس شخص کے لیے زکوٰۃ لینا ناجائز ہے اس کے لیے افضل یہ ہے کہ بادشاہ کے عطایا نہ لے، پھر آگے لکھا ہے: خوارزم کے علامہ بادشاہ کی دعوت نہیں قبول کرتے تھے؛ البتہ انعامات لے لیتے تھے، جب ان سے پوچھا گیا تو آپ نے کہا: کھانا کھلانا بطورِ اباحت ہوتا ہے، اور کھانے والا مبیح کی ملک میں ہی اس کو تلف کرتا ہے، پس وہ ظالم کا کھانا کھانے والا ہوگا، اور انعام دینا بطورِ تملیک ہے، پس وہ اپنی ملکیت میں تصرف کرے گا۔

اس کا محمل بھی وہی صورت ہے کہ آدمی کو علم نہ ہو کہ بادشاہ کے پاس حلال وحرام مخلوط ہیں یا جدا، اور اگر مخلوط ہیں تو حلال کتنی مقدار میں ہے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے احتیاطاً ہدیہ تو قبول کرلیا؛ لیکن کھانا نہیں کھایا، کیوں کہ کھانا بادشاہ کی ملکیت میں ہوتے ہوئے کھلایا جاتا ہے، اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بات لکھی ہے کہ ''علامہ کے عمل کی بنیاد اس بات پر ہے کہ حرام دو ذموں کی جانب متعدی نہیں ہوتا، اور تحقیق اس کے خلاف ہے'' درست معلوم نہیں ہوتی؛ کیوں کہ انہوں نے ظالم کا کھانا کہا تھا نہ کہ حرام کھانا۔(۲)

(۱) علی ہامش الہندیۃ ۴/ ۸۸

(۲) احسن الفتاویٰ ۸/ ۳۲۸

۵۰۰۔چوتھی قسم

مال خبیث کی چوتھی قسم یہ ہے کہ غاصب مغصوب میں تصرف کردے جس سے اس کو آمدنی حاصل ہو، مثلاً : کار غصب کر کے اس کو کرایہ پر لگا دے اور کرایہ حاصل کرے، یا اس کو بیچ کر نفع حاصل کرے، پھر غاصب مغصوب کا ضمان ادا کرے تو آمدنی یا نفع کا کون مالک ہوگا، اس میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں:

۵۰۱۔حنابلہ کا مذہب

حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ ربح اس شخص کو لوٹا دیا جائے گا جس سے غصب کیا گیا تھا، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

لِأَنَّهُ نَمَاءُ مِلْكِهِ. فَكَانَ لَهُ. كَمَا لَوْ اشْتَرَى لَهُ بِعَيْنِ الْمَالِ. وَهٰذَا ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ. وَإِنْ حَصَلَ خُسْرَانٌ، فَهُوَ عَلَى الْغَاصِبِ.(۱)

کیوں کہ یہ اسی کی ملک کی زیادتی ہے، پس وہی اس کا مالک ہوگا، جیسا کہ اگر عین مال سے کوئی چیز خریدتا، یہی ظاہر مذہب ہے، اور اگر نقصان ہو تو اس کا ذمہ دار غاصب ہوگا۔

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت یہ ہے کہ اس کو صدقہ کردے، اور اگر اپنے ذمہ میں خریدا پھر ثمن ادا کیا تو علامہ ابوخطاب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: اس صورت میں ربح کا مالک غاصب ہوسکتا ہے۔(۲)

اور علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں ایک تیسرا قول ذکر کیا ہے، وہ یہ کہ ربح غاصب اور اس شخص کے درمیان مشترک ہوگا جس کا مال غصب کیا گیا تھا، علامہ نے اس کو سب سے بہترین قول اور زیادہ موافق قیاس قرار دیا ہے، حضرت عمر

(۱) المغنی ۵/ ۲۰۵

(۲) حوالۂ سابق

رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح کا فیصلہ کیا تھا، کیوں کہ زیادتی دو اصلوں سے متولد ہوئی ہے۔(۱)

۵۰۲۔ مالکیہ کا مذہب

مالکیہ کہتے ہیں: ربح اور آمدنی غاصب کے لیے ہوگی، علامہ ابن رشد (حفید) رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

أَمَّا مَا اغْتُلَّ مِنْهَا بِتَصْرِيفِهَا وَتَحْوِيلِ عَيْنِهَا، كَالدَّنَانِيرِ فَيَغْتَصِبُهَا فَيَتَّجِرُ بِهَا فَيَرْبَحُ، فَالْغَلَّةُ لَهُ قَوْلًا وَاحِدًا فِي الْمَذْهَبِ. (۲)

مال مغصوب میں تصرف کر کے اور اس کے عین کو بدل کر غاصب نے جو آمدنی حاصل کی ہو، مثلاً: دنانیر غصب کر کے اس سے تجارت کرے اور نفع کمائے تو آمدنی کا وہی مالک ہوگا، یہی مذہب کا متفقہ قول ہے۔

۵۰۳۔ شافعیہ کا مذہب

شافعیہ کے دو قول ہیں، شرح مہذب میں مذکور ہے: اگر مال غصب کرے اور اس سے تجارت کے ذریعے نفع کمائے تو نفع کے سلسلے میں دو قول ہیں: ایک قول قدیم ہے کہ رب المال اس کا مالک ہوگا، یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ غاصب اس کا مالک ہوگا، یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔(۳)

۵۰۴۔ حنفیہ کا مذہب

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ ضمان ادا کرنے کے بعد مال مغصوب میں اس کی ملکیت غصب کے وقت سے ہی مانی جائے گی؛ لہٰذا ربح یا آمدنی لوٹانا ضروری نہیں ہوگا؛ لیکن

---

(۱) مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۲۹ / ۱۰۲

(۲) بدایۃ المجتہد ۴ / ۱۰۵

(۳) المجموع شرح المہذب ۱۴ / ۲۵۰

کیا اس ربح اور آمدنی سے غاصب انتفاع کرسکتا ہے؟ اس میں حنفیہ کا اختلاف ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضمان ادا کرنے کے بعد انتفاع بھی جائز ہے، اور طرفین رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں کہ اسی وقت جائز ہوگا جب کہ مالک کو راضی کرلے؛ ورنہ زائد کو صدقہ کردے گا، علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> اگر زمین غصب کرکے اس میں ایک کرّ کوئی چیز بودی، اور کاشتکاری کی وجہ سے زمین میں نقص آگیا؛ البتہ تین کرّ کی مقدار میں غلہ حاصل ہوا تو وہ زمین کے نقصان کا ضمان ادا کرے گا، اور رأس المال لے کر زائد صدقہ کردے گا، نقصان کا ضمان تو اس لیے کہ غاصب نے کاشت کاری کرکے زمین کا نقصان کردیا جو کہ تلف شمار ہوگا، اور تلف کرنے کی وجہ سے عقار بالاتفاق مضمون ہوتا ہے، اور زائد غلہ اس لیے صدقہ کرے گا کہ وہ ایک خبیث طریقہ سے حاصل ہوا ہے، یعنی غصب کی زمین میں کھیتی کے ذریعے؛ اگرچہ وہ بیج کا مالک تھا؛ اس لیے اس کے لیے صرف بیج کے بقدر ہی حلال ہوگا۔
>
> اسی پر اس مسئلے کی تخریج ہوگی کہ ایک شخص نے ایک ہزار غصب کرکے اس سے باندی خریدی، پھر اس کو دو ہزار میں بیچ کر ان دو ہزار سے ایک اور باندی خریدی جس کو تین ہزار میں بیچ دیا تو وہ طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک سارا ربح صدقہ کردے گا، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کچھ بھی صدقہ نہیں کرے گا؛ کیوں کہ یہ ربح ایسی چیز سے حاصل ہوا جس کا غاصب ہی مالک اور ضامن تھا؛ کیوں کہ ضمان کی ادائیگی سے غاصب غصب کے وقت ہی سے مغصوب کا مالک کہلاتا ہے، اور حلال

ہونے کے لیے صرف ضمان کافی ہے، یہاں تو ضمان اور ملکیت دونوں جمع ہیں، اور طرفین رحمۃ اللہ علیہما کہتے ہیں: حلت کا ثبوت جہاں ضمان کے بغیر نہیں ہوتا وہیں ملکیت کے بغیر بدرجۂ اولیٰ نہیں ہوتا، اور اس ملکیت میں تو عدم کا شبہ ہے؛ لہٰذا یہ مفیدِ حلت نہیں ہوگی۔(۱)

اور عدم کا شبہ ہونے کی تفصیل علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ذکر کی ہے:

لِأَنَّ الطَّيِّبَ لَا يَثْبُتُ إِلَّا بِالْمِلْكِ الْمُطْلَقِ. وَفِي هَذَا الْمِلْكِ شُبْهَةُ الْعَدَمِ؛ لِأَنَّهُ يَثْبُتُ مِنْ وَقْتِ الْغَصْبِ بِطَرِيقِ الِاسْتِنَادِ، وَالْمُسْتَنَدُ يَظْهَرُ مِنْ وَجْهٍ وَيَقْتَصِرُ عَلَى الْحَالِ مِنْ وَجْهٍ، فَكَانَ فِي وُجُودِهِ مِنْ وَقْتِ الْغَصْبِ شُبْهَةُ الْعَدَمِ، فَلَا يَثْبُتُ بِهِ الْحِلُّ وَالطَّيِّبُ، وَلِأَنَّ الْمِلْكَ مِنْ وَجْهٍ حَصَلَ بِسَبَبٍ مَحْظُورٍ، أَوْ وَقَعَ مَحْظُورًا بِابْتِدَائِهِ، فَلَا يَخْلُو مِنْ خُبْثٍ. (۲)

حلت کا ثبوت مطلق ملک سے ہوتا ہے، اور اس ملک میں عدم کا شبہ ہے؛ کیوں کہ یہ ملک غصب کے وقت سے ہی منسوب مانی جاتی ہے، اور جو چیز منسوب ہو وہ من وجہٍ ظاہر ہوتی ہے اور من وجہٍ منحصر؛ لہٰذا غصب کے وقت سے ملک پائے جانے میں شبہ ہے، پس اس سے حلت ثابت نہیں ہوگی، نیز ملکیت کا حصول ممنوع طریقہ سے ہوا ہے یا اس کی ابتداء ممنوع طور پر ہوئی ہے؛ اس لیے اس میں خبث تو پایا ہی جائے گا۔

---

(۱) بدائع ۷/ ۱۵۴

(۲) بدائع ۷/ ۱۵۳

لیکن علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ اگر غاصب کے پاس مغصوب ہلاک ہوجائے اور مالک اس سے ضمان لینا چاہے تو وہ ضمان ادا کرنے میں ربح سے مدد لے سکتا ہے؛ کیوں کہ خبث مالک کی وجہ سے آیا ہے، پس جب وہ خود لے لے تو اس کے حق میں خبث زائل ہوجائے گا، یہی وجہ ہے کہ غاصب اگر مغصوب اور اس کا ربح دونوں مالک کو دے دے تو مالک کے لیے ان کا استعمال حلال ہوتا ہے؛ لہٰذا ربح کے بقدر مذکورہ مسئلہ میں غاصب بری الذمہ ہوجائے گا۔(۱)

حاصل یہ کہ طرفین کے نزدیک ربح یا آمدنی کو صدقہ کرنا لازم ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ مالک کو وہ دے دے، فتاویٰ ہندیہ (۲) میں بھی محیط کے حوالے سے یہ بات ذکر کی گئی ہے۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ یہاں تو صدقہ کرنا واجب ہے، جب کہ دوسری قسم (غاصب نے مبیع میں کوئی تصرف کر دیا ہو) میں یہ حکم بیان کیا گیا تھا کہ ضمان ادا کرنے کے بعد اس کو صدقہ کرنا مستحب ہے، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ بات تفصیل سے آئی تھی، اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ ربح کے مسئلے میں ملکیت خلط کر دینے کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے، اور دوسری قسم میں اس کے تصرف اور کاری گری کا ملکیت حاصل ہونے میں دخل ہے، پس یہاں ملکیت کا ثبوت قوی ہے، اسی وجہ سے ضمان ادا کرنے کے بعد خبث بہت کم رہتا ہے، اس لیے صدقہ کرنا صرف مستحب ہے، واجب نہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ربح کی صورت میں ربح اور اصل مال کے درمیان فصل کیا جا سکتا ہے، چنانچہ اصل مغصوب تو ضمان کی ادائیگی کی وجہ سے حلال ہوجائے گا، اور ربح صدقہ کرنا پڑے گا، جب کہ دوسری قسم میں صنعت کو مغصوب سے الگ نہیں کیا جاسکتا، تو اگر اس کو صنعت کی وجہ سے جو زیادتی ہوئی ہے اس کو صدقہ کرنے کا حکم دیا جائے تو کل

---

(۱) تبیین الحقائق ۵/ ۲۲۵

(۲) ۵/ ۳۷۰

مال صدقہ کرنا پڑے گا، اور ایسی صورت میں ضمان کے مقابلے میں اس کے پاس کچھ بھی باقی نہیں رہے گا؛ اسی وجہ سے صدقہ کرنا مستحب ہے۔

یہی وجہ فرق بندہ کی سمجھ میں آیا، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

۵۰۵۔مال مغصوب کے نفع کا اپنی ضروریات میں استعمال

صاحب الاختیار فی شرح المختار نے ذکر کیا ہے کہ زائد مال صدقہ کرنا اگرچہ واجب ہے؛ لیکن اگر اس کی ضرورت ہو کہ اس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے وہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کا نفقہ ادا کر سکے تو اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ بعد میں اس کا صدقہ کرنے کی نیت سے استعمال کرلے، زائد مال صدقہ کرنے کے سلسلے میں طرفین کا مذہب ذکر کرنے کے بعد صاحبِ اختیار لکھتے ہیں:

وَلَهُمَا أَنَّهُ حَصَلَ بِسَبَبٍ خَبِيثٍ، وَهُوَ التَّصَرُّفُ فِي مِلْكِ الْغَيْرِ، وَالْفَرْعُ يَحْصُلُ عَلَى صِفَةِ الْأَصْلِ، وَالْمِلْكُ الْخَبِيثُ سَبِيلُهُ التَّصَدُّقُ بِهِ، وَلَوْ صَرَفَهُ فِي حَاجَةِ نَفْسِهِ جَازَ. ثُمَّ إِنْ كَانَ غَنِيًّا تَصَدَّقَ بِمِثْلِهِ، وَإِنْ كَانَ فَقِيرًا لَا يَتَصَدَّقُ.(۱)

طرفین رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ ملکیت خبیث طریقہ یعنی دوسرے کے مال میں تصرف کرنے سے حاصل ہوئی ہے، اور فرع کی صفت اصل کے موافق ہوتی ہے، اور خبیث ملکیت کا حکم صدقہ کرنا ہے، اور اگر اپنی ضرورت میں استعمال کرلے تو جائز ہے؛ لیکن مالدار ہو تو اس کا مثل صدقہ کردے، فقیر ہو تو نہیں۔

لیکن یہاں یہ قید ہے کہ اس کے پاس کوئی اور مال نہ ہو جس سے وہ ضرورت پوری کر سکے، علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

---

(۱) الاختیار ۳/۶۱

إِلَّا إِذَا كَانَ لَا يَجِدُ غَيْرَهُ؛ لِأَنَّهُ مُحْتَاجٌ إِلَيْهِ، وَلَهُ أَنْ يَصْرِفَهُ إِلَى حَاجَةِ نَفْسِهِ، فَلَوْ أَصَابَ مَالًا تَصَدَّقَ بِمِثْلِهِ إِنْ كَانَ غَنِيًّا وَقْتَ الِاسْتِعْمَالِ، وَإِنْ كَانَ فَقِيرًا فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ. (۱)

اگر کوئی اور مال نہ ہو تو ضرورت ہونے کی وجہ سے وہ اس کا استعمال کرسکتا ہے، پھر اگر استعمال کرتے وقت مال دار تھا تو مال آجانے کی صورت میں صدقہ کردے اور اگر فقیر تھا تو صدقہ نہ کرے۔

امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ علت ذکر کی ہے:

وَحَاجَتُهُ تُقَدَّمُ عَلَى حَقِّ الْفُقَرَاءِ...وَإِنَّمَا قُلْنَا ذٰلِكَ؛ لِأَنَّ حَقَّ الْفُقَرَاءِ فِي هٰذَا الْمَالِ بِمَنْزِلَةِ حَقِّهِمْ فِي اللُّقَطَةِ عَلَى مَعْنَى أَنَّ لَهُ أَنْ يَتَصَدَّقَ، وَلَهُ أَنْ يَرُدَّهَا عَلَى الْمَالِكِ إِنْ شَاءَ. (ثُمَّ) الْمُلْتَقِطُ إِذَا كَانَ مُحْتَاجًا فَلَهُ أَنْ يَصْرِفَ اللُّقَطَةَ إِلَى حَاجَةِ نَفْسِهِ بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ غَنِيًّا فَكَذٰلِكَ حُكْمُ هٰذِهِ الْغَلَّةِ. (۲)

غاصب کی حاجت فقراء کی حاجت پر مقدم ہے؛ کیوں کہ اس مال میں فقراء کا حق ایسا ہے جیسا کہ لقطہ میں ہوتا ہے، کہ چاہے تو مالک کو ڈھونڈ کر دے دے یا فقراء پر صدقہ کردے، پھر لقطہ اٹھانے والا اگر خود ضرورت مند ہو تو وہ اپنی ضرورت میں استعمال کرسکتا ہے؛ لیکن ضرورت نہ ہو تو جائز نہیں، یہی حکم آمدنی کا بھی ہوگا۔

---

(۱) ہدایہ ۲۹۸/۴

(۲) المبسوط ۷۷/۱۱

پھر لقطہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ اٹھانے والا اگر مال دار ہو تو اس سے انتفاع درست نہیں ہے؛ لیکن امام کی اجازت لے کر بطور قرض اس کو استعمال کر سکتا ہے۔(۱) اگر امام اجازت دے دے تو وہ استعمال کر لے؛ لیکن یہ اس کے ذمہ میں قرض ہوگا، جسے وہ فقراء کو ادا کرے گا، یہی حکم آمدنی کا بھی ہے، اگر اصل مال غصب کرنے والا فقیر ہو تو امام کی اجازت کے بغیر اس کو ضرورت کے وقت استعمال کر سکتا ہے، اور یہ بطور قرض نہیں ہوگا؛ لیکن اگر مال دار ہو تو امام کی اجازت سے بطورِ قرض استعمال کرے گا۔

موجودہ زمانہ کے اندر اس معاملے میں عادل امام کی جانب رجوع کرنا تقریباً ناممکن ہے؛ ایسا امام نہیں ہے جو شریعت کے مطابق فیصلہ کرتا ہو، یا اس کے پاس اس طرح کے معاملات نہیں لے جائے جا سکتے، ایسی صورت میں بندہ کی رائے — واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم — یہ ہے کہ مفتی کے لیے یہ گنجائش ہوگی کہ وہ مستفتی کے حالات کے پیشِ نظر بطورِ قرض اس مال کو اپنی ضرورت میں استعمال کر لینے کی اجازت دے، ساتھ میں وسعت کی صورت میں لازماً صدقہ کا بھی پابند کرے، خواہ قسطوں ہی میں کیوں نہ ہو، اسی طرح جلد از جلد حلال نوکری ڈھونڈنے کی تاکید کرے، اور یہ أھون البلیّتین پر عمل کرنا ہے، اور فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ اگر عادل قاضی نہ پایا جائے تو قابلِ اعتماد مسلمانوں کی ایک جماعت کے سامنے معاملہ پیش کیا جائے گا، جیسے: مفقود، عنین اور مُتعنّت کا نکاح فسخ کرنا، تو اس میں اصلاً شرط یہ ہے کہ قاضی فسخ کرے؛ لیکن مالکیہ نے کہا ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس کے قائم مقام ہوگی (۲) اور متاخرین فقہائے احناف نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے (۳) بلکہ علامہ دسوقی رحمۃ اللہ علیہ نے تمام امور میں اس حکم کے عام ہونے کی تصریح کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

---

(۱) الدر مع الرد ۴/ ۲۷۹

(۲) نصوص کے لیے بحوث فی قضایا فقہیۃ میں موجود رسالہ فسخ نکاح المسلمات کی جانب مراجعت کی جائے۔

(۳) تفصیل کے لیے الحیلۃ الناجزۃ کا مطالعہ کیا جائے۔

اعْلَمْ أَنَّ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ الْعُدُولِ يَقُومُونَ مَقَامَ الْحَاكِمِ فِي ذٰلِكَ وَفِي كُلِّ أَمْرٍ يَتَعَذَّرُ الْوُصُولُ فِيهِ إِلَى الْحَاكِمِ أَوْ لِكَوْنِهِ غَيْرَ عَدْلٍ. (۱)

عادل مسلمانوں کی جماعت اس معاملے اور ہر ایسے معاملے میں حاکم کے قائم مقام ہوگی جس میں حاکم تک پہونچنا متعذر رہو یا وہ عادل نہ ہو۔

اسی طرح حنفیہ نے وقف معطل کے استبدال کے جواز کے لیے قاضی کی اجازت کی شرط لگائی ہے؛ لیکن جب انہوں نے قاضیوں کی بے راہ روی دیکھی تو متولی کو اس کے قائم مقام قرار دیا، اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ رملی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ مسجد والوں کے لیے افضل یہ ہے کہ ایک متولی منتخب کرلیں اور قاضی کو خبر نہ دیں؛ کیوں کہ اوقاف کے معاملے میں قاضی لالچ سے کام لے رہے ہیں، تاتارخانیہ اور مذہب کی اکثر کتابوں میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ (۲)

لہٰذا موجودہ زمانہ میں بہتر یہی ہے کہ یہ معاملہ متقی مفتی کے سپرد کردیا جائے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم، اور اس کا مقصد یہ ہے کہ آئندہ حرام مال سے نجات مل جائے، رہا ماضی میں حرام کی وجہ سے گناہ کا ارتکاب تو اس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص مدت دراز سے سود اور رشوت وغیرہ کے ذریعے حرام کمائی کررہا ہوتا ہے، ان اموال کو اصل مالک تک پہونچانے کی کوئی سبیل نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے صدقہ ہی واجب ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو حرام کمائی سے توبہ کی توفیق دیتے ہیں؛ لیکن اس حرام مال کے سوا اس کے پاس اتنا مال نہیں ہوتا جس سے وہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات پوری کرسکے تو ایسا شخص اس حیثیت سے

(۱) حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۲/ ۵۱۹

(۲) منحۃ الخالق علی البحر الرائق ۵/ ۲۲۳

فقیر مانا جاسکتا ہے اس کے پاس حلال مال نہیں ہے، اور اس کے پاس جو مال ہے وہ شرعاً اس کا مالک نہیں ہے، اس مسئلہ میں اس شخص پر فقراء کے احکام جاری ہوں گے، لہٰذا جب تک وہ صاحبِ نصاب نہ ہوجائے اس مال کو اپنی ضروریات میں استعمال کرسکتا ہے، اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ حلال مال کے نصاب کا مالک ہونے سے قبل جو حرام مال اس نے استعمال کیا ہے مال دار ہونے کے بعد اس کو صدقہ کرنا واجب نہیں ہوگا؛ لیکن مستحب ہوگا؛ اس لیے کہ فقر کا حکم اس کے حرام کمائی میں پڑنے کی وجہ سے لگا ہے؛ لہٰذا احتیاط مناسب ہے، اسی طرح یہ صورت اور بہتر ہے کہ کسی بھروسہ مند عالم کے پاس یہ حرام کمائی رکھوادے اور اس سے بقدرِ ضرورت لیتا رہے؛ تاکہ وہ حقیقی حاجت سے زائد میں اس کا استعمال نہ کرے، پھر جب وہ نصاب کا مالک اور شرعاً مال دار ہوجائے؛ لیکن اب بھی اتنا مال نہ ہو کہ اس کی اور اس کے گھر والوں کی ضروریات کی تکمیل ہوسکے تو وہ اس مال حرام کو بطورِ قرض لے سکتا ہے، بشرطیکہ بعد میں اس کا مثل صدقہ کرنے کا التزام کرلے۔

پھر فقیر کا اپنی ضرورت کے لیے استعمال کرنے اور غنی کا امام کی اجازت سے بطور قرض لے کر استعمال کرنے کے جواز کا حکم' اس خبیث ملک کے ساتھ خاص ہے جس کو صدقہ کرنا واجب ہو، رہا وہ مغصوب جس کو بعینہٖ یا بمثلہٖ اصلی مالک کو لوٹانا ضروری ہے تو وہ مثل کی ادائیگی سے قبل اس کو اپنی ضروریات میں استعمال نہیں کرسکتا؛ اگرچہ بعد میں مالک کو مثل ادا کرنے کی نیت ہی کیوں نہ ہو، دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ جس مال کو صدقہ کرنا واجب ہے اس سے کسی متعین فرد کا حق متعلق نہیں ہوتا؛ بلکہ بلا تعیین فقراء کا حق متعلق ہوتا ہے، جب کہ وہ مال مغصوب جسے مالک کو لوٹانا ضروری ہے اس میں ایک متعین شخص کا حق ہوتا ہے؛ لہٰذا اس کی اجازت کے بغیر اس کے حق کی ادائیگی میں تاخیر جائز نہیں ہوگی؛ اگرچہ غاصب فقیر ہو۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ اگر اصلی مالک کا علم نہ ہو جس کی وجہ سے اب صدقہ کرنا لازم ہو تو اس کا حکم بھی نفع اور آمدنی کی مانند ہوگا، چنانچہ فقیر ضرورت کے وقت اس کو استعمال

کر سکتا ہے اور غنی بطور قرض امام کی اجازت سے استعمال کر سکتا ہے بشرطیکہ بعد میں فقراء کو اس کا مثل صدقہ دینے کا التزام بھی کرے۔

فقیر کا اپنی ضرورت میں استعمال کرنا جائز ہے، اسی پر یہ مسئلہ بھی متفرع ہوگا کہ اگر وہ کسی کو ہبہ یا بیع کے طور پر وہ مال دے تو سامنے والے کے لیے اس کو لینا اور نفع اٹھانا حلال ہوگا، یہی حکم غنی کا بھی ہے جو امام یا مفتی کی اجازت سے بطور قرض اس مال کا استعمال کرے؛ لیکن اگر امام اجازت نہ دے تو اس کا ہدیہ لینا ناجائز ہے، اور بیع وشراء میں وہی تفصیل ہوگی جو مال حرام کی پہلی قسم کے تحت ہم ذکر کر چکے ہیں، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

۵۰۶۔ پانچویں قسم

مال خبیث کی پانچویں قسم ایسا مال ہے جس پر عاقدین نے بیع فاسد کے ذریعے قبضہ کیا ہو، اور یہ قسم صرف حنفیہ کے نزدیک ہے؛ کیوں کہ وہ بیع باطل اور فاسد میں تفریق کرتے ہیں، دیگر ائمہ تفریق نہیں کرتے؛ اس لیے ان حضرات کے یہاں مستقل اس کا ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

حنفیہ کے نزدیک یہ ایک مستقل قسم ہے؛ کیوں کہ ان حضرات کے نزدیک مشتری کو بیع فاسد میں قبضہ کی وجہ سے مبیع پر ملک خبیث حاصل ہوجاتی ہے، اس میں اس کے تصرفات بھی نافذ ہوتے ہیں اور ملکیت کے احکام ثابت ہوتے ہیں، اس طرح کہ اگر وہ کسی کو وہ چیز بیچ دے تو وہ ثمن کا مالک قرار پاتا ہے، مشتری کے لیے ان تصرفات کے ناجائز ہونے کے باوجود ان کو حنفیہ نے اس لیے نافذ قرار دیا کہ مشتری مبیع کا مالک ہے؛ اگرچہ ملک خبیث ہے، اسی طرح بائع بھی اس ثمن کا مالک ہوجاتا ہے جو اس نے مشتری سے لیا ہے۔

۵۰۷۔ بیع فاسد کے اندر مشتری کا حکم

لیکن یہاں مشتری کے مبیع میں اور بائع کے ثمن میں تصرف کے درمیان فرق ہے، مشتری اگر مبیع کسی تیسرے شخص کو فروخت کردے تو مشتری ثانی کا حق اس سے

متعلق ہونے کی وجہ سے بیع تو فسخ نہیں کی جائے گی؛ لیکن اس بیع سے مشتری اول کو جو نفع ہوا ہے وہ اس کے لیے حلال نہیں ہوگا؛ بلکہ اس کو صدقہ کرنا واجب ہوگا، مثلاً اس نے ہزار روپے میں کوئی کپڑا فاسد طور پر خریدا، اور اس پر قبضہ کرنے کے بعد بارہ سو میں کسی اور کو بیچ دیا تو یہ دو سو اس کے لیے حلال نہیں ہوں گے؛ بلکہ ان کو صدقہ کرنا واجب ہوگا؛ لیکن چوں کہ یہ دو سو ہزار حلال کے ساتھ مخلوط ہیں؛ اس لیے یہ تیسری قسم میں داخل ہے؛ لہٰذا اگر وہ اس سے کھانا خریدے تو اسے تناول کرنا جائز ہوگا؛ البتہ اگر ہزار روپے ختم ہو جائیں، اور صرف دو سو باقی ہوں تو اب اس کو صدقہ کرنا لازم ہے، اس سے کچھ بھی خریدنا ناجائز ہے، اس کے باوجود اگر وہ ان دو سو سے کچھ خرید لے تو بیع درست ہے، اور وہ اس سے اس شرط کے ساتھ انتفاع کر سکتا ہے کہ اس کے مثل صدقہ دینے کا التزام کرے، اور اس پر چوتھی قسم یعنی مغصوب کی آمدنی اور ربح کے احکام جاری ہوں گے۔

اور جس نے اس کو کھانا فروخت کیا تو اگر ان دو سو کے عوض فروخت کرے جو ہزار کے ساتھ مخلوط ہیں تو اس پر تیسری قسم کی تیسری صورت (حرام مال جو خود کے حلال مال سے مخلوط ہو) کے احکام جاری ہوں گے، یعنی بائع دو سو کے عوض بیچ کر ثمن لے سکتا ہے اور اس سے انتفاع بھی درست ہے، اسی طرح ان دو سو کا ہدیہ قبول کرنا اور ان سے انتفاع بھی درست ہے؛ لیکن اگر ہزار روپے ختم ہو جائیں اور صرف دو سو باقی رہ جائیں تو اس کا حکم صراحۃً نہیں مل سکا؛ لیکن اس کا حکم یہ سمجھ میں آتا ہے کہ معاوضات میں نقود غیر متعین ہوتے ہیں؛ لہٰذا ان دو سو کے عوض بائع فروخت کر سکتا ہے؛ لیکن ہدیہ لینا درست نہیں ہوگا جب کہ آدمی کو معلوم ہو کہ ہدیہ دینے والے کے ذمہ ان دو سو کا صدقہ واجب ہے؛ کیوں کہ ہبہ میں نقود متعین ہوتے ہیں، تو گویا اسی مال کا ہدیہ دیا گیا جس کا صدقہ واجب ہے، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

۵۰۸۔ بیع فاسد کے اندر بائع کا حکم

بائع اگر بیع فاسد میں ثمن پر قبضہ کر لے تو اس کو لوٹانا ضروری ہے؛ لیکن اگر وہ اس

سے کوئی چیز خرید لے تو اس کا ربح اس کے لیے حلال ہوگا؛ کیوں کہ جس ثمن سے اس نے خریداری کی ہے وہ غیر متعین ہے، حتی کہ اگر بیع فاسد کے ذریعے قبضہ کردہ ثمن کی جانب بائع عقد کے وقت اشارہ کردے تب بھی بائع کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ ان کے علاوہ دیگر دراہم سے ثمن ادا کرے، حاصل یہ کہ جب وہ غیر متعین ہے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے انہی دراہم سے خریدا ہے جس پر اس نے بیع فاسد میں قبضہ کیا تھا۔

لیکن اس خریداری کے درست ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بیع فاسد کو فسخ کرنا اب واجب نہیں ہے؛ بلکہ وہ مشتری کو ثمن یا اس کا مثل لوٹا دے، یا اگر یہ ممکن نہ ہو تو جو ربح حاصل ہوا ہے اس کو صدقہ کردے، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے عقد صحیح کر کے سو درہم میں ایک کپڑا خریدا، پھر عقد فاسد کر کے اس کو ایک سو دس میں بیچ دیا تو اس پر بیع کو فسخ کر کے ثمن واپس کرنا واجب ہے؛ لیکن اگر اس نے ایک سو دس روپے لے کر اس سے جوتا خرید لیا تو یہ خریدنا درست ہے اور وہ اس کا مالک بھی ہو جائے گا؛ اگر چہ عقد کے وقت اس نے ان ایک سو دس کی جانب اشارہ کیا ہو؛ کیوں کہ نقود معاوضات میں غیر متعین ہوتے ہیں، پھر اگر بیع فاسد میں مشتری کے پاس کپڑا موجود ہو تو مشتری ثمن واپس لے کر بائع کو کپڑا واپس کردے، اور اگر بائع کسی وجہ سے ثمن واپس نہ کر سکے، مثلاً: مشتری غائب ہو گیا تو بیع فاسد میں کپڑے کی فروختگی سے جو دس کا نفع ہوا تھا اس کو صدقہ کردے۔

۵۰۹۔ خلاصۂ بحث

سابقہ تفصیلات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱) مال مغصوب اور جو اس کے حکم میں ہے، جیسے: رشوت یا چوری یا عقد باطل سے حاصل کیا ہوا مال، تو اس سے انتفاع، اس کو بیچنا اور اس کو ہبہ کرنا ناجائز ہے، اسی طرح ہبہ یا ثمن یا وراثت کے طور پر لینا بھی ناجائز ہے، اور مالک کو لوٹانا واجب ہے، اگر یہ ممکن نہ ہو تو صدقہ کردے، اور اگر مال نقد ہو اور ناجائز ہونے کے باوجود وہ اس سے کچھ

خرید لے تو اگر بعینہ حرام مال سے خریدا ہو تو بالاتفاق (صرف علامہ ابن مزین رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے جو کہ غیر معتبر ہے) ضمان ادا کرنے تک انتفاع ناجائز ہے، اور اگر اپنے ذمہ میں واجب ثمن کے عوض خریدے پھر حرام پیسوں سے ثمن ادا کرے تو ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے مذاہب میں بعض اقوال کے اندر انتفاع، ہبہ اور بیع کو جائز بتلایا گیا ہے؛ مگر راجح یہ ہے کہ ضمان کی ادائیگی یا اس کے ممکن نہ ہونے کی صورت میں صدقہ کرنے کے بعد ہی انتفاع حلال ہوگا، اور دوسرا ہبہ یا وراثت یا بیع کے طور پر اس کو لے سکتا ہے۔

۲) غاصب یا حرام کمانے والے کو ضمان یا صدقہ دینے سے قبل جو مغصوب کی آمدنی یا ربح حاصل ہو اس سے انتفاع ضمان دینے کے بعد ہی درست ہوگا، پھر اگر ضمان ادا کر دے تو حنابلہ کا راجح مذہب یہ ہے کہ آمدنی اور ربح مغصوب کے مالک کی ہی ملکیت ہے؛ لہٰذا وہ بھی لوٹا دیا جائے، یہی مالکیہ اور شافعیہ کا ایک قول ہے، اور حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ غاصب کی ملکیت ہے، یہی امام شافعی کا جدید قول اور مالکیہ کا معتمد مذہب ہے؛ لیکن حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ ضمان کی ادائیگی سے قبل وہ ملک خبیث ہے، اگر ضمان ادا کر دے تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ربح حلال ہو جائے گا؛ لیکن طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک حلال نہیں ہوگا؛ بلکہ مالک کو لوٹانا یا صدقہ کرنا ضروری ہوگا۔

۳) اگر غاصب متعدد افراد سے غصب کردہ اموال باہم ملا دے اور کل مال حرام ہی ہو تو ائمہ ثلاثہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک وہ مال مغصوب کے حکم میں ہے، اور مالکان کی ملکیت اس میں مشترکہ طور پر موجود ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مالک کو اس پر ملک خبیث حاصل ہوگی، اور وہ مالکان کو ضمان ادا کرے گا، اور ضمان ادا کرنے کے بعد ہی انتفاع حلال ہوگا، ضمان ادا کرنے سے قبل نہ تو وہ اس میں سے بیچ سکتا ہے اور نہ مشتری خرید سکتا ہے جب کہ اس کو یہ بات معلوم ہو، پھر بھی اگر خرید لے تو بیع تو درست ہے؛ لیکن ضمان کی ادائیگی سے قبل انتفاع حلال نہیں ہے۔

۴) اگر غاصب نے مغصوب یا حرام مال اپنے حلال مال کے ساتھ ملا دیا تو حنفیہ کا

صحیح مذہب یہ ہے کہ وہ مخلوط سے حلال کے بقدر استعمال کر سکتا ہے، اسی طرح لینے والا بھی حلال کے بقدر ہبہ یا ثمن یا وراثت کے طور پر لے سکتا ہے، یہی حنابلہ کا قول ہے؛ البتہ اگر حلال قلیل اور نادر ہو تو صدقہ کر دینا اولیٰ ہے، اور شافعیہ کا بھی حنفیہ کی مانند مذہب ہے؛ لیکن وہ حلال کے قلیل اور نادر ہونے کی صورت میں صدقہ کو واجب کہتے ہیں، اور مالکیہ کے تین قول ہیں: علامہ اصبغ رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ اس سے کسی قسم کا انتفاع درست نہیں اور نہ ثمن یا ہدیہ کے طور پر اس سے مال لینا جائز ہے، دوسرا قول علامہ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ یہ مکروہ ہے، تیسرا قول علامہ ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ اگر حلال کی مقدار زیادہ ہو تو حلال کے بقدر انتفاع درست ہے، اور اگر حرام کی مقدار زیادہ ہو تو درست نہیں، پھر بھی اگر وہ حلال سے کوئی سامان خرید لے تو دوسرا اس سے وہ سامان خرید سکتا ہے۔

۵) اگر یہ معلوم نہ ہو کہ حلال وحرام مال اس کے پاس مخلوط ہیں یا الگ الگ، یا اگر مخلوط ہے تو حلال کی کتنی مقدار ہے تو ایسی صورت میں احتیاط اولیٰ ہے؛ لیکن اگر یہ غالب گمان ہو کہ وہ حلال سے تجاوز نہیں کرے گا تو معاملہ کیا جا سکتا ہے۔

۶) اگر غاصب نے مغصوب میں ایسا تصرف کر دیا جس سے مغصوب بدل گیا، مثلاً: مغصوبہ بکری کو ذبح کر کے بھون دیا تو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اس صورت میں بھی لوٹانا ہی واجب ہے، اگر اس تبدیلی کی وجہ سے قیمت میں کمی آئی ہو تو غاصب اس کا ضامن ہوگا، اور اگر قیمت میں اضافہ ہوا ہو تو وہی اس کا مالک ہوگا جس سے غصب کیا گیا تھا، اور حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ تبدیلی کی وجہ سے غاصب کی اس پر ملک خبیث ثابت ہو جاتی ہے، اور ضمان لازم ہوتا ہے، یہی مالکیہ کا مذہب ہے، اور حنفیہ کے نزدیک ضمان سے قبل انتفاع ناجائز ہے، اور ضمان کے بعد بھی صدقہ اولیٰ ہے۔

۷) حرام کمانے والے کے لیے جس مال کا صدقہ کرنا واجب ہوا گر اس کو خود اپنی اور اپنے اہل وعیال کے نفقہ کے لیے ضرورت پڑ جائے تو وہ اس مال کو اپنے اوپر خرچ کر سکتا ہے، پھر اگر وہ فقیر ہو تو مثل کا صدقہ واجب نہیں ہے، اور اگر مالدار ہو؛ لیکن

حلال مال ضروریات کے لیے کافی نہ ہو تو مفتی اس کے احوال کو سامنے رکھ کر اس حرام مال سے اس کو بطور قرض لینے کی اجازت دے سکتا ہے، بشرطیکہ وہ وسعت کے وقت قرض کی یک بارگی یا قسطوں میں ادا کرنے کا التزام کرے۔

۸) بیع فاسد کے ذریعے حاصل شدہ مبیع سے انتفاع مشتری کے لیے حلال نہیں ہے، اور اگر وہ کسی تیسرے کو فروخت کر دے تو تیسرے کے لیے خریدنا تو مکروہ ہے؛ لیکن حنفیہ کے نزدیک وہ اس کا صحیح مالک ہو جائے گا؛ لہٰذا وہ اس سے انتفاع بھی کر سکتا ہے، اور اگر اس دوسری بیع میں مشتری کو نفع ہو تو وہ اس کے لیے حلال نہیں ہے؛ بلکہ اس کو صدقہ کرنا واجب ہے، اور اگر بائع نے بیع فاسد سے حاصل شدہ ثمن کے عوض کوئی چیز خریدی تو یہ خریداری درست ہے، اور وہ مبیع کا مالک ہو جائے گا، پھر اگر اس کو بیچ کر وہ نفع کمائے تو معاوضات کے اندر نقود متعین نہ ہونے کی بنیاد پر اس کے لیے ربح حلال ہوگا۔

۵۱۰۔جدید مسائل کا انطباق

مذکورہ اصولی باتوں کو ذکر کرنے کے بعد ہم بطورِ تطبیق ان فروعی مسائل کا ذکر کریں گے جو بکثرت ہمارے زمانے میں پائے جاتے ہیں، واللہ سبحانہٗ ہو الموفق للصواب۔

۱) وہ تاجر جو صرف ایسے معاملات کرتا ہے جو شرعاً باطل ہیں، جیسے شراب یا خنزیر کی تجارت، تو اس کے مال پر پہلی قسم کے احکام جاری ہوں گے، اس کا ہدیہ لینا، دعوت قبول کرنا، خرید وفروخت کرنا اور عقد اجارہ کرنا سب حرام ہیں؛ کیوں کہ تاجر کا کل مال حرام ہے، اگر ہدیہ دے دے تو صدقہ کر دیا جائے۔

۵۱۱۔وہ ہوٹل اور ریسٹورنٹ جہاں شراب کی فروختگی ہوتی ہے

وہ ہوٹل، ریسٹورنٹ اور ائیر لائن جن میں شراب اور دوسری حرام چیزیں بیچی جاتی ہیں ان کے ساتھ معاملہ کرنے سے ایک دین دار مسلمان کو حتی الامکان بچنا چاہیے؛ تا کہ حرام کاروبار کرنے والوں کی ہمت افزائی نہ ہو، اور اس سے نفرت کا اظہار ہو؛ لیکن ان ہوٹلوں کے اموال تیسری قسم کی تیسری صورت میں داخل ہیں، یعنی جس میں حلال وحرام

مخلوط ہوتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ مباح غذائی اشیاء میں حلال کے بقدر معاملہ کرنا جائز ہے، اور اگر حلال کی مقدار معلوم نہ ہو تو یہ تیسری قسم کی چوتھی صورت میں داخل ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر غالب گمان ہو کہ حلال کے بقدر ہی معاملہ ہوگا تو جائز ہے۔

اس طرح کے ہوٹلوں میں نوکری کا حکم یہ ہے کہ اگر خدمت مباح ہو تو نوکری جائز ہے، اور ملنے والی تنخواہ حلال ہوگی، اور اگر حرام خدمت ہو، مثلاً: شراب کی بیع تو یہ نوکری اور تنخواہ دونوں حرام ہیں۔

اور جس نوکری میں حلال اور حرام دونوں خدمات انجام دینی پڑیں تو ایسی نوکری کرنا ناجائز ہے؛ لیکن اگر کوئی ایسی نوکری قبول کر لے تو اس پر ملنے والی تنخواہ کا حکم مجھے فقہاء کے یہاں نہیں مل سکا، صرف علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت ملی:

قَالَ: لِتَحْمِلَ لِي هَذِهِ الصُّبْرَةَ وَالَّتِي فِي الْبَيْتِ بِعَشَرَةٍ...فَإِنْ كَانَا يَعْلَمَانِ الَّتِي فِي الْبَيْتِ، لَكِنَّهَا مَغْصُوبَةٌ، أَوْ امْتَنَعَ تَصْحِيحُ الْعَقْدِ فِيهَا لِمَانِعٍ اخْتَصَّ بِهَا، بَطَلَ الْعَقْدُ فِيهَا. وَفِي صِحَّتِهِ فِي الْأُخْرَى وَجْهَانِ، بِنَاءً عَلَى تَفْرِيقِ الصَّفْقَةِ، إِلَّا أَنَّهُمَا إِنْ كَانَتْ قُفْزَانُهُمَا مَعْلُومَةً، أَوْ قَدْرُ أَحَدِهِمَا مَعْلُومًا مِنَ الْأُخْرَى، فَالْأَوْلَى صِحَّتُهُ؛ لِأَنَّ قِسْطَ الْأَجْرِ فِيهَا مَعْلُومٌ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ، فَالْأَوْلَى بُطْلَانُهُ؛ لِجَهَالَةِ الْعِوَضِ فِيهَا. (۱)

آدمی مزدور سے کہے: میں تمہیں مزدوری پر لیتا ہوں؛ تا کہ تم اس ڈھیر اور گھر میں رکھے ہوئے ڈھیر اٹھا کر لے چلو، تمہیں دس درہم دوں گا، تو اگر دونوں کو گھر میں رکھے ڈھیر کا علم ہو؛

(۱) المغنی ۵/۳۷۸

لیکن وہ مغصوبہ ہو، یا کسی مخصوص مانع کی وجہ سے اس میں عقد درست نہ ہوتا ہو تو اس میں عقد باطل ہو جائے گا، اور دوسرے ڈھیر میں عقد کے جواز وعدم جواز کی بنیاد تفریق صفقہ پر ہے؛ البتہ اگر ان کے قفیزوں کی مقدار معلوم ہو یا ایک کی مقدار معلوم ہو تو عقد کا درست ہونا اولیٰ ہے؛ کیوں کہ اس کا حصۂ اجرت معلوم ہے، اور اگر ایسا نہ ہو تو عوض کے مجہول ہونے کی وجہ سے اس کا باطل ہونا ہی اولیٰ ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مباح خدمت میں اجارہ تبھی حلال ہوگا جب کہ تنہا اس کی اجرت معلوم ہو، اگر اجرت معلوم نہ ہو تو یہ درست نہیں ہے؛ لہٰذا اگر ہوٹل، ریسٹورنٹ، بینک اور انشورنس کمپنی میں خدمت کی یہی صورت حال ہو تو کام کرنے والے کی تنخواہ حلال وحرام سے مرکب ہوگی، پس یہ تیسری قسم کی تیسری صورت میں داخل ہے، اور حلال کے بقدر اس سے معاملہ کرنا درست ہے، اور اگر مباح خدمت کی علاحدہ اجرت معلوم نہ ہو تو اجارہ فاسد ہے؛ لیکن اجیر اجارات فاسدہ میں اجرت مثل کا حق دار ہوتا ہے، جیسا کہ دیگر فاسد اجارات کو بیان کرتے وقت علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی صراحت کی ہے(۱) اس بنیاد پر جتنی مقدار مباح خدمت کی تنخواہ بن سکتی ہے وہ حلال ہونی چاہیے؛ لیکن اس صورت میں بھی اس کا مال حلال وحرام سے مخلوط ہوگا؛ لہٰذا بقدر حلال ہی اس سے معاملہ جائز ہوگا۔

لیکن ان ہوٹلوں، ریسٹورنٹس اور ایئر لائنز کے شیئرز خریدنا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ شیئر تمام موجودات میں مشاع حصہ کا نام ہے، تو شیئر ان حرام اشیاء کا بھی نمائندہ ہے؛ لہٰذا کسی مسلمان کے لیے اس کا مالک بننا درست نہیں ہوگا، نیز شیئر ہولڈر تجارتی سرگرمیوں اور نفع میں ان کا شریک بھی ہوتا ہے، جب کہ نفع کی بڑی مقدار حرام ہے، اسی

---

(۱) المغنی ۵/۳۴۶

طرح مذکورہ وجہ کی بنا پر ان کے شیئرز کی فروختگی بھی ناجائز ہے؛ البتہ اگر ممنوع اشیاء کا فیصد اس میں قلیل ہو یعنی سو میں پانچ تو بعض معاصر علماء نے شیئر خریدنے کو جائز قرار دیا ہے، بشرطیکہ شیئر ہولڈر خود کو ملنے والے نفع میں سے اتنا فیصد صدقہ کرنے کا التزام کرے۔(۱)

اور اگر کسی شخص نے حرام شیئر خرید لیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو توبہ کی توفیق دی تو اس سے چھٹکارا پانا بہت ہی مشکل ہے، اس کی شکل یہ ہوسکتی ہے کہ وہ کسی غیر مسلم کو وہ شیئر فروخت کردے اور ثمن اس حصہ کی قیمت کے برابر ہو جو حلال موجودات کے اندر مشترک ہے، مثلاً: عمارت، کاریں، بچھونے اور وہ آلات جن کا حرام کاموں میں استعمال نہ ہوتا ہو۔

۲) جس شخص کی کمائی خالص سود ہو تو یہ بھی اسی قسم میں داخل ہے، یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ فقہاء نے سودی معاملات کو تو عقود فاسدہ کی ایک قسم قرار دیا ہے، علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ علامہ بزدوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

مِنْ جُمْلَةِ صُوَرِ الْبَيْعِ الْفَاسِدِ جُمْلَةُ الْعُقُودِ الرِّبَوِيَّةِ يُمْلَكُ الْعِوَضُ فِيهَا بِالْقَبْضِ.(۲)

بیع فاسد کی جملہ صورتوں میں سودی معاملے بھی ہیں، قبضہ کی وجہ سے ان میں ملکیت ثابت ہوجاتی ہے۔

اور فقہاء نے عقد ربا کے بیع فاسد ہونے کی بنیاد پر بہت سے مسائل متفرع کیے ہیں۔

اور علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی بات ذکر کی ہے:

وَالْقَبْضُ الَّذِي لَا يُفِيدُ الْمِلْكَ هُوَ الظُّلْمُ الْمَحْضُ فَأَمَّا الْمَقْبُوضُ بِعَقْدٍ فَاسِدٍ كَالرِّبَا وَالْمَيْسِرِ؛ وَنَحْوِهِمَا فَهَلْ يُفِيدُ الْمِلْكَ؟ عَلَى ثَلَاثَةِ أَقْوَالٍ لِلْفُقَهَاءِ: "أَحَدُهَا" أَنَّهُ يُفِيدُ الْمِلْكَ. وَهُوَ مَذْهَبُ

---

(۱) معیار شرعی، رقم ۲۱، ۳/۴/۴

(۲) البحر الرائق ۶/۱۳۶

أَبِي حَنِيفَةَ. وَالثَّانِي لَا يُفِيدُهُ وَهُوَ مَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ فِي الْمَعْرُوفِ مِنْ مَذْهَبِهِ. " وَالثَّالِثُ " أَنَّهُ إِنْ فَاتَ أَفَادَ الْمِلْكَ وَإِنْ أَمْكَنَ رَدُّهُ إِلَى مَالِكِهِ وَلَمْ يَتَغَيَّرْ فِي وَصْفٍ وَلَا سِعْرٍ لَمْ يُفِدْ الْمِلْكَ وَهُوَ الْمَحْكِيُّ عَنْ مَذْهَبِ مَالِكٍ. (۱)

وہ قبضہ جو مفیدِ ملک نہ ہو محض ظلم ہے؛ لہٰذا عقد فاسد مثلاً: سود یا جوا کی وجہ سے جس عوض پر قبضہ ہو گیا اس سے ملک بھی حاصل ہو گی؟ اس میں فقہاء کے تین اقوال ہیں: ایک یہ کہ یہ مفیدِ ملک ہے، یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، دوسرا یہ کہ یہ مفیدِ ملک نہیں ہے، یہ امام شافعی کا اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہما کا معروف مذہب ہے، تیسرا یہ کہ اگر فوت ہو جائے تو مفیدِ ملک ہے اور اگر مالک کو لوٹانا ممکن ہو اور اس کے وصف اور قیمت میں تغیر نہ آیا ہو تو غیر مفیدِ ملک ہے، یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

لیکن ظاہر یہ ہے کہ سودی معاملات کو جو ان حضرات نے مفیدِ ملک کہا ہے ان کا تعلق ربا الفضل اور ربا النسیئہ سے ہے جن کی ممانعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے، ربا القرض جس کا زمانۂ جاہلیت میں رواج تھا اور جس کو قرآن کریم میں حرام قرار دیا گیا ہے تو یہ بیع فاسد میں داخل نہیں؛ بلکہ شرعاً باطل ہے؛ اس لیے کہ بیع فاسد بیع کی من جملہ اقسام میں سے ہے، اور حنفیہ کے نزدیک بعض احوال میں اس پر بیع کے بعض احکام بھی جاری ہوتے ہیں، مثلاً: مشتری قبضہ کی وجہ سے مالک ہو جاتا ہے، جب کہ ربا القرض بیع نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ

(۱) مجموع الفتاوی ۲۹/ ۳۲۷و۳۲۸

الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا.(۱)

یہ اس لیے ہوگا کہ انھوں نے کہا تھا کہ: بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہوتی ہے، حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔

تو یہاں بیع اور ربا کے درمیان واضح فرق کیا گیا ہے؛ لہٰذا اس ربا کو بیع کی منجملہ اقسام میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

اور علامہ جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ لکھا ہے:

فَأَبْطَلَ اللّٰهُ تَعَالَى الرِّبَا الَّذِي كَانُوا يَتَعَامَلُونَ بِهِ وَأَبْطَلَ ضُرُوبًا أُخَرَ مِنَ الْبِيَاعَاتِ وَسَمَّاهَا رِبًا فَانْتَظَمَ قوله تعالى وَحَرَّمَ الرِّبَا تَحْرِيمَ جَمِيعِهَا لِشُمُولِ الِاسْمِ عَلَيْهَا مِنْ طَرِيقِ الشَّرْعِ.(۲)

تو اللہ تعالیٰ نے اس ربا کو باطل قرار دیا جس کا ان کے درمیان رواج تھا اور بیع کی متعدد اقسام کو بھی باطل قرار دیا اور ان کا نام ربا رکھا، پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد "و حرم الربوا" سے تمام اقسام حرام ہوجاتے ہیں؛ کیوں کہ شریعت کی جانب سے ان سب پر ایک ہی نام کا اطلاق ہوا ہے۔

علامہ جصاص رحمۃ اللہ علیہا کا مقصد اس عبارت سے صرف یہ بتلانا ہے کہ حرمت تمام اقسام کے بیوع کو بھی شامل ہے؛ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بھی ربا کہا ہے، یہ مراد نہیں ہے کہ ربا القرض بیع کے اقسام میں داخل ہے؛ اس لیے کہ خود بیع کے باب میں آپ نے لکھا ہے:

---

(۱) البقرۃ:۲۷۵

(۲) احکام القرآن ۲/ ۱۸۴

فَمِنَ الرِّبَا مَا هُوَ بَيْعٌ وَمِنْهُ مَا لَيْسَ بِبَيْعٍ وَهُوَ رِبَا أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ وَهُوَ الْقَرْضُ الْمَشْرُوطُ فِيهِ الْأَجَلُ وَزِيَادَةُ مَالٍ عَلَى الْمُسْتَقْرِضِ. (۱)

ربا کی بعض اقسام بیع ہیں اور بعض نہیں ہیں، اور وہ اہل جاہلیت کا ربا ہے، یعنی ایسا قرض جس میں مستقرض پر اجل میں اضافہ کے ساتھ مال کا اضافہ مشروط ہوتا تھا۔

معلوم ہوا کہ ربا القرض بیع کے اقسام میں داخل نہیں ہے؛ بلکہ غصب اور رشوت کی طرح حرام محض ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے حرام کمائی سے متصل اس کا ذکر کیا ہے۔ (۲) لہٰذا سودخور قرض سے زائد جو بھی مال لے گا وہ غصب اور رشوت کے حکم میں ہوگا، اور جس کا مال محض سود ہو تو اس کا ہدیہ لینا، دعوت قبول کرنا اور خرید وفروخت کرنا ناجائز ہے۔

اور سودی قرض لینے والا اگرچہ ایک سنگین جرم کا ارتکاب کر رہا ہے؛ لیکن وہ اس کا مالک ہوجائے گا (۳) اس لیے کہ قرض' فاسد شرائط کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا۔ (۴) بلکہ شرط ہی باطل ہوجاتی ہے؛ لہٰذا اس قرض کے مال سے جو چیز خریدے گا وہ حرام نہیں ہوگی، اسی بنیاد پر اگر وہ کسی کو ہدیہ دے تو لینا درست ہے، اور خرید وفروخت بھی جائز ہے۔ (۵)

۵۱۲۔ سودی بینکوں کے ساتھ معاملہ کرنا

اسی سے سودی بینکوں کے ساتھ معاملہ کا حکم معلوم ہوجاتا ہے، سودی بینک کے اموال میں حلال وحرام مخلوط ہوتے ہیں؛ اس لیے کہ ایک تو رأس المال ہے جس کو حلال

---

(۱) احکام القرآن ۲/ ۱۸۹

(۲) امداد الفتاوی ۷/ ۲۱۳

(۳) الدر مع الرد ۵/ ۱۶۴

(۴) جامع الفصولین ۲/ ۶

(۵) امداد الفتاوی ۷/ ۳۹

سمجھا جاتا ہے، جب تک کہ اس کے خلاف معلوم نہ ہو، دوسرا بینک میں پیسے رکھنے والوں کے پیسے، اور ان کو بھی حلال مانا جاتا ہے جب تک کہ اس کے خلاف ثابت نہ ہو، تیسرا بینک کی وہ آمدنی جو شرعاً جائز خدمات کی وجہ سے حاصل ہوئی ہوں، مثلاً: پیسوں کی منتقلی، اور کرنسیوں کے فوری تبادلہ کی کاروائیاں، یہ بھی حلال ہے، چوتھا وہ آمدنی ہے جو عام طور پر سودی معاملات کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، یہ حرام ہے، اور سودی بینک کے اموال تیسری قسم کی تیسری صورت میں داخل ہیں؛ لہٰذا حلال کے بقدر معاملہ جائز ہوگا۔

بینک کے ساتھ متعدد طریقوں سے معاملہ کیا جاتا ہے:

۵۱۳۔ پہلا طریقہ

پہلا طریقہ یہ ہے کہ سودی بینک کے شیئرز خریدے جائیں، یہ حرام ہے؛ کیوں کہ اس کی بنیادی سرگرمی ہی حرام ہے، اور جو شخص خرید لے، پھر اللہ تعالیٰ اس کو توبہ کی توفیق دیں تو اس میں خلاصی کی وہی صورت ہوگی جو ہم ہوٹل اور ریسٹورنٹ (جن میں حرام چیزیں شراب وغیرہ کی فروخت ہوتی ہو) کے شیئرز کی بیع کے بیان میں ذکر کر چکے ہیں۔

۵۱۴۔ دوسرا طریقہ

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ بینک میں کرنٹ اکاؤنٹ (current account) کھلوایا جائے، بینکوں میں کرنٹ اکاؤنٹ کے اندر یہ طریقۂ کار ہے کہ اکاؤنٹ والا جب چاہے پرسنل چیک جاری کر کے یا بینک ٹرانسفر کے ذریعہ اپنی رقم نکال سکتا ہے، بینک اس رقم پر سود نہیں دیتا، اس کا شرعاً حکم یہ ہے کہ یہ بینک کو قرض دینا ہے؛ اگرچہ بینک کی اصطلاح میں یہ ودیعت کہلاتا ہے؛ کیوں کہ یہ رقوم بینک لے کر ایک جگہ نہیں رکھ دیتا؛ بلکہ ان کو خلط ملط کر دیتا ہے، اور اپنے سے معاملہ کرنے والوں کو دیتا بھی ہے اور اس پر سود کا مطالبہ کرتا ہے، اور یہ رقوم بینک کے ذمہ مضمون ہوتے ہیں، جن کا بینک متفق علیہ شرائط کے مطابق ہر حال میں دینے کا پابند ہوتا ہے۔

معاصر علماء نے ضرورت کے وقت اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے؛ کیوں کہ اس

قرض پر نفع حاصل نہیں ہوتا، ایک اشکال ہوتا ہے کہ یہ اگر چہ سودی قرض نہیں ہے؛ لیکن بینک کی سودی معاملات میں اعانت تو ہے؛ کیوں کہ یہ معلوم ہے کہ بینک ان رقوم کو جامد نہیں رکھتا؛ بلکہ سودی قرضوں میں ان کا استعمال کرتا ہے، تو اکاؤنٹ میں پیسے رکھنے والا سودی معاملہ میں بینک کا معاون ہے؟

لیکن ہم عاقدین کے احکام کی بحث میں اعانت علی المعصیۃ کا مسئلہ تفصیل سے بیان کر چکے ہیں(۱) اس کی روشنی میں اگر اکاؤنٹ میں رکھے ہوئے پیسوں کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کا کرنٹ اکاؤنٹ میں پیسے رکھنا سودی معاملات کا سبب داعی ومحرک نہیں ہے، کہ اگر وہ پیسے نہ رکھے تو بینک سودی معاملہ نہ کرے؛ لہٰذا یہ دوسری قسم میں داخل ہے، اور اکثر حالات میں پیسے رکھنے والے کا مقصد سودی معاملات میں بینک کی مدد نہیں ہوتا؛ بلکہ صرف اپنے مال کی حفاظت ہوتا ہے۔

پھر پیسے رکھنے والے کو یقین کے ساتھ یہ علم نہیں ہوتا کہ اس کے پیسے سودی معاملہ میں استعمال کیے جائیں گے؛ بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ بینک میں ہی رکھے رہ جائیں یا ان کا کسی مشروع کام میں استعمال ہو، اور اگر سودی معاملہ میں بینک انہیں استعمال کر بھی لے تو جائز عقود معاوضہ میں نقود متعین نہیں ہوتے؛ لہٰذا یہ معاملہ اس شخص کے رکھے ہوئے پیسوں کی جانب منسوب نہیں ہوگا؛ بلکہ ان نقود کی جانب ہوگا جس کا بینک مالک ہوگیا ہے، زیادہ سے زیادہ کرنٹ اکاؤنٹ میں پیسے رکھنا مکروہ تنزیہی ہوگا۔

یہ امر بدیہی ہے کہ بہت سے جائز معاملات بھی بینکوں کے ساتھ مربوط ہو چکے ہیں، جنہیں انجام دینے کے لیے کسی نہ کسی بینک میں اکاؤنٹ کا کھلا ہونا ضروری ہوتا ہے؛ لہٰذا اس کی حاجت ظاہر ہے اور مشاہدہ بھی ہے؛ اس لیے ان شاء اللہ تعالیٰ اس قسم کی حاجت سے کراہت تنزیہی بھی ختم ہوجائے گی۔

البتہ اس رخصت پر اسی وقت عمل کیا جائے گا جب غیر سودی بینک موجود نہ ہو، اگر

(۱) رقم: ۴۷

ایسا بینک موجود ہو جس کا نظام شرعی طور پر چلتا ہو تو پھر اس رخصت پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔

۵۱۵۔ تیسرا طریقہ

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ بینک میں سیونگ اکاؤنٹ (saving account) کھلوایا جائے، یہ ایسا اکاؤنٹ ہے جس میں آدمی کو رکھے ہوئے پیسوں میں سے ایک متعین رقم نکالنے کا اختیار ہوتا ہے، اور بینک فکسڈ ڈپازٹ میں جتنا فیصد سود دیتا ہے اس سے کم فیصد میں اس اکاؤنٹ کے اندر سود ملتا ہے، فکسڈ ڈپازٹ (fixed deposit) ایسا اکاؤنٹ ہے جس میں ایک متعین مدت کے لیے پیسے رکھے جاتے ہیں اور بینک زائد شرح میں سود دیتا ہے، یہ دونوں اکاؤنٹ خالص سودی ہیں؛ لہٰذا عقد ربا ہونے کی وجہ سے ان دونوں میں پیسے رکھنا حرام ہے۔

۵۱۶۔ چوتھا طریقہ

چوتھا طریقہ یہ ہے کہ لیٹر آف کریڈٹ (letter of credit) کے ذریعہ خرید وفروخت کی جائے، اگر یہ سودی عقد پر مشتمل نہ ہو تو جائز ہے، امپورٹ اور ایکسپورٹ کے بیان (۱) میں اس کی تفصیل آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۵۱۷۔ پانچواں طریقہ

پانچواں طریقہ یہ ہے کہ بینک سے مباح چیزیں خریدی جائیں، یہ جائز ہے؛ کیوں کہ بینک کے اموال حلال وحرام سے مخلوط ہیں، اور حلال غالب ہے، جیسا کہ بحث کے آغاز میں آچکا ہے، پس وہ مباح چیزیں جن کا بینک خریداری یا کسی اور وجہ سے مالک ہوا ہے محض سودی بینک ہونے کی وجہ سے حرام نہیں ہوں گی۔

۵۱۸۔ چھٹا طریقہ

چھٹا طریقہ یہ ہے کہ بینک کو کوئی چیز بیچی جائے، اس کے حکم میں تفصیل ہے: اگر مبیع ایسی ہو جس کا صرف ایسے عقد میں استعمال ہوتا ہو جو شرعاً حرام ہے، مثلاً: کمپیوٹر کا ایسا

---

(۱) رقم: ۵۳۵

پروگرام جو سودی کاروائیوں کے لیے ترتیب دیا گیا ہو، تو بینک یا کسی اور کو وہ بیچنا حرام ہے، اسی طرح اگر کمپیوٹر بیچتے وقت یہ نیت ہو کہ اس کا حرام کاموں کو ضبط کرنے کے لیے استعمال کیا جائے یا عقد میں اس بات کی صراحت کردی جائے تب بھی حرام ہوگا۔

رہی وہ چیزیں جن کا حرام کاموں سے براہِ راست کوئی تعلق نہیں ہوتا، جیسے کار یا بچھونے تو ان کا بیچنا حرام نہیں ہے؛ اس لیے کہ صرف ناجائز کام میں ان کا استعمال نہیں کیا جاتا، اور اعانت علی المعصیۃ (۱) کی بحث میں ہم ذکر کر چکے ہیں جس میں فاعل مختار کے فعل سے کوئی خلل آئے تو یہ حرام اعانت میں داخل نہیں ہوگا؛ الاّ یہ کہ بائع کا مقصد اعانت ہو یا عقد میں اس کی تصریح کردی گئی ہو، پھر ان چیزوں کا استعمال معصیت کا سبب بعید ہے؛ اس لیے یہ مکروہ تحریمی نہیں ہوگا، لیکن چوں کہ بینک کی کمائی کا ایک بڑا حصہ حرام ہوتا ہے؛ اس لیے ان سے معاملہ کرنے سے احتیاط ہی اولیٰ ہے؛ اگرچہ سبب بعید ہی کیوں نہ ہو۔

اور بینک بائع کو جو ثمن دیتا ہے وہ مخلوط حلال وحرام سے دیتا ہے، اور پہلے آچکا ہے کہ مخلوط میں سے حلال کے بقدر معاملہ کرنا جائز ہے، اور بینک کا اکثر مال حلال ہی ہے۔

۵۱۹۔ساتواں طریقہ

ساتواں طریقہ یہ ہے کہ بینک میں ملازمت کی جائے، تو اگر ملازمت میں سودی یا دیگر حرام کام کرنے پڑتے ہوں مثلاً: سودی لین دین کرنا، discounting of the bill of exchange، ان معاملات کو قلمبند کرنا، ان پر دستخط کرنا، سودی رقموں کا مطالبہ کرنا یا دینا، یا یادداشت کی غرض سے اسے لکھ لینا، یا بینک یا اس کے کسی سیکشن کا منیجر بننا، تو ایسی ملازمت حرام ہے، منیجر بننا اس لیے حرام ہے کہ بینک کی تمام سرگرمیوں ــــ جن میں اکثر حرام ہوتے ہیں ــــ کا وہی جواب دہ ہوتا ہے۔

اور جو شخص مذکورہ حرام کاموں میں ملازم ہو تو بینک سے ملنے والی اس کی کل تنخواہ

---

(۱) رقم: ۴۷

حرام ہوگی، اگر کوئی اور مال نہ ہوتو وہ پہلی قسم میں داخل ہے؛ لہٰذا ہبہ یا بیع وشراء یا وراثت کے طور پر وہ مال لینا ناجائز ہوگا، ایسے ملازم پر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنا اور اس حرام کمائی کو صدقہ کردینا واجب ہے(۱) اگر اللہ تعالیٰ اس کو توبہ کی توفیق دیں اور اس کے پاس یہی حرام کمائی ہو تو کسی قابل اعتماد مفتی سے فتویٰ لے کر وہ بطورِ قرض اس کو استعمال کرسکتا ہے، پھر وسعت کے وقت انہیں صدقہ کردے، جیسا کہ سابق (۲) میں تفصیل آچکی ہے۔

اور جس ملازمت میں مباح وممنوع دونوں کام کرنے پڑتے ہوں تو اس کا حکم وہ ہے جو ہوٹل اور ریسٹورنٹ میں ملازمت کا ہے۔

اگر اس طرح کے ملازم کو بینک کے علاوہ سے بھی حلال آمدنی ہوجاتی ہو یا حلال طریقہ سے ملا ہوا مال وراثت اس کے پاس ہو تو یہ تیسری قسم کی تیسری صورت میں داخل ہے؛ کیوں کہ اس کا مال حلال وحرام سے مخلوط ہے، پس مخلوط کے احکام اس پر جاری ہوں گے؛ لہٰذا حلال کے بقدر وہ خود بھی انتفاع کرسکتا ہے اور دوسرے بھی اس سے معاملہ کرسکتے ہیں۔

اور اگر ملازمت کا سودی کاموں سے براہِ راست تعلق نہ ہو، مثلاً واچ مین، ڈرائیور، فون آپریٹر، عمارت یا سامانوں یا بجلی کی دیکھ بھال کی ملازمت، یا ایسا ملازم جس کو صرف مباح کاروائیاں انجام دینی پڑتی ہوں، جیسے: پیسے منتقل کرنا، کرنسیوں کا فوری تبادلہ کرنا، بینک چیک جاری کرنا، باربرداری یا ایک ملک سے دوسرے ملک بھیجنے کے کاغذات کی حفاظت، تو اگر حرام کاموں میں تعاون کی نیت نہ ہو تو یہ ملازمت حرام تو نہیں؛ لیکن بچنا اولیٰ ہے، اور اس کی تنخواہ پر بھی حرمت کا حکم نہیں لگے گا، وجہ وہی ہے جس کی اعانت اور تسبب کے بیان میں اور بینک کے مال کے مخلوط ہونے کے سلسلے میں تفصیل آچکی ہے، اور اس قسم کے ملازمین کے ساتھ ہدیہ اور خرید وفروخت کے معاملات کیے جاسکتے ہیں۔

---

(۱) بینک کو واپس نہ لوٹائے، زیر بحث مسئلہ میں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے عمدہ بحث فرمائی ہے، زاد المعاد ۵/ ۶۹۱ کی جانب مراجعت کی جائے۔

(۲) رقم: ۵۰۵

اور بعض ملازمتوں کا بینک کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا؛ بلکہ ان کا مقصود اقتصادی امور پر ریسرچ کرنا ہوتا ہے، تو اگر اس ریسرچ کا مقصد بینک کے حرام کاموں میں تعاون ہو تو یہ ملازمت پہلی قسم میں داخل ہے، اور یہ ناجائز ہے، اور اگر وہ عام ریسرچ ہوں جن سے بینک عام اقتصادی حالات معلوم کرتا ہو تو یہ دوسری قسم میں داخل ہے۔

۵۲۰۔انشورنس کمپنیوں کے ساتھ معاملہ کرنا

وہ انشورنس کمپنیاں جو سود اور غرر کی بنیاد پر کام کرتی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں:

۱) جو لائف انشورنس اور فیملی انشورنس کرتی ہیں، اشیاء کا نہیں۔

۲) جو چیزوں یا ذمہ داریوں (third party insurance) کا انشورنس کرتی ہیں جنہیں تامین عام (general insurance) کہا جاتا ہے۔

انشورنس کی کاروائی سود یا غرر یا دونوں پر مبنی ہوتی ہے، جیسا کہ آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ، معاصر جمہور علماء اور فقہی اکیڈمیوں کا یہی فتویٰ ہے؛ لیکن یہاں مقصود ان کمپنیوں یا ان کے ملازمین کے ساتھ ہبہ یا بیع وشراء وغیرہ معاملہ کرنے کا حکم بیان کرنا ہے، ہم ہر قسم پر مستقل گفتگو کریں گے؛ کیوں کہ ہر ایک کا طریقۂ کار دوسرے سے مختلف ہے۔

جن کمپنیوں میں صرف فیملی انشورنس (۱) ہوتا ہے تو اس کی سرگرمی اگرچہ محظور ہے؛ لیکن اس کے بجٹ کا اکثر حصہ حلال مانا جاتا ہے؛ کیوں کہ ایک تو کمپنی کا رأس المال ہوتا ہے، دوسرا انشورنس کی قسطیں جو انشورنس کرانے والے دیتے ہیں، تیسرا کمپنی کی آمدنی، رہا رأس المال تو اس کو حلال ہی سمجھا جائے گا؛ الّا یہ کہ اس کے خلاف ثابت

---

(۱) اس کا طریقۂ کار یہ ہے کہ آدمی انشورنس کمپنی کو متعینہ مدت تک متعینہ قسطیں ادا کرتا ہے، پھر اگر کمپنی نے جو مدت متعین کی ہے اس مدت تک یہ شخص زندہ رہے تو اس کو یہ ساری قسطیں مع سود لوٹا دی جاتی ہیں، اور اگر مرجائے تو اس کی فیملی کو یہ قسطیں مع سود کمپنی واپس کرتی ہے؛ البتہ اس صورت میں سود کی شرح زیادہ ہوتی ہے۔

ہو جائے، اور انشورنس کی قسطیں کمپنی کے پاس اسی طرح رکھی جاتی ہے جس طرح بینک میں پیسے رکھے جاتے ہیں؛ کیوں کہ اس پر سود بھی ملتا ہے، اور عصری اصطلاح میں اگر چہ اس کو ودیعت کہا جاتا ہے؛ لیکن شرعی نقطۂ نظر سے یہ قرضے ہیں جو انشورنس والے کمپنی کو دیتے ہیں، اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ شرط فاسد کی وجہ سے قرض فاسد نہیں ہوتا؛ بلکہ قرض لینے والا اس کا مالک ہو جاتا ہے اور سود کی شرط فاسد ہو جاتی ہے، تو عقدِ قرض کی وجہ سے کمپنی ان قرضوں کی مالک ہے، اور انشورنس کی سرگرمیوں کی وجہ سے حاصل ہونے والا نفع حرام ہے؛ لیکن رأس المال اور انشورنس کی قسطوں کے مقابل اس کا تناسب قلیل ہے، ثابت ہوا کہ کمپنی کا بجٹ حلال وحرام سے مخلوط ہے، اور حلال کا تناسب زیادہ ہے۔

اس بنا پر یہاں تیسری قسم کی تیسری صورت کے احکام منطبق ہوں گے، چنانچہ ان کمپنیوں کے ساتھ ایسے معاملات جائز ہوں گے جو براہ راست کمپنی کے حرام کاموں میں معاون نہ بنیں، جیسے: کار، بچھونے اور بجلی کے سامان بیچنا، البتہ بچنا اولیٰ اور احوط ہے، اور جن وسائل کا صرف ناجائز کاموں میں ہی استعمال ہوتا ہے، جیسے کمپیوٹر کے وہ پروگرامز جنہیں انشورنس کے لیے ہی ترتیب دیا گیا ہے تو ان کی بیع شرعاً ممنوع ہوگی، اسی طرح جن سامانوں کا حلال وحرام دونوں میں استعمال ہو سکتا ہو، جیسے کمپیوٹر، اور ناجائز کام میں تعاون کی غرض سے بیچا جائے تو یہ بھی ممنوع ہے، اور کمپنی سے مباح چیزیں خریدنا جائز ہے؛ کیوں کہ پہلے آچکا ہے کہ حلال کا تناسب زیادہ ہے۔

رہا کمپنی میں ملازمت اور اس کے ملازمین کے ساتھ معاملہ کرنے کا حکم تو بعینہٖ وہی ہے جس کا سودی بینکوں کی ملازمت کے سلسلے میں بیان آچکا ہے۔

۵۲۱۔ سامانوں اور ذمہ داریوں کا انشورنس کرنے والی کمپنیاں

اور جو کمپنیاں اشیاء اور ذمہ داریوں کا انشورنس کرتی ہیں ان کا طریقۂ کار مختلف ہے(۱) کیوں کہ اس کے کل مال میں سے جس پر حلال ہونے کا حکم لگایا جا سکتا ہے وہ

(۱) اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

صرف رأس المال ہے، رہی انشورنس کی قسطیں تو کمپنی ممنوع عقد کے ذریعے انہیں حاصل کرتی ہے، پھر اگر عقد میں اس بات کا التزام ہو کہ جس چیز کا انشورنس کرایا گیا اگر اس کو کوئی نقصان ہوا تو کمپنی انشورنس کرانے والے کو اس کا نقد معاوضہ دے گی، مثلاً: کار کا انشورنس ہو، اور عقدِ انشورنس میں اس کا التزام کیا جائے کہ اگر کار ہلاک ہوئی یا اس کو نقصان ہوا تو کمپنی کار کی قیمت یا اس کی سرویسنگ کی قیمت انشورنس کرانے والے کو نقد دے گی، اور یہ انشورنس کی قسطوں کے مقابلے میں ہو تو یہ عقد سود پر مشتمل ہے؛ کیوں کہ قسطوں اور انشورنس کی رقم کے درمیان تماثل مفقود ہے، اسی وجہ سے یہ ربا کی مانند عقد باطل ہے، اور انشورنس کرانے والوں سے لی گئی تمام قسطیں حرام ہیں۔

لہٰذا کمپنی کے اموال میں سے صرف ایک راس المال ہی ہے جس پر حلال ہونے کا حکم لگایا جا سکتا ہے، اور اس صورت میں کمپنی کے اموال حلال وحرام سے مخلوط ہوں گے، اور یہ تیسری قسم کی تیسری صورت میں داخل ہوگا، اور ہم اس قسم کے احکام کے تحت بیان کر چکے ہیں کہ اس میں غلبہ کا اعتبار نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ بقدرِ حلال معاملہ کیا جا سکتا ہے؛ لہٰذا ان کمپنیوں کے پاس جتنا حلال مال ہو اس کے بقدر ان سے جائز معاملات کیے جا سکتے ہیں؛ لیکن یہ مدنظر رکھنا چاہیے کہ رأس المال کا اکثر حصہ کمپنی کی بنا رکھتے وقت منجمد اثاثوں کے حصول اور سرگرمیوں کا آغاز کرنے سے قبل اس کا بنیادی ڈھانچہ بنانے میں

---

(۱) اشیاء کے انشورنس کا طریقۂ کار یہ ہے کہ اگر انشورنس کرانے والے کے جسم یا مال کو کوئی نقصان پہونچے، مثلاً: جل جائے یا کشتی ڈوب جائے تو کمپنی اس کا عوض دیتی ہے، اور یہ عوض ان قسطوں کے مقابل ہوتا ہے جو اس نے اس سے پہلے کمپنی کو ادا کیا تھا، اور اگر نقصان ہی نہ پہونچے تو وہ ساری قسطیں کمپنی کی ہو جاتی ہیں، انشورنس کرانے والے کو کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا۔

اور ذمہ داریوں کے انشورنس کا طریقۂ کار یہ ہے کہ اگر انشورنس کرانے والے سے کسی کو نقصان پہونچے اور وہ عوض کا مطالبہ کرے تو کمپنی یہ عوض ادا کرتی ہے، مثلاً: انشورنس کرانے والے کے کار نے کسی آدمی کو ٹکر ماردی، اور وہ علاج کے پیسوں کا مطالبہ کر رہا ہے تو کمپنی یہ پیسے ادا کرتی ہے، اور یہ عوض بھی ان قسطوں کے مقابل ہوتا ہے جو اس نے اس سے پہلے کمپنی کو ادا کیا تھا۔

ہی صرف کر دیا جاتا ہے، یہ پیش نظر رکھنے کے بعد کمپنی کو ایسی چیزیں بیچی جاسکتی ہیں جو براہ راست حرام کام میں معاون نہ ہوں، اسی طرح بقدرِ حلال اس سے چیزیں بھی خریدی جاسکتی ہیں، جیسا کہ فیملی انشورنس کے احکام کے ذیل میں تفصیل آچکی ہے۔

اور اگر عقد میں یہ التزام ہو کہ کار کو نقصان پہونچنے پر نئی کار فراہم کی جائے گی یا کمپنی خود اس کی اصلاح کرے گی تو یہ غرر پر مشتمل ہے، اور حنفیہ کے نزدیک عقودِ غرر عقود فاسدہ میں داخل ہیں، نہ کہ باطلہ میں (۱) تو ظاہر یہ ہے کہ اس عقد کے ذریعے کمپنی نے جو قسطیں وصول کی ہیں اس کے اندر ملک خبیث حاصل ہوگی، اس بنا پر اس میں بیع فاسد کے ثمن کے احکام جاری ہوں گے، اور پہلے آچکا ہے کہ بیع فاسد میں بائع کے لیے ثمن سے انتفاع ناجائز ہے، اور بیع کو فسخ کر کے مشتری کو ثمن واپس کرنا واجب ہے، اور جس شخص کو یہ بات معلوم ہو وہ بائع سے اس ثمن کے عوض کوئی چیز بیچ نہیں سکتا، اگر بائع اس ثمن سے خرید لے تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا، اور اگر اس میں نفع حاصل ہو تو وہ اس کے لیے حلال ہوگا، اسی طرح اس کے بائع کے لیے بھی جائز ہوگا کہ وہ ثمن سے انتفاع کرے؛ کیوں کہ نقود متعین نہیں ہوتے، پس کمپنی کے ساتھ مباح معاملہ اس شرط کے ساتھ جائز ہوگا کہ انشورنس کی سرگرمیوں میں وہ معاون نہ بنے؛ اگرچہ تمام صورتوں میں اجتناب اولیٰ واحوط ہے۔

۵۲۲۔ اسٹاک ایکسچینج میں ایجنٹوں کے ساتھ معاملہ کرنا

موجودہ دور میں کمپنیوں کے شیئرز کی تجارت عام ہو چکی ہے، اور جس بازار میں شیئرز کا لین دین ہوتا ہے وہ بورصہ کہلاتا ہے، اور یہ لین دین دلالوں کے واسطے سے انجام پاتا ہے، اس لین دین میں شرعی ضوابط کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، لوگ ایسے بھی شیئرز فروخت کرتے ہیں جو ان کی ملکیت میں نہیں ہوتے، یا تو اس نیت سے کہ وہ آئندہ ان کے مالک ہو جائیں گے، یا اس لیے کہ خرید وفروخت مقصود نہیں ہوتی؛ بلکہ فرضی لین دین

(۱) الدر مع الرد ۵/ ۶۵ و ۶۶

(Speculative Transactions) ہوتا ہے، جس سے آخر میں قیمتوں کے فرق کا نفع حاصل کیا جاتا ہے، یہ بیوع شرعاً باطل ہیں؛ کیوں کہ یہ غیر مملوک کی بیع ہے، اور بعض معاملات میں بائع مالک تو ہوتا ہے؛ لیکن ابھی شیئرز اس کے قبضے میں نہیں ہوتے، تو یہ بیع قبل القبض ہے، اور ایسی بیع فاسد ہے، اس پر بیع فاسد کے احکام جاری ہوں گے، پھر یہ شیئرز کبھی ایسی کمپنیوں کے ہوتے ہیں جن کی تجارتی سرگرمی شرعاً حرام ہوتی ہے، جیسے: بینک اور انشورنس کمپنیاں وغیرہ، تو اگر چہ ملکیت اور قبضہ دونوں پائے جائیں پھر بھی ایسے شیئرز کی تجارت ناجائز ہوگی۔

اور شیئرز کی تجارت کرنے والے مذکورہ شرعی ضوابط کے پابند نہیں ہوتے؛ لیکن کچھ بیوع جائز بھی ہوتے ہیں، جیسا کہ کمپنیوں کے شیئرز کی فروختگی کے مسئلہ میں (۱) آچکا ہے، مثلاً: شیئرز ایسی کمپنی کے ہوں جس کی سرگرمی حلال ہو، اور ان کی بیع ملکیت اور قبضہ میں آنے کے بعد کی جائے۔

غرض اگر شیئرز کی تجارت کرنے والے شرعی ضابطوں کا لحاظ نہ کریں؛ بلکہ ہر قسم کے جائز ناجائز معاملات کرتے رہیں تو ان کے اموال حلال وحرام سے مخلوط ہوں گے، اور ظاہر ہے کہ اس میں حرام غالب ہے؛ لیکن تیسری قسم کی تیسری صورت کے بیان میں آچکا ہے کہ اس کے اندر غلبہ کا اعتبار نہیں ہوتا؛ بلکہ بقدرِ حلال مخلوط کے مالکان سے معاملہ کیا جاسکتا ہے، اور اگر حلال کی مقدار معلوم نہ ہو تو اجتناب اولیٰ ہے؛ لیکن جتنی مقدار کے حلال ہونے کا ظن غالب ہے اس کے اندر اندر معاملہ کی صورت میں حرمت کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

رہا شیئر بازار میں دلالی اور ایجنٹ بننے کی ملازمت تو اس پر وہی قواعد منطبق ہوں گے جو سودی بینکوں اور حرام کاروبار کرنے والے ہوٹلوں میں ملازمت کے تعلق سے سابق میں آچکے ہیں۔

---

(۱) رقم: ۱۶۷۔

۵۲۳۔ دیگر فاسد بیوع

رہے دیگر فاسد بیوع جو ہمارے دور میں رائج ہیں، جیسے سامانوں اور شیئرز کی بیع قبل القبض، یا بیع کے اندر مبیع یا ثمن یا اجل کا مجہول ہونا، یا ایسے مملوک کی بیع جو غیر مقدور التسلیم ہے، یا کسی شرط فاسد کے ذریعے بیع، تو ان عقود فاسدہ سے حاصل ہونے والا مال پانچویں قسم میں داخل ہے، اگر بائع ثمن پر قبضہ کرلے تو ہر حال میں مشتری کو لوٹانا اور مبیع یا اس کا مثل یا قیمت واپس لینا ہوگا، اور اگر کسی وجہ سے ایسا نہ کر سکے تو صدقہ کرنا واجب ہوگا؛ لیکن اگر ثمن سے کوئی چیز خریدے تو اس کا صحیح مالک ہوجائے گا، یہی وجہ ہے کہ اس کا ہدیہ قبول کرنا، اس کی دعوت کھانا، اس سے وہ چیز خریدنا اور دیگر جائز معاملات کرنا درست ہے، اور اگر کسی کی عادت ہی بیوع فاسدہ کرنے کی ہو تو پھر اجتناب اولیٰ ہے۔

اور اس طرح کی بیوع فاسدہ میں مشتری کو مبیع پر ملک خبیث حاصل ہوگی، اس سے انتفاع حلال نہیں ہوگا، اور دوسروں کے لیے بھی اس سے وہ مبیع خریدنا مکروہ ہوگا، اگر مشتری اس کو بیچ کر اس میں نفع کمائے تو وہ اس کے لیے حلال نہیں ہوگا؛ بلکہ اس کو صدقہ کرنا واجب ہوگا، اور جس شخص نے مکروہ ہونے کے باوجود اس سے وہ مبیع خریدی تو وہ اس کا صحیح مالک بن جائے گا، اور صدقہ کرنا بھی لازم نہیں ہوگا، اور دوسرے لوگ اس کے ساتھ بیع وشراء، ہبہ اور دعوت قبول کر سکتے ہیں۔

گیارہویں بحث

۵۲۴۔ امپورٹ اور ایکسپورٹ کے احکام

جدید مواصلاتی ذرائع کے ایجاد سے قبل، لوگ شخصی طور پر بیع وشراء کرتے تھے، اگر دو ملکوں کے درمیان تجارت ہوتی تو وہ عاقدین کی موجودگی ہی میں انجام پاتی تھی، اس طرح کہ مشتری یا اس کا وکیل، بائع کے ملک یا بائع یا اس کا وکیل مشتری کے ملک کی جانب سفر کرتا تھا، پھر شخصی طور پر بیع منعقد ہوتی تھی، جدید مواصلاتی وسائل کی ایجاد کے بعد دو ملکوں کے مابین تجارت کے لیے عاقدین کی موجودگی ضروری نہیں رہی؛ بلکہ بیع عام طور پر خطوط یا فون یا میل وغیرہ کے ذریعے ہوتی ہے، اور ثمن ومبیع کی سپردگی کے لیے جدید مواصلات، مثلاً: ڈاک، بری، بحری اور فضائی بار برداری کے وسائل کا استعمال کیا جاتا ہے، اور عاقدین ایک جگہ نہیں ہوتے؛ اس لیے ایک فریق ایسا بھی چاہیے جو مشتری تک مبیع پہونچنے اور بائع کو ثمن مل جانے کی ضمانت لے۔

مذکورہ مقصد کے لیے دو ملکوں کے درمیان تجارت کے مختلف طریقے رائج ہیں، اور یہ طریقے دو حال سے خالی نہیں:

۱) ڈاک کے ذریعے مبیع بھیجنا۔

۲) مال بردار گاڑیوں کے ذریعے بھیجنا۔

دونوں حالات میں سے ہر ایک پر مع متعلقات ہم گفتگو کریں گے، واللہ سبحانہ ہو الموفق۔

۵۲۵۔ بذریعۂ ڈاک تجارت

اگر عاقدین کو ایک دوسرے پر مکمل اعتماد ہو تو مشتری دوسرے ملک کے تاجر کے ساتھ بھاؤ تاؤ یا عقد کرنے کے بعد کسی ذریعے سے ثمن بھیج دیتا ہے اور اس کو بائع پر اعتماد ہوتا ہے کہ جیسے ہی وہ ثمن وصول کرلے گا مبیع بھی روانہ کردے گا، اسی طرح بائع بھی یہ کرسکتا ہے کہ کسی ذریعے سے اس کو مبیع بھیج دے اور اس کو مشتری پر اعتماد ہو کہ وہ مبیع حاصل کر کے ثمن روانہ کردے گا، اس صورت میں عقد یا تو خط وکتابت کے ذریعے یا فون پر زبانی ہوتا ہے، اس پر وہی احکام منطبق ہوں گے جو ہم جدید آلات کے ذریعے

ایجاب وقبول کی بحث میں ذکر کر چکے ہیں، اسی طرح غائب چیز کی بیع کے احکام بھی اس پر منطبق ہوں گے، چنانچہ مشتری کو خیارِ رؤیت وغیرہ حاصل ہوگا۔

اور اگر عاقدین کو ایک دوسرے پر مکمل اعتماد نہ ہو ــ اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے ــ تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو ایسے راستہ کی تلاش ہوتی ہے جس سے وہ اپنے حق کے حاصل ہونے کے سلسلے میں مطمئن ہو سکیں، اسی وجہ سے ایک تیسرے فریق کی حاجت ہوئی جو عاقدین کے درمیان واسطہ بن سکے، اور یہ واسطہ کبھی پوسٹ آفس ہوتا ہے اور کبھی بینک، ان دونوں طریقوں میں سے ہر ایک پر ہم گفتگو کریں گے، واللہ سبحانہٗ ہو الموفق۔

۵۲۶۔ وی پی کے ذریعہ پیسے بھیجنا

اگر واسطہ پوسٹ آفس کو بنایا جائے تو اس کا رائج طریقہ (valued parcel) کہلاتا ہے، اور مخفف کر کے v.p کہہ دیا جاتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ بائع پوسٹ آفس کو مبیع پر مشتمل پارسل دیتا ہے، اور یہ شرط لگاتا ہے کہ جب تک مشتری ثمن سپرد نہ کرے تب تک اس کو یہ پارسل نہ دیا جائے، پوسٹ آفس کا نمائندہ مشتری سے ثمن وصول کرنے کے بعد اس کو مبیع دے دیتا ہے، پھر بائع کو ڈاک کے ذریعے ثمن بھیج دیتا ہے۔

اور اس صورت میں بائع سے پوسٹ آفس فیس کا مطالبہ کرتا ہے، اور بائع بسا اوقات یہ فیس مبیع کے ثمن سے لینے کے لیے کہتا ہے جس ثمن کا پارسل کے حصول کے لیے مشتری کو ادا کرنا ضروری ہے، اور اس حالت میں پوسٹ آفس بائع کے وکیل کا کردار ادا کرتا ہے کہ وہ مشتری کو مبیع پہونچا کر اس سے ثمن وصول کرتا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ وہ بائع کا اجیر بھی ہے کہ بائع تک ثمن بھی پہونچاتا ہے، اس طریقے سے عقد تجارت میں فقہی نقطۂ نظر سے متعدد مسائل ہیں۔

۵۲۷۔ پہلا مسئلہ

عاقدین کے درمیان عقدِ بیع کب تام ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مبیع بائع کی ملکیت اور قبضہ میں ہو تو ایجاب وقبول سے عقد تام ہو جائے گا، خواہ خط و کتابت کے

ذریعے ہو یا فون پر بات چیت کے ذریعے، اور اگر مبیع بائع کی ملکیت میں نہ ہو یا اس کے قبضے میں نہ ہو تو بیع کے منعقد ہونے کے لیے خط یا فون پر بات کرنا کافی نہیں ہوگا؛ کیوں کہ ایسی صورت میں یہ غیر مملوک یا غیر مقبوض کی بیع ہوگی؛ لہٰذا مشتری کا بات کرنا بیع کا مطالبہ اور بائع کا بات کرنا بیع کا وعدہ کہلائے گا، اور بیع بائع کے مبیع پر ملکیت اور قبضہ کے بعد یا تو ایجاب وقبول کے ذریعے منعقد ہوگی یا تعاطی کے ذریعے، اس طرح کہ مشتری تک مبیع پہونچ جائے اور مشتری پوسٹ آفس کو ثمن دے دے۔

۵۲۸۔ دوسرا مسئلہ

کیا پوسٹ آفس بائع یا مشتری کا وکیل مانا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ یہ بات اس پر موقوف ہے کہ فریقین کیا طے کرتے ہیں، ویسے یہاں تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

۵۲۹۔ پہلی صورت

فریقین کا اس پر اتفاق ہو کہ بائع مشتری تک مبیع پہونچانے کا ذمہ دار ہوگا، اس صورت میں پوسٹ آفس بائع کا وکیل ہوگا۔

۵۳۰۔ دوسری صورت

فریقین کا اس پر اتفاق ہو کہ بائع صرف پوسٹ آفس تک مبیع پہونچانے کا ذمہ دار ہوگا، اور عقد میں یہ صراحت ہو کہ بائع راستے کے خطرات کا ضامن نہیں ہوگا اور مشتری اس پر راضی ہو جائے تو اس صورت میں پوسٹ آفس مشتری کا وکیل ہوگا۔

۵۳۱۔ تیسری صورت

عقد میں کسی قسم کی تصریح نہ کی جائے؛ بلکہ مشتری بائع سے ڈاک کے ذریعے مبیع بھیجنے کا مطالبہ کرے اور بائع کی ذمہ داری کے متعلق گفتگو نہ ہو کہ بائع صرف پوسٹ آفس تک پہونچانے کا ذمہ دار ہوگا یا مشتری تک پہونچانے کا۔ اس صورت میں علماء کی ایک جماعت کا فتویٰ یہ ہے کہ پوسٹ آفس بائع کا وکیل ہوگا، اور انہوں نے دو دلیلیں پیش کی ہیں:

۱) مبیع بھیجتے وقت پوسٹ آفس سے بائع عقد کرتا ہے نہ کہ مشتری۔

۲) پوسٹ آفس بائع کی جانب سے مبیع پہونچانے کا ذمہ دار ہے، اگر وہ مشتری تک مبیع پہونچانے میں کوتاہی کرے تو پوسٹ آفس سے بائع جواب طلب کرے گا نہ کہ مشتری، معلوم ہوا کہ پوسٹ آفس بائع کا وکیل ہے، اور جب وہ بائع کا وکیل ہے تو اس کے تصرفات بائع کی جانب ہی منسوب ہوں گے، چنانچہ جب وہ مشتری کو مبیع سپرد کردے گا تو جو حضرات ایک جانب سے تعاطی کے جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک بیع تام ہوجائے گی، اسی طرح اگر مشتری مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے پوسٹ آفس کے نمائندے کو ثمن حوالہ کردے تب بھی بیع تام ہوجائے گی، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیع کے تام ہونے کا نقطہ مبیع یا ثمن کی سپردگی ہے، جو بھی پہلے سپرد کیا جائے، اس صورت میں جب کہ مبیع کی بائع پر ملکیت ثابت ہونے کے بعد زبانی ایجاب وقبول نہ کیا گیا ہو۔

۵۳۲۔تیسرا مسئلہ

مشتری کی جانب مبیع کا ضمان کب منتقل ہوگا؟ اور مشتری تک مبیع پہونچنے سے قبل اگر وہ ہلاک ہوجائے یا اس میں کوئی نقص آجائے تو یہ کس کا خسارہ شمار ہوگا؟ اس سوال کا جواب مذکورہ تین صورتوں کے لحاظ سے مختلف ہے، پہلی صورت میں پوسٹ آفس مشتری کا وکیل ہے؛ لہٰذا راستے کے خطرات کا وہی ضامن ہوگا، مفتی عزیز الرحمن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی فتویٰ ہے(۱) اور دوسری صورت میں پوسٹ آفس بائع کا وکیل ہے، اور اس کا قبضہ بائع کے قبضہ کے درجہ میں ہے، اور ضمان مشتری کی جانب اسی وقت منتقل ہوگا جب کہ وہ اس پر حقیقۃً یا حکماً قبضہ کرلے؛ لہٰذا مبیع مشتری کے قبضہ تک بائع کے ہی ضمان میں رہے گی، اور تیسری صورت میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور مفتی عزیز الرحمن عثمانی رحمۃ اللہ علیہما کا فتویٰ یہ ہے کہ بائع ضامن ہوگا؛ کیوں کہ پوسٹ آفس بائع کا وکیل ہے۔(۲)

---

(۱) فتاوی دار العلوم دیوبند ۱۴/ ۳۷۷و۳۷۸

(۲) امداد الفتاوی ۶/ ۵۰۷وفتاوی دار العلوم دیوبند ۱۴/ ۳۸۱

بندہ کی سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ عاقدین کے صراحت نہ کرنے کی صورت میں حکم کا مدار عرف پر ہوگا، اگر تاجروں کے عرف میں پوسٹ آفس بائع کا وکیل مانا جاتا ہوتو بائع ضامن ہوگا، جیسا کہ مذکورہ دو بزرگوں نے کہا ہے۔

اور اگر ڈاک کے ذریعے مبیع بھیجنے میں بائع کے ضامن نہ ہونے کا عرف ہوتو پوسٹ آفس تک مبیع پہونچانے سے اس کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی اور اس کے بعد مشتری اس کا ضامن ہوگا، اور ظاہر ہے کہ ڈاک کے ذریعے مبیع بھیجنے کی صورت میں عرف وہی ہے جس کا ذکر ان دو بزرگوں نے کیا ہے؛ لہٰذا بائع ہی بدستور اس کا ضامن رہے گا، رہا بری یا بحری یا فضائی جہازوں کے ذریعے سامان کی ترسیل تو اس میں عرف یہ ہے کہ مال بردار کمپنی مشتری کی وکیل ہوتی ہے، یہی مروجہ قوانین میں طے کیا گیا ہے، جیسا کہ بیع المال قانون کے دفعہ نمبر ۲۳ (۲) کی جو تشریحات کی گئی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے۔(۱)

۵۳۳۔ چوتھا مسئلہ

پوسٹ آفس کے نمائندے کا مبیع پر قبضہ قبضہٴ امانت ہوگا یا قبضہٴ ضمان؟ ظاہر ہے کہ یہ قبضہٴ امانت ہوگا؛ اس لیے کہ وہ یا تو بائع کا وکیل ہے یا مشتری کا، اور وکیل کا قبضہ قبضہٴ امانت ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر پوسٹ آفس کی تعدی کے بغیر مبیع ہلاک ہو جائے، اس طرح کہ مطلوبہ حفاظت کے بعد بھی چور چوری کرلیں، یا راستے میں مبیع خراب ہو جائے، حالاں کہ پوسٹ آفس کے نمائندے کی طرف سے کوئی تعدی نہ ہوئی ہو اور نہ ڈاک کے عام قواعد کی خلاف ورزی ہوئی ہو تو گزشتہ تفصیل کے مطابق یہ بائع یا مشتری کا نقصان شمار ہوگا، پوسٹ آفس اس کا ضامن نہیں ہوگا۔

لیکن بعض ملکوں میں ایک طریقہ یہ رائج ہے کہ پوسٹ آفس بعض چیزیں بیمہ (Incurance) کے طور پر لیتا ہے، اور یہ پوسٹ آفس کی جانب سے اس بات کا التزام ہوتا ہے کہ وہی مبیع پہونچانے کا ضامن ہوگا، فقہاء معاصرین نے اس بنا پر اس کی اجازت

(۱) Pollock & mulla: on sale of goods Act sec.23 p.203

دی ہے کہ یہ مودَع بالاجر ہے اور اس پر ضمان کی شرط لگائی گئی ہے (۱) لیکن فقہاء حنفیہ نے ذکر کیا ہے کہ مودَع بالاجر یا اجیر مشترک اس صورت میں ضامن ہوتا ہے جب کہ چیز ایسے سبب سے تلف ہوئی ہو جس سے بچا جا سکتا تھا۔ (۲) اور اگر اس سے بچنا ممکن نہ ہو تو اجیر مشترک ضامن نہیں ہوگا، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَكُلٌّ مِنَ الْمُودَعِ وَالْأَجِيرِ الْمُشْتَرِكِ لَا يَضْمَنُ مَا لَا يُمْكِنُ الِاحْتِرَازُ عَنْهُ كَالْمَوْتِ وَالْغَرَقِ وَنَحْوِ ذَلِكَ. (۳)

مودع اور اجیر مشترک میں سے ہر ایک ایسی وجہ سے ہلاک ہونے کی صورت میں ضامن نہیں ہوگا جس سے بچنا ممکن نہ ہو، مثلاً: مر جانا یا ڈوب جانا، وغیرہ۔

اور اس سے وہ احوال مراد لیے جا سکتے ہیں جسے قانونی زبان میں الظروف القاہرۃ (force majure) کہا جاتا ہے، ان حالات میں ضمان لازم نہیں ہوتا۔

۵۳۴۔ پانچواں مسئلہ

پوسٹ آفس ثمن کا امین ہوگا یا ضامن؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پوسٹ آفس جب مشتری سے ثمن وصول کر لیتا ہے تو بعینہٖ وہ نقود بائع کو نہیں دیتا؛ بلکہ اپنے اور دیگر لوگوں کے اموال کے ساتھ ملا دیتا ہے، پھر بائع کو اس کا مثل دیتا ہے، پس یہ قرض مضمون کے حکم میں ہے، اسی وجہ سے وہ ان نقود کا ضامن ہوگا، اور اس پر وہ احکام منطبق ہوں گے جن کی تفصیل ہم نے منی آرڈر کے ذریعے پیسے بھیجنے کی بحث (۴) میں ذکر کر دی ہے، اور جب وہ بطورِ قرض یہ رقم لینے کی وجہ سے مشتری کا مدیون ہو گیا تو مشتری اس کو یہ حکم دے گا کہ وہ

---

(۱) فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۴۸۱ و جواہر الفقہ ۴/ ۴۶۹

(۲) یہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے، اور متاخرین نے اسی پر فتویٰ دیا ہے، دیکھیں: رد علی الدر ۶/ ۶۵

(۳) رد علی الدر ۴/ ۱۷۰

(۴) رقم: ۳۳۲

دوسرے ملک میں بائع کو دے دے اور پوسٹ آفس جو فیس کا مطالبہ کرتا ہے وہ انتظامی امور کی اجرت ہے، جیسا کہ ہم منی آرڈر کے سلسلے میں ذکر کر چکے ہیں۔

۵۳۵۔ بذریعۂ بینک تجارت

بین الاقوامی تجارت میں بائع اور مشتری کے درمیان دوسرا واسطہ بینک کا ہوتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ڈاکومنٹری کریڈٹ (Documentary Credit) جاری کیا جاتا ہے، اولاً ہم اس طریقۂ تجارت کی تفصیلی تشریح کریں گے پھر فقہی مسائل بیان کریں گے، واللہ تعالیٰ ہو الموفق للسداد والصواب۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی شخص دوسرے ملک سے سامان منگوانا چاہتا ہے تو بائع اور مشتری کے لیے براہِ راست مبیع اور ثمن کی سپردگی ممکن نہیں ہوتی؛ بلکہ ملکی یا بین الاقوامی تجارت میں یہ طریقہ رائج ہے کہ بائع بحری یا بری یا فضائی راستہ سے مبیع بھیجتا ہے اور ٹرانسپورٹ کمپنی اس کو چند کاغذات دیتی ہے جو اس بات کا ثبوت ہوتے ہیں کہ سامان گاڑی پر لاد دیا گیا، یہ کاغذات بلٹی (bill of lading) کہلاتے ہیں، اس کے اندر سامان کی نوعیت، کمیت اور اوصاف درج ہوتے ہیں، بائع یہ بلٹی مشتری کو بھیج دیتا ہے؛ تاکہ مشتری بندرگاہ تک سامان پہونچنے کے بعد اپنے ملک میں موجود اس ٹرانسپورٹ کمپنی کے نمائندے کو وہ بلٹی دکھا سکے، پھر وہ لوگ بلٹی لے کر سامان سپرد کر دیتے ہیں۔

اب اگر مشتری اولاً بائع کو ثمن بھیجنا چاہے تو اس کو بائع پر اعتماد نہیں ہوتا کہ وہ مطلوبہ وقت کے اندر اسی صفات کی مبیع بھیج دے گا، اسی طرح اگر بائع اولاً مبیع بھیجے تو اس کو مشتری پر اطمینان نہیں ہوتا کہ وہ ثمن بھیج دے گا، اس مشکل کے حل کے لیے بینک ان کے درمیان واسطہ بنتا ہے، چنانچہ بائع یہ شرط لگاتا ہے کہ وہ سامان کشتی یا ہوائی جہاز یا لاری میں اسی وقت لوڈ کرے گا جب کہ مشتری کسی قابل اعتماد بینک کا یہ ضمان بھیج دے کہ سامان پہونچنے کے فوراً بعد مشتری ثمن ارسال کر دے گا، چنانچہ مشتری اپنے ملک کے کسی قابلِ اعتماد بینک سے ایک خط وصول کرتا ہے جس میں بینک اس بات کا التزام

کرتا ہے سامان پہونچنے کے بعد وہ ثمن اس بینک کو بھیج دے گا جس کا بائع نے اپنے ملک میں تعین کیا ہے، یہ خط لیٹر آف کریڈٹ (letter of credit) کہلاتا ہے، اور اس کا مخفف ایل سی (L.C) ہے، اور مشتری کا بینک سے یہ خط جاری کرنے کا مطالبہ فتح الاعتماد (opening the letter of credit) کہلاتا ہے، بینک یہ خط جاری کرنے پر فیس بھی لیتا ہے۔

اس کاروائی میں مشتری طالب فتح الاعتماد، بائع **مستفید** (beneficiary) اور بینک **البنك المصدر** (issuing bank) کہلاتا ہے، پھر یہ بینک بائع کے ملک کے بینک سے ربط کر کے اس کو اس بات کا وکیل بناتا ہے کہ وہ بائع کو ثمن ادا کر دے، اور یہ بینک **البنك المراسل** (corresponding bank or advising bank) کہلاتا ہے، اور بائع کا عام حالات میں بینک مراسل پر کوئی دعویٰ نہیں ہوتا؛ کیوں کہ وہ بینک مصدر کا وکیل ہے، نہ کہ بائع کا ضامن؛ لیکن کبھی بائع اس سے مصدر کی جانب سے جاری کردہ خط کی تقویت چاہتا ہے، چنانچہ وہ صراحۃً تائید کر دیتا ہے، ایسی صورت میں بینک مراسل بینک مصدر کے ساتھ اپنا ذمہ ملا دیتا ہے، اور بائع اس سے رقم کا مطالبہ کر سکتا ہے، اس حالت میں بینک **البنك المعزز** (confirming bank) کہلاتا ہے۔

اور بینک ایل سی جاری کر کے اس بات کا التزام کرتا ہے کہ جب مال برداری کی رسید وہ حاصل کرے گا تو اس کا معاینہ کرے گا کہ وہ ایل سی میں ذکر کردہ شرائط و اوصاف کے مطابق ہے یا نہیں، اگر مطابق ہو تو وہ بائع کو ثمن بھیج دیتا ہے، یہاں یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ایل سی جاری کرنے والے کا سامانوں سے اور ان کے بیع کی شرائط کے موافق ہونے سے کوئی لینا دینا نہیں ہے؛ بلکہ اس کی ذمہ داری صرف اتنی ہوتی ہے کہ وہ رسید کو دیکھ لے، اور بس، رسید میں سامان کی نوعیت، صفت اور کمیت مذکور ہوتی ہے، اور یہ مانا جاتا ہے کہ یہ تفصیلات ان تفصیلات کے موافق ہیں جن پر عقد ہوا ہے، اسی طرح مشتری جب ایل سی کھلواتا ہے تو ایل سی میں ان تفصیلات کو درج کراتا ہے؛ لہٰذا اگر بلٹی ان صفات کے موافق ہو جن پر ایل سی کھلوایا گیا تھا تو بینک پر ثمن کی ادائیگی لازم ہے،

اس کے بعد اگر مشتری مبیع کو صفات کے خلاف پائے اور اس میں تدلیس اور دھوکہ دہی کا علم تو وہ بائع سے رجوع کرتا ہے، نہ کہ ایل سی جاری کرنے والا بینک۔

اسی طرح بینک ثمن دینے کا پابند ہے، خواہ مشتری نے اسے ثمن دیا ہو یا نہ دیا ہو، اور بائع رقم کا مطالبہ بینک ہی سے کرتا ہے نہ کہ مشتری سے، اس کے بعد بینک مشتری سے بھیجے گئے پیسوں کا مطالبہ کرتا ہے، اسی وجہ سے بینک پہلے یہ اعتماد کرنا چاہتا ہے کہ ایل سی کھلوانے والا اس کو ثمن بھی دے گا، اس کے لیے کبھی کل ثمن اور کبھی اس کا ایک حصہ مشتری کو ایل سی کھلواتے وقت دینا پڑتا ہے۔

اور ایل سی کھلواتے وقت مشتری جو رقم بینک کو دیتا ہے وہ **غطاء** (margin) کہلاتا ہے، پھر اگر مشتری کل ثمن ادا کردے تو یہ ایل سی **مغطی بالکامل** (with full margin) کہلاتا ہے، اور اگر بعض ثمن ادا کرے تو **مغطی جزئیا** (with partial margin) کہلاتا ہے، اور اگر سابقہ معاملات کی وجہ سے مشتری پر بینک کو اعتماد ہو تو بینک ایل سی کھلواتے وقت مشتری سے کچھ نہیں لیتا؛ کیوں کہ بینک کو یہ بھروسہ ہوتا ہے کہ سامان پہونچنے کے بعد مشتری ثمن ادا کردے گا، اس حالت میں ایل سی **غیر مغطی یا بدون غطاء** (without margin) کہلاتا ہے، اور اس حالت میں سامان بینک کے پاس بطورِ رہن رہتے ہیں؛ کیوں کہ رسید کا اجراء بینک کے نام ہی کیا جاتا ہے، اور اس کو قانوناً یہ حق ہوتا ہے کہ اگر مشتری ثمن ادا نہ کرے تو وہ بندرگاہ سے سامان لے کر بازار میں بیچ دے، اور ایل سی پر جو رقم ہے وہ حاصل کرلے۔

پھر اگر مشتری اور بائع کے درمیان نقد عقد ہو کہ رسید حاصل کرتے ہی ثمن دینا مشتری پر لازم ہو تو اس حالت میں کھلایا جانے والا ایل سی **خطاب اعتماد بالاطلاع** (sight L/c) کہلاتا ہے، اور اس صورت میں بینک پر رسید پہونچتے ہی ثمن دینا ضروری ہوتا ہے، اور اگر بیع مؤجل ہو تو ایل سی میں ثمن دینے کی تاریخ مقرر کی جاتی ہے، اور مشتری رسید وصول کرنے کے بعد بائع کی طرف سے بھیجے گئے بل پر دستخط کرتا ہے، یہ

اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ وہ بل قبول کر لیا گیا اور ایل سی میں مقرر کردہ تاریخ پر بل میں درج ثمن کو ادا کرنے کا التزام ہوتا ہے۔

اور مشتری کا دستخط شدہ بل **کمبیالة** (bill of exchange) کہلاتا ہے، اور اس صورت میں بینک رسید حاصل کرتے ہی بائع کو ثمن نہیں دیتا؛ بلکہ بل آف ایکسچینج پر مشتری کا دستخط لینے کے بعد اسے وہ رسید دے دیتا ہے؛ تاکہ مشتری بندرگاہ سے سامان وصول کر سکے، اور بینک بائع کو ایل سی پر درج تاریخ میں ثمن دینے کا التزام کرتا ہے، اور اس تاریخ کا آنا **نضج الکمبیالة** (maturity of the bill) کہلاتا ہے، اور نضج الکمبیالۃ کے وقت بینک پر بائع کو ایل سی کے مطابق پیسے بھیجنا لازم ہوتا ہے، اور بینک مشتری سے وہ پیسے لیتا ہے، اس حالت میں ایل سی **الاعتماد المؤجل** (usance L/c) کہلاتا ہے، اور کبھی بائع اس صورت میں نضج الکمبیالۃ کا انتظار نہیں کرنا چاہتا؛ بلکہ ثمن کی رقم فوراً حاصل کرنا چاہتا ہے؛ تاکہ وہ اسے دیگر کاموں میں استعمال کر سکے، چنانچہ وہ یہ بل آف ایکسچینج بینک کو دیتا ہے، خواہ وہ بینک مصدر ہو یا بینک مراسل یا کوئی اور بینک، اور وہ بل آف ایکسچینج کی پشت پر دستخط کر دیتا ہے؛ تاکہ وہ بینک نضج الکمبیالۃ کے وقت بل آف ایکسچینج کی رقم بینک مصدر یا مشتری (جب کہ عقد ایل سی کھلوائے بغیر ہوا ہو) سے وصول کر سکے، اور یہ دستخط **تظهیر** (endorsement) کہلاتی ہے، اور بینک یہ دستخط شدہ بل آف ایکسچینج لے لینے کے بعد بائع کو بل کی رقم دے دیتا ہے؛ لیکن اس سے کچھ فیصد کاٹ لیتا ہے، مثلاً سو کا بل ہو تو ننانوے دیتا ہے، اور یہ عام زبان میں **حسم الکمبیالة** یا **خصم الکمبیالة** کہلاتا ہے، اور انگریزی زبان میں (discounting of the bill) کہلاتا ہے، اور بیع الدین کی بحث (۱) میں آچکا ہے کہ یہ سودی کاروائی ہے جو شرعاً ناجائز ہے۔

اور دوسری طرف کبھی مشتری قرض لے کر ثمن دینا چاہتا ہے، چنانچہ وہ بینک مصدر کے ساتھ اس طور پر قرض لیتا ہے کہ بینک بائع کو ثمن ادا کر دے اور ایل سی میں درج

---

(۱) رقم: ۱۵۶

تاریخ کے بعد ہی مشتری پیسے دے گا، بینک اس کو قبول کر لیتا ہے اور سود بھی وصول کرتا ہے، والعیاذ باللہ من ذلک۔

یہ بینک کے ذریعے ہونے والی تجارت کی کاروائیوں کا خلاصہ ہے؛ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ساری تجارتی کاروائیاں اسی طریقہ سے انجام پاتی ہیں، اور عاقدین کو اگر ایک دوسرے پر اعتماد ہو تو انہیں بینک کے واسطے کی ضرورت نہیں پڑتی؛ بلکہ خط و کتابت یا فون پر بات چیت کے ذریعے بیع ہو جاتی ہے، اور لین دین اس کے مطابق ہوتا ہے جس پر وہ اتفاق کر لیں۔

بین الاقوامی تجارت کے سلسلے میں متعدد فقہی مسائل ہیں جن کی تنقیح وتکییف کی ضرورت ہے:

۱) بائع اور مشتری کے درمیان عقد کب تام ہوگا؟

۲) مبیع کا ضمان بائع سے مشتری کی جانب کب منتقل ہوگا؟

۳) ایل سی کی کیا تکییف ہوگی؟

۴) ایل سی جاری کرنے پر فیس کے مطالبہ کا کیا حکم ہے؟

۵) مشتری کی جانب سے بینک مصدر کو دیے جانے والے غطاء (margin) کی کیا تکییف ہوگی؟

۶) بینک مراسل کی جانب سے لیے جانے والی فیس کی کیا تکییف ہوگی؟

۷) کیا ایل سی کے طریقے سے خرید وفروخت جائز ہے؟

۸) بل آف ایکسچینج پر دستخط کرانے کی کیا تکییف ہوگی؟ کیا یہ دین کی بیع ہے یا حوالہ؟

۹) ان معاملات میں جو سودی نظام ہے اس کو شریعت اسلامی کے موافق بنانے کے لیے اصلاح کا کیا طریقہ ہے؟

یہ مسائل معاصر علماء کے یہاں مسلسل موضوع بحث رہے ہیں، ہم ان سوالات پر تفصیلی کلام کرنا چاہیں گے، واللہ تعالیٰ ہو الموفق للسداد والصواب۔

۵۳۶۔ پہلا مسئلہ

پہلا مسئلہ بیع کے تام ہونے سے متعلق ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تعامل بینک کے واسطہ کے بغیر ہو اور مبیع بائع کی ملکیت اور قبضہ میں ہو تو بیع ایجاب وقبول سے منعقد ہو جائے گی، اور اس پر خط وکتابت اور جدید آلات کے ذریعے بیع کے احکام (۱) منطبق ہوں گے۔

اور اگر مبیع بائع کی ملکیت یا اس کے قبضے میں نہ ہو تو مشتری کا مبیع منگوانا طلب محض اور بعض مرتبہ خریدنے کا وعدہ ہوگا، ایجاب نہیں، پھر اگر بائع مبیع فراہم کرنے پر راضی ہو جائے تو وہ اپنی طرف سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ مبیع کا مالک ہونے کے بعد وہ اس کو فروخت کرے گا، ان دونوں وعدوں پر وہ احکام منطبق ہوں گے جو ہم وعدہ کے سلسلے میں بیان کر چکے ہیں۔ (۲)

اور اگر معاملہ بینک کے واسطہ اور ایل سی کھلوا کر ہو تو شرعاً جس نقطہ پر جا کر بیع تام ہوتی ہے اس کی تحدید احوال کے لحاظ سے مختلف ہے، اور ہم وعدہ کی بحث (۳) میں ذکر کر چکے ہیں کہ انسانی قوانین میں **اتفاقية البيع** (Agreement to sale) اور بیع (sale) کے درمیان فرق کیا گیا ہے، **اتفاقية البيع** طرفین کا باہمی وعدہ ہے کہ آئندہ تاریخ میں یا بعض شرائط کے پائے جانے کی صورت میں بیع مکمل ہو جائے گی، اور اس وعدہ کی وجہ سے مشتری کی جانب ملکیت منتقل نہیں ہوتی، اور بیع کی وجہ سے عقد بیع تام ہو جاتا ہے اور مشتری کی جانب ملکیت منتقل ہو جاتی ہے، اور ان دونوں کے مجموعہ پر **عقد البيع** (Contract of sale) کی اصطلاح کا اطلاق ہوتا ہے۔

اور ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ وعدہ عام طور پر قضاءً لازم نہیں ہوتا؛ لیکن اتفاقیۃ

---

(۱) جو رقم: ۱۱ کے تحت بیان کیے جا چکے ہیں۔
(۲) رقم: ۳۲
(۳) رقم: ۳۵

المبیع کو لازم قرار دیا جاتا ہے، ہم نے وعدہ کی بحث میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے، اور اس نقطہ پر پہونچے کہ وعدہ اگر چہ اصلاً لازم نہیں ہے؛ لیکن اگر حقیقی تجارتی ضرورت ہو تو اس کو لازم قرار دیا جاسکتا ہے۔

اور بلاشبہ یہ حاجت ان تجارتوں میں موجود ہے جن میں بڑی مقدار میں اشیاء کی خرید وفروخت ہوتی ہے، بالخصوص بین الاقوامی تجارت میں؛ کیوں کہ مبیع عام حالات میں بائع کے پاس مشتری کی مطلوبہ مقدار میں نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے بائع کو مشتری کے طلب کرنے کے بعد اس کا انتظام کرنا پڑتا ہے، اور اس صورت میں مشتری کا مطالبہ بائع تک پہونچتے ہی بیع کو تام قرار نہیں دیا جاسکتا؛ کیوں کہ مبیع اس وقت بائع کی ملکیت میں ہی نہیں ہوتی؛ چہ جائے کہ اس کے قبضے میں ہو، اور دوسری طرف بائع کے لیے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ یہ اطمینان کرلے کہ مشتری، بائع کے پاس مبیع فراہم ہونے کے بعد انہیں ضرور خریدے گا؛ کیوں کہ بائع مشتری کے مطالبے ہی کی بنا پر مبیع فراہم کر رہا ہے، اگر مشتری کی جانب سے وعدۂ لازمہ نہیں ہوا تو بائع کا ضرر ظاہر ہے؛ کیوں کہ اس کو بسا اوقات ایسا گاہک نہیں ملتا جو اتنی بڑی مقدار خرید لے، اور یہ ضرر اس صورت میں اور بڑھ جاتا ہے جب کہ مبیع خاص مشتری کی مصلحت کے پیش نظر بنائی گئی ہو اور بائع کے ملک میں وہ چیز فروخت نہ ہوتی ہو۔

اسی طرح مشتری کو بھی اس اطمینان کی ضرورت ہوتی ہے کہ بائع اس کو اتنی مقدار میں مبیع فراہم کرے گا؛ کیوں کہ وہ بائع کے وعدہ پر اعتماد کرتے ہوئے کہیں اور سے خریداری نہیں کرتا؛ اس لیے اگر بائع وعدہ سے مکر جائے اور متعینہ وقت میں بیع نہ کرے تو مشتری کا ضرر ظاہر ہے۔

اور اگر ایل سی کے ذریعے دو ملکوں کے درمیان تجارت ہو رہی ہو تو وعدہ لازمہ کی حاجت کئی گنا بڑھ جاتی ہے؛ کیوں کہ ایل سی اس وقت کھولا جاتا ہے جب کہ طرفین کے درمیان لازمی معاہدہ ہو، اس کے بغیر یہ تجارت ممکن نہیں ہے۔

ان تفصیلات کی بنیاد پر مذکورہ معاملات میں وعدہ کا لازم ہونا ضروری ہے۔

اور ان معاملات پر غور کرنے سے یہ حاصل نکلتا ہے کہ دو ملکوں کے درمیان تجارت میں اگر مبیع بائع کے قبضے میں نہ ہو اور بیع **اتفاقیة البیع** کی بنا پر کی جائے تو معاہدہ پر دستخط کے وقت بیع منعقد نہیں ہوگی؛ بلکہ دو طریقوں سے بیع کے تام ہونے کے نقطہ کی تحدید کی جاسکتی ہے:

۱) بائع مشتری کو جدید مواصلاتی ذرائع سے اپنے پاس مبیع کے تیار ہونے کی اطلاع دے دے اور زبانی یا تحریری ان کے مابین ایجاب وقبول ہو جائے۔

۲) سامانوں کی سپردگی کے وقت بیع تعاطی کے ذریعے تام ہو، اور تعاطی کی بحث میں آچکا ہے کہ ایک جانب سے بھی تسلیم وتسلم کافی ہے؛ لہٰذا ایل سی کے ذریعے بیع کی صورت میں ٹرانسپورٹ کمپنی کو سامان سپرد کرنے سے تعاطی کا انعقاد ہو جائے گا۔

۵۳۷۔ دوسرا مسئلہ

دوسرا مسئلہ جو کہ مبیع کا ضمان بائع سے مشتری کی جانب منتقل ہونے کے متعلق ہے، تو بین الاقوامی تجارت میں عرف یہ ہے کہ مشتری یا اس کا وکیل اگر مبیع کی وصولی کے لیے بائع کے پاس موجود ہو تو جیسے ہی بائع مشتری اور مبیع کے درمیان تخلیہ کردے ضمان مشتری کی جانب منتقل ہو جاتا ہے، یہ حنفیہ کے مذہب کے موافق ہے؛ کیوں کہ وہ تخلیہ کو قبضہ اور انتقال ضمان کے لیے کافی سمجھتے ہیں، قبض بالبراجم یا کیل کرنے یا گننے کی شرط نہیں لگاتے، جیسا کہ قبضہ کی بحث (۱) میں آچکا ہے۔

اور اگر مشتری یا اس کا وکیل بائع کے ملک میں موجود نہ ہو تو بین الاقوامی تجارت کا عرف یہ ہے کہ مبیع کا ضمان مشتری کی جانب اس وقت منتقل ہو جائے گا جب بائع ٹرانسپورٹ کمپنی کو مبیع سپرد کردے، اور یہ بیع المال کے قانون کے دفعہ نمبر ۲۳ (۲) کا حاصل ہے کہ ٹرانسپورٹ کمپنیاں مبیع پر قبضہ کے سلسلے میں مشتری کی وکیل مانی جائیں گی،

---

(۱) رقم: ۱۷:۲

اور اکثر فیصلوں میں عدالتوں نے اس کا لحاظ رکھا ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا شرعاً یہ عرف معتبر ہوگا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مشتری نے ٹرانسپورٹ کمپنی کی تعیین کردی، اور بائع سے کہا کہ اسی کے ذریعہ وہ اس کے ملک تک سامان بھجوادے تو ٹرانسپورٹ کمپنی مشتری کی وکیل ہوگی، اور اس کا قبضہ مشتری کا قبضہ شمار ہوگا، اور شریعت میں وکیل کے قبضہ کا بھی اعتبار ہے؛ لہٰذا ضمان منتقل ہوجائے گا۔

اور اگر مشتری نے ٹرانسپورٹ کمپنی کی تعیین نہیں کی؛ بلکہ اس کی ذمہ داری بائع پر ہی چھوڑ دی، پھر بائع نے کسی ایک کمپنی کو مشتری کے پاس بھیجنے کے لیے سامان سپرد کردیا تو کیا اس صورت میں کمپنی کا قبضہ مشتری کا قبضہ شمار ہوگا اور اس کی وجہ سے ضمان منتقل ہوجائے گا؟ ظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں کمپنی بائع کی وکیل ہوگی؛ کیوں کہ بائع ہی نے اس سے معاملہ کیا ہے، جیسا کہ ہم ڈاک (V.P) کے ذریعے سامان بھیجنے کے مسئلے میں ذکر کرچکے ہیں؛ لیکن چوں کہ مشتری ہی نے بائع کو ٹرانسپورٹ کمپنی چننے کا اختیار دیا تھا اور اسی وجہ سے بائع نے خود سے ایک کمپنی کی تعیین کی، اور ٹرانسپورٹ کے ذریعے تجارت میں عرف یہ ہے کہ بائع کی ذمہ داری اسی وقت ختم ہوجاتی ہے جب وہ کمپنی کو مبیع سپرد کردے تو اس عرف کا اعتبار کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، بعض فقہائے احناف کی عبارات سے اس کے جواز کا اشارہ ملتا ہے، فتاویٰ ہندیہ میں تاتارخانیہ کے حوالے سے مذکور ہے:

إِذَا قَالَ الْمُشْتَرِي لِلْبَائِعِ ابْعَثْ إِلَى ابْنِي وَاسْتَأْجَرَ الْبَائِعُ رَجُلًا يَحْمِلُهُ إِلَى ابْنِهِ فَهَذَا لَيْسَ بِقَبْضٍ وَالْأَجْرُ عَلَى الْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَقُولَ اسْتَأْجِرْ عَلَيَّ مَنْ يَحْمِلُهُ فَقَبَضَ الْأَجِيرُ يَكُونُ قَبْضَ الْمُشْتَرِي إِنْ صَدَّقَهُ أَنَّهُ اسْتَأْجَرَ وَدَفَعَ إِلَيْهِ وَإِنْ أَنْكَرَ اسْتِئْجَارَهُ

وَالدَّفْعَ إِلَيْهِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ. (۱)

مشتری بائع سے کہے: تم یہ سامان میرے بیٹے کو بھیج دو، اور بائع کسی شخص کو مزدوری پر لے؛ تاکہ وہ مشتری کے بیٹے تک سامان پہونچا دے تو یہ قبضہ نہیں کہلائے گا اور اجرت بائع کے ذمہ ہی ہوگی؛ البتہ اگر مشتری کہے: تم اس سامان کو اٹھانے کے لیے کسی شخص کو مزدوری پر لو تو یہاں مزدور کا قبضہ مشتری کا قبضہ شمار ہوگا، اگر مشتری یہ تصدیق کرے کہ اسی نے مزدور کو اجرت پر لیا تھا اور اس کو سامان دیا تھا، اور اگر وہ اس کا انکار کرے تو اسی کا قول معتبر ہوگا۔

عبارت میں ذکر کردہ دو مسئلوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں مشتری نے بائع کو اپنے بیٹے تک سامان پہونچانے کے لیے کہا؛ لیکن یہ نہیں کہا کہ وہ کسی شخص کو اجرت پر لے، تو یہاں مبیع پہونچانا بائع کی ذمہ داری تھی؛ لہٰذا اگر وہ کسی کو اجرت پر لیتا ہے تو یہ اپنے ہی ذمہ پر لینا ہوگا؛ اس لیے مزدور کا قبضہ مشتری کا قبضہ نہیں کہلائے گا، اور دوسری صورت میں مشتری نے خود کہا ہے کہ اس کا سامان لے جانے کے لیے بائع کسی شخص کو اجرت پر لے اور یہ کہ مشتری ہی اجرت دے گا تو یہاں مزدور کا قبضہ مشتری کا قبضہ شمار ہوگا، اور بین الاقوامی تجارت میں یہی صورت پیش آتی ہے؛ کیوں کہ عام حالات میں مشتری ہی بائع سے کہتا ہے کہ وہ ٹرانسپورٹ کمپنی کے ذریعے سامان بھجوا دے اور اس کا خرچہ وہ خود اٹھائے گا، اور کبھی یہ بات طے ہوتی ہے کہ ٹرانسپورٹ کا خرچہ بائع ہی اپنی جیب سے ادا کرے؛ لیکن وہ مبیع کے ثمن سے اس خرچہ کو بھی وصول کرتا ہے؛ لہٰذا اس کی وجہ سے قبضہ اور انتقالِ ضمان کا حکم نہیں بدلے گا۔

غرض بین الاقوامی تجارت کا عرف اس مسئلہ میں شریعت اسلامی سے متعارض نہیں ہے؛ البتہ ڈاک کے ذریعے مبیع بھیجنے میں جو یہ عرف ہے کہ پوسٹ آفس بائع کا

---

(۱) ۱۹/۳

وکیل شمار ہوتا ہے اور مشتری جب تک مبیع وصول نہ کرلے تب تک وہ بائع کے ہی ضمان میں ہوتی ہے تو اس لحاظ سے حکم جدا ہوجاتا ہے۔

اور بین الاقوامی محکمۂ تجارت (international chamber of commerce) نے تفصیلی ضوابط مرتب کیے ہیں جو Incoterms کہلاتے ہیں، جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایکسپورٹنگ کے مختلف اخراجات کا کون ذمہ دار ہوگا، مشتری کی جانب مبیع کے ضمان کی منتقلی کب ہوگی، رہا اخراجات کا برداشت کرنا تو اس کی تعیین خود بائع اور مشتری آپس میں بین الاقوامی متعارف اصطلاحات کے ذریعے کرتے ہیں، اور انہی اصطلاحات کی روشنی میں مشتری کی جانب ضمان کی منتقلی کے نقطہ کی تعیین ہوتی ہے، ذیل میں انہی اصطلاحات اور اس سے متعلق تفصیلات کا بیان ہوگا، ساتھ میں شرعی حکم بھی ذکر کیا جائے گا۔

۵۳۸۔EXW (Ex works)

اس اصطلاح کا مطلب یہ ہے کہ بائع اپنے ہی مقام پر مبیع اور مشتری کے درمیان تخلیہ کردے گا، اور یہ اس صورت میں ممکن ہے جب کہ مشتری یا اس کا وکیل بائع کے مقام پر موجود ہو، چنانچہ وہ مبیع وصول کرلے گا اور بائع کو صرف پیکنگ کا خرچہ اٹھانا پڑے گا، اور حمل ونقل کی لاگت اور بائع ومشتری کے ملک میں کسٹم کے اخراجات سارے کے سارے مشتری کے ذمہ ہوں گے۔

اس صورت میں ضمان تبھی منتقل ہوجاتا ہے جب بائع مبیع اور مشتری کے درمیان تخلیہ کردیتا ہے، اور یہ حنفیہ کے مذہب کے موافق ہے جو کہ تخلیہ کو قبضہ اور انتقالِ ضمان کے تحقق کے لیے کافی قرار دیتے ہیں۔

۵۳۹۔FCA (Free Carrier)

اس اصطلاح کا مطلب یہ ہے کہ مشتری کسی جگہ یا ٹرانسپورٹ کمپنی کی تعیین کردے جہاں تک مبیع پہونچانا بائع کی ذمہ داری ہو، اس صورت میں بائع وہاں تک سامان لے جانے اور مبیع کی چیکنگ کا خرچہ اٹھاتا ہے، اور اس جگہ تک یا ٹرانسپورٹ کمپنی

تک سامان پہونچا دینے سے بائع کا ضمان ختم ہو جاتا ہے، پھر اس جگہ سے ہونے والے اخراجات مشتری ہی اٹھاتا ہے، یہ بھی حنفیہ کے مذہب کے موافق ہے؛ کیوں کہ یہاں مشتری ہی نے جگہ یا کمپنی کی تعیین کی ہے تو جگہ متعین کرنے کی صورت میں وہ اس شخص کو متعین کرتا ہے جو اس کی نیابت میں مبیع وصول کرے، تو وہ اس کا وکیل ہوگا، اور کمپنی کی تعیین کی صورت میں ٹرانسپورٹ کمپنی اس کی وکیل ہوگی، بہر صورت قبضہ تام ہو جائے گا اور ضمان بھی منتقل ہو جائے گا۔

۵۴۰۔FAS (Free Alongside Ship)

اس اصطلاح کا مطلب یہ ہے کہ مشتری اس بندرگاہ کی جہاں سے سامان لادا جائے گا اور اس کشتی کی جو سامان لائے گی تعیین کر دیتا ہے، اس صورت میں بائع ٹرانسپورٹ کمپنی سے معاملہ نہیں کرتا؛ بلکہ مشتری ہی اپنے خرچ پر معاملہ کرتا ہے، اور بائع بندرگاہ تک لے جانے کا خرچہ اٹھاتا ہے، اور کشتی تک پہونچا دینے سے بائع کا ضمان منتقل ہو جاتا ہے، کشتی پر چڑھانا اس کی ذمہ داری نہیں ہوتی، گویا ضمان کشتی تک مبیع پہونچ جانے سے منتقل ہو جاتا ہے؛ لہٰذا اگر سامان چڑھاتے وقت اس میں نقص آجائے تو بائع اس کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔

چوں کہ اس صورت میں بھی مشتری کشتی اور ٹرانسپورٹ کمپنی کی تعیین کر دیتا ہے؛ لہٰذا اس کا حکم بھی سابقہ صورت کی مانند ہے کہ کمپنی مشتری کی وکیل ہے۔

۵۴۱۔ FOB (Free On Board)

اس اصطلاح کا مطلب یہ ہے کہ کشتی پر سامان چڑھانا بھی بائع کی ذمہ داری ہے، اس صورت میں مشتری ٹرانسپورٹ کمپنی کو متعین کر دیتا ہے اور اپنے خرچہ پر اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہے، اور بائع کو بھی کہہ سکتا ہے کہ اس (مشتری) کے خرچہ پر وہ کمپنی کے ساتھ معاملہ کرے، یا تو وہ صراحۃً اس کا حکم دے یا اس نوع کی تجارت کا یہی رائج عرف ہو، یا ان کے درمیان سابق میں اسی طرز پر معاملہ ہو چکا ہو، یہاں بائع کی ذمہ داری یہ

ہوتی ہے کہ وہ کشتی تک سامان لے جا کر اس پر چڑھادے، اور چڑھانے کے بعد ہی ضمان منتقل ہوتا ہے، پھر اس کے بعد مبیع مشتری کے ضمان میں رہتی ہے۔

اس صورت میں بھی ٹرانسپورٹ کمپنی مشتری کی وکیل ہے، مشتری کے خود اس کے ساتھ معاملہ کی صورت میں وکیل ہونا تو ظاہر ہے، اور مشتری کے حکم سے بائع کے کمپنی کے ساتھ معاملہ کرنے کی صورت میں وہ مسئلہ منطبق ہوگا جو ہم فتاویٰ ہندیہ کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں کہ بائع کا مشتری کے حکم سے اس شخص کو مبیع دے دینا جو مشتری تک لے جائے قبضہ شمار ہوگا۔

۵۴۲-CFR (Cost and Freight)

اس اصطلاح کا مطلب یہ ہے کہ بائع اپنے خرچہ پر ٹرانسپورٹ کمپنی کے ساتھ معاملہ کرتا ہے، مطلب یہ کہ بائع اس بندرگاہ تک مال پہونچانے کا ذمہ دار ہوتا ہے جس کی مشتری تعیین کرے، اور کشتی پر بار برداری کے اخراجات بھی اسی کے ذمہ ہوتے ہیں، اس صورت میں بھی عرف کے لحاظ سے ضمان اس وقت منتقل ہوجاتا ہے جب بائع کشتی پر سامان لاد دے۔

یہاں اشکال ہوتا ہے کہ بائع ہی نے خود اپنے خرچہ پر ٹرانسپورٹ کمپنی سے معاملہ کیا ہے تو کمپنی کو اس کا وکیل ہونا چاہیے، نہ کہ مشتری کا، اور مبیع پر کمپنی کا قبضہ مشتری کا قبضہ شمار نہیں کیا جانا چاہیے؛ کیوں کہ مبیع بائع کے وکیل کے قبضہ میں ہے؛ لیکن یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مشتری نے معاہدۂ بیع میں مذکورہ اصطلاح (CFR) کا استعمال کر کے بائع کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی پسند سے کسی ٹرانسپورٹ کمپنی کے ذریعے سامان بھیج دے، گویا مشتری نے یہ کہا: جس کمپنی کے ذریعے بھی تم سامان بھیجو گے وہ مبیع پر قبضہ کے سلسلے میں میری وکیل ہوگی، اور فقہاء نے اس طرح کے توکیل کی اجازت دی ہے جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ کے حوالے سے آچکا ہے کہ مشتری نے بائع سے کہا تھا: میرے خرچے پر کسی ایسے شخص کو اجرت پر لو جو یہ سامان اٹھا کر لے چلے، تو اس مزدور کا قبضہ مشتری کا قبضہ کہلائے

گا، تو مشتری نے یہاں اٹھانے والے شخص کو متعین نہیں کیا؛ بلکہ بائع کے اختیار پر چھوڑ دیا، اس کے باوجود اٹھانے والے کو اس کا وکیل مانا گیا۔

اور بار برداری کے اخراجات اگر چہ بظاہر بائع اٹھا رہا ہے؛ لیکن وہ عموماً ثمن کے اندر اس کو بھی شامل کر دیتا ہے؛ لہٰذا اس کی وجہ سے کمپنی کی مشتری کی وکالت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور اس پر وہ حکم منطبق ہوگا جو کہ فتاویٰ ہندیہ میں مذکور ہے کہ مشتری حکماً اس صورت میں قابض مانا جائے گا۔

۵۴۳۔ CPT (Carriage paid to)

یہ اصطلاح سابقہ اصطلاح کی مانند ہے کہ بائع ہی اپنے خرچہ پر سامان بھجواتا ہے اور کشتی پر لاد دینے سے ضمان منتقل ہوجاتا ہے؛ البتہ فرق یہ ہے کہ CFR کی اصطلاح اس وقت استعمال کی جاتی ہے جب کہ سامان لے جانے والی چیز کشتی ہو، اور CPT کی اصطلاح کا اطلاق ہر طرح کے وسائل نقل پر ہوتا ہے، خواہ وہ جہاز ہو یا برّی لاری؛ بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سامان کی منتقلی کے لیے متعدد وسائل نقل اختیار کرنے پڑتے ہیں، مثلاً: جاپان سے سنگاپور تک سامان کشتی پر لایا جاتا ہے، پھر وہاں سے بینکاک تک، پھر بینکاک سے کراچی تک، اور اس وقت عقد میں اس جگہ کی تعیین کرنا ضروری ہے کہ جہاں ضمان منتقل ہوگا، اگر تعیین نہ کی جائے تو پہلی بندرگاہ تک سامان پہونچانے کا بائع ذمہ دار ہے اور اسی سے ضمان بھی منتقل ہوجاتا ہے۔

سابقہ اصطلاح میں جو کلام تھا وہی شرعی پہلو سے اس میں بھی ہوگا۔

۵۴۴۔ CIF (Cost, insurance and freight)

اس اصطلاح کا مطلب یہ ہے کہ بائع مشتری تک مبیع پہونچانے کے اخراجات سمیت ان خرچوں کا بھی ذمہ دار ہوگا جو راستے کے خطرات سے مبیع کی حفاظت کے لیے ہوتے ہیں، اس صورت میں عرف کے لحاظ سے تو اسی وقت ضمان منتقل ہوجاتا ہے جب بائع کشتی پر سامان لاد دے؛ لیکن فقہی نقطۂ نظر سے یہاں دو باتیں ملحوظ رکھنی ضروری ہیں:

۱) اس اصطلاح میں بائع پر کسی متعین بندرگاہ تک مبیع لے جانا لازم نہیں ہوتا؛ الا یہ کہ عقد میں صراحۃً اس کی تعیین کردی گئی ہو، جیسا کہ Incoterms میں ذکر کیا جا چکا ہے؛ لہٰذا مشتری کو کسی بندرگاہ کو متعین کردینا چاہیے؛ کیوں کہ نامعلوم بندرگاہ میں ضمان کی منتقلی مشکوک ہے۔

۲) راستے کے خطرات سے مبیع کی حفاظت کی یقین دہانی عموماً اسی ممنوعہ ٹریڈیشنل عقد (انشورنس) کے ذریعے ہوتی ہے، اور اس میں غرر فاحش ہے، اور معاصر علماء و فقہی اکیڈمیوں کا انشورنس کے عدمِ جواز پر تقریباً اجماع ہو چکا ہے؛ لہٰذا کسی مسلمان کے لیے اس عقد میں داخل ہونا جائز نہیں ہوگا۔

۵۴۵۔سوکرہ

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں اس قسم کا عقد سوکرہ کے نام سے رائج تھا، آپ نے اس کی صورت اور حکم کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

جَرَتِ الْعَادَةُ أَنَّ التُّجَّارَ إِذَا اسْتَأْجَرُوا مَرْكَبًا مِنْ حَرْبِيٍّ يَدْفَعُونَ لَهُ أُجْرَتَهُ، وَيَدْفَعُونَ أَيْضًا مَالًا مَعْلُومًا لِرَجُلٍ حَرْبِيٍّ مُقِيمٍ فِي بِلَادِهِ، يُسَمَّى ذَلِكَ الْمَالُ: سَوْكَرَةً عَلَى أَنَّهُ مَهْمَا هَلَكَ مِنَ الْمَالِ الَّذِي فِي الْمَرْكَبِ بِحَرْقٍ أَوْ غَرَقٍ أَوْ نَهْبٍ أَوْ غَيْرِهِ، فَذَلِكَ الرَّجُلُ ضَامِنٌ لَهُ بِمُقَابَلَةِ مَا يَأْخُذُهُ مِنْهُمْ، وَلَهُ وَكِيلٌ عَنْهُ مُسْتَأْمَنٌ فِي دَارِنَا يُقِيمُ فِي بِلَادِ السَّوَاحِلِ الْإِسْلَامِيَّةِ بِإِذْنِ السُّلْطَانِ يَقْبِضُ مِنَ التُّجَّارِ مَالَ السَّوْكَرَةِ وَإِذَا هَلَكَ مِنْ مَالِهِمْ فِي الْبَحْرِ شَيْءٌ يُؤَدِّي ذَلِكَ الْمُسْتَأْمَنُ لِلتُّجَّارِ بَدَلَهُ تَمَامًا، وَالَّذِي يَظْهَرُ لِي: أَنَّهُ لَا يَحِلُّ لِلتَّاجِرِ أَخْذُ بَدَلِ الْهَالِكِ مِنْ مَالِهِ. (۱)

---

(۱) ردعلی الدر ۴/ ۱۷۰

یہ رواج چل پڑا ہے کہ تاجرین جب کسی حربی سے کوئی سواری کرایہ پر لیتے ہیں تو وہ اس کی اجرت دیتے ہیں اور مزید مال بھی اس حربی شخص کو جو ان کے ملک میں مقیم ہے، یہ مال سوکرہ کہلاتا ہے، اس شرط پر کہ سواری پر جو مال لدا ہوا ہے اگر وہ جلنے یا ڈوبنے یا ڈاکہ پڑنے کی وجہ سے ہلاک ہوجائے تو وہ شخص اس کا ضامن ہوگا، اور یہ ضمان انہی پیسوں کے مقابل ہوتا ہے جو حربی نے ان سے لیے ہیں، اور اس حربی کا ایک وکیل بھی ہوتا ہے جو دار الاسلام میں امان لے کر رہتا ہے (مستامن)، اور بادشاہ کی اجازت سے مملکت اسلامی کے ساحلی علاقوں میں مقیم رہتا ہے، وہ تاجرین سے سوکرہ کا مال لیتا ہے، اور جب تاجروں کا کچھ مال ہلاک ہوجائے تو وہ مستأمن تاجرین کو اس کا پورا بدل دیتا ہے، میری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ تاجر کے لیے ہلاک شدہ مال کا بدل لینا حلال نہیں ہے۔

اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ممانعت پر طویل مدلل کلام کیا ہے؛ لیکن اخیر میں لکھا ہے:

نَعَمْ: قَدْ يَكُونُ لِلتَّاجِرِ شَرِيكٌ حَرْبِيٌّ فِي بِلَادِ الْحَرْبِ، فَيَعْقِدُ شَرِيكُهُ هَذَا الْعَقْدَ مَعَ صَاحِبِ السَّوْكَرَةِ فِي بِلَادِهِمْ، وَيَأْخُذُ مِنْهُ بَدَلَ الْهَالِكِ، وَيُرْسِلُهُ إِلَى التَّاجِرِ فَالظَّاهِرُ أَنَّ هَذَا يَحِلُّ لِلتَّاجِرِ أَخْذُهُ لِأَنَّ الْعَقْدَ الْفَاسِدَ جَرَى بَيْنَ حَرْبِيَّيْنِ فِي بِلَادِ الْحَرْبِ، وَقَدْ وَصَلَ إِلَيْهِ مَالُهُمْ بِرِضَاهُمْ فَلَا مَانِعَ مِنْ أَخْذِهِ.(۱)

ہاں! حربی علاقوں میں تاجر کا ایک حربی شریک ہو، اور وہ شریک

(۱) حوالۂ سابق

اپنے ملک میں سوکرہ والے سے عقد کرے، اور اس سے ہلاک
شدہ مال کا بدل لے کر تاجر کو بھیج دے، تو ظاہر ہے کہ تاجر کے لیے
اس کا لینا حلال ہوگا؛ کیوں کہ عقد فاسد دار الحرب میں دو حربیوں
کے درمیان ہوا ہے اور تاجر تک ان کا مال ان کی رضامندی سے
پہونچا ہے؛ لہٰذا اس کے لینے سے کوئی مانع نہیں ہوگا۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جب عقد دار الحرب میں دو حربیوں کے درمیان ہو، اور دار الاسلام میں مسلمان تک عوض پہونچ جائے تو اس مسلمان کے لیے اس کا لینا حلال ہے، اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے آگے ذکر کیا ہے کہ تاجر مسلمان اگر دار الحرب میں ہو اور وہاں کسی حربی کے ساتھ یہ عقد کرے، پھر اس کو دار الاسلام میں مستامن کے واسطے سے یہ عوض اور بدل حاصل ہو اور اس کے لیے معاملہ عدالت میں لے جانا نہ پڑا ہو تو مسلمان کے لیے اس کا لینا حلال ہوگا۔

لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ حربی کا مال اس کی رضامندی سے لینے کے جواز پر مبنی ہے؛ اگرچہ عقد فاسد کے ذریعے ہو، اور صرف کی بحث کے آخر (۱) میں ہم اس پر تفصیلی کلام کر چکے ہیں، اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ دار الحرب میں سودی معاملہ کرنا حرام ہے اور متاخرین احناف کے نزدیک یہی راجح اور مفتیٰ بہ ہے۔

اس بنا پر کسی مسلمان کے لیے نہ خود انشورنس کرانا جائز ہوگا اور نہ کسی اور کو اس کا حکم دینا، اگر ہم فرض کریں کہ بائع حربی ہو اور وہ اپنے پیسوں سے انشورنس کروا رہا ہو، تو اگر معاہدۂ بیع میں CIF کی اصطلاح کی صراحت ہو تو یہ مشتری کی جانب سے حکم ہوگا کہ بائع مبیع بھجوانے سے قبل ان کا انشورنس کروالے، اور مشتری کا بائع کو یہ حکم دینا شرعاً جائز نہیں ہے، اور انشورنس کے متبادل کے طور پر تکافل کی تجویز لائی گئی ہے، متعدد اسلامی ممالک میں اس کے مطابق عمل جاری ہے، بعض معاصر علماء اور اکثر شرعی اداروں نے

---

(۱) رقم: ۳۴۰

اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، اور مجمع الفقہ الاسلامی نے بھی ریاض میں اپنے بیسویں اجلاس میں اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، یہاں اس مسئلہ کی تفصیل کا موقع نہیں ہے، بنیادی بات یہ ہے کہ اگر انشورنس کا ایسا متبادل موجود ہو جو شرعاً قابل قبول ہو تو اس سے استفادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مشتری تک مبیع بھیجنے کے لیے مذکورہ اصطلاحات کے علاوہ اور بھی اصطلاحات کا استعمال ہوتا ہے، لیکن خرچوں کے تحمل اور ضمان کی منتقلی کے سلسلے میں وہ انہی سات قسموں میں داخل ہیں جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔

۵۴۶۔ ایک مسئلہ

قبضہ حاصل ہو جانے اور ضمان کے منتقل ہو جانے پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ مشتری کے لیے کسی تیسرے شخص کو وہ سامان فروخت کرنا جائز ہے، چنانچہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پاکستانی تاجر کے پاس چند ایسے سامانوں کا سعودیہ سے آرڈر آتا ہے جنہیں پاکستانی تاجر جاپان سے درآمد کرتا ہے، تو اس آرڈر کو پورا کرنے کے لیے اسے جاپان سے سامان منگوانا پڑے گا، اس صورت میں پاکستانی تاجر پاکستان سامان منگوا کر سعودیہ بھجوانے کے بجائے جاپانی شخص سے کہتا ہے کہ وہ براہ راست سعودیہ سامان بھیج دے؛ کیوں کہ پہلی صورت میں لمبی کاروائیاں کرنی ہوتی ہیں اور حمل ونقل کے الگ اخراجات ہوتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے؟

بندہ کی سمجھ میں اس کا یہ جواب آتا ہے کہ اگر ہم مذکورہ بین الاقوامی عرف کا اعتبار کریں تو مبیع کا ضمان مشتری کی جانب اسی وقت منتقل ہو جائے گا جب کہ جاپانی شخص کشتی تک سامان پہونچا دے، اور ان سامانوں کے قبضہ کے سلسلے میں ٹرانسپورٹ کمپنی مشتری کی وکیل شمار ہوگی، تو اگر پاکستانی تاجر کسی سعودی تاجر کو وہ فروخت کرنا چاہے تو یہ جائز ہونا چاہیے؛ کیوں کہ یہ بیع ضمان کی منتقلی اور قبضۂ حکمی کے بعد ہوئی ہے؛ لہٰذا یہ ربح مالا یضمن نہیں ہوگا؛ لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں سامان سعودی تاجر کے پاس

پہونچنے تک پاکستانی تاجر کے ضمان میں ہوگا، اور ضمان اسی وقت منتقل ہوگا جب کہ سعودی تاجر یا اس کا وکیل اس پر قبضہ کرلے؛ لہٰذا سعودی تاجر کے لیے اس سے قبل ان کو فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا؛ کیوں کہ یہ بیع قبل القبض ہوگی۔

اور اگر عقد میں اس بات کی تصریح ہو کہ جیسے ہی جاپانی تاجر کشتی تک سامان پہونچادے گا ضمان سعودی تاجر کی جانب منتقل ہوجائے گا تو یہ ناجائز ہے؛ کیوں کہ یہاں کسی بھی مرحلے میں پاکستانی تاجر کی جانب ضمان منتقل نہیں ہوا؛ اس لیے بیع بھی ناجائز ہوگی؛ کیوں کہ یہ بیع قبل القبض اور ربح مالا یضمن ہے۔

اسی سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ سامانوں کی جو مسلسل کئی بیوع ہوجاتی ہیں حالاں کہ سامان ابھی راستے ہی میں ہوتا ہے یہ طریقہ شرعاً ناجائز ہے، اور اس سے عقود المضاربات (speculative transaction) کا دروازہ بند ہوجاتا ہے جو سرمایہ دارانہ نظام میں رائج ہے اور جس کے بے شمار مفاسد ہیں، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

۵۴۷۔تیسرا مسئلہ

بینک میں ایل سی کھلوانے کے ذریعے بیع! یہاں ایل سی کی تکییف کی ضرورت ہے، بینک ایل سی کھولنے کے عقد میں درج ذیل امور کا التزام کرتا ہے:

۱) ایل سی جاری کرنا، ایل سی کھلوانے والے کی ہدایات کے مطابق اس میں شرائط کا اندراج کرنا، اور شرائط سے وہ شرائط مراد ہیں جن پر ایل سی کی رقم بائع کو دینا موقوف ہوتا ہے، اور عموماً بائع ومشتری کے درمیان یہ شرائط مقرر ہوچکے ہوتے ہیں۔

۲) بائع یا اس کے بینک کو ایل سی بھیجنا۔

۳) بائع کی جانب سے بھیجے گئے کاغذات کو وصول کرنا، یہ کاغذات بلٹی اور بل پر مشتمل ہوتے ہیں اور انشورنس کے بل پر بھی اگر ایل سی کے شرائط میں اس کا ذکر ہو۔

۴) ان کاغذات کو چیک کرنا کہ وہ ایل سی میں ذکر کردہ اوصاف اور شرائط کے مطابق ہیں یا نہیں۔

۵) اگر کاغذات شرائط کے موافق نہ ہوں تو ایل سی کھلوانے والے مشتری کو اس کی اطلاع دینا اور پوچھنا کہ کیا اس عدم موافقت کے باوجود وہ انہیں قبول کرلے گا؟ یہ ضروری نہیں ہے؛ بلکہ بینک کو اختیار ہے کہ چاہے تو مشتری کو اطلاع دے دے یا اطلاع دیے بغیر ان کاغذات کو مسترد کردے، اور رواج یہ ہے کہ اگر شرائط کی معمولی سی خلاف ورزی ہوئی ہو تو بینک مشتری سے رجوع کرتا ہے اور اگر غیر معمولی ہوں تو از خود واپس کردیتا ہے۔

۶) اگر مشتری کو اس کی اطلاع دے دی گئی اور اس نے ان کاغذات کو قبول نہیں کیا تو بینک کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ بائع یا اس کے بینک کو شرائط کی خلاف ورزی کی اطلاع دے دے، اور ان خلاف ورزیوں کی تعیین بھی کردے، اور بینک کو یہ اختیار رہوتا ہے کہ بائع کی ہدایات آنے یا مشتری کے اس کو قبول کر لینے پر راضی ہوجانے تک ان کاغذات کی حفاظت کرے، یا بائع کو وہ کاغذات واپس بھیج دے اور ایل سی کی رقم نہ بھیجے۔

۷) اگر کاغذات اوصاف وشرائط کے موافق ہوں تو ایل سی کی رقم بائع کو ارسال کرنا۔

مذکورہ تفصیلات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایل سی جاری کرنے والے بینک کی ذمہ داریوں میں سب سے اہم ذمہ داری بائع کی جانب سے بھیجے گئے کاغذات کی وصولی کے بعد بائع کو ثمن کی رقم ارسال کرنا ہے، اس بنیاد پر ایل سی جاری کرنا ثمن ادا کرنے کی کفالت ہوگی؛ لیکن عام کفالت سے یہ کچھ مختلف ہے: اس لیے کہ عام کفالت کی بنیاد مکفول عنہ کے ذمہ واجب دین پر ہوتی ہے، اس طور پر کہ کفیل کہتا ہے: میں فلاں کے ذمہ واجب دین کا کفیل ہوں، اور کفیل عادۃً تبھی ضامن ہوتا ہے جب کہ مکفول عنہ دین کی ادائیگی سے پیچھے ہٹ جائے، جب کہ بینک کی جانب سے جاری کردہ ایل سی ایک

مستقل عقد ہوتا ہے جس کا عاقدین کے درمیان ہونے والے عقد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اور ایل سی کی شرائط کے مطابق کاغذات کی وصول یابی کی صورت میں وہ ثمن ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے؛ اگرچہ مشتری یہ کہے کہ وہ اپنے اور بائع کے درمیان ہونے والے معاملے کی وجہ سے ثمن دینے کا پابند نہیں ہے۔

لیکن مذکورہ فرق کی وجہ سے یہ معاملہ کفالت اور ضمان سے خارج نہیں ہوگا؛ کیوں کہ اس کا عقدِ بیع سے الگ ایک مستقل عقد ہونا اس وجہ سے ہے کہ بینک عقد کی جھنجھٹ میں نہ پڑے، ایل سی کھلوانے کا مقصد صرف بائع کو ثمن کے حاصل ہونے اور مشتری کو کاغذات کے حصول تک ثمن کی رقم محفوظ ہونے کا اطمینان دلانا ہوتا ہے، اور ایل سی کے عقد کا عقدِ بیع سے الگ ہونا صرف ایک نظری امر ہے، بائع کو کسی بھی صورت دو مرتبہ ثمن کے مطالبے کا حق نہیں ہے کہ ایک مرتبہ ایل سی کی وجہ سے بینک سے لے لے اور ایک بار بیع کی وجہ سے مشتری سے لے لے، غرض بیع اگر ایل سی کے ذریعے ہوتی تو یہ واضح تھا کہ عاقدین نے یہ شرط لگائی ہے کہ ثمن اس بینک کے ذریعے سپرد کیا جائے گا جس نے ضمانت قبول کی ہے، اور اس لحاظ سے کفالت کی تمام خصوصیات اس میں موجود ہیں۔

لیکن کفالت اور ضمان کے علاوہ ایل سی کا عقد دیگر خدمات پر بھی مشتمل ہوتا ہے، جن میں سے ایک خطاب الضمان تیار کرنا اور ان شرائط کی وضاحت کرنا جو ایل سی کھلوانے والے کو مطلوب ہیں، اس کو بائع یا اس کے بینک کے پاس بھیجنا، اور جس بینک کے پاس بھیجا گیا اس سے تحریری رابطہ کرنا، کاغذات وصول کرنا، ان کی چیکنگ کرنا، ایل سی کھلوانے والے کو کاغذات کے وصولی کی خبر دینا، کاغذات کے شرائط کے موافق نہ ہونے کی صورت میں بائع یا اس کے بینک کو اس کی اطلاع دینا، اور بائع یا مشتری کی جانب سے ہدایات آنے تک ان کاغذات کی حفاظت کرنا، غرض ایل سی کے عقد میں کفالت کے ساتھ متعدد ایسی خدمات بھی ہوتی ہیں جنہیں بینک ایل سی کھلوانے والے کے لیے انجام دیتا ہے، اور ان خدمات میں سے بعض کی انجام دہی بینک مشتری کا وکیل

ہونے کی حیثیت سے کرتا ہے، جیسے کاغذات کی چیکنگ، اور بعض خدمات عام ہوتی ہیں۔

ایل سی کھلوانے کا عقد کفالت وکالت اور دیگر خدمات کی انجام دہی کو متضمن ہے؛ اس لیے ہم مستقل طور پر ہر ایک کا حکم ذکر کریں گے؛ تاکہ ہمیں اس فیس کی حقیقت معلوم ہو جائے جس کا بینک ایل سی کھلوانے والے سے مطالبہ کرتا ہے۔

اور ایل سی کے اجراء میں غالب عنصر ضمان یا کفالت ہے؛ اس لیے اولاً ہم خطاب الضمان کے اجراء پر لی جانے والی فیس کے حکم کی تحقیق کریں گے؛ کیوں کہ خطاب الضمان کبھی ایل سی کھلوائے بغیر بھی جاری کیا جاتا ہے۔

۵۴۸۔خطاب الضمان کے اجراء پر فیس کا حکم

کفالت اور ضمان کے سلسلے میں فقہ اسلامی کے اندر یہ بات طے شدہ ہے کہ کفالت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ قرض کی مانند عقدِ تبرع ہے، نہ کہ عقدِ معاوضہ، علامہ ابن منذر رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے، اولاً انہوں نے لکھا ہے:

> اجمع كل من نحفظ عنه من اهل العلم ان الحمالة (وهي الكفالة) بجعل يأخذه الحميل (أي الكفيل) لا تحل ولا تجوز.(۱)
>
> تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ کفالت میں کفیل کا اجرت لینا حرام اور ناجائز ہے۔

پھر آگے لکھا ہے:

> واختلفوا في ثبوت الضمان على هذا الشرط، فكان الثوري يقول: إذا قال الرجل للرجل: أكفل عني ولك ألف درهم، فإن الكفالة جائزة، وترد إليه الألف درهم...وقال احمد في مسألة الكفالة: ما

(۱) الاشراف علی مذہب اہل العلم ۱/ ۱۲۰

أری هذا یأخذ شیئا بحق، وقال إسحق: ما أعطاه من شیئ فهو حسن. (۱)

اس شرط کے ساتھ ضمان کے ثبوت کے سلسلے میں ان کا اختلاف ہے، امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے تھے: جب ایک آدمی دوسرے سے ہزار درہم کے عوض کفالت قبول کرنے کے لیے کہے تو یہ کفالت جائز ہے، اور ہزار درہم واپس کردیے جائیں گے، اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں نہیں سمجھتا کہ وہ حق طور پر مال لے رہا ہے، اور امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مکفول عنہ جو بھی چیز دے دے تو بہتر ہے۔

امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے جو قول نقل کیا گیا ہے اس سے یہ احتمال نکلتا ہے کہ کفیل مکفول عنہ سے مال لے سکتا ہے جب کہ اس کی شرط نہیں لگائی گئی ہو، اگرچہ سیاق میں مشروط اجرت کا ذکر ہے، اور یہ سیاق علامہ مروزی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں زیادہ واضح ہے، وہ لکھتے ہیں:

قال سفیان: إذا قال رجل لرجل: إکفل عنی ولك ألف درهم، الکفالة جائزة، ویرد علیه ألف درهم؟ قال أحمد: ما أری هذا یأخذ شیئاً بحق. قال إسحاق: ما أعطاه من شیء، فهو حسن. (۲)

امام سفیان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: جب ایک آدمی دوسرے سے ہزار درہم کے عوض کفالت قبول کرنے کے لیے کہے تو یہ کفالت جائز ہے، اور ہزار درہم واپس کردیے جائیں گے، اور امام احمد

(۱) حوالہ سابق

(۲) مسائل الامام احمد واسحاق بن راہویہ ۶/ ۳۰۵۵

رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: میں نہیں سمجھتا کہ وہ حق طور پر مال لے رہا ہے، اور امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: مکفول عنہ جو بھی چیز دے دے تو بہتر ہے۔

لیکن اجماع کے سامنے امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول غیر معتبر ہے۔

بعض فقہاء نے اجرت کی ممانعت کی علت اس کا رشوت ہونا ذکر کی ہے، امامِ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَلَوْ كَفَلَ رَجُلٌ عَنْ رَجُلٍ بِمَالٍ عَلَى أَنْ يَجْعَلَ لَهُ جُعْلًا، فَالْجُعْلُ بَاطِلٌ هَكَذَا رُوِيَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ -رَحِمَهُ اللَّهُ- وَهَذَا؛ لِأَنَّهُ رِشْوَةٌ وَالرِّشْوَةُ حَرَامٌ فَإِنَّ الطَّالِبَ لَيْسَ يَسْتَوْجِبُ بِهَذِهِ الْكَفَالَةِ زِيَادَةَ مَالٍ فَلَا يَجُوزُ أَنْ يَجِبَ عَلَيْهِ عِوَضٌ بِمُقَابَلَتِهِ.(۱)

اور اگر اجرت کے عوض ایک شخص دوسرے کا کفیل بنے تو اجرت باطل ہے، امام ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح منقول ہے، وجہ یہ ہے کہ یہ رشوت ہے، اور رشوت حرام ہے؛ کیوں کہ طالب اس کفالت کے ذریعے زائد مال کا مستحق ہوجاتا ہے؛ لہٰذا اس کے مقابل اس پر عوض واجب ہونا جائز نہیں ہوگا۔

اور بعض حضرات نے یہ علت بیان کی ہے کہ یہ سود میں داخل ہے، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَلَوْ قَالَ: اقْتَرِضْ لِي مِنْ فُلَانٍ مِائَةً. وَلَكَ عَشَرَةٌ. فَلَا بَأْسَ، وَلَوْ قَالَ: اُكْفُلْ عَنِّي وَلَكَ أَلْفٌ. لَمْ يَجُزْ؛ وَذَلِكَ لِأَنَّ قَوْلَهُ: اقْتَرِضْ لِي وَلَكَ عَشَرَةٌ. جَعَالَةٌ عَلَى فِعْلٍ

(۱) المبسوط ۲۰/۳۲

مُبَاحٍ، فَجَازَتْ، كَمَا لَوْ قَالَ: ابْنِ لِي هَذَا الْحَائِطَ وَلَكَ عَشَرَةٌ. وَأَمَّا الْكَفَالَةُ، فَإِنَّ الْكَفِيلَ يَلْزَمُهُ الدَّيْنُ، فَإِذَا أَدَّاهُ وَجَبَ لَهُ عَلَى الْمَكْفُولِ عَنْهُ، فَصَارَ كَالْقَرْضِ، فَإِذَا أَخَذَ عِوَضًا صَارَ الْقَرْضُ جَارًّا لِلْمَنْفَعَةِ، فَلَمْ يَجُزْ.(۱)

اگر کوئی شخص کسی سے کہے کہ تم میرے لیے فلاں سے سو روپے قرض لو میں تمہیں دس دوں گا تو یہ جائز ہے، اور اگر ہزار کے عوض کفیل بننے کے لیے کہے تو یہ ناجائز ہے؛ اس لیے کہ پہلی صورت میں ایک مباح فعل پر اجرت دی جارہی ہے؛ لہٰذا وہ جائز ہے، جیسا کہ اگر کہے: تم دس کے عوض یہ دیوار تعمیر کردو، اور کفالت میں کفیل پر دین لازم ہوتا ہے، اگر وہ ادا کردے تو مکفول عنہ سے رجوع کرنے کا حق ہوتا ہے، پس یہ قرض کی مانند ہوگیا، اور کفیل کے معاوضہ لینے کی صورت میں قرض سے نفع حاصل کرنا ہوگا جو کہ ناجائز ہے۔

قسط وار بیع سے متعلق اپنے مقالہ (۲) کے اندر اس علت کی میں نے یہ تشریح کی ہے:

اس کی ایک مثال سے وضاحت ہوتی ہے: زید نے عمرو سے سو ڈالر قرض لیے، اور عمرو نے زید سے کفیل کا مطالبہ کیا، پھر خالد آکر زید سے کہنے لگا: میں فی الحال تمہاری جانب سے دین ادا کردوں گا، بشرطیکہ بعد میں تم مجھے ایک سو دس ڈالر دے دینا، اور یہ دس اس پیشگی ادائیگی کی اجرت کے طور پر ہوں گے، اور

---

(۱) المغنی ۴/ ۲۴۳ و ۲۴۴

(۲) بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ، جلد اول، و فقہی مقالات، جلد اول

بکر نے آکر زید سے کہا: میں دس ڈالر کے عوض اس دین کی کفالت قبول کرتا ہوں اور جب میں فعلاً سو ڈالر کی ادائیگی پر مجبور ہو جاؤں تو یہ سو تمہارے ذمہ قرض ہوں گے۔

کفالت کی اجرت جائز کہنے والوں پر بکر نے جس اجرت کا تقاضا کیا ہے اس کو جائز اور خالد نے جس اجرت کا تقاضا کیا ہے اس کو حرام قرار دینا لازم ہوگا، حالاں کہ خالد نے فعلاً اپنا مال خرچ کیا ہے، اور بکر نے تو صرف التزام کیا ہے، تو اگر خرچ کرنے والے کی جانب سے اجرت کا مطالبہ حرام ہے تو التزام کرنے والے کی طرف سے اجرت کا مطالبہ تو بدرجۂ اولیٰ حرام ہونا چاہیے۔

بالفاظ دیگر کفیل اگر خود اصیل کی طرف سے دین ادا کرنے پر مجبور ہو گیا تو وہ اصیل سے اتنی ہی رقم لے سکتا ہے جتنی اس نے ادا کی ہے، اس سے زائد وہ نہیں لے سکتا؛ کیوں کہ یہ حرام سود ہے، تو اس صورت میں کیسے لے سکتا ہے جب کہ اس نے فعلاً ثمن ادا نہیں کیا؛ بلکہ صرف التزام کیا ہے۔

لیکن بینکوں کا معمول یہ ہے کہ ایل سی کی فیس اس سود سے الگ اور مستقل ہوتی ہے جس کا سودی بینک مکفول عنہ کی طرف سے دین کی ادائیگی کی صورت میں مطالبہ کرتا ہے، مطلب یہ کہ بینک نے اگر کفالت کی بنا پر دین ادا کر دیا تو کفالت کے وقت بینک نے جو فیس لی تھی وہ اس سود میں شمار نہیں کی جاتی جس کا بینک مکفول عنہ سے تقاضا کرتا ہے؛ بلکہ سود کا تقاضا اسی طرح کیا جاتا ہے جیسے کسی بھی قرض پر کیا جاتا ہے، یہ فیس قرض پر سود کا جزء شمار نہیں ہوتی؛ بلکہ ایل سی کی خدمت مہیا کرنے پر ایک مستقل فیس ہوتی ہے۔

بالفاظ دیگر ایل سی کی فیس میں عرف یہ ہے کہ وہ مکفول عنہ کی طرف سے بینک کی

ادائیگی کا عوض نہیں ہوتی؛ کیوں کہ بینک ہر حال میں اس کا تقاضا کرتا ہے، اگر مدیون مکفول عنہ نے بذاتِ خود دین ادا کر دیا اور دائن کو کچھ بھی دینے کی ضرورت نہیں پڑی، مطلب یہ کہ اس نے کچھ بھی قرض نہیں دیا؛ اگر چہ اس کی طرف سے ادا کرنا پھر اس سے رجوع کرنا پڑا ہو تب بھی سودی بینک اس پر سود کا مطالبہ کرتا ہے، قطعِ نظر اس فیس سے جس کا بینک کفالت کے وقت تقاضا کرتا ہے۔

اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ فیس قرض دینے کے عوض نہیں ہے کہ اسے ربا میں داخل مانا جائے، اور امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے جو ربا کے بجائے سود کی علت ذکر کی ہے، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ کفالت شریعت میں عقدِ تبرع ہے نہ کہ عقدِ معاوضہ۔

اور شاید اسی پہلو کی جانب نظر کرتے ہوئے ہمارے زمانے میں بعض معاصرین نے حاجتِ عامہ کی بنا پر ضمان کی اجرت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، ہمارے فاضل دوست علامہ وہبہ زحیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> کفالت ایک عقدِ تبرع اور طاعت ہے جس پر کفیل کو ثواب ملتا ہے؛ کیوں کہ یہ خیر کے کاموں میں تعاون ہے، اور کفیل مکفول عنہ سے اس ذمہ داری کی اجرت لے سکتا ہے جب کہ وہ مکفول لہٗ کو پیسے دے دے، اولیٰ یہ ہے کہ تبرعاً کفالت کی تکمیل ہو، یہ شبہہ سے زیادہ دور ہے، اور اگر مکفول لہٗ کفیل کے اس احسان کے پیشِ نظر اس کو کچھ مال بطور ہبہ یا ہدیہ پیش کرے تو یہ جائز ہے؛ لیکن اگر کفیل نے کفالت پر کسی اجرت کا مطالبہ کیا اور مکفول عنہ پر بطورِ احسان و تبرع اس کے مصالح کی تکمیل متعذر ہو تو ضرورت یا حاجتِ عامہ کے پیشِ نظر اجرت دینا جائز ہے؛ کیوں کہ نہ دینے پر بہت سے مصالح معطل ہو جاتے ہیں، جیسے: تعلیم حاصل کرنے یا ملازمت کرنے یا فوجی کام کے لیے

بیرونی اسفار۔

اور جواز کی بنیاد یہ ہے کہ فقہاء نے ضرورت کے پیش نظر متعدد طاعات اور باعثِ ثواب کاموں میں اجرت دینے کی اجازت دی ہے، جیسے قرآن کی تعلیم اور دیگر شعائر دینیہ کی انجام دہی، اسی طرح حق وصول کرنے کے لیے یا ظلم روکنے کے لیے یا دشمن کے دفاع کی خاطر رشوت دینے کی اجازت دی ہے، اور مکفول عنہ کو کفالت کی وجہ سے ایک منفعت حاصل ہوتی ہے جس کا یہ کفالت سبب بنتی ہے؛ لیکن کفالت کی اصل مشروعیت (تبرع) کی رعایت کرتے ہوئے عوض کی شرط لگا کر کمائی کرنے سے اجتناب واجب ہوگا۔(۱)

یہ مسئلہ بہت سی مجلسوں اور اکیڈمیوں میں زیر بحث رہا، اور مجمع الفقہ الاسلامی کی قرارداد میں دو حالتوں کے درمیان فرق کیا گیا:

۱) مکفول عنہ کفیل (جو کہ ہمارے مسئلہ میں بینک ہے) کو خطاب الضمان جاری کرتے وقت کفالت کی رقم ادا کردے، جو کہ غطاء کہلاتا ہے، اور اس صورت میں قرارداد کے اندر بینک کو مکفول لہٗ تک رقم پہونچانے کے سلسلے میں وکیل مانا گیا ہے، اور اس پر اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے؛ کیوں کہ یہ وکالت کی اجرت ہے۔

۲) مکفول عنہ بینک کو کفالت کی رقم ادا نہ کرے، اس صورت میں یہ ضمان محض ہوگا جس پر اجرت لینا ناجائز ہوگا؛ البتہ ایل سی کے اجراء پر جو کارروائیاں انجام دینی پڑی ہیں ان کی اجرت لی جاسکتی ہے، قرارداد کی عبارت درج ذیل ہے:

۱) خطاب الضمان کی ابتدائی یا انتہائی جملہ اقسام یا تو غطاء کے ساتھ ہوں گی یا اس کے بغیر، اگر غطاء کے بغیر ہوں تو یہ کفیل

---

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/ ۴۱۷۷

کے ذمہ کو دوسرے کے ذمہ کے ساتھ اس مال میں ملانا ہے جو فی الحال یا آئندہ لازم ہوگا، اور یہی ضمان یا کفالت کی حقیقت ہے جو فقہ اسلامی میں متعارف ہے۔

اور اگر غطاء کے ساتھ ہو تو ایل سی کا مطالبہ کرنے والے اور جاری کرنے والے کے درمیان جو تعلق ہے وہ وکالت کا ہے، اور وکالت اجرت کے ساتھ بھی درست ہے اور بلا اجرت بھی؛ البتہ یہاں بائع کے حق میں کفالت کا تعلق باقی رہتا ہے۔

۲) کفالت ایک عقد تبرع ہے جس کا مقصد احسان کرنا اور سہولت پیدا کرنا ہے، اور فقہاء نے کفالت پر اجرت کو ناجائز قرار دیا ہے؛ کیوں کہ کفیل کے ضمان کی رقم کی ادائیگی کی صورت میں اجرت اس قرض کے مشابہ ہوتی ہے جس کے ساتھ نفع بھی حاصل ہو، اور یہ شرعاً ممنوع ہے۔

اسی وجہ سے مجمع نے یہ قرارداد پاس کی ہے:

۱) خطاب الضمان پر کفالت کی کاروائی کے عوض اجرت لینا ناجائز ہے، خواہ غطاء کے ساتھ ہو یا غطاء کے بغیر۔

۲) خطاب الضمان کے اجراء پر ہونے والے دفتری اخراجات کا مطالبہ شرعاً جائز ہے، بشرطیکہ اجرت مثل سے زائد نہ ہو، اور کلی یا جزئی غطاء کی ادائیگی کی صورت میں خطاب الضمان کے اجراء پر ہونے والے مصارف کی تعیین میں ان اخراجات کو بھی ملحوظ رکھنا درست ہے جو اس غطاء کی ادائیگی کے سلسلہ میں حقیقۃً برداشت کرنے پڑتے ہیں۔(۱)

---

(۱) مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی ۲ / ۱۰۳۰

حاصل یہ ہے کہ جو خطاب الضمان غطاء کے بغیر ہو اس پر فیس لینا ناجائز ہے، صرف کارروائیوں کے اخراجات لیے جاسکتے ہیں۔

۵۴۹۔ضمان مغطی کا حکم

اور اگر غطاء کے ساتھ ہو جس کو الضمان المغطی کہا جاتا ہے تو متعدد فقہی مجالس کے فیصلوں کے مطابق یہ عقد وکالت ہے، جس پر بینک اجرت لے سکتا ہے، لیکن ضمان مغطی کو مطلقاً عقد وکالت کہ دینے میں فقہی لحاظ سے بہت مشکلات ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

کفیل کے مکفول لہٗ کو دین ادا کرنے سے پہلے ہی مکفول عنہ ثمن کی رقم ادا کردے تو فقہاء نے اس کی دو حالتیں ذکر کی ہیں:

۵۵۰۔اقتضاءً غطاء لینے کا حکم

پہلی حالت: کفیل کا مکفول عنہ سے لینا علی سبیل الاقتضاء ہو، مطلب یہ کہ کفیل نے اس چیز پر قبضہ کرلیا ہو جس کے دائن کو دین ادا کرتے وقت مکفول عنہ سے مطالبہ کا اس کو حق ہوتا۔

دوسری حالت: کفیل نے بطور قاصد لیا ہو، مطلب یہ کہ مکفول عنہ نے کفیل کو دائن تک دین پہونچانے کے لیے قاصد بنایا ہو۔

اگر کفیل کا قبضہ علی سبیل الاقتضاء ہو تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک وہ اس رقم کا مالک ہوجائے گا، اور وہ رقم اس کے ذمہ مضمون ہوگی؛ لہٰذا ہلاک ہونے کی صورت میں وہ ضامن ہوگا، مطلب یہ کہ وہ رقم دائن کو دینا ضروری ہوگا، اگر دائن بری کردے تو مکفول عنہ کو واپس کرنا ضروری ہوگا؛ اگرچہ کفیل نے اس کو نقد روپے دیے تھے، اور کفیل نے دائن کو دین ادا کرنے سے قبل اس سے نفع کمایا ہو، جیسا کہ حنفیہ نے اس کی صراحت کی ہے، اور مالکیہ کے قول کا بھی یہی تقاضا ہے، اور شافعیہ کا ایک قول یہی ہے۔

حنفیہ کا مذہب ہم صاحب ہدایہ کے حوالے سے ذکر کریں گے، اور بین القوسین میں کچھ تشریحات بھی جو کہ ہدایہ کی شروحات سے ماخوذ ہیں (لیکن ترجمہ میں امتیاز نہیں

کیا گیا ہے):

ایک شخص دوسرے کا ہزار روپے کے سلسلہ میں اسی کے حکم سے کفیل بنا، پھر کفیل کے مکفول لہٗ کو دین ادا کرنے سے پہلے ہی مکفول عنہ نے کفیل کو مال ادا کر دیا، تو مکفول عنہ کفیل سے وہ رقم واپس نہیں لے سکتا؛ کیوں کہ اس سے کفیل کا حق متعلق ہو چکا ہے؛ اس لیے کہ یہاں یہ احتمال ہے کہ کفیل مکفول لہٗ کو دین ادا کر دے تو اس صورت میں اس رقم کو اپنے پاس ہی رکھ لینے کا اس کو حق ہوتا ہے، لہٰذا جب تک یہ احتمال برقرار رہے گا مکفول عنہ کفیل سے وہ رقم واپس نہیں لے سکتا، جیسے کسی شخص نے پیشگی زکوۃ ادا کی اور ساعی کو دے دیا تو وہ اس کو واپس نہیں لے سکتا؛ کیوں کہ ساعی کا حق اس سے متعلق ہو چکا ہے اور سال گزرنے کا احتمال باقی ہے، دوسری بات یہ کہ کفیل قبضہ کی وجہ سے اس رقم کا مالک بھی ہو گیا ہے؛ کیوں کہ کفیل کو محض کفالت کی بنا پر مدیون سے مطالبہ کا حق حاصل ہو جاتا ہے؛ اگرچہ کفیل کے دائن کو دین ادا کرنے تک اس مطالبہ کو مؤخر کر دیا گیا ہے، پس یہ مدیون کے ذمہ دین مؤجل ہے، اور اگر مدیون اجل سے پہلے ہی دائن کو دین ادا کر دے تو دائن اس کا مالک ہو جاتا ہے؛ لہٰذا کفیل کو دینے کی صورت میں بھی کفیل اس کا مالک ہو جائے گا۔

اور مالکیہ کا مذہب مدونہ کبریٰ میں یہ مذکور ہے:

قُلْتُ: أَرَأَيْتَ لَوْ أَنَّ رَجُلًا تَكَفَّلَ بِمَالٍ عَلَيَّ فَدَفَعْتُهُ إِلَى الْكَفِيلِ، فَضَاعَ مِنَ الْكَفِيلِ، أَيَكُونُ الْكَفِيلُ فِيهِ مُؤْتَمَنًا أَمْ يَكُونُ ذَلِكَ اقْتِضَاءً؟ قَالَ: لَمْ أَسْمَعْ

مِنْ مَالِكٍ فِيهِ شَيْئًا. قَالَ: وَأَرَى إِذَا كَانَ ذَلِكَ مِنَ الْكَفِيلِ عَلَى وَجْهِ الِاقْتِضَاءِ مِنْهُ لَهُ، فَأَرَاهُ مِنَ الْكَفِيلِ. قُلْتُ: عُرُوضًا كَانَتِ الْكَفَالَةُ أَوْ ذَهَبًا أَوْ وَرِقًا أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ، فَكُلُّ ذَلِكَ سَوَاءٌ؟ قَالَ: نَعَمْ.(۱)

میں نے پوچھا: ایک شخص میرے ذمہ جو مال تھا اس کا کفیل بنا، میں نے وہ مال کفیل کو دے دیا، پھر کفیل کے پاس وہ ضائع ہوگیا تو کفیل اس میں امین شمار ہوگا یا یہ اقتضاءً ہوگا؟ انہوں نے کہا: میں نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلے میں کچھ نہیں سنا؛ البتہ میری رائے یہ ہے کہ اگر کفیل نے علی سبیل الاقتضاء لیا ہو تو وہ اس کا ضامن ہوگا، میں نے پوچھا: کفالت عروض میں ہو یا سونے میں یا چاندی میں، ہر ایک کا حکم یکساں ہے؟ آپ نے کہا: ہاں۔

اور شافعیہ کا مذہب امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ذکر کیا ہے:

وَلَوْ دَفَعَهُ الْأَصِيلُ ابْتِدَاءً بِلَا مُطَالَبَةٍ، فَإِنْ قُلْنَا: يَمْلِكُهُ، فَلَهُ التَّصَرُّفُ فِيهِ، كَالْفَقِيرِ إِذَا أَخَذَ الزَّكَاةَ الْمُعَجَّلَةَ، لَكِنْ لَا يَسْتَقِرُّ مِلْكُهُ عَلَيْهِ، بَلْ عَلَيْهِ رَدُّهُ. وَلَوْ هَلَكَ عِنْدَهُ، ضَمِنَهُ كَالْمَقْبُوضِ بِشِرَاءٍ فَاسِدٍ.(۲)

اگر اصیل بغیر مطالبہ کے ابتداءً کفیل کو دے دے تو اگر ہم کفیل کو مالک قرار دیں تو اس کو اس میں تصرف کا اختیار ہوگا، جیسا کہ فقیر کا حکم ہے جب کہ وہ معجّل زکوۃ لے؛ لیکن کفیل کی ملکیت اس پر برقرار نہیں رہے گی؛ بلکہ واپس کرنا ضروری ہوگا، اور ہلاکت

(۱) مدونہ ۴/۱۲۱ و ۱۲۲

(۲) روضۃ الطالبین ۴/۲۶۵

کی صورت میں وہ اس کا ضامن ہوگا، جیسا کہ اس شئ کا حکم ہے
جس پر بیع فاسد کے ذریعے قبضہ کیا گیا ہو۔

اس بناء پر مشتری اگر بینک کو علی سبیل الاقتضاء غطاء دے اور بینک کے معاملات میں ایسا ہی ہوتا ہے، تو غطاء کی وجہ سے یہ عقدِ وکالت نہیں ہوجائے گا؛ بلکہ یہ اس رقم کی ادائیگی ہوگی جو بینک کے بائع کو ثمن ادا کرنے کے بعد مشتری کے ذمہ واجب ہونے والی تھی؛ لہٰذا وکالت کی اساس پر اس کی تکییف نہیں کی جاسکتی؛ بلکہ یہ ضمان محض ہوگا، اور اس رقم کے استعمال سے بینک کو جو نفع حاصل ہو وہ اس کے لیے حلال ہوگا؛ لیکن اس صورت میں بینک کی جانب سے جس فیس کا مطالبہ کیا جاتا ہے اس میں ربا کا شبہہ نہیں ہوگا؛ کیوں کہ بینک اس صورت میں مشتری کو قرض نہیں دیتا؛ لہٰذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ قرض پر اضافہ ہے؛ بلکہ اس کی تخریج انتظامی کاروائیوں کی اجرت پر کی جاسکتی ہے، جیسا کہ آگے آئے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۵۵۱۔ قاصد بھیج کر غطاء لینا

دوسری حالت: کفیل بطورِ قاصد غطاء پر قبضہ کرے، اس صورت میں عقد کو وکالت قرار دیا جاسکتا ہے، اس طرح کہ مشتری نے بائع تک ثمن پہونچانے کا اس کو وکیل بنایا ہے، فقہاء نے اس شرط کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے کہ کفیل کے پاس جو مال ہے وہ امانت ہوگا، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَلَوْ دَفَعَهُ إِلَيْهِ وَقَالَ: اقْضِ بِهِ مَا ضَمِنْتَ عَنِّي، فَهُوَ وَكِيلُ الْأَصِيلِ، وَالْمَالُ أَمَانَةٌ فِي يَدِهِ۔ (۱)

اگر ایک شخص دوسرے کو پیسے دے کر کہے: میری طرف سے جس دین کی تم نے کفالت قبول کی ہے اس کو ان سے ادا کردو تو یہاں کفیل اصیل کا وکیل ہوگا، اور کفیل کے پاس مال امانت ہوگا۔

---

(۱) حوالۂ سابق

اور صاحب ہدایہ پہلی حالت کا حکم ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الدَّفْعُ عَلَى وَجْهِ الرِّسَالَةِ لِأَنَّهُ تَمَحَّضَ أَمَانَةً فِي يَدِهِ. (۱)

برخلاف جب کہ بطورِ قاصد پیسے دے تو کفیل کے قبضے میں امانت ہوں گے۔

اور علامہ بابرتی رحمۃ اللہ علیہ آخری فقرہ کے تحت لکھتے ہیں:

وَإِذَا قَبَضَهُ عَلَى وَجْهِ الرِّسَالَةِ فَالرِّبْحُ لَا يَطِيبُ لَهُ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللهُ؛ لِأَنَّهُ رِبْحٌ مِنْ أَصْلٍ خَبِيثٍ، وَفِي قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ يَطِيبُ؛ لِأَنَّ الْخَرَاجَ بِالضَّمَانِ أَصْلُهُ الْمُودَعُ إِذَا تَصَرَّفَ فِي الْوَدِيعَةِ وَرَبِحَ فَإِنَّهُ عَلَى الِاخْتِلَافِ. (۲)

اور اگر بطورِ قاصد اس پر قبضہ کرے تو طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک کفیل کے لیے نفع حلال نہیں ہوگا، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حلال ہوگا؛ کیوں کہ آمدنی اسی کی ہوتی ہے جو ضامن ہو، دراصل یہ دوسرے اختلافی مسئلہ پر مبنی ہے، وہ یہ کہ مودَع اگر ودیعت میں تصرف کر کے نفع کمائے تو اس کا کیا حکم ہے۔

اگر ہم یہ کہیں کہ بینک نے بطورِ قاصد رقم پر قبضہ کیا ہے، اور مشتری نے بائع تک یہ رقم پہونچانے کا اس کو وکیل بنایا ہے تو یہ اس کے پاس امانت ہوگی؛ لیکن بینک اس کو دیگر اموال کے ساتھ ملا دیتا ہے اور اس سے نفع کماتا ہے، اور ہم علامہ بابرتی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ذکر کر چکے ہیں کہ طرفین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس صورت میں ربح حلال نہیں

(۱) ہدایہ ۳/ ۹۳

(۲) عنایہ ۷/ ۲۰۹

ہوگا، جب کہ مالک سے ملانے کی اجازت نہ لی گئی ہو، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حلال ہوگا۔

لیکن علامہ بابرتی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ کفیل نے مکفول عنہ کی اجازت کے بغیر اس میں تصرف کیا ہو؛ کیوں کہ اس صورت میں تصرف غصب ہوگا، اور اگر اس نے اس کی اجازت سے ایسا کیا ہو تو مکفول عنہ کفیل کی ملکیت میں شریک ہوجائے گا، چنانچہ وہ تناسب اور فیصد کے لحاظ سے آپس میں تقسیم کرلیں گے، اور غطاء کی رقم کفیل پر مضمون نہیں ہوگی، غرض بینک کو دیا جانے والا غطاء اگر بطور قاصد کے ہو اور مشتری نے خلط کردینے کی اجازت بھی دی ہو تو اس کی تخریج اس اساس پر کی جاسکتی ہے کہ یہ ابتداءً امانت اور انتہاءً شرکت ہے؛ کیوں کہ اس نے خلط کردینے کی اجازت دی ہے، اور اگر اس نے اجازت نہ دی ہو تو یہ ابتداءً امانت اور انتہاءً مضمون ہوگا۔

کبھی یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ بینک کا غطاء کو دیگر اموال کے ساتھ ملا دینا سب کے علم میں ہے؛ لہٰذا اس کا علم ہونے کے باوجود جب وہ غطاء دے رہا ہے تو یہ اجازت شمار ہوگی؟ لیکن ظاہر یہ ہے کہ محض علم سے اجازت ثابت نہیں ہوگی؛ کیوں کہ بینک کو غطاء پیش کرنے والا بینک کے اس کا شریک بننے پر اور ضامن نہ ہونے پر راضی نہیں ہوتا، اگر وہ یہ بات جان لے تو کبھی اجازت نہ دے؛ اس لیے واقعہ یہی ہے کہ بینک کا اس رقم میں تصرف کرنا مکفول عنہ کی اجازت سے نہیں ہے، تو یہ ایسا ہوگیا جیسا کہ اس نے بینک کو قرض دیا ہے، اور اس صورت میں فیس بینک کے انتظامی کاروائیوں کے مقابلے میں ہوگی۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ دونوں صورتوں میں بینک خطاب الضمان کے اجراء کے لیے جس فیس کا مطالبہ کرتا ہے وہ بینک کی انتظامی کاروائیوں کا عوض ہے؛ لہٰذا یہ اجرت اجرتِ مثلی سے زائد نہیں ہونی چاہیے، آگے مزید بحث آرہی ہے۔

پھر سودی بینک غطاء سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں، یعنی سودی قرضے دینا، لیکن یہ بینک کے ذمہ پر ہوتا ہے، اور اسلامی بینک میں مشتری کو دو خیار دیے جاسکتے ہیں، یا تو

وہ بطورِ قرض دے، چنانچہ بینک کے ذمہ وہ مضمون ہوگا اور وہ اس سے شرعی طور پر نفع کما سکے گا، اور ربح بھی حلال ہوگا، یا بینک اس کو مضاربہ کے حساب میں داخل کر دے تو ربح میں بھی تناسب کے لحاظ سے مکفول عنہ کا حصہ ہوگا اور نقصان میں بھی۔

۵۵۲۔ضمان غیر مغطی کا حکم

اور اگر خطاب الضمان غیر مغطی ہو تو یہ صرف کفالت ہے، اور مجمع نے جمہور کے مذہب کے مطابق اس پر اجرت کے عدم جواز کا فیصلہ کیا ہے؛ لیکن صرف کفالت پر اجرت وصول کرنا ناجائز ہے، وہ بطورِ تبرع ہونا چاہیے، رہا خطاب الضمان کا اجراء تو یہ کفیل کے ذمہ نہیں ہے، اور نہ تبرعاً اس کو لکھنا اور جاری کرنا لازم ہے؛ لہٰذا وہ اس پر اجرت کا مطالبہ کرسکتا ہے، اور اصل یہ ہے کہ اجرت مثل سے زائد نہ ہو، لہٰذا کفالت کی رقم کے ساتھ یہ اجعت مربوط نہیں ہونی چاہیے، کوئی کہ سکتا ہے کہ اس پر وہ مسئلہ منطبق ہوگا جس کا ذکر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے چیک لکھنے کی اجرت کے سلسلے میں کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> قاضی کے لیے اتنی اجرت لینا جائز ہے جتنی دوسرے کے لیے جائز ہے، اور جو کہا جاتا ہے کہ ہر ہزار پر پانچ دراہم، ہم اس کے قائل نہیں ہیں، اور نہ یہ فقہی اعتبار سے مناسب ہے، اور کاتب کے ثمن کی زیادتی میں کون سی مشقت ہے؟ اس کی اجرت مثل تو اس کی مشقت کے بقدر ہے یا صنعت میں اس کے عمل کے بقدر، جیسے نگینہ ساز کی مشقت کم؛ لیکن اجرت زیادہ ہوتی ہے، بعض فضلاء نے کہا کہ مذکورہ عبارت سے زائد اجرت لینے کا جواز سمجھ میں آتا ہے؛ اگرچہ عمل کی مشقت کم ہو، اور انہوں نے مکتوب لہٗ کی منفعت کی جانب نظر کی ہے، انتہی۔ میں کہتا ہوں: یہ اجرت مثل سے خارج نہیں ہوگا؛ کیوں کہ جس شخص نے اس کام کے لیے اپنے آپ کو فارغ کر لیا، مثلاً: نگینہ ساز، تو وہ مشقت کے بقدر اجرت نہیں لیتا؛ کیوں کہ وہ اس کی

مؤنت برداشت نہیں کرتا ، اگر ہم اس کو لازم کریں تو اس
صنعت کا ضیاع لازم آئے گا ؛ لہٰذا یہی اس کی اجرت مثل
ہوگی ۔(۱)

لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس پر تبھی عمل کیا جائے گا جب کہ یہ ربا تک نہ پہونچائے ؛ ورنہ تو مقرض کہہ سکتا ہے : میرے ذمہ تو صرف قرض دینا ہے، رہا قرض کی دستاویز لکھنا اور قرض کے اجراء کے لیے انتظامی کاروائی کرنا تو میں یہ بطور تبرع نہیں کرسکتا، تو یہاں دستاویز لکھنے وغیرہ کی اجرت کا تعلق قرض کی رقم سے ہے، اور اس قول کا فاسد ہونا ظاہر ہے؛ لہٰذا اس اجرت کو حکاک (سونے چاندی کو رگڑ کر پرکھنے والا) اور ثقاب کی اجرت پر قیاس کرتے ہوئے قرض کے ساتھ مربوط کرنا جائز نہیں ہوگا؛ کیوں کہ یہ ربا کو مستلزم ہے۔

تو خطاب الضمان کے اجراء کے سلسلے میں ضمان کی اجرت کی ممانعت کی علت محل غور ہے، اگر علت یہ ہو کہ اس سے ربا لازم آتا ہے تو فیس کا ضمان کی رقم کے ساتھ مربوط کرنا جائز نہیں ہوگا، اور اگر امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق ضمان کو عقدِ تبرع مان کر اس اجرت کو رشوت قرار دیا جائے تو اس کو قاضی کے لکھے ہوئے چیک پر قیاس کیا جاسکتا ہے، اور موجودہ عرف کے لحاظ سے دوسری علت ہی راجح ہے؛ کیوں کہ خطاب الضمان کی فیس دیتے وقت کفیل کا مکفول عنہ پر کوئی قرض نہیں ہوتا، اور ہم سابق میں ذکر کرچکے ہیں کہ ضمان کی فیس میں عرف یہ ہے کہ اس کو اس کا عوض شمار نہیں کیا جاتا جو کفیل مکفول عنہ کی طرف سے آئندہ ادا کرے گا؛ کیوں کہ کفیل تو بہر حال اس کا تقاضا کرتا ہے؛ اگرچہ مکفول عنہ نے خود ہی دین ادا کردیا ہو اور کفیل کو اس کی جانب سے کچھ بھی دینے کی ضرورت نہ پڑی ہو یعنی اس نے اس کو قرض نہ دیا ہو؛ اگرچہ اس کی طرف سے ادا کر کے اس سے پیسے لینا پڑا ہو، تب بھی کفیل اس سے مستقل سود کا مطالبہ کرتا ہے، قطع نظر اس فیس سے جس کا اس نے کفالت کے وقت مطالبہ کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فیس

(۱) ردعلی الدر ۶/ ۹۲

قرض کا بدل نہیں ہے کہ اس کو ربا میں داخل مانا جائے، اور شاید اسی وجہ سے امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے ربا علت بیان کرنے کے بجائے رشوت علت ذکر کی ہے؛ اس لیے کہ کفالت شریعت میں عقدِ تبرع ہے نہ کہ عقدِ معاوضہ۔

اس تعلیل کی بنیاد پر ضمان کا مسئلہ قاضی اور مفتی کی اجرت پر منطبق ہوگا؛ کیوں کہ قضاء اور افتاء حسبۃً للہ ہونے چاہییں، ان پر اجرت لینا ناجائز ہے؛ لیکن قضاء اور فتویٰ کے کاغذ پر لکھنے کی اجرت مثل لینا جائز ہے، اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں ثقاب کی اجرت پر قیاس کرتے ہوئے قضاء کے کاغذ پر لکھنے کی اجرت کو مبلغ کے ساتھ مربوط رکھنے کی اجازت دی گئی ہے، یہ میری رائے ہے، اور میں نے دیگر علماء معاصرین کی خدمت میں بھی غور وفکر کے لیے اس کو پیش کیا ہے؛ کیوں کہ مسئلہ نازک ہے؛ اس لیے کہ ضمان کی اجرت کا ممنوع ہونا مجمع علیہ یا اس کے مشابہ ہے، اور دوسری جانب موجودہ دور کی تجارت میں اس کی حاجت بھی ہے؛ کیوں کہ مفت کی کفالت پر کوئی راضی نہیں؛ لہٰذا مسئلہ پر باریکی سے غور کرنے اور دونوں پہلوؤں کی رعایت کرنے کی ضرورت ہے، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم وہو الموفق للصواب۔

۵۵۳۔ ایل سی کھلوانے میں دیگر خدمات

یہ ساری تفصیلات خطاب الضمان کے متعلق ہیں، اور ایل سی کھلوانے میں غالب عنصر اگرچہ ضمان کا ہوتا ہے؛ لیکن وہ دیگر خدمات پر بھی مشتمل ہوتا ہے، جیسے: خطاب الضمان تیار کرنا، ان شرائط کو درج کرنا جو ایل سی کھلوانے والے کو مطلوب ہیں، بائع یا اس کے بینک کو ایل سی بھیجنا، بینک مراسل کے ساتھ تحریری رابطہ کرنا، کاغذات وصول کرنا اور ان کی چیکنگ کرنا، مشتری کو کاغذات کی وصول یابی کی خبر دینا، بائع یا اس کے بینک کو ثمن بھیجنا اور کاغذات کے شرائط کے خلاف ہونے کی صورت میں بائع یا اس کے بینک کو اس کی اطلاع دینا اور مشتری یا اس کے بائع کی جانب سے ہدایات آنے تک ان کی حفاظت کرنا۔

گویا ایل سی کے عقد میں بینک کفالت کے ساتھ ایل سی کھلوانے والے کی متعدد خدمات بھی انجام دیتا ہے، اور بعض خدمات بطور وکیل پیش کرتا ہے جیسے کاغذات کی چیکنگ وغیرہ، اور بعض خدمات عام ہوتی ہیں، جیسے بائع یا اس کے بینک کے ساتھ ربط کرنا، ان خدمات پر اجرت لینا جائز ہے اور ایل سی کھلوانے کی اجرت میں ان تمام کا لحاظ رکھا جاتا ہے، پس یہ شرعاً جائز ہوگی۔

۵۵۴۔ ایل سی میں غطاء کی تکییف

یہ اس صورت میں ہے جب کہ ایل سی بغیر غطاء یا جزئی غطاء کے ساتھ کھلوایا گیا ہو، اگر کلی غطاء (with full margin) کے ساتھ ایل سی کھلوایا گیا ہو، مطلب یہ کہ ایل سی کھلوانے والے نے بینک کو ایل سی کی کل رقم دے دی ہو تو یہاں بذریعۂ بینک تجارت کے سلسلے میں ذکر کردہ سوالات میں سے پانچواں سوال آئے گا، وہ یہ کہ ایل سی کھلوانے والے کی جانب سے بینک کو دیے جانے والے غطاء کی کیا تکییف ہوگی؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس پر اور عمیل کی طرف سے دی جانے والی رقم پر وہی حکم منطبق ہوگا جس کا ذکر ہم نے خطاب الضمان کے غطاء میں کیا ہے، مطلب یہ کہ یا تو یہ بطور اقتضاء ہوگا یا بطور قاصد، اور دونوں حالتوں میں سطور بالا میں تفصیلی کلام آچکا ہے، اسی طرح بینک کی جانب سے جس فیس کا مطالبہ کیا جاتا ہے اس پر بھی وہی تفصیلات منطبق ہوں گی۔

۵۵۵۔ بینک مراسل اور اس کی جانب سے فیس کا مطالبہ

چھٹا سوال یہ ہے کہ بینک مراسل کی جانب سے لیے جانے والے فیس کی کیا تکییف ہوگی؟ بینک مراسل کی ضرورت اس لیے ہوتی ہے کہ بائع عام طور پر ایل سی جاری کرنے والے بینک کے ملک کے علاوہ دوسرے ملک میں ہوتا ہے، اور بینک مصدر اگرچہ براہِ راست بائع سے رابطہ کرسکتا ہے؛ لیکن بائع کے ملک کے مشہور بینک کے ذریعے سے رابطے میں سہولت ہوتی ہے، یہ بینک بینک مراسل کہلاتا ہے، اور بینک مصدر

اس کو اطلاع دیتا کہ مشتری نے بائع کے لیے اس کے پاس ایل سی کھلوایا ہے، اور اس وقت میں شرائط سے بھی مطلع کر دیا جاتا ہے، پھر یہ بینک بائع کو ان امور کی خبر دیتا ہے، اس کے بعد بائع جب سامان بھیجتا ہے تو یہی بینک اس سے کاغذات وصول کر کے بینک مصدر کو ارسال کرتا ہے۔

اور قانون کے مطابق بینک مراسل کی حیثیت بینک مصدر کے وکیل کی ہے؛ لہٰذا بینک مراسل جس فیس کا تقاضا کرتا ہے وہ وکالت کی اجرت ہے اور شرعاً جائز ہے، یہ اس صورت میں ہے جب کہ بینک مراسل فقط مراسل ہو، کبھی بینک مصدر اس سے ایل سی کی تصدیق کا بھی مطالبہ کرتا ہے، اگر بینک مراسل اس کو قبول کر لے تو وہ بینک معزز (confirming bank) کہلاتا ہے، اور اس صورت میں بائع کے کاغذات دیتے وقت وہی اس کو ایل سی کی رقم دیتا ہے، اور کاغذات کی چیکنگ اور ایل سی کی رقم دینے کی ذمہ داری اسی کی ہوتی ہے، رہی کاغذات کی چیکنگ تو اس کا تعلق بطور وکیل خدمات سے ہے، اور ایل سی کی رقم دینے کی ذمہ داری بینک مصدر کا کفیل ہونے کی حیثیت سے ہے، تو اس میں دو صفات جمع ہیں، وکیل اور کفیل، جیسا کہ بینک مصدر میں جمع ہیں، اور اس میں بینک مصدر کی ساری تفصیلات جاری ہوں گی جنہیں ہم سابق میں ذکر کر چکے ہیں۔

۵۵۶۔ ایل سی کھلوا کر خرید وفروخت

ساتواں سوال یہ ہے کہ کیا ایل سی کھلوانے کے ذریعے بیع کرنا جائز ہے؟ اس کا جواب بائع اور مشتری کے لحاظ سے مختلف ہے، ایل سی کھلوانے کی جو تکییف ہم سابق میں ذکر کر چکے ہیں اس کی روشنی میں ایل سی کھلوانے کے اندر بائع کا کردار صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ مشتری سے کاغذات کی وصول یابی کے وقت ثمن کی ادائیگی کا ایک کفیل طلب کرتا ہے، مشتری اور کفیل کے معاملے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا تو سامان روانہ کرنے سے قبل مشتری سے ایل سی کھلوانے میں کوئی شرعی محظور نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہ عملاً بیع سے قبل اگر بائع کفالت کا مطالبہ کرے تو یہ کفالت بالدرک کی مانند ہوگا جو کہ شرعاً

جائز ہے، اور بینک مصدر سے ثمن وصول کرنے میں شرعاً کوئی محظور نہیں ہے، یہ تفصیل اس صورت میں ہے جب کہ بائع کی جانب نظر کی جائے۔

اور اگر مشتری کی جانب دیکھا جائے تو اگر بغیر غطاء کے اس نے ایل سی کھلوایا ہو، مطلب یہ کہ ایل سی کھلواتے وقت اس نے بینک کو ایل سی رقم نہیں دی تو اس صورت میں سودی بینکوں کا یہ طریقۂ کار ہوتا ہے کہ وہ کاغذات کی وصول یابی کے وقت بائع کو ثمن ادا کردیتے ہیں، پھر مشتری سے اس رقم کا مطالبہ کرتے ہیں، اور بینک کے بائع کو ادا کرنے اور مشتری کے بینک کو رقم دینے کے درمیان جتنی مدت گزری ہے اس پر سود بھی لیتے ہیں، مثلاً: کاغذات پہونچنے کے بعد بینک نے ان کی چیکنگ کرلی، اور ان کو شرائط کے موافق پایا پھر جمعہ کے دن براہِ راست یا بینک مراسل کے واسطے سے بائع کو ثمن ادا کردیا، اس کے بعد مشتری نے پیر کے دن بینک کو ثمن دیا تو بینک تین دن کا سود لیتا ہے، اس طرح ایل سی کھلوانے والا ممنوع سودی معاملہ میں داخل ہوجاتا ہے؛ لہٰذا اس صورت میں ایل سی کھلوانا ناجائز ہوگا۔

اور اگر غطاء کامل کے ساتھ اس نے ایل سی کھلوایا ہو، مطلب یہ کہ بینک کے ثمن ادا کرنے سے پہلے ہی اس نے ثمن ادا کردیا تو یہاں سودی معاملہ نہیں ہوتا، اب صرف وہ فیس باقی رہی جو وہ بینک کو ایل سی کھلوانے پر ادا کرتا ہے تو اس پر وہی حکم جاری ہوگا جو ہم ایل سی کھلوانے کی فیس کے سلسلے میں ذکر کرچکے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ ان خدمات کی اجرت ہے جنہیں بینک مشتری کے لیے انجام دیتا ہے، اور یہ اس کفالت کی اجرت نہیں ہوتی جس کو وہ بائع کے لیے قبول کرتا ہے، پس یہ اجرت جائز ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۵۵۷۔ بل آف ایکسچینج پر دستخط

سابق میں ذکر کردہ تمام تفصیلات کا تعلق اس صورت سے تھا جب کہ بیع نقد ایل سی کھلوا کر ہو، مطلب یہ کہ کاغذات کے پہونچتے ہی ثمن ادا کرنا ضروری ہو، اگر بیع مؤجل ہو، بین الاقوامی تجارت کی کاروائی کی تشریح میں ہم ذکر کرچکے ہیں کہ مشتری

کاغذات وصول کرنے کے بعد بائع کی جانب سے بھیجے گئے بل پر دستخط کرتا ہے اور یہ اس بل کو قبول کر لینے اور ایل سی میں درج تاریخ پر بل میں مذکور ثمن کی ادائیگی کے التزام کی علامت ہوتی ہے، اور مشتری کی جانب سے دستخط شدہ بل کمبیالۃ (bill of exchange) کہلاتا ہے، اس صورت میں بینک کاغذات کے پہونچتے ہی ثمن نہیں دیتا؛ لیکن کمبیالۃ پر دستخط لینے کے بعد مشتری کو کاغذات سونپ دیتا ہے؛ تاکہ مشتری بندرگاہ سے سامان حاصل کر سکے، اور بینک ایل سی میں درج تاریخ پر اس کمبیالۃ کی رقم بائع کو بھیجنے کا التزام کرتا ہے، اس تاریخ کی آمد نضج الکمبیالۃ (Maturity of the bill) کہلاتی ہے، اور نضج الکمبیالۃ کے وقت بینک پر بائع کو ثمن دینا لازم ہوتا ہے، پھر وہ مشتری سے مطالبہ کرتا ہے۔

اس صورت میں ایل سی اعتماد مؤجل (Usance L/c) کہلاتا ہے، اور بائع کبھی نضج الکمبیالۃ کا انتظار کرنا نہیں چاہتا؛ بلکہ فوراً ثمن حاصل کرنا چاہتا ہے؛ تاکہ وہ اپنے دیگر کاموں میں لگا رہے، تو وہ بینک کو یہ کمبیالۃ دیتا ہے، خواہ وہ بینک مصدر ہو یا کوئی اور بینک، بینک کمبیالۃ کی پشت پر دستخط کر دیتا ہے؛ تاکہ نضج الکمبیالۃ کے وقت وہ بینک مصدر یا مشتری (جب کہ عقد ایل سی کے ذریعے نہ ہوا ہو) سے کمبیالۃ کی رقم وصول کر سکے، یہ دستخط تظہیر (Endorsement) کہلاتی ہے، اور دستخط کرنے والا (Endorser) کہلاتا ہے، اور اس تظہیر شدہ کمبیالۃ کو قبول کرنے کے بعد بینک بائع کو کمبیالۃ کی رقم کچھ فیصد کاٹ کر دیتا ہے، مثلاً سو کا کمبیالۃ ہو تو ننانوے دیتا ہے، یہ عام عربی زبان میں حسم الکمبیالۃ یا خصم الکمبیالۃ کہلاتا ہے، اور انگریزی میں اس کو (Discounting of the bill) کہتے ہیں۔

کمبیالۃ کی دو قسمیں ہیں:

۱) جس میں تظہیر کرنے والا یہ صراحت کر دے کہ اس تظہیر کی وجہ سے اس کا ذمہ فارغ ہو جائے گا، مطلب یہ کہ اگر مدیون کمبیالۃ کی رقم دینے سے پیچھے ہٹ جائے تو

کمبیالۃ کے حامل کو تظہیر کرنے والے سے رجوع کا حق نہیں ہوگا، اس صورت میں تظہیر پر ''بدون رجوع'' (Without recourse) کا اطلاق ہوتا ہے، اور اس صورت میں **حسم الکمبیالۃ** دین کی دین سے کم رقم کے عوض بیع ہے، اور بیع الدین بالدین جس میں مساوات ملحوظ ہو اس کی جمہور علماء نے اجازت نہیں دی ہے، جیسا کہ بیع الدین کی بحث (۱) میں آچکا ہے؛ چہ جائے کہ کمی بیشی کے ساتھ اجازت دی جائے، تو حسم کی وجہ سے یہ کاروائی سودی ہو جاتی ہے جو شرعاً ناجائز ہے۔

۲) جس میں کمبیالۃ کے حامل مدیون سے دین کی رقم کے حصول کے متعذر ہونے پر تظہیر کرنے والے سے رجوع کا حق ہوتا ہے، اس صورت میں کمبیالۃ کی تظہیر بیع الدین نہیں ہوتی؛ بلکہ حنفیہ کے مذہب کے مطابق حوالہ ہوتی ہے جو توی کی صورت میں محتال کو محیل سے رجوع کا حق دیتے ہیں، اور حوالہ اگرچہ جائز ہے؛ لیکن بینک جو کمبیالۃ کی رقم سے کچھ کاٹ کر دیتا ہے وہ اس کو ناجائز کر دے گا۔

۵۵۸۔ متبادل طریقے

ساتواں سوال یہ ہے کہ کیا ان معاملات کو شریعت اسلامی کے موافق بنانے کے لیے سودی نظام کی اصلاح کی جا سکتی ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ان معاملات میں جو امور ممنوع ہیں ان کی تلخیص تین امور میں ہو سکتی ہے:

۱) ضمان پر اجرت لینا۔

۲) غیر مغطی خطاب الاعتماد میں سود کا مطالبہ کرنا۔

۳) حسم الکمبیالۃ۔

ضمان پر اجرت لینے کے سلسلے میں الحمد للہ ہم تفصیلی کلام کر چکے ہیں، اور ظاہر یہی ہے کہ ایل سی کھلوانا صرف عقد کفالت کے طور پر نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کے ساتھ بینک دیگر خدمات بھی پیش کرتا ہے، اور ان خدمات پر اجرت کا مطالبہ کرنے میں کوئی حرج نہیں

---

(۱) رقم: ۱۴۹

ہے، اور اس اجرت کے ایل سی کی رقم کے ساتھ مربوط ہونے کا مسئلہ ہم ذکر کر چکے ہیں؛ اس لیے اس کا اعادہ نہیں کریں گے۔

۵۵۹۔امر ثانی

جس ایل سی میں غطاء نہیں دیا گیا ہو اس پر سود کا تقاضا کرنا ناجائز ہے؛ کیوں کہ یہ صریح ربا ہے، اس کا شرعی بہتر متبادل یہ ہے کہ سامانوں کی درآمد میں وہ مشتری کے ساتھ عقد مضاربہ یا عقد شرکت کر لے، اور سامان لوگ اسی وقت منگواتے ہیں جب کہ ان کے پاس خریداروں کا آرڈر ہوتا ہے، تو اگر جزئی غطاء کے ساتھ ایل سی کھلوایا جائے تو بینک مشتری کا شریک بن جائے گا، اور جزئی غطاء شرکت میں مشتری کا حصہ ہوگا، اور باقی حصہ بینک کا ہوگا، اور سامانوں کے پہونچنے اور بازار میں لے جانے کے بعد نفع کی باہمی تقسیم کا کیا فیصد ہوگا اس پر دونوں کا اتفاق کر لینا ضروری ہے، اور اس صورت میں ایل سی کی فیس شرکت کی منجملہ لاگت ہوگی۔

اور اگر غطاء کے بغیر ہی ایل سی کھلوایا جائے تو وہ مضاربہ کر سکتے ہیں، بینک رب المال ہوگا؛ اس لیے کہ وہی کاغذات کی وصولی کے وقت اس کو مال دیتا ہے، اور مشتری مضارب ہوگا؛ کیوں کہ بائع کے ساتھ معاہدہ کرتا ہے، اور بندرگاہ سے سامان اٹھا لیتا ہے، اور بازار میں بیچ دیتا ہے، اور جو نفع حاصل ہوگا وہ اس کے اور بینک کے درمیان اس تناسب سے تقسیم ہوگا جس پر پہلے اتفاق کر لیا گیا ہو۔

موجودہ دور میں اسلامی بینک بنا غطاء کا ایل سی مرابحہ کی اساس پر کھولتے ہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب مشتری ایل سی کھلوانے کے لیے ان کے پاس آتا ہے تو بینک بائع سے از خود سامان خرید کر مشتری کو مرابحہ مؤجلہ کے طور پر فروخت کرنا چاہتا ہے، اسی وجہ سے سامان کی درآمد میں بینک مشتری کو اپنا وکیل بناتا ہے، اور جب کاغذات اس کے پاس پہونچ جاتے ہیں تو وہ مشتری کو سامان مرابحہ مؤجلہ کے طور پر فروخت کر دیتا ہے، اس پر وہ احکام منطبق ہوں گے جو ہم مرابحہ للآمر بالشراء کے سلسلے میں ذکر کر چکے

ہیں، اور جو حضرات اس کاروائی کے جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس کے شرعاً درست ہونے کے لیے درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

۱) مشتری نے ایل سی کھلوانے سے قبل بائع سے بیع نہ کی ہو؛ اس لیے کہ اگر اس نے بیع کرلی تو بینک بحیثیت مشتری ان کے درمیان داخل نہیں ہوسکتا، اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ عاقدین کے درمیان معاملہ بھاؤ تاؤ اور وعدہ کی حد سے تجاوز نہ کیا ہو۔

۲) بینک مشتری سے ایل سی کی فیس نہ لے؛ کیوں کہ بینک اس صورت میں اپنے لیے ایل سی کھول رہا ہے اور دوسرے ادارہ کو ایل سی کی فیس دینا اس کو مرابحہ کی لاگت میں داخل کردے گا۔

۳) کاغذات کے پہونچنے اور سامان کی وصولی سے پہلے ضمان بینک کا ہو، نہ کہ مشتری کا؛ لہٰذا راستے میں سامان ہلاک ہونے کی صورت میں وہ بینک کے مال سے ہلاک ہوگا۔

۴) اس میں مرابحہ مؤجلہ کی شرائط موجود ہوں، مرابحہ للآمر بالشراء کی بحث (۱) الحمدللہ اس پر تفصیلی کلام آچکا ہے۔

۵۶۰۔ امر ثالث

مذکورہ معاملات میں تیسرا محظور سودی طریقہ پر حسم الکمبیالۃ ہے، اس کی ضرورت ان تاجرین کو ہوتی ہے جو اپنا سامان بیع مؤجل کے طور پر فروخت کرتے ہیں، اگر بیع ایل سی کھلوا کر کی جائے تو ایل سی الاعتماد المؤجل (usance L/c) کہلاتا ہے، اور وہ ایک مدت کے بعد ہی ثمن حاصل کرسکتے ہیں؛ کیوں کہ جس بینک میں مشتری نے ایل سی کھولا ہے وہ کاغذات کے پہونچتے ہی ثمن نہیں بھیجتا؛ بلکہ مشتری سے کمبیالۃ حاصل کرتا ہے، جس میں مشتری متعینہ تاریخ پر ثمن کی ادائیگی کا التزام کرتا ہے، تو یہاں

(۱) رقم: ۲۹۰

سامان کی روانگی اور بائع تک ثمن کے پہونچنے میں ایک زمانی فاصلہ ہے، دوسری طرف تاجر دوسرے سامان خریدنا یا اپنی صنعت میں مصروف ہوجانا چاہتا ہے؛ تاکہ وہ دوسرے خریداروں کو بھی بیچ سکے، چنانچہ اس کو خریداری یا صنعت کے لیے مال کی ضرورت ہوتی ہے، اسی وجہ سے وہ بینک کے پاس جاکر حسم الکمبیالۃ کے ذریعے مال حاصل کرتا ہے۔

یہ مقصد اس طرح حاصل ہوسکتا ہے کہ کمبیالۃ کا حامل بینک کو اجل کے آنے پر مشتری سے ثمن کی وصولی اور اس تک فراہمی کا اجیر بنائے، بینک اس خدمت پر اس سے اجرت کا مطالبہ کرسکتا ہے، پھر تاجر اس سے غیر سودی قرض لے لے، پھر یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ جواز اسی صورت میں ہے جب کہ عقد اجارہ میں قرض کی شرط نہ ہو، اور ثمن حاصل کرنے کی اجرت قرض کی رقم کے ساتھ مربوط نہ ہو۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تاجر کو اگر دوسرے سامانوں کی خریداری کے لیے نقد روپے کی ضرورت ہو تو بینک سامان خرید کر اس کو مرابحہ مؤجلہ کے طور پر فروخت کرتا ہے، اس میں ان تمام شرائط کی رعایت کی جانی چاہیے جنہیں ہم مرابحہ مؤجلہ کی بحث میں ذکر کر چکے ہیں، اور کمبیالۃ بینک کے پاس مرابحہ کے دین کی توثیق کے لیے ہوگا۔

شرعی لحاظ سے عمدہ اور شریعت کے مقاصد سے زیادہ قریب طریقہ یہی ہے کہ بائع سامانوں کی بیع سے پہلے بینک کے ساتھ عقد شرکت کرلے، اس طرح کہ بینک اس کو ایک رقم دے جو کہ راس المال میں بینک کا حصہ ہوگا، پھر سامان خرید کر یا بنا کر فروخت کیے جائیں اور بینک و بائع متفق علیہ تناسب کے مطابق آپس میں نفع تقسیم کرلیں؛ لہٰذا حسم الکمبیالۃ کی ضرورت نہیں ہوگی۔

بارہویں بحث

۱۶۵۔ اقالہ کا بیان

اقالہ کے لغوی معنی رفع اور ازالہ کے ہیں، اور فقہ میں طرفین کی رضامندی سے عقد کو ختم کرنے اور اس کے حکم کو لغو کردینے پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، اس طرح کہ بائع ثمن اور مشتری مبیع لوٹا دے، جب عاقدین میں سے کوئی اقالہ کرنا چاہے تو اقالہ کرنا جائز؛ بلکہ مستحب ہے، دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

مَنْ أَقَالَ مُسْلِمًا أَقَالَهُ اللّٰهُ عَثْرَتَهُ.(۱)

جو شخص کسی مسلمان سے اقالہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی غلطیوں کا اقالہ فرمائیں گے (معاف فرمادیں گے)

اسی طرح خیارِ مجلس کی حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

الْمُتَبَايِعَانِ بِالْخِيَارِ مَا لَمْ يَتَفَرَّقَا، إِلَّا أَنْ يَكُونَ صَفْقَةَ خِيَارٍ، وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يُفَارِقَ صَاحِبَهُ خَشْيَةَ أَنْ يَسْتَقِيلَهُ.(۲)

عاقدین کو جدا ہونے سے پہلے تک اختیار ہے، سوائے اس بیع کے جس میں خیار کی شرط لگائی گئی ہو، اور اس کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ اپنے ساتھی سے اس اندیشہ سے جدا ہوجائے کہ کہیں وہ اس سے اقالہ کا مطالبہ نہ کرلے۔

اقالہ ایجاب وقبول سے منعقد ہوجاتا ہے؛ اگرچہ قبول اقتضاءً ہو، چنانچہ اگر بائع اقالہ کا مطالبہ کرے اور مشتری کہے کہ ثمن دے دو تو یہ اقالہ کہلائے گا، اسی طرح جو

---

(۱) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۴۶۰

(۲) نسائی، حدیث نمبر: ۴۴۸۳

حضرات بیع تعاطی کے جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک اقالہ بھی تعاطی سے منعقد ہوجاتا ہے؛ اگرچہ ایک ہی جانب سے ہو، یہی حنفیہ کا صحیح مذہب ہے، جیسا کہ ہم تعاطی کی بحث (۱) میں ذکر کر چکے ہیں، اور فتاوی بزازیہ کے حوالہ سے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے:

قَبَضَ الطَّعَامَ الْمُشْتَرِي وَسَلَّمَ بَعْضَ الثَّمَنِ ثُمَّ قَالَ بَعْدَ أَيَّامٍ إِنَّ الثَّمَنَ غَالٍ فَرَدَّ الْبَائِعُ بَعْضَ الثَّمَنِ الْمَقْبُوضِ، فَمَنْ قَالَ الْبَيْعُ يَنْعَقِدُ بِالتَّعَاطِي مِنْ أَحَدِ الْجَانِبَيْنِ جَعَلَهُ إِقَالَةً وَهُوَ الصَّحِيحُ وَمَنْ شَرَطَ الْقَبْضَ مِنَ الْجَانِبَيْنِ لَا يَكُونُ إِقَالَةً عِنْدَهُ.(۲)

مشتری نے کھانے پر قبضہ کیا اور کچھ ثمن دیا، پھر کچھ دنوں بعد کہا کہ ثمن مہنگا ہے، تو بائع نے مقبوضہ ثمن میں سے کچھ واپس کردیا، تو جو حضرات جانب واحد سے تعاطی کے جواز کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ اقالہ ہوجائے گا، یہی صحیح ہے اور جو جانبین سے قبضے کی شرط لگاتے ہیں ان کے نزدیک یہ اقالہ نہیں ہوگا۔

۵۶۲۔ اقالہ کی حقیقت کے سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف

پھر اقالہ کی حقیقت کے سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ کیا یہ بیع سابق کو فسخ کرنے کا نام ہے یا بیع جدید کا؟ اس میں درج ذیل اقوال ہیں:

۱) اقالہ تمام حالات اور لوگوں کے حق میں بیع سابق کو فسخ کرنے کا نام ہے، یہ امام شافعی امام احمد اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہم کا مذہب ہے۔(۳)

۲) اقالہ بیع جدید ہے، یہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے؛ لہٰذا اس میں بیع کی تمام

---

(۱) رقم: ۲۷

(۲) ردعلی الدر ۵/ ۱۲۰

(۳) بدائع الصنائع ۵/ ۳۰۶ والمغنی ۴/ ۹۲

شرائط مشروط ہوں گی؛ البتہ اگر مبیع طعام ہو اور مشتری نے اس پر قبضہ نہ کیا ہو پھر عاقدین نے اقالہ کرلیا تو یہ بیع نہیں ہوگی؛ بلکہ بیع سابق کو فسخ کرنا ہوگا، جب کہ اقالہ ثمن اول کے مثل پر ہوا ہو، اگر کم یا زائد ثمن ہو تو جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ طعام کی بیع قبل القبض ہے۔(۱) اسی طرح شفعہ کے حق میں بھی اقالہ کا اعتبار نہیں ہوگا؛ بلکہ مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ شفیع کا حق برقرار رہے گا جو بیع اول کی وجہ سے اس کو حاصل ہوا تھا؛ لہٰذا وہ شفعہ کا مسلسل مطالبہ کرتا رہے گا؛ اگرچہ مشتری نے بیع اول کا اقالہ کرلیا ہو، گویا مالکیہ کے نزدیک شفعہ کے حق میں اقالہ کالعدم ہے، اور اس اقالہ کو نہ فسخ بیع کہا جائے گا اور نہ بیع جدید؛ کیوں کہ بیع کے بعد اقالہ کرنے والے اس سلسلے میں متّہم ہیں کہ انہوں نے شفیع کی حق تلفی کی خاطر اقالہ کیا ہے۔(۲)

۳) اقالہ فسخ بیع ہے؛ الّا یہ کہ اس کو فسخ قرار دینا متعذر ہو جائے، یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔(۳) اور اقالہ کو اس صورت میں فسخ قرار دینا متعذر رہے جب کہ عاقدین ثمن اول سے زائد کے عوض یا ثمن کی جنس کے علاوہ کسی اور جنس کے عوض اقالہ کریں تو ان صورتوں میں اس کو فسخ قرار نہیں دیا جاسکتا؛ کیوں کہ فسخ تو ثمن اول پر کیا جاتا ہے، اور اگر عاقدین ثمن اول سے کم کے عوض اقالہ کریں تو اس کو فسخ قرار دینا ممکن ہے، اور ثمن ناقص کا ذکر باقی سے سکوت شمار ہوگا، پس اقالہ ثمن اول پر ہی ہوگا۔

۴) اقالہ بیع جدید ہے؛ الّا یہ کہ اس کو بیع قرار دینا ممکن نہ ہو تو اس کو فسخ شمار کیا جائے گا، یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔(۴) اور اس کو بیع اس صورت میں قرار نہیں دیا جاسکتا جب کہ مشتری نے مبیع منقول پر قبضہ سے پہلے اقالہ کیا ہو؛ کیوں کہ اگر اس کو بیع

---

(۱) الشرح الکبیر مع الدسوقی ۳/ ۱۵۴ و ۱۵۵

(۲) مواہب الجلیل ۴/ ۴۸۵ و ۴۸۶

(۳) بدائع الصنائع ۵/ ۳۰۶

(۴) بدائع الصنائع ۵/ ۳۰۶

شمار کیا جائے تو یہ منقول کی بیع قبل القبض ہوگی جو کہ ناجائز ہے؛ لہٰذا جائز قرار دینے کی یہی شکل ہوسکتی ہے کہ اس کو بیع سابق کا فسخ قرار دیا جائے، پس اس صورت میں اقالہ کو فسخ مانا جائے گا۔

۵) اقالہ عاقدین کے حق میں فسخ بیع اور ان کے علاوہ کے حق میں بیع جدید ہے، یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔(۱) اور عاقدین کے حق میں فسخ ہونے کی وجہ سے قبضہ سے قبل بھی اقالہ کیا جاسکتا ہے؛ البتہ ثمن اول پر اقالہ ضروری ہے، اگر وہ ثمن اول سے کم یا زائد یا اس کی جنس کے خلاف ثمن پر اقالہ کریں یا ثمن اول کو مؤجل قرار دیں تو یہ ساری تعیین باطل ہے، اور اقالہ ثمن اول پر ہی ہوگا، اور تیسرے کے حق میں بیع جدید ہے؛ اس لیے تیسرے کو حق شفعہ کے مطالبے کا اختیار ہوگا۔

یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ اقالہ لفظِ اقالہ سے کیا جائے، اگر لفظِ فسخ یا اس کے ہم معنی لفظ جیسے مُتارکہ یا ترادّ کے ذریعے اقالہ ہو تو بالاتفاق یہ بیع سابق کا فسخ ہوگا، اور تمام کے حق میں فسخ کا حکم اس پر جاری ہوگا، اسی طرح اگر لفظِ بیع سے عقد جدید کریں تو بالاتفاق یہ تمام کے حق میں بیع ہوگی اور اس کے صحیح ہونے کے لیے ان شرائط کا پایا جانا ضروری ہوگا جن کا بیع میں پایا جانا ضروری ہے۔(۲)

موجودہ دور میں تاجرین کے یہاں لفظِ اقالہ کا بہت کم استعمال ہوتا ہے، معروف لفظ ترادّ ہے، چنانچہ مشتری کہتا ہے: أُرِيْدُ أَنْ أَرُدَّ إِلَيْكَ الْمَبِيْعَ. اسی طرح تاجرین اپنے گاہکوں سے یہ وعدہ کرتے ہیں کہ اگر وہ مبیع واپس کریں تو ثمن بھی لوٹا دیا جائے گا، اگر ایسا ہو تو اس پر فسخ کے احکام لاگو ہوں گے؛ لہٰذا ثمن اول پر فسخ کرنا ضروری ہے؛ الّا یہ کہ مشتری کے پاس مبیع میں کوئی عیب پیدا ہو جائے اور بائع فسخ کرنے پر راضی ہو جائے تو ثمن اول سے کم پر فسخ کرنا جائز ہے، اور کم کردہ مقدار عیب کے مقابل ہوگی، بشرطیکہ

---

(۱) بدائع الصنائع ۵/۳۰۶

(۲) ردعلی الدر ۵/۱۲۰

ثمن میں کمی عیب کے بقدر ہی ہو، اگر وہ عیب کی مقدار سے زائد یا کم ثمن متعین کریں تو زیادتی اور کمی لغو ہوگی اور بائع مشتری سے باقی واپس لے گا۔(۱)

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَعَالٰى أَوَّلًا وَآخِرًا وَظَاهِرًا وَبَاطِنًا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ، وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

الحمد للہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی توفیق وعنایت سے آج بروز جمعرات بتاریخ ۹ جمادی الثانی ۱۴۴۳ھ مطابق ۱۳ جنوری ۲۰۲۲ء فقہ البیوع کی دوسری جلد کا ترجمہ بھی تکمیل پذیر ہوا، بندہ کا رواں رواں اس فضل الٰہی پر شکر سے سرشار ہے، اللہ تعالیٰ اس خدمت کو خالص اپنے لیے قبول فرمائیں، خطاؤں اور لغزشوں کو درگزر فرمائیں اور اس ترجمہ کو بھی اصل کی طرح مفید اور نافع بنائیں، آمین۔

---

(۱) رد علی الدر ۵/۱۲۹

اسلام کا نظام

خرید و فروخت

دفعات کی شکل میں

بیع کی تعریف اور اس کے ارکان

۱- بیع شریعت کی اصطلاح میں مال کے مال سے اس طور پر تبادلہ کا نام ہے کہ بدلین کی ملکیت شرعاً منتقل ہو جائے۔

۲- مال ایسی متقوم (قیمت والی) چیز ہے جس سے نفع اٹھایا جاسکے اور وقتِ ضرورت کے لیے اس کو جمع کیا جاسکے، اور مالیت کا ثبوت تمام یا بعض لوگوں کے اس کو مال قرار دینے سے ہوتا ہے، اور تقوم کا ثبوت ایک تو مالیت سے ہوتا ہے دوسرا اس چیز سے شرعاً نفع کے مباح ہونے سے۔

۳- بیع کے دو رکن ہیں: ایجاب وقبول، اور ان سے مراد ایسے دو لفظ ہیں جن کا ملک یا قوم کے عرف میں انشائے عقد کے لیے استعمال ہوتا ہو۔

۴- ایجاب وقبول زبانی بھی ہوسکتا ہے، تحریری بھی اور اشارہ سے بھی جب کہ آدمی بولنے پر قادر نہ ہو۔

۵- قبول کے صحیح ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ مبیع، اس کی مقدار اور صفت، ثمن کی جنس اور مقدار اور خیار کی شرط (ان سارے امور) میں ایجاب کے موافق ہو۔

۶- جب عقد دو موجود لوگوں کے درمیان ہو اور ان میں سے ایک زبان یا تحریر یا اشارہ کے ذریعے ایجاب کرے تو دوسرے کو مجلسِ ایجاب کے اندر قبول کرنے کا اختیار رہوگا، مجلس گزر جانے کے بعد یہ اختیار باطل ہو جائے گا۔

۷- دوسرے کی جانب سے قبول کے تام ہونے سے قبل موجب کو اپنے ایجاب سے رجوع کا اختیار ہے، اگر قبول تام ہو جائے تو پھر یہ اختیار نہ ہوگا۔

۸- جب دو غائب لوگوں کے درمیان فون یا وائرلیس آلات کے ذریعے عقد ہو تو اس کا حکم دو موجود لوگوں کے درمیان عقد کی طرح ہے، چنانچہ جب تک فون یا

وائرلیس کے ذریعے رابطہ برقرار رہے گا مجلس بھی باقی رہے گی، اور جیسے ہی رابطہ منقطع ہوگا مجلس بھی ختم ہوجائے گی۔

۹- جب دو غائب لوگوں کے درمیان عقد ہو اور ان میں سے ایک تحریری طور پر ایجاب کرے، خواہ ڈاک کے ذریعے ہو یا ای میل یا ٹیلی گرام یا فیکس یا کسی بھی ایسی چیز کے ذریعے جسے زبانی نہ کہا جاسکتا ہو تو ایجاب درج ذیل حالتوں میں سے کسی ایک حالت تک باقی رہے گا:

الف: مکتوب الیہ صراحۃً ایجاب مسترد کردے، خواہ زبانی ہو یا تحریری۔

ب: ایجاب کی متعینہ مدت گزر جائے جب کہ ایجاب کی کوئی مدت متعین کی گئی ہو، یہ ایجاب مؤقت کہلاتا ہے۔

ج: موجب قبول کے تام ہونے سے قبل ایجاب سے رجوع کرلے۔

د: مکتوب الیہ اتنے عرصہ تک خاموشی اختیار کرے جو عرف میں ایجاب سے اعراض کی دلیل سمجھی جاتی ہو۔

۱۰- جب عقد دو موجود لوگوں کے درمیان ہو تو فریق ثانی کے قبول کرنے سے عقد تام ہوجائے گا بشرطیکہ قبول کا تلفظ اتنی آواز سے ہو کہ فریق اول اس کو سن لے، یہ حکم فون یا وائرلیس کے ذریعے بات چیت پر بھی منطبق ہوگا۔

۱۱- جب عقد دو غائب لوگوں کے درمیان تحریری طور پر ہو تو قبول کرنے والے کے حق میں اس کے زبانی یا تحریری طور پر قبول کرنے سے عقد لازم ہوجائے گا، اور موجب کے حق میں اس وقت تک لازم نہ ہوگا جب تک کہ اس کے پاس قبول کا پیغام نہ پہونچ جائے۔

۱۲- کسی متعین شخص کی تعیین کیے بغیر تمام لوگوں کی جانب ایجاب پیش کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ وہ خریداری کی محض دعوت نہ ہو؛ بلکہ عرف یا قرائن سے یہ واضح ہوجائے کہ مقصود اس ایجاب کے ذریعے ہر اس شخص کے ساتھ عقد کرنا ہے جو اس کو قبول

کرے، جیسے کمپیوٹر کے ذریعے تمام لوگوں کے سامنے پیش کردہ ایجاب۔

۱۳- تعاطی کے ذریعے بھی بیع منعقد ہوجاتی ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ عاقدین کے درمیان لفظاً ایجاب وقبول نہ ہو؛ بلکہ مشتری ثمن اور بائع مبیع سپرد کردے، یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب کہ ایک فریق نے لفظاً اور دوسرے نے عطاءً (کچھ بولے بغیر مبیع یا ثمن دے کر) ایجاب وقبول کیا ہو۔

۱۴- بیع استجرار بھی جائز ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بائع مشتری سے مختلف چیزیں خریدے اور ایک معلوم مدت کے بعد ان کا حساب کرے، خواہ اس نے پیشگی رقم ادا کردی ہو یا کچھ بھی نہ ادا کیا ہو؛ بلکہ مدت ختم ہونے پر حساب کے وقت ادا کرے، تو اگر مشتری کو ہر چیز لیتے وقت اس کا ثمن بھی معلوم ہو تو لیتے وقت ہی بیع منعقد ہوجائے گی، اور اگر ثمن معلوم نہ ہو تو حساب کے وقت بیع منعقد ہوگی جو کہ لینے کے وقت کی جانب منسوب ہوگی۔

۱۵- خودکار مشینوں کے ذریعے بھی بیع جائز ہے، اس طرح کہ بیع کے وقت بائع موجود نہیں ہوتا؛ لیکن مشتری مشین میں ثمن ڈال دیتا ہے اور مشین مطلوبہ چیز باہر نکال دیتی ہے، اس صورت میں بیع تعاطی کے ذریعے منعقد ہوگی۔

****

بیع کے اندر وعدہ ومواعدہ کا حکم

۱۶- بیع کا وعدہ یا مواعدہ (دونوں جانب سے) بیع نہیں ہے، اور اس پر بیع کے آثار یعنی مبیع کی ملکیت کی منتقلی اور ثمن کا وجوب مرتب نہیں ہوں گے، اور جب کسی چیز کی خرید وفروخت پر پختہ الفاظ کے ذریعے وعدہ یا مواعدہ ہوجائے تو وعدہ

کرنے والے پر دیانۃً اس کو پورا کرنا واجب ہے، اور اس کے وعدہ کے مطابق بیع منعقد ہوجائے گی؛ لیکن اس کو بیع پر مجبور نہیں کیا جائے گا؛ البتہ درج ذیل حالات مستثنیٰ ہیں:

الف: واعد کے وعدہ پر اعتماد کرتے ہوئے وعدہ کیے جانے والے عقد کی وجہ سے موعود لہٗ کو مشقت کا سامنا کرنا پڑا ہو، اور وعدہ خلافی میں موعود لہٗ کا کھلا نقصان ہو، اور وعدہ کے وقت فریقین کے اس پر اتفاق ہو گیا تھا کہ واعد پر قضاءً یہ وعدہ لازم بھی ہوگا، اور وعدہ خلافی کا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا، بیرون ملک سامان کی سپلائی کے معاہدات کی اس اساس پر تخریج کی جاسکتی ہے۔

ب: حاکم وقت کی جانب سے یہ قانون لاگو ہوجائے کہ وعدہ قضاءً بھی لازم ہوگا۔

۱۷- اگر وعدہ قضاءً لازم ہو اور واعد وعدہ خلافی کرے تو اس کو وعدہ کے مطابق بیع کرنے پر مجبور کیا جائے گا یا وعدہ خلافی کی وجہ سے موعود لہٗ کا جو مالی نقصان ہوا ہے اس کا عوض دینے کا حکم دیا جائے گا، یہ عوض کا حکم اس وجہ سے ہے کہ بائع موعود لہٗ کو بازار میں مبیع کو اس کی لاگت سے کم میں بیچنے پر مجبور ہوجاتا ہے، تو عوض کی رقم یہی فرق ہے جو بائع کے سامان خریدنے کی لاگت اور بازار میں بیچنے کے ثمن کے مابین ہے، پس اس فرق کو دے کر واعد اس کا معاوضہ ادا کرے گا۔

******

بیعانہ اور زرِ ضمانت کا حکم

۱۸- بیع عربون یہ ہے کہ مشتری ایک معلوم مدت تک اپنے لیے خیار کی شرط لگائے اور بائع کو ایک رقم (یہی عربون کہلاتی ہے) اس شرط کے ساتھ دے کہ اگر اس نے بیع نافذ کردی تو یہ رقم ثمن کا ایک جزء شمار ہوگی، اور اگر بیع فسخ کردے تو بائع عربون کا مستحق ہوگا اور مشتری کو نہیں لوٹائے گا، جمہور فقہاء کے نزدیک اس شرط کے ساتھ بیع ناجائز ہے؛ لہٰذا عقد فسخ کرتے وقت بائع کو وہ رقم روک لینے کی اجازت نہ ہوگی؛ بلکہ مشتری کو لوٹانا لازم ہوگا؛ اِلّا یہ کہ حاکم وقت اس کا فیصلہ کردے یا اس کے جواز کا قانون بن جائے؛ کیوں کہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

۱۹- ''ہامش الجدیۃ'' ایسی رقم ہے جو مشتری بائع کو بیع سے قبل وعدۂ بیع کے وقت وعدہ کے سلسلہ میں اپنی سنجیدگی کے ثبوت کے طور پر دیتا ہے، یہ رقم عربون کے حکم میں نہیں ہے؛ بلکہ بائع کے پاس امانت ہے، اگر کسی وجہ سے بیع نہ ہوسکے تو مالک کو لوٹا دینا واجب ہے۔

****

بیع مزایدہ اور بیع مناقصہ

۲۰- اگر مشروع محل میں مزایدہ کیا جائے تو بیع مزایدہ جائز ہے، اور محض مزایدہ کا اعلان بائع کی جانب سے ایجاب شمار نہیں ہوگا؛ بلکہ مزایدہ میں شرکت کرنے کی

دعوت کہلائے گا، اور شرکت کرنے والوں کی جانب سے دیا جانے والا عطاء ان کی طرف سے ایجاب ہوگا جس کے لیے بائع کے قبول کی ضرورت ہوگی، اور بائع کو اختیار ہے کہ تمام عطاءات کو مسترد کردے، اسی طرح پہلے سے کسی ثمن کا اعلان کردینے کا بھی اختیار ہے، اور عطاء پیش کرنے والے کے لیے بائع کے قبول کرنے سے قبل اپنے عطاء کو واپس لینا جائز ہے، اور اگر بائع اس کو قبول کرلے اور اس کو قطعیت دے دے تو رجوع کا حق نہ ہوگا، اور دوسرے کے عطاء کے قبول ہونے سے قبل کسی کا عطاء پیش کرنا سوم علی سوم اخیہ کے قبیل سے نہیں ہے؛ کیوں کہ بائع کا دوسرے کے عطاء کی جانب میلان نہیں ہوا، اور نیلامی کے طور پر بیع کرنے والے پر عطاء اعلیٰ کو قبول کرنا لازم نہیں ہے؛ بلکہ ادنیٰ عطاء قبول کرنے کا بھی حق ہوگا، اس سے وہ معاملات مستثنیٰ ہیں جہاں قانون نے عطاء اعلیٰ کو قبول کرنا لازم قرار دیا ہو، بشرطیکہ ثمن نقد ہو۔ (ادھار نہ ہو)

۲۱- نجش ناجائز ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ عطاء پیش کرنا خریداری کے لیے نہ ہو؛ بلکہ دوسروں کو زیادہ کی بولی لگانے کی ترغیب کی غرض سے ہو، اسی طرح نیلامی میں شرکت کرنے والوں کا اس پر اتفاق ناجائز ہے کوئی دوسرے سے زیادہ بولی نہیں لگائے گا، جب کہ بائع کو یا دوسرے شرکت کرنے والوں کو اس سے ضرر پڑتا ہو۔

۲۲- مناقصہ مزایدہ کے برعکس ہے، اور یہ کم سے کم قیمت پر سامان کی خریداری یا خدمت کی فراہمی کا مطالبہ کرنا ہے، اس طرح کہ جس ادارہ کو سامان یا خدمات کی ضرورت ہوتی ہے وہ خواہش مند افراد کو متعینہ اوصاف وشرائط کے مطابق اپنے عطاءات پیش کرنے کی دعوت دیتا ہے، یہ جائز ہے، اس پر مزایدہ کے احکام منطبق ہوں گے۔

۲۳- مزایدہ یا مناقصہ طلب کرنے والے کی جانب سے تیار کردہ رجسٹر کی مناسب قیمت کے عوض بیع جائز ہے، بشرطیکہ وہ ایسی تفصیلات پر مشتمل ہو جن کی شرکاء کو

ضرورت ہو اور مناقصہ یا مزایدہ میں شریک ہونے سے قبل ان کو اس سے بصیرت حاصل ہو سکے۔

۲۴- شرکاء سے ان کی سنجیدگی کے ثبوت کے طور پر ایک رقم کا مطالبہ کرنا جائز ہے، اور اس پر دفعہ نمبر ۱۹ میں ذکر کردہ ہامش الجدیۃ کے احکام منطبق ہوں گے۔

****

عاقدین سے متعلق احکام

۲۵- بیع کے صحیح ہونے کے لیے عاقدین کا عقلمند اور صاحب تمیز ہونا ضروری ہے۔

۲۶- مجنون یا صبی جس کو تمیز نہ ہو، ان کی بیع منعقد نہ ہوگی۔

۲۷- صاحبِ تمیز بچہ کی بیع اس کے ولی کی اجازت پر موقوف ہے، خواہ اجازت عقد سے پہلے دی جائے یا عقد کے بعد، اور اجازت اسی نوع پر منحصر ہوگی جس کی ولی نے اجازت دی ہے، اس نوع کی جانب متجاوز نہیں ہوگی جس کی ولی نے اجازت نہیں دی۔

۲۸- بیع کے صحیح ہونے کے لیے عاقدین کا مسلمان یا آزاد یا اعضاء کا صحیح سالم ہونا شرط نہیں ہے؛ لیکن کسی مسلمان کے لیے ایسے غیر مسلم سے قرآن کی فروختگی ناجائز ہے جس سے قرآن کے اہانت کا خطرہ ہو۔

۲۹- بیع کے درست ہونے کے لیے دو آدمیوں کے درمیان بیع کا ہونا ضروری ہے کہ ایک ایجاب کرے اور دوسرا قبول، ایک ہی شخص عقد کے دونوں جانب کی ذمہ داری نہیں لے سکتا؛ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی کو اپنا سامان بیچنے کا وکیل بنائے تو وہ

وکیل وہ سامان اپنے لیے نہیں خرید سکتا، اور اگر کسی سامان کی خریداری کا وکیل بنائے تو وکیل اپنے پاس موجود سامان کو نہیں خرید سکتا، اور اگر وہ پہلی صورت میں اپنے آپ کو بیچ دے یا دوسری صورت میں اپنے آپ سے خرید لے تو بیع مؤکل کی اجازت پر موقوف ہوگی، اگر مؤکل اجازت دے دے تو یہ اس کی جانب سے قبول شمار ہوگا۔

۳۰- دفعہ نمبر ۲۹ میں ذکر کردہ ضابطہ سے یہ مسئلہ مستثنیٰ ہے کہ باپ اپنے چھوٹے بیٹے کا مال خود کو بیچ دے یا خود سے خرید لے، بشرطیکہ بیع وشراء ثمن مثل پر ہوئی ہو، یا ایسا غبن ہو جو عام طور پر لوگوں کو ہو جاتا ہے، رہا یتیم کا وصی تو اس کے لیے یتیم کا مال خود کو بیچنا یا خود سے اس کے لیے خریدنا ناجائز ہے؛ الّا یہ کہ یتیم کا اس میں واضح نفع ہو۔

۳۱- اگر مشتری خریدی جانے والی چیز سے معصیت کا ارتکاب کرنا چاہتا ہو تو اس کا حکم درج ذیل ہے:

الف: اگر بائع کا مقصد معصیت میں مشتری کی اعانت کرنا ہو، اس طرح کہ وہ اعانت علی المعصیۃ کی نیت کرے یا عقد میں صراحت ہو کہ بائع اسی لیے اس کو فروخت کر رہا ہے کہ معصیت میں اس کا استعمال کیا جائے، مثلاً: انگور یا شیرۂ انگور اس لیے فروخت کرے کہ اس سے شراب بنائی جائے اور اس کی صراحت کر دے، یا مبیع کا استعمال معصیت ہی میں کیا جا سکتا ہو، جیسے بت کی بیع جس کی عبادت کی جاتی ہو تو یہ عقد حرام ہے اور منعقد نہیں ہوگا، اور بائع گنہگار ہوگا۔

ب: اگر بائع کا مقصد معصیت پر اعانت کرنا نہ ہو؛ لیکن بیع معصیت کا سبب ہو تو عقد حرام نہیں ہے؛ لیکن اگر سبب محرّک ہو تو حرام ہے، اور اگر محرک نہ ہو؛ بلکہ سبب قریب ہو کہ موجودہ حالت میں مبیع کا معصیت میں

استعمال کیا جاسکتا ہو، فاعل کی جانب سے جدید صنعت کی ضرورت نہ ہو تو مکروہ تحریمی ہے؛ ورنہ تنزیہی ہے۔

۳۲- بیع کے جائز ہونے کے لیے اس میں عاقدین کی رضامندی پائی جانی ضروری ہے۔

۳۳- مکرَہ (جس کو مجبور کیا گیا ہو) کی بیع فاسد ہے اور اکراہ کے زائل ہونے کے بعد اس کی اجازت پر موقوف ہوگی، اگر وہ اکراہ زائل ہونے کے بعد اجازت دے دے تو بیع نافذ ہوجائے گی، اور اگر اجازت نہ دے تو بیع باطل ہوگی، اور اس مبیع کے اندر مجبور کرنے والے کے تصرفات باطل ہوں گے۔

۳۴- بیع کے حق میں اکراہ یہ ہے کہ مکرَہ کی جان یا عضو کو اندیشہ ہو، یا ایسا غم ہو جس سے رضامندی معدوم ہوجائے، پس اس میں مکرَہ یا اس کے بیٹے یا والد یا بیوی یا کسی ذی رحم محرم کی جان کو نقصان پہنچانے کی دھمکی بھی داخل ہوگی، خواہ بدنی طور پر ایذاء دی جائے یا مالی طور پر یا مکرَہ کو ظالم کے سامنے لے جاکر۔

۳۵- النفوذ غیر المشروع (Undue Influence) اکراہ سے کم درجہ کی ایک قسم ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ ہدف تک پہونچنے کے لیے جاہ ومنصب کا غلط فائدہ اٹھایا جائے، عقود کے اندر اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے عہدہ ومنصب یا معنوی ہیبت کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے کسی ایسے شخص کے ساتھ عقد کرے جو اس سے کم درجہ کا ہو، مثلاً: باپ بیٹا، استاذ شاگرد، پیر ومرید اور آقا وغلام، تو اگر یہ بات ثابت ہوجائے کہ کم رتبہ والا شخص اعلیٰ رتبہ والے شخص کے دباؤ میں آکر عقد کر رہا ہے اور وہ عقد نہ کرنے پر قادر نہیں ہے؛ بلکہ حقیقی رضامندی نہ ہونے کے باوجود عقد کر رہا ہے تو ایسی بیع دیانۃً ممنوع ہے، بشرطیکہ عاقد ثانی کو یہ علم ہو کہ دوسرا بیع پر راضی نہیں ہے؛ بلکہ اس کے دباؤ میں آکر عقد کر رہا ہے؛ لیکن اگر اکراہ یا اضطرار یا تغریر کے بغیر بیع کرلے تو بیع نافذ ہوجائے گی۔

۳۶- مضطر کی بیع کا حکم اضطرار کی نوعیت کے لحاظ سے بدلتا ہے، تفصیل درج ذیل ہے:

الف: اضطرار دوسرے کی جانب سے اکراہ کی بنا پر ہوا ہو، تو یہ بیع مکرَہ میں داخل ہے، جس کی تفصیل دفعہ نمبر ۳۴ میں آچکی ہے۔

ب: مخمصہ کی حالت میں آدمی کسی چیز کی خرید و فروخت پر مجبور ہو جائے اور عقد نہ کرنے کی صورت میں اپنی یا اہل و عیال کی جان جانے کا اندیشہ ہو، مثلاً: وہ بھوکا ہو اور کھانا ملنے کی یہی صورت ہو کہ وہ زائد ثمن دے کر خریدے یا اپنا کوئی مال ثمن مثل سے نہایت ہی کم مقدار کے عوض فروخت کرے، اور یہ سب محض اپنی یا اپنے اہل و عیال کی بھوک مٹانے کے لیے کرنا پڑا ہو، اس حالت میں اگر ثمن مثل کے عوض خرید و فروخت کرے تو بیع درست ہے، اور اگر غبن فاحش ہو تو بیع فاسد ہے؛ لیکن اس حالت کے اندر خریدنے کی صورت میں اس کے لیے اپنی ضرورت پوری کرنے کی خاطر خریدی ہوئی چیز استعمال کرنا جائز ہوگا؛ لیکن اس کے ذمہ ثمن مثل ہی دینا واجب ہوگا۔

ج: آدمی کو اپنے افلاس یا قرض خواہوں کے مطالبے کی وجہ سے بیع کرنا پڑے، یہ اصطلاحی معنی کے لحاظ سے اضطرار میں داخل نہیں ہے؛ لہٰذا جو بیع اس نے کی ہے وہ منعقد ہو جائے گی؛ اگر چہ غبن ہوا ہو؛ لیکن اس حالت میں اس کے ساتھ معاملہ کرنے والے کے لیے غبن کرنا مکروہ ہوگا۔

۳۷- تغریر عاقدین میں سے کسی ایک کی جانب سے ایسا بیان ہے جس پر دوسرا اپنی رضا مندی کی بنیاد رکھ کر عقد کرے، پھر اس بیان کا خلافِ واقع ہونا ظاہر ہو جائے، اس کی درج ذیل صورتیں ہیں:

الف: مبیع کی جنس بیان کرنے میں تغریر، مثلاً: بائع کسی زیور کو سونے کا زیور کہے، پھر معلوم ہو کہ وہ تو چاندی کا ہے جس پر سونے کا پانی چڑھایا گیا

ہے، اس صورت میں بیع باطل ہے۔

ب: مبیع کا وصف بیان کرنے میں تغریر، مثلاً بائع کسی کار کے متعلق کہے کہ وہ نئی ہے یا فلاں مخصوص ملک کی بنی ہوئی ہے، پھر اس کے خلاف ظاہر ہو تو اس پر خیارِ فواتِ وصف کے احکام منطبق ہوں گے جس کی تفصیل خیار کے مباحث میں آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ج: مبیع کی بازاری قیمت بیان کرنے میں تغریر، مثلاً بائع کہے کہ اس کی بازاری قیمت ایک ہزار روپے ہے، پھر معلوم ہو کہ اس کی قیمت تو پانچ سو ہے، یا مشتری بائع سے کہے کہ اس کی بازاری قیمت تو پانچ سو ہے اور پانچ سو دے کر بائع سے خرید لے، پھر بائع کو علم ہو کہ بازار میں تو ایک ہزار اس کی قیمت لگ رہی ہے، تو اس صورت میں خیار مغبون کے احکام منطبق ہوں گے، جس کی تفصیلات خیار کی بحث میں آئیں گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۳۸- تدلیس بائع کا ایسا فعل ہے جس سے مبیع کے اندر ایسا کمال محسوس ہو جو در حقیقت اس میں نہ ہو، مثلاً پرانے کپڑے کو رنگ دیا جائے کہ وہ نیا معلوم ہو، اس کا حکم تغریر کے حکم کی مانند ہے کہ اگر غبن فاحش ہوا ہو یا مرغوب فیہ وصف فوت ہو گیا ہو تو مشتری کو خیار فسخ حاصل ہوگا، اور بعض حالات میں اس کو ارش کے مطالبے کا حق ہوگا، اس طرح کہ بائع سے ناقص اور کامل مبیع کے درمیان فرق کا مطالبہ کرے، اس کی تفصیل بھی خیار کی بحث میں آ رہی ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۳۹- خطا فی العقد یہ ہے کہ عاقدین اس حالت میں بیع کریں کہ دونوں یا کوئی ایک غلط فہمی میں مبتلا ہو، اس کی درج ذیل صورتیں ہیں:

الف: مبیع کے موجود ہونے میں خطا، اس کی صورت یہ ہے کہ مبیع کے موجود ہونے کے خیال سے عقد کیا جائے، پھر معلوم ہو کہ مبیع غائب ہے،

مثلاً: زید نے کسی متعین ڈبہ میں موجود سبزیاں فروخت کیں، جنہیں مشتری نے بیع سے قبل دیکھا بھی تھا، لیکن جب ڈبہ کھولا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ بیع سے پہلے ہی ضائع یا چوری ہوگئیں تو بیع باطل ہے۔

ب: مشتری کے اس گمان میں خطا کہ وہ مبیع کا مالک نہیں ہے، مثلاً: زید نے عمرو سے کوئی زمین عمرو کو اس کا مالک سمجھتے ہوئے خریدی، پھر معلوم ہوا کہ زید ہی اس کا مالک تھا، مثلاً وہ اسے کسی سے وراثت میں ملی تھی جس کا اس کو بیع کے وقت علم نہیں تھا تو اس صورت میں بیع باطل ہے؛ کیوں کہ بائع زمین کا مالک نہیں ہے۔

ج: استحقاق: زید عمرو سے کوئی چیز عمرو کو اس کا مالک سمجھتے ہوئے خریدے، پھر بینہ سے عمرو کے بجائے خالد کا حقیقی مالک ہونا واضح ہو تو بیع محض استحقاق کے ثابت ہونے سے فسخ نہیں ہوگی؛ بلکہ مستحق کی اجازت پر موقوف رہے گی، تا آں کہ مستحق مبیع پر قبضہ کرلے اور بائع مشتری کو ثمن لوٹا دے، اور اگر حقیقی مالک بیع کی اجازت دے دے تو مشتری کی ملکیت بدستور باقی رہے گی، اور حقیقی مالک بائع سے ثمن لے گا، اور اگر اجازت نہ دے تو بیع فسخ ہوجائے گی اور وہ مشتری سے مبیع اور مشتری بائع سے ثمن لے لے گا۔

د: مبیع کو پہچاننے میں خطا، مبیع کی جنس یا اس کے بنیادی وصف جس پر عقد کی بنیاد ہو یا مقدار کے پہچاننے میں غلطی ہوجائے، اس طرح کہ سونا سمجھتے ہوئے ایک چیز خریدے، پھر معلوم ہو کہ وہ چاندی ہے، یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب کہ جنس متحد ہو؛ لیکن معقود علیہ اور عاقد کی مطلوبہ شئ کے درمیان تفاوت فاحش ہو، تو یہ خطا اگر عاقدین کی جانب سے ہو اور دونوں کا ماننا ہو کہ انہوں نے غلطی سے یہ عقد کیا ہے تو عقد

باطل ہو جائے گا۔

اور اگر دوسرے کی جانب سے تغریر یا تدلیس کے بغیر کسی ایک سے غلطی ہوئی ہو تو عقود کی نوعیت مختلف ہونے کے لحاظ سے حکم بھی بدلے گا، اور اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ خطا کی وجہ سے لاحق ہونے والے ضرر کی مقدار معلوم کی جائے اور اس خطا کا بوجھ کس پر ہوگا اس کی تعیین کی جائے ، اور عقود اور حالات کے لحاظ سے ان میں اختلاف ہوسکتا ہے؛ لہٰذا اس سلسلے میں فیصلہ عدالت کے سپرد کر دیا جائے اور قاضی ہر مقدمہ میں جس کو عدل وانصاف اور اصول وضوابط کے زیادہ موافق سمجھے اس کے مطابق فیصلہ کرے۔

۴۰- بیع تلجئہ یا ہزل: عاقدین نے اولاً سمجھوتہ کرلیا ہو کہ وہ حقیقی بیع نہیں کریں گے؛ بلکہ دوسروں کے سامنے کسی سبب کی بنا پر بیع ظاہر کریں گے، اور اس سمجھوتہ کی بنیاد پر وہ عقد کریں (تو یہ بیع تلجئہ یا بیع ہزل ہے)

تلجئہ کا حکم یہ ہے کہ اگر بیع سے قبل وہ سمجھوتہ کرلیں کہ وہ آئندہ جو بیع کرنے جارہے ہیں وہ ہزل ہے مقصود نہیں ہے تو بیع باطل ہے، اور تلجئہ کے دعوے دار پر سابقہ سمجھوتہ کو ثابت کرنے کے لیے بینہ پیش کرنا لازم ہوگا۔

اور اگر عاقدین اصل بیع میں تو سنجیدہ ہوں؛ البتہ ثمن کی جنس یا مقدار میں تلجئہ ہو تو سابقہ سمجھوتہ غیر معتبر ہے، اور قضاءً بیع اسی ثمن پر منعقد مانی جائے گی جس کی انہوں نے عقد کے وقت تعیین کی تھی۔

۴۱- عقود صوریہ: کوئی شخص مبیع کسی اور کے نام سے خریدے؛ تاکہ کسی مصلحت کی وجہ سے حکومتی اداروں میں اس دوسرے کے نام ہی سے مبیع رجسٹر ہو؛ البتہ حقیقی مشتری ہی ثمن ادا کرے، تو اس صورت میں ثمن ادا کرنے والا ہی حقیقی مالک متصور ہوگا، بشرطیکہ وہ اپنے حقیقی مشتری ہونے اور رجسٹری کے صوری ہونے کو ثابت کردے۔

۴۲- عاقدین کی رضامندی کی شرط سے درج ذیل احوال مستثنیٰ ہوں گے:

الف: حکومت کو کسی حقیقی حاجت عامہ کی بنا پر زمین خریدنے کی ضرورت ہو، اور یہ حاجت صرف اسی زمین سے پوری ہو سکتی ہو تو وہ ادائیگی کے دن بازاری قیمت ادا کر کے مالک سے زمین خرید سکتی ہے؛ البتہ زمین ثمن کی ادائیگی کے بعد ہی لی جائے گی۔

ب: اگر کسی چیز کی شہر والوں کو ضرورت ہو اور بعض تاجرین نے اس کا احتکار کر لیا ہو تو حکومت کو ان کی رضامندی نہ ہونے کے باوجود اس احتکار شدہ چیز کے بیچنے کا اختیار ہو گا۔

ج: اگر شرعی شرائط کے ساتھ عادلانہ طور پر حکومت کی جانب سے تسعیر کی جائے تو تاجرین کو متعینہ قیمت سے زائد میں فروخت نہ کرنے پر مجبور کیا جائے گا؛ اگرچہ وہ اس پر راضی نہ ہوں۔

د: شفیع کوئی غیر منقول مبیع حق شفعہ کی وجہ سے لے لے، حق شفعہ کا ثبوت بالترتیب شریک فی نفس المبیع، شریک فی حق المبیع اور جار ملاصق کو ہو گا۔

****

مبیع و ثمن کے احکام اور شرائط

۴۳- بیع کے منعقد ہونے کے لیے دونوں عوض کا مال ہونا شرط ہے؛ لہٰذا غیر مال کی بیع منعقد نہیں ہو گی اور باطل ہو گی، اور مال ہر ایسا عین یا مشروع منفعت مؤبدہ ہے جو لوگوں کے درمیان مادی قیمت والے ہوں۔

۴۴- حقوق کی خرید و فروخت کے سلسلے میں درج ذیل تفصیل ہے:

الف: جو حقوق اصلاً نہیں؛ بلکہ دفعِ ضرر کے لیے مشروع ہوئے ہیں ان کا کسی بھی صورت میں عوض لینا جائز نہیں ہے، نہ بیع کے طور پر اور نہ صلح و تنازل کے طور پر، جیسے حقِ شفعہ، حق القسم للمرأۃ (شب باشی کا حق) اور مخیّرہ کا حق۔

ب: جو حقوق فی الحال ثابت نہ ہوں؛ بلکہ مستقبل میں ان کی توقع ہو تو ان کا بھی بہر صورت عوض لینا ناجائز ہے، جیسے مورث کی زندگی میں وراثت کا حق، مولیٰ کی زندگی میں ولاء کا حق اور پنشن لینے کا حق۔

ج: جو شرعی حقوق صاحبِ حق کے لیے اصلاً ثابت ہوتے ہیں؛ لیکن دوسرے کی جانب شرعاً منتقلی کے قابل نہیں ہوتے تو بطور بیع ان کا عوض لینا ناجائز ہے؛ لیکن صلح اور تنازل بالمال کے طور پر جائز ہے، جیسے: قصاص کا حق، بیوی کے ساتھ نکاح باقی رہتے ہوئے شوہر کا حق (کہ خلع اور طلاق علی المال کے طور پر صلح کرنا جائز ہے)

د: عرفی حقوق جو اعیان سے متعلق اور دائمی منافع ہوتے ہیں، جیسے: راستے سے گزرنے کا حق، حقِ شرب، حقِ تسییل اور حقِ تعلّی، ان کی بیع اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ وہاں جوازِ بیع سے کوئی اور چیز مانع نہ ہو، مثلاً غرر اور جہالت نہ ہو، اس میں تجارتی نام، تجارتی علامت اور حقِ امتیاز کی بیع بھی داخل ہے، بشرطیکہ وہ استعمال کرنے والوں کے لیے تدلیس اور دھوکہ دہی کو متضمن نہ ہو، اس کی صورت یہ ہوگی کہ عوام کے سامنے بیع کا اعلان کر دیا جائے، اور بائع اپنی ٹکنالوجی وغیرہ مشتری کے سپرد کر دے، اس میں حقِ ابتکار، کتابوں کو نشر کرنے کا حق اور تجارتی ترخیص کی بیع بھی داخل ہے، بشرطیکہ قانوناً اس کی اجازت ہو اور جھوٹ و دھوکہ دہی کو مستلزم نہ ہو۔

ھ: حق اسبقیت، جیسے: گھیرا بندی کے بعد احیاء موات کا حق، اس کی بیع جائز نہیں ہے؛ لیکن صلح اور تنازل بالمال جائز ہے، بیع اور تنازل بالعوض کے درمیان فرق یہ ہے کہ بیع کی وجہ سے مشتری کی جانب حق منتقل ہوجاتا ہے، اور تنازل کی وجہ سے منزول لہٗ کی جانب منتقل نہیں ہوتا؛ بلکہ نازل کی مزاحمت ختم ہوجاتی ہے؛ لٰہذا وہ احیاء کی وجہ سے اپنے حق کا استعمال کرسکتا ہے، اگر غیر نازل کی جانب سے مزاحمت نہ ہو۔

و: حق وظیفہ کی بیع جائز نہیں؛ البتہ تنازل بالمال جائز ہے، یہی حکم گھر یا مکان کرایہ پر لینے کے حق کا بھی ہے کہ اس کی بیع ناجائز؛ لیکن تنازل بالمال جائز ہے، بشرطیکہ اجارہ کی مدت معلوم ہو، اور مستاجر اجارہ باقی رکھنے میں اپنے حق سے نزول کرسکتا ہے، لٰہذا منزول لہٗ کے لیے جائز ہوگا کہ وہ موجر کے ساتھ عقد اجارہ کرلے۔

ز: عالمی منڈیوں میں جسے بیع الاختیارات (options) کہا جاتا ہے وہ ناجائز ہے، اور اختیار عاقدین میں سے کسی ایک کے اس التزام کا نام ہے کہ وہ معلوم مدت کے اندر فلاں چیز ایک متفق علیہ قیمت پر ہی بیچے گا یا خریدے گا، اور محض اس التزام کی وجہ سے اختیار فروخت کرنے والا التزام کے عوض کا مستحق ہوجاتا ہے۔

۴۵- بیع کے منعقد ہونے کے لیے عوضین کا عرف وشرع کے اندر مال متقوم ہونا شرط ہے، عرف کے اندر تقوم کا مطلب یہ ہے کہ اس سے نفع اٹھایا جاسکتا ہو؛ لٰہذا جو ناقابل انتفاع ہو وہ متقوم بھی نہیں ہے، اور شریعت کے اندر تقوم کا مطلب یہ ہے کہ شریعت نے کسی بھی شکل میں اس سے انتفاع کو مباح قرار دیا ہو؛ لٰہذا جن چیزوں سے نفع حاصل کرنا بہر صورت ناجائز ہے وہ غیر متقوم ہیں، اسی وجہ سے شراب اور خنزیر مسلمانوں کے حق میں متقوم نہیں ہیں؛ اگرچہ اہل کتاب کے

باہمی معاملات میں یہ متقوم شمار کیے جاتے ہیں، اور اس سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ جس کا کسی مباح کام میں استعمال کیا جاسکتا ہو اس کی بیع جائز ہوگی، اور جس کا مباح طریقہ سے استعمال ناممکن ہو اس کی بیع ناجائز ہوگی؛ کیوں کہ شرعاً وہ غیر متقوم ہے۔

۴۶- بیع کے منعقد ہونے کے لیے مبیع کا عقد کے وقت موجود ہونا ضروری ہے؛ لہٰذا معدوم کی بیع منعقد نہیں ہوگی، اس سے سلم اور استصناع مستثنیٰ ہیں اور ان دونوں میں ان کی شرائط بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اور اگر مبیع کا بعض حصہ موجود اور بعض معدوم ہو، جیسے درخت کے پھل تو حاجت کے وقت ان کی بیع جائز ہوگی، رہا سپردگی سے قبل مسلم فیہ یا شئ مستصنع کو فروخت کرنا تو یہ ناجائز ہے۔

۴۷- بیع کے منعقد ہونے کے لیے مبیع کا بائع کی ملکیت میں ہونا شرط ہے؛ لہٰذا جس چیز کا بائع مالک نہ ہو اس کی بیع باطل ہوگی، یہی حکم اس مبیع کا بھی ہے جو شرعاً مباح الاصل ہو، جیسے سمندروں اور نہروں کا پانی، گھاس اور آگ، اور بیع کے صحیح ہونے کے لیے مشتری کا عقد کے وقت ثمن کا مالک ہونا شرط نہیں ہے؛ لہٰذا اس کی بیع درست ہوگی اور اس کے ذمہ میں نقود واجب ہوں گے۔

۴۸- بیع کے منعقد ہونے کی ایک شرط یہ ہے کہ بائع مبیع سپرد کرنے پر قادر ہو؛ لہٰذا عقد کے وقت جس مبیع کی سپردگی بائع کی قدرت میں نہ ہو اس کی بیع باطل ہوگی، مثلاً اپنی کوئی گم شدہ چیز فروخت کرے جس کے ٹھکانہ کا علم نہ ہو، یا فضا میں اڑتے پرندہ یا سمندر و نہر میں تیرتی مچھلی کو فروخت کرے، اس میں مدین (قرض خواہ) کے علاوہ سے دین (قرض) کی بیع بھی داخل ہے، اور مدین کو ثمن حال کے عوض اس طرح بیچنا جائز ہے کہ سود لازم نہ آئے، بل آف ایکسچینج اور بانڈز کی فروخت بھی ناجائز ہے، اور بل آف ایکسچینج کی قیمت اسمیہ سے کم ثمن دینا بھی ناجائز ہے؛ لیکن بل آف ایکسچینج کو اس کی قیمت اسمیہ کے اساس پر

حوالہ کے ذریعے دوسرے کی جانب منتقل کرنا جائز ہے، (دین کی بیع غیر مدین سے اگرچہ ناجائز ہے؛) لیکن دکان کو مالہٗ وما علیہ کے ساتھ فروخت کیا جاسکتا ہے، جس میں وہ دیون بھی شامل ہوں گے جن کو حاصل کیا جاسکتا ہو؛ کیوں کہ مقصود دکان کے اعیان کی بیع ہے، اور دیون تو تبعاً داخل ہیں۔

۴۹- بیع کے صحیح ہونے کے لیے مبیع اور ثمن دونوں کا معلوم ہونا شرط ہے، اگر مبیع کے اندر جہالت ہو، خواہ جنس میں یا مقدار میں تو بیع فاسد ہے، جب کہ جہالت مفضی الی النزاع ہو؛ الّا یہ کہ عاقدین میں سے کسی نے خیار تعیین کی شرط لگائی ہو تو اس میں خیار تعیین کے احکام ثابت ہوں گے۔

اور مبیع کی تعیین میں جہالت سے بیع فاسد ہو جاتی ہے جب کہ مبیع ایسی چیزوں میں سے ہو جن کے افراد متفاوت ہوتے ہیں، جیسے: بکری کے ریوڑ میں سے ایک بکری کی فروخت، اور اگر مبیع کے افراد میں تفاوت نہ ہو تو تعیین نہ کرنے سے بیع فاسد نہیں ہوگی، مثلاً: گیہوں کے ڈھیر میں سے دس کلو فروخت کیا جائے؛ البتہ مشتری کو اس ڈھیر میں سے دس کی تعیین کا اختیار ہوگا۔

۵۰- جو سامان ڈبوں اور کارٹنوں میں اس طرح پیک ہوں کہ عین کا مشاہدہ نہ کیا جاسکتا ہو تو ان کی بیع اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ ان کی جنس اور وصف معلوم ہو، یا تو ڈبہ اور کارٹن پر بذریعہ تحریر ان امور کی صراحت کردی گئی ہو یا اس سامان کے تجارتی نام یا علامت سے ان اوصاف کا پتہ چلتا ہو، پھر اگر سامان صفات کے برخلاف ہو تو مشتری کو خیار فواتِ وصف حاصل ہوگا۔

۵۱- مبیع کا مشاع ہونا اس کے معلوم ہونے کے منافی نہیں ہے؛ لہٰذا عمارت یا زمین یا عروض کے مشاع حصہ کی بیع اس شرط کے ساتھ جائز ہوگی کہ نہ بیچنے والے شریک کو اس سے ضرر لاحق نہ ہو۔

۵۲- کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے، بشرطیکہ کمپنی کی ملکیت میں نقود

کے علاوہ دیگر اموال بھی ہوں، اور اس کی سرگرمی حلال ہو، اگر اس کی آمدنی میں حرام کا علم ہو، مثلاً: بینکوں میں رکھے ہوئے کمپنی کے پیسوں سے حاصل شدہ سود تو شیئرز کے حامل پر اپنی آمدنی میں سے اتنا حصہ صدقہ کرنا واجب ہوگا جو اس حرام آمدنی کے مساوی ہو، اور اگر کمپنی کا ابھی آغاز نہ ہوا ہو؛ بلکہ اس کے مملوکات محض نقود کی شکل میں ہوں تو شیئرز کی بیع ان کی قیمت اسمیہ سے کم یا زیادہ کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

۵۳- بیع کے صحیح ہونے کے لیے مبیع پر بائع کی ملکیت اور حقیقی یا حکمی قبضہ کا ہونا شرط ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص ایک چیز خرید کر اس پر قبضہ کرنے سے پہلے کسی اور کو بیچ دے تو بیع فاسد ہے، حقیقی قبضہ یہ ہے کہ مبیع حسی طور پر بائع کے پاس موجود ہو، اور قبضہ حکمی تخلیہ کو کہا جاتا ہے، تخلیہ یہ ہے کہ بائع مشتری کو مبیع پر حساً قبضہ کی اجازت دے دے اور رکاوٹوں کو دور کردے، اور تمام مبیعات میں تخلیہ قبضہ کے قائم مقام ہوتا ہے، خواہ مکیلی ہو یا موزونی یا عددی یا عقار؛ البتہ بیع صرف کے اندر تخلیہ قبضہ کے قائم مقام نہیں ہوگا؛ بلکہ حسی قبضہ ضروری ہے۔

۵۴- وہ دستاویز حاصل کرنا ــــ جو گودام میں نمبروں کے ذریعے متعینہ سامان کی نمائندگی کرتا ہے، اور دستاویز کے حامل کو کسی بھی وقت گودام سے سامان لے لینے کا اختیار ہوتا ہے ــــ تخلیہ اور قبضہ حکمی کہلائے گا، اسی طرح اگر دستاویز گودام میں رکھے ہوئے سامانوں میں مشاع حصہ کی نمائندگی کرتا ہو تب بھی اس دستاویز پر قبضہ حکمی قبضہ ہوگا۔

۵۵- اگر ثمن نقد ہو تو بیع کے درست ہونے کے لیے عقد کے وقت مشتری کی ثمن پر ملکیت ہونا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ ثمن اس کے ذمہ میں واجب ہوگا، اور ادائیگی کے وقت اس کا مالک بننا جائز ہے، خواہ بیع حال ہو یا بیع مؤجل۔

۵۶- ثمن کے مجہول ہونے سے بیع فاسد ہو جاتی ہے؛ البتہ اگر ثمن کی تحدید کے لیے

عاقدین کسی منضبط معیار پر اتفاق کرلیں، مثلاً بازاری قیمت، اور ادائیگی کے وقت جہالت علم میں تبدیل ہوجاتی ہوتو ایسی جہالت سے عقد فاسد نہیں ہوگا۔

۵۷- ثمن کی ادائیگی کے لیے مقرر کردہ اجل کا مجہول ہونا عقد کو فاسد کر دیتا ہے۔

۵۸- بینک میں کسی کے اکاؤنٹ میں پیسے ڈالنا ــ خواہ براہ راست ڈالے جائیں یا بینک ٹرانسفر کے ذریعے ــ اکاؤنٹ والے کی جانب سے ان پیسوں پر قبضہ شمار ہوگا، اور بینک اس کا وکیل بالقبض ہوگا، اسی طرح بینک چیک کو سپرد کرنا اس میں درج رقم کو سپرد کرنا کہلائے گا؛ البتہ پرسنل چیک سپرد کرنے سے اس میں درج رقم کی سپردگی تبھی ہوگی جب کہ سامنے والا اس پر قبضہ کرلے یا اپنے بینک میں رکھ دے۔

۵۹- ڈیبٹ کارڈ، چارج کارڈ اور کریڈٹ کارڈ کے ذریعے ثمن ادا کرنا حوالہ کہلاتا ہے، جس سے مشتری کا ذمہ بری ہوجائے گا، اور اس پر حوالہ کے احکام منطبق ہوں گے۔

۶۰- معدنی یا کاغذی نقود عقود صحیحہ کے اندر متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے، پس اگر مشتری عقد میں بعض نقود کی جانب اشارہ کرے تو ان کے علاوہ دوسرے نقود دینا اس کے لیے جائز ہوگا، اسی طرح عقود فاسدہ میں بھی وہ متعین نہیں ہوتے؛ البتہ امانات اور باطل عقود میں متعین ہوجاتے ہیں۔

****

صلبِ عقد سے متعلق شرائط

۶۱- بیع کے جائز اور صحیح ہونے کے لیے اس کا فی الحال منجز ہونا ضروری ہے؛ لہٰذا کسی شرط

پر معلق بیع یا مستقبل میں آنے والی تاریخ کی جانب منسوب بیع جائز نہیں ہوگی۔

۶۲- اگر بیع میں کوئی شرط فاسد لگائی گئی ہو تو بیع فاسد ہو جائے گی، اور بیع کے اندر لگائی گئی ساری شرطیں فاسد ہیں، سوائے ان شرائط کے جو درج ذیل تین اقسام میں سے کسی کے تحت داخل ہوں:

الف: شرط مقتضائے عقد میں داخل ہو، مثلاً: یہ شرط کہ بائع مشتری کو مبیع اور مشتری ثمن ادا کرے گا۔

ب: شرط مناسبِ عقد ہو، مثلاً بیع مؤجل میں مشتری پر کفیل یا رہن پیش کرنے کی شرط لگائی جائے۔

ج: شرط کا بلا نکیر تاجرین کے درمیان تعامل ہو، مثلاً فریج کی بیع میں یہ شرط لگائی جائے کہ بائع خود مشتری کے گھر میں اس کو نصب کرے گا، اور ایک معلوم مدت تک اس کی خرابی دور کرنے کا التزام کرے گا۔

۶۳- ایک صفقہ کے اندر دوسرے صفقہ کی شرط لگانا ناجائز ہے، مثلاً بائع اس شرط کے ساتھ کار فروخت کرے کہ مشتری اس کو اپنا گھر کرایہ پر دے گا؛ البتہ اگر کوئی تجارتی کاروائی ایسی ہو کہ ایک ہی صفقہ میں متعدد عقود جمع ہو جاتے ہوں اور بلا نکیر اس کا عرف ہو چکا ہو، مثلاً سفر حج وعمرہ کا سفر یا سیاحتی مقامات کے ٹور کا انتظام کرنے والی کمپنیاں، انہیں متعدد کاموں کی ضرورت پڑتی ہے، جیسے: ویزا اور ٹکٹ حاصل کرنا، ہوٹلوں یا خیموں میں رہائش کا انتظام کرنا، اور کھانا فراہم کرنا، یہ تمام امور ایک ہی صفقہ میں ایک ہی عوض کے بدل ہوتے ہیں۔

۶۴- بیع بالوفاء ناجائز ہے، وہ یہ ہے کہ بائع ثمن معلوم کے عوض کوئی چیز بیچے، اس شرط پر کہ مشتری جب ثمن واپس کرے گا تو بائع مبیع لوٹا دے گا، صحیح بات یہ ہے کہ یہ رہن کی قبیل سے ہے؛ لہٰذا مشتری کے لیے اس چیز سے انتفاع ناجائز ہوگا جس کو اس نے اس شرط کے ساتھ خریدا ہے؛ کیوں کہ یہ درحقیقت مرہون کے ساتھ

انتفاع ہے اور ربا میں داخل ہے، اور اگر اس شرط کے بغیر بیع ہوئی ہے، پھر بیع کے بعد مشتری نے وعدہ کیا ہو کہ بائع جب بھی ثمن لے آئے گا وہ اس کو مبیع فروخت کر دے گا، تو یہ جائز وعدہ ہے اور قضاء لازم ہے، اور اگر بیع سے پہلے یہ وعدہ ہوا ہو پھر عقد میں اس شرط کا ذکر کیے بغیر بیع ہوئی ہو تو اگر انہوں نے یہ تصریح کی ہو کہ بیع سابقہ وعدہ پر مبنی ہوگی تو یہ بیع کے اندر شرط لگانے کے حکم ہے اور ناجائز ہے، اور اگر عقد میں یہ تصریح نہ ہو کہ وہ سابقہ وعدہ پر مبنی ہے تو یہ جائز ہے۔

۶۵- بیع استغلال یہ ہے کہ بائع مشتری کو مبیع فروخت کرنے کے بعد اسی سے کرایہ پر لے لے، تو اگر بیع کے اعادہ یا کرایہ پر لینے کی بیع میں شرط لگائی گئی ہو تو بیع ناجائز ہے، اور اگر بیع وفاء کی شرط کے بغیر ہوئی ہو؛ لیکن مشتری نے عقد بیع سے الگ وفاء کا وعدہ کیا ہو، بیع میں اجارہ کہ شرط نہ لگائی ہو، پھر کسی سابقہ شرط کے بغیر بائع مبیع کرایہ پر لے لے تو یہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اولاً مشتری مبیع پر قبضہ کرے پھر بائع کو کرایہ پر دے۔

۶۶- بیع ایجاری (Hire-purchase) کی حقیقت یہ ہے کہ عین کا مالک دوسرے کو اس شرط کے ساتھ کرایہ پر دے کہ مستاجر جب معلوم مدت کے اندر اجرت کی تمام قسطیں ادا کر دے تو وہ کوئی معتد بہ ثمن دیے بغیر اس کا مالک بننے کا مستحق ہو جائے گا، یہ بیع شرعاً ناجائز ہے؛ کیوں کہ یہ بیع واجارہ کے درمیان متردد ہے۔

۶۷- اجارہ تمویلی (Financing Lease) جس میں کرایہ پر دینے والا کرایہ پر دی جانے والی چیز کا ضمان اور اس کی اساسی منفعت ـــ جس کے بغیر نفع نہ اٹھایا جا سکتا ہو ـــ کی حفاظت کا ذمہ نہیں لیتا، یا کرایہ دار کی جانب سے تعدی کے بغیر شئ کے ہلاک ہونے کی صورت میں بھی اجرت کا مطالبہ کرتا ہے تو یہ شرعاً ممنوع ہے۔

۶۸- جو اجارہ تملیک پر جا کر ختم ہوتا ہو، اس طرح کہ کرایہ پر دینے والا عین کو کسی مقتضائے عقد کے خلاف شرط کے بغیر کرایہ پر دے پھر کرایہ پر دینے والا کرایہ

دار سے وعدہ کرے کہ اگر وقت کے اندر وہ ساری قسطیں ادا کر دے تو وہ متفق علیہ ثمن کے عوض اس کو فروخت کر دے گا تو یہ درج ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہے:

الف: دو الگ عقد پائے جائیں اور ہر ایک مستقل ہو، زمانہ کے لحاظ سے کہ اجارہ کے بعد عقد بیع کیا جائے، یا اجارہ کی مدت ختم ہونے پر تملیک کا وعدہ پایا جائے، اور احکام کے اندر خیار وعدہ کے موازی ہے۔

ب: اجارہ فعلی ہو، بیع کو چھپانے کے لیے نہ ہو۔

ج: کرایہ پر دی گئی چیز کا ضمان مالک کے ذمہ ہو، نہ کہ مستاجر کے ذمہ، چنانچہ مستاجر کی تعدی اور کوتاہی کے بغیر اگر سامان کو کوئی ضرر لاحق ہو تو اس کا تحمل مالک کرے گا، اور منفعت کے فوت ہو جانے کی صورت میں مستاجر سے کچھ بھی نہیں لے گا۔

د: عقد اگر کرایہ پر دی گئی چیز کے انشورنس پر مشتمل ہو تو انشورنس کا اسلامی اصولوں کے مطابق ہونا ضروری ہے، اور اس کا تحمل مالک کرے گا نہ کہ مستاجر۔

ہ: جو اجارہ تملیک پر جا کر ختم ہوتا ہے اس پر اجارہ کی مدت کے دوران اجارہ کے احکام اور عین کا مالک ہونے کے وقت بیع کے احکام منطبق کیے جائیں گے۔

و: مدتِ اجارہ کے دوران مبیع کے حفاظتی اخراجات (Mantenance) مالک پر ہوں گے نہ کہ مستاجر کا۔

مبیع میں سے ایک معلوم مقدار کا استثناء کرنا جائز ہے اور اس میں ضابطہ یہ ہے کہ جس کی بیع انفرادی طور پر جائز ہے اس کا استثناء بھی جائز ہے، اور جس کی بیع انفرادی طور پر ناجائز ہے اس کا استثناء بھی ناجائز ہے۔

بیع کی متعدد تقسیم
عوضین کی ادائیگی کے لحاظ سے بیع کی پہلی تقسیم

۷۰- اگر عقد بیع کا یہ مقتضی ہو کہ بائع کو ثمن کے اور مشتری کو مبیع کے مطالبہ کا فی الفور حق حاصل ہو تو یہ بیع بیع حال کہلاتی ہے، اس بیع میں بائع ثمن کی وصولی تک مبیع کو روکے رکھ سکتا ہے، اور اگر عقد بیع میں یہ صراحت نہ ہو کہ مستقبل میں مشتری ثمن ادا کرے گا تو بیع حال ہی شمار ہوگی اور بائع کے لیے جس وقت چاہے ثمن کے مطالبے کا اختیار ہوگا۔

۷۱- بیع الکالی بالکالی ناجائز ہے، یعنی یہ کہ دونوں بدل مؤجل ہوں۔

۷۲- اگر عقدِ بیع میں یہ شرط ہو کہ کسی آنے والی تاریخ میں مشتری پر ثمن واجب ہوگا تو یہ بیع مؤجل کہلاتی ہے، اس کے جائز ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اجل یعنی ثمن کی ادائیگی کا وقت عاقدین کو معلوم ہو، اور عاقدین قسط وار ثمن کی ادائیگی پر بھی اتفاق کر سکتے ہیں، بشرطیکہ ہر قسط کی مقدار اور ادائیگی کا وقت معلوم ہو، اگر اس میں ایسی جہالت ہو جو مفضی الی النزاع ہو تو بیع فاسد ہوگی۔

۷۳- بیع مؤجل میں اجل مشتری کا حق ہے؛ لہٰذا اجل کے آنے سے قبل بائع کے لیے ثمن کا مطالبہ کرنا اور ثمن کی وصولی کے لیے مبیع کو روکے رکھنا جائز نہیں ہے؛ لیکن وہ مشتری سے کفیل یا رہن طلب کر سکتا ہے، اور مشتری مبیع پر قبضہ کرنے کے بعد مبیع کو ہی بطور رہن رکھوا سکتا ہے، قبضہ سے پہلے رہن رکھوانا ناجائز ہے۔

۷۴- بیع مؤجل میں ثمن بیع حال کے ثمن سے زائد ہو سکتا ہے، بشرطیکہ عاقدین بیع کے مؤجل ہونے، ثمن اور ثمن کی ادائیگی کے وقت پر اتفاق کر لیں، عقد کو حال اور مؤجل ہونے کے درمیان چھوڑے رکھنا جائز نہیں ہے، مثلاً بائع کہے: اس کا ثمن

حال دس اور ثمن مؤجل پندرہ ہے، اور مشتری دونوں میں سے کسی ایک کو متعین کیے بغیر مبیع لے کر چلا جائے، اسی طرح یہ بھی ناجائز ہے کہ بیع مؤجل پر اتفاق ہو اور بائع کہے: اگر میں ایک مہینے کے اندر ثمن لے کر آؤں تو ثمن پندرہ اور دو مہینے میں لے کر آؤں تو ثمن بیس روپے، اور عاقدین دونوں مدتوں میں سے کسی ایک کی تعیین کے بغیر علیحدہ ہوجائیں، اور بھاؤ تاؤ کے وقت مختلف مدتوں کے لحاظ سے مختلف اثمان کا ذکر کرنا جائز ہے؛ لیکن بیع کے جائز ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ عاقدین علیحدہ ہونے سے قبل کسی ایک مدت اور ثمن پر متفق ہوجائیں، اگر اجل اور ثمن کی تعیین نہ ہو تو بیع فاسد ہوگی۔

۷۵- اگر مدت آنے پر مشتری ثمن ادا نہ کرسکے تو بائع کو ثمن میں اضافہ کرنے کی اجازت نہ ہوگی، اور عوض کے بدلے مہلت دینا بھی ناجائز ہے؛ بلکہ مشتری اگر تنگ دست ہو تو ثمن میں اضافہ کیے بغیر مہلت دینا واجب ہے، اور اگر مال دار ہو تو قضاءً اس سے ثمن کا مطالبہ ہوگا، اور اس صورت میں بائع کو یہ اختیار ہوگا کہ عدالت سے رجوع کرنے میں جو خرچے اٹھانے پڑتے ہیں ان کا مدیون سے مطالبہ کرے؛ البتہ حقیقی خرچوں سے زائد کا مطالبہ ناجائز ہوگا۔

******

بیع سلم اور بیع استصناع

۷۶- بیع سلم عاجل کے عوض آجل کی فروخت کا نام ہے، مطلب یہ کہ عقد کے وقت مشتری ثمن ادا کرے اور مبیع بائع کے ذمہ میں ہو جس کو وہ متفق علیہ مدت کے آنے پر ادا کرے گا، بیع سلم میں مشتری رب السلم یا مسلم، بائع مسلم الیہ، ثمن رأس

المال اور مبیع مسلم فیہ کہلاتی ہے، اور اس بیع کے جائز ہونے کے لیے اس میں درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، جن میں سے بعض کا تعلق نفس عقد سے، بعض کا ثمن سے، بعض کا مسلم فیہ سے اور بعض کا مسلم فیہ کی سپردگی سے ہے۔

۷۷- نفس عقد سے متعلق شرائط وہی ہیں جو بیع کے جائز ہونے کے عام شرائط ہیں، یعنی عاقدین کا اہل ہونا وغیرہ۔

۷۸- رأس المال (پیشگی ادا کردہ ثمن) سے متعلق شرائط درج ذیل ہیں:

الف: اگر رأس المال نقود میں سے ہو تو کرنسی کی تعیین ضروری ہے، جیسے: دراہم، دنانیر، ریالات یا روپے وغیرہ، اور اگر اعیان میں سے ہو تو اس کی جنس اور نوعیت بیان کرنا ضروری ہے، جیسے: گیہوں، یا کھجور یا کپڑا۔

ب: اگر رأس المال کی صفات میں تفاوت ہو تو صفت بیان کی جائے۔

ج: اگر عقد کا تعلق قدر یعنی مکیلات، موزونات اور عددیات متقاربہ سے ہو تو مقدار بیان کی جائے۔

د: عقد سلم کی مجلس میں رأس المال پر قبضہ کرلیا جائے، اور اگر رأس المال کی سپردگی بذریعۂ بینک ہو تو اگر بینک ڈرافٹ یا سرٹیفائیڈ چیک کے ذریعہ سپردگی ہوئی ہو تو یہ قبضہ کے حکم میں ہے؛ کیوں کہ بینک قبضہ کے حق میں مسلم الیہ کا وکیل ہے، اور اگر پرسنل چیک یا بینک ٹرانسفر کے ذریعے ہو تو یہ قبضہ اسی وقت کہلائے گا جب کہ مسلم الیہ اس رقم کو وضع کرلے یا مسلم الیہ کے اکاؤنٹ میں اس کی تقیید تام ہوجائے، اور تقیید و بینک ٹرانسفر کی کاروائیوں میں ہونے والی عادۃً لازمی تاخیر معاف ہوگی۔

اگر رب السلم نے کچھ رأس المال معجّل اور کچھ مؤجل کیا ہو تو غیر مقبوض میں سلم باطل ہوجائے گا، اور اس کے حصے کے بقدر مسلم فیہ سے ساقط ہوجائے گا، اور باقی میں سلم اس کے حصے کے بقدر درست ہوگا بشرطیکہ مسلم فیہ کے اجزاء کیے

جا سکتے ہوں۔

۷۹- بیع سلم میں رأس المال دین نہیں ہوسکتا، خواہ مسلم الیہ کے ذمہ میں ہو یا کسی اور کے؛ بلکہ مجلسِ عقد ہی میں ادائیگی ضروری ہے۔

۸۰- اگر عاقدین دو ملکوں میں ہوں اور وہ عقد سلم کرنا چاہیں تو جمہور کے نزدیک اس کا طریقہ یہ ہے کہ رب السلم مسلم الیہ کو راس المال پیشگی بھیج دے، یہ رقم مسلم الیہ کے پاس بطور امانت رہے گی، پھر جب مسلم الیہ وہ رقم وصول کرلے تو وہ دونوں فون یا دیگر ذرائع مواصلات کے ذریعے بیع سلم کرلیں، اور زبانی ایجاب وقبول سے مسلم الیہ کے پاس موجود رقم قبضہٗ امانت سے نکل کر راس المال بن جائے گی، اور مشتری بینک ٹرانسفر کے ذریعے بھی رأس المال بھیج کر فون کے ذریعے بھی عقد کرسکتا ہے۔

۸۱- مسلم فیہ میں درج ذیل شرائط پائے جانے ضروری ہیں:

الف: مسلم فیہ کی جنس معلوم ہو، اگر اس کے مختلف انواع ہوں تو نوع معلوم ہو، اس کی صفت معلوم ہو، مثلاً جید یا ردی یا درمیانی ہونا، ہمارے زمانے کا عرف یہ ہے کہ انواع کی تقسیم درجات کے ذریعے ہوتی ہے، جیسے روئی اور گیہوں میں، اگر ایسی صورت حال ہو تو مطلوبہ درجہ بیان کرنا بھی ضروری ہے، اسی طرح مقدار بھی معلوم ہونا ضروری ہے، اور قدر کا معیار ایسی چیز ہوگی جس کا لوگوں کے درمیان سے غائب ہوجانے کا اندیشہ نہ ہو؛ لہٰذا اگر ایسے مکیال سے کیل کیا جائے جس کا معیار اور وزن معلوم نہ ہو، یا ایسی لکڑی سے پیمائش کی جائے جس کی مقدار نامعلوم ہو، یا اپنے ہاتھ کے ذراع سے تو بیع سلم ناجائز ہے، ان شرائط کا حاصل یہ ہے کہ مسلم فیہ منضبط ہو، اور اس کے ضبط میں نزاع کا احتمال باقی نہ رہے۔

ب: مسلم فیہ ذوات الامثال میں سے ہو؛ لہٰذا مکیلات، موزونات،

مذروعات اور عددیات متقاربہ ـــ جن کے افراد میں بہت کم تفاوت ہوتا ہے جو کہ عرف میں ناقابلِ اعتناء ہوتا ہے، جیسے اخروٹ اور انڈا ـــ میں بیع سلم جائز ہے، اسی بنا پر کار، سائیکل، ہوائی جہاز، فریج، اے سی، اور گھریلو بجلی کی مشینوں ـــ جن کی نوعیت، وصف، ماڈل، رنگت اور اور اس طرح کے اوصاف منضبط ہوتے ہیں جن میں مشتری کی رغبت کا دخل ہوتا ہے ـــ میں بیع سلم جائز ہے، اور کارخانہ یا تجارتی علامت کی تعیین میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ مسلم فیہ اپنے محل سے لے کر اجل کے آنے تک عام طور پر اکثر پایا جاتا ہو۔

اور عددیات متفاوتہ میں بیع سلم ناجائز ہے، جیسے: ہیرے، موتی، چمڑے، سرے، پائے، خربوزہ، ککڑی، انار، سفرجل اور اس طرح کے عددیات جن کے افراد میں تفاوت ہوتا ہے؛ کیوں کہ وصف بیان کر کے ان کو ضبط نہیں کیا جاسکتا؛ اس لیے کہ جنس، نوع، وصف اور مقدار بیان کرنے کے بعد بھی جہالت فاحشہ باقی رہتی ہے جو نزاع کا سبب بنتی ہے۔

ج: مسلم فیہ کے اندر ایسے مقام کی تعیین نہ کی گئی ہو کہ اس میں انقطاع کا احتمال ہو، مثلاً کسی متعینہ درخت یا متعینہ باغ کے پھل یا متعینہ کمپنی کے پراڈکٹ میں بیع سلم کرے جس میں مدتِ سلم کے دوران انقطاع کا احتمال ہو، اسی طرح کمپنیوں کے شیئرز میں بھی بیع سلم ناجائز ہے؛ کیوں کہ کمپنیوں میں انقطاع اور تصفیہ کا احتمال ہے، پس یہ متعینہ باغ کے پھل کے اندر بیع سلم کے مشابہ ہوگیا، دوسری وجہ یہ ہے کہ شیئر کمپنی کے اشیاء کے مشاع حصہ کا نام ہے، اور ان اشیاء میں ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں جن میں سلم جائز نہیں ہوتا، مثلاً عمارتیں، متعینہ بچھونے اور عددیات

متفاوتہ، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

۸۲- مسلم فیہ کی سپردگی سے متعلق شرائط درج ذیل ہیں:

الف: مسلم فیہ کی سپردگی کی مدت معلوم ہو، اور مسلم فیہ کی سپردگی کے لیے قسط وار متعدد مدتوں کی تعیین جائز ہے، بشرطیکہ کل راس المال ادا کردیا جائے۔

ب: مسلم فیہ کی سپردگی کی جگہ معلوم ہو، اور اگر عقد میں مسلم فیہ کی سپردگی کی جگہ ذکر نہ کی گئی ہو تو محل عقد میں سپردگی ضروری ہے۔

ج: عقد میں جس مسلم فیہ کی سپردگی کی شرط لگائی گئی تھی بعینہ وہی سپرد کیا جائے؛ لہٰذا کسی دوسری چیز سے اس کو بدلنا جائز نہیں ہوگا؛ اگرچہ رب السلم کی رضامندی سے ہو؛ کیوں کہ دوسری چیز سے بدلنا مسلم فیہ کی بیع قبل القبض کا سبب ہے جو کہ ناجائز ہے۔

د: سپردگی ان اوصاف کے مطابق ہو جن پر عاقدین نے عقد میں اتفاق کیا تھا، اگر سپردگی کے وقت وہ اوصاف موجود نہ ہوں تو سپردگی درست نہیں ہوگی؛ الا یہ کہ رب السلم اسی پر راضی ہو؛ البتہ اگر عاقدین نے جن اوصاف پر اتفاق کیا تھا اس سے زیادہ عمدہ موجودہ مسلم فیہ ہو اور رب السلم کا مقصد اس سے فوت نہ ہوتا ہو (تو رب السلم پر اس کا لینا لازم ہوگا۔)

۸۳- سلم موازی یہ ہے کہ مسلم الیہ متعینہ وقت پر رب السلم کو مسلم فیہ کی سپردگی کا التزام کرنے کے بعد کسی اور سے بیع سلم کرتا ہے، جس میں وہ خود رب السلم ہوتا ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ الف کمپنی نے ایک لاکھ دس ہزار کے عوض روئی کی متعینہ مقدار کے اندر بیع سلم کیا جسے ب کمپنی جنوری کے مہینے کے آغاز میں سپرد کرے گی، اس معاملے کے اندر ب کمپنی مسلم الیہ ہے، پھر ب کمپنی روئی کے کسی کاشت کار سے ایک لاکھ کے عوض روئی کی اتنی ہی مقدار میں بیع سلم کرتی ہے جسے کاشت کار جنوری کے مہینے کے آغاز میں سپرد کرے گا، اس دوسرے عقد میں

ب کمپنی رب السلم ہے، اور روئی کا کاشت کار مسلم الیہ ہے، یہاں ب کمپنی کا مقصد یہ ہے کہ وہ جنوری کے مہینے کے آغاز میں روئی کی مطلوبہ مقدار حاصل کر لے؛ تاکہ عقد اول کے مطابق الف کمپنی کو سپرد کر سکے، اور دونوں بیع سلم کے راس المال کے مابین جو فرق ہے اس سے نفع کمائے، یہ عقد ثانی جو ب کمپنی نے روئی کے کاشت کار کے ساتھ کیا ہے یہی سلم موازی کہلاتا ہے۔

مذکورہ قسم کی سلم موازی اسی صورت میں جائز ہے جب کہ دونوں عقود کے درمیان کوئی ربط نہ ہو اور سلم موازی کی وجہ سے لازم ہونے والے حقوق اور التزامات سلم اول سے علیحدہ ہوں، مطلب یہ کہ مذکورہ مثال میں اگر روئی کا کاشت کار سلم موازی کے اندر اپنے التزامات میں کوتاہی کرے تو اس کا اثر سلم اول کے اندر مسلم الیہ کے التزامات میں ظاہر نہ ہو؛ بلکہ اس پر رب السلم اول (یعنی مذکورہ مثال میں الف کمپنی) روئی کی مطلوبہ مقدار سپرد کرنا واجب ہوگا؛ اگرچہ اس کے لیے اسے بازار سے خریداری کی ضرورت پڑے۔

۸۴- استصناع یہ ہے کہ مشتری بائع سے کسی چیز کا مطالبہ کرے جو اس کے پاس موجود مواد سے بنائی جائے اور اس کے ذمہ میں لازم ہو، اور بائع متفق علیہ ثمن کے عوض اس کا التزام کرے، یہ معدوم کی بیع کی ممانعت سے مستثنیٰ بیع ہے، اور استصناع کے درست ہونے کے لیے اس میں درج ذیل شرائط پائے جانے ضروری ہیں:

الف: معقود علیہ ایسی چیز ہو جس میں صنعت کی ضرورت ہو؛ لہٰذا ایسی چیز میں استصناع نہیں ہوسکتا جس میں صنعت کی ضرورت نہ ہو، جیسے گیہوں، جو اور دیگر زراعتی اشیاء۔

ب: معقود علیہ کی منضبط اوصاف کے ذریعے تحدید کی گئی ہو، لہٰذا بالذات کوئی متعینہ چیز استصناع کا محل نہیں ہوسکتی، جیسے متعینہ کار۔

ج: معقود علیہ کی سپردگی کے لیے بطور استمہال کوئی مدت متعین نہ کی جائے، استمہال کا مطلب یہ ہے کہ دیگر بنوانے والوں کی تعداد کا خیال بھی رکھتے ہوئے عادۃً اس چیز کو بنانے کے لیے جتنی مدت کی ضرورت پڑتی ہے بائع اس سے زائد مدت مقرر کرے، اور اس زائد مدت کی تعیین کا مقصد فی الحال نقد حاصل کر کے متعین کردہ مدت تک اپنی ضروریات میں اس کا استعمال کرنا ہو، اگر استصناع کے اندر اجل کی تعیین بعینہٖ اس مقصد سے ہو تو وہ سلم ہو جائے گا، اور اس میں سلم کے شرائط پائے جانے ضروری ہوں گے، جن میں سے ایک راس المال کی معجّل ادائیگی ہے، اور اگر اجل کی تعیین اوصاف کے مطابق مصنوع کو تیاری کر سکنے کے لیے مقرر کی جائے تو یہ عقد کا تقاضہ ہی ہے، اور یہ مدت بطور استعجال ہے نہ کہ بطور استمہال۔

۸۵- استصناع کے اندر مصنوع کا ان اوصاف کے مطابق ہونا ضروری ہے جن پر عاقدین کا اتفاق ہوا ہو، اور کسی ایسی متعینہ چیز پر عقد استصناع نہیں کیا جا سکتا جو پہلے سے بنی ہوئی ہو۔

۸۶- اگر عقد صفات کی بنیاد پر ہی کیا جائے نہ کہ کسی متعینہ چیز پر، پھر بائع ان صفات کے مطابق پہلے سے بنی ہوئی چیز لے آئے تو یہ جائز ہے، بشرطیکہ وہ متفق علیہ صفات کے موافق ہو۔

۸۷- سپردگی سے قبل مصنوع صانع کی ملکیت ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ مستصنع کے لینے سے قبل کسی اور کو بھی وہ چیز فروخت کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ اس جیسی چیز وقت پر مستصنع کو بنا کر دے سکے؛ کیوں کہ دوسرے کو بیچ دینا وقت پر معقود علیہ مستصنع کو سپرد نہ کرنے کا سبب ہے، اور عقد استصناع کے لازم ہونے کا راجح ہونا بیان کیا جا چکا ہے۔

۸۸- سپردگی سے قبل مصنوع بائع کے ضمان میں ہوتا ہے، چنانچہ ملکیت کی تمام ذمہ داریاں جیسے صیانت وحفاظت وغیرہ بائع کے ذمہ ہوں گی، اور سپردگی سے قبل ہلاک ہونے کی صورت میں بائع کے مال سے ہلاک ہوگا۔

۸۹- سپردگی سے قبل مصنوع صانع کی ملکیت ہے نہ کہ مستصنع کی؛ لہٰذا مستصنع کے لیے کسی اور کو وہ چیز اس پر قبضہ سے قبل فروخت کرنا جائز نہ ہوگا۔

۹۰- مستصنع کو مصنوع سپرد کردینے، یا اس کو تخلیہ کے ذریعے مصنوع پر قبضہ کی قدرت دے دینے، یا مستصنع نے جس کو وکیل بالقبض متعین کیا ہے اس کو سپرد کردینے سے بائع کا ذمہ بری ہوجائے گا، اور اسی سے ضمان صانع سے مستصنع کی جانب منتقل ہوجائے گا۔

۹۱- اگر سپردگی کے وقت مصنوع اوصاف کے مطابق نہ ہو تو مستصنع کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہوگا، (اگر قبول کرلے تو) یہ حسنِ اقتضاء کے قبیل سے ہوگا، اور عاقدین قبول کرنے پر باہم صلح بھی کرسکتے ہیں؛ اگرچہ ثمن میں کمی کے ذریعے ہو اور اگر مصنوع عقد میں جن اوصاف کی شرط لگائی گئی تھی ان کے مطابق ہو تو مستصنع کو دیکھنے کے بعد خیار نہ ہوگا؛ بلکہ قبول کرنا لازم ہوگا۔

۹۲- مدت سے قبل سپردگی جائز ہے؛ کیوں کہ مدت برائے استعجال تھی نہ کہ برائے استمہال۔

۹۳- اگر صانع کی جانب سے تخلیہ اور قبضہ کی قدرت دے دینے کے باوجود مستصنع مصنوع پر کسی حق کے بغیر قبضہ نہ کرے تو اس دوران مصنوع صانع کے پاس بطور امانت رہے گا، اور تعدی یا تقصیر کی صورت ہی میں وہ ضامن ہوگا، اور اس کی حفاظت کا خرچہ مستصنع برداشت کرے گا۔

۹۴- عقدِ استصناع میں یہ صراحت کرنا جائز ہے کہ صانع کی جانب سے تخلیہ اور قبضہ کی قدرت دے دینے کے بعد اگر مستصنع نے ایک متعین مدت تک مصنوع پر قبضہ

نہیں کیا تو صانع اس کا وکیل بالبیع ہوجائے گا، اور استصناع کا ثمن مستصنع سے وصول کرے گا، اگر زیادتی ہوئی تو اسی کی جانب لوٹا دیا جائے گا، اور کمی ہوئی تو صانع اس فرق کا مستصنع سے رجوع کرے گا۔

۹۵- عقد کے وقت استصناع کا ثمن معلوم ہونا ضروری ہے۔

۹۶- بیع سلم کی مانند ثمن کا معجّل ہونا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ وہ معجّل بھی ہوسکتا ہے، مؤجل بھی اور قسط وار بھی، اور ثمن کی قسطیں پروجیکٹ کی تکمیل کے مختلف مراحل کے ساتھ بھی مربوط کی جاسکتی ہیں، بشرطیکہ عرف میں وہ مراحل منضبط ہوں اور ان میں نزاع کا احتمال نہ ہو۔

۹۷- عقد کے وقت پیشگی ادا کردہ ثمن کا صانع مالک ہوگا، اس سے نفع اٹھانا اور روح کمانا اس کے لیے جائز ہے، اس میں زکوۃ بھی واجب ہوگی؛ لیکن وہ اس کے ذمہ مضمون ہوگا، یعنی اگر کسی وجہ سے عقد فسخ ہوجائے تو مستصنع کو ثمن واپس کرنا لازم ہوگا؛ البتہ بہ حکم ضمان ربح کا مالک صانع ہی ہوگا۔

۹۸- منفعت کو بھی استصناع کا ثمن قرار دیا جاسکتا ہے، عین ہونا ضروری نہیں ہے؛ کیوں کہ منفعت بیع واجارہ ہر دو میں ثمن بن سکتی ہے۔

اسی بنا پر ان عقود کی تخریج کی جاسکتی ہے جو عقود البناء والتشغیل (Build, operate and transfer) کہلاتے ہیں، ان عقود کی حقیقت یہ ہے کہ حکومت ہائی ویز یا پل بنانے کی ذمہ داری کسی مخصوص کمپنی کو دیتی ہے جو معلوم مدت کے اندر اسے بنانے کا التزام کرتی ہے، پھر حکومت ایک متعین مدت تک انہیں ان سڑکوں اور پلوں کی تشغیل کا اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی لینے کا حق دیتی ہے، اور اس مدت کے ختم ہونے کے بعد وہ سڑک حکومت کے سپرد کردی جاتی ہے، یہ حکومت کی جانب سے استصناع ہے، اور اس کا ثمن متعین مدت تک سڑک کی وہ منفعت ہے جس پر طرفین کا اتفاق ہوا ہے۔

۹۹- مرابحہ کے اساس پر استصناع کا ثمن متعین کرنا جائز نہیں ہے، اس طرح کہ ثمن کی تعیین لاگت اور معلوم اضافہ سے کی جائے؛ کیوں کہ مرابحہ کا ثمن ایسی چیز ہونا ضروری ہے جو موجود مملوک ہو اور عقد کے وقت اس کا ثمن معلوم ہو، اور عقدِ استصناع ملکیت حاصل ہونے سے قبل ہی تام ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ یہ ذمہ میں موصوف غیر متعین بیع ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ لاگت کا علم تکمیل کے بعد ہی ہوتا ہے، جب کہ عقد کے وقت ثمن کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

۱۰۰- اگر ایسے حالات پیدا ہوجائیں جو استصناع کے ثمن میں کمی بیشی کے متقاضی ہوں تو طرفین کے اتفاق سے یہ جائز ہے، اور طرفین عقد کے ابتداء میں استصناع کے ثمن کی تعیین کے ایک معیار پر اتفاق کرسکتے ہیں، مثلاً کسی عمارت کے اندر عقدِ استصناع میں ان کا اس پر اتفاق ہو کہ اگر سمنٹ یا لوہے کی قیمت میں ایک معلوم تناسب تک کمی یا بیشی ہوگئ تو اسی تناسب سے ثمن میں بھی کمی یا زیادتی ہوگی، اور ایسے حالات میں جب کہ قلیل مدت کے اندر ہی سامانوں کی قیمتیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں یہی واحد حل ہے، واللہ سبحانہٗ اعلم۔

۱۰۱- عقد میں کسی جزائی شرط پر اتفاق کیا جاسکتا ہے کہ صانع اگر مصنوع کی سپردگی میں تاخیر کرے تو تاخیر کے مقابل ثمن میں سے کٹوتی کرلی جائے گی۔

****

بیع کی ربحیت کے اعتبار سے دوسری تقسیم

مرابحہ

۱۰۲- مرابحہ ایسی بیع ہے جس میں عاقدین کا اس پر اتفاق ہوتا ہے کہ بائع مبیع کو اس کی

لاگت اور معلوم نفع کے اضافہ کے عوض فروخت کرے گا، مثلاً وہ کہے: میں نے تجھے یہ چیز اس کی لاگت اور دس درہم یا دس فیصد کے اضافہ کے ساتھ فروخت کی، اور اصطلاح میں لاگت کو رأس المال اور زیادتی کو ربح کہا جاتا ہے۔

۱۰۳- تولیہ ایسی بیع ہے جس میں عاقدین کا اس پر اتفاق ہوتا ہے کہ بائع مبیع کو کوئی نفع لیے بغیر اس کی لاگت کے عوض ہی فروخت کرے گا، اسی کی ایک قسم اشراک ہے، وہ یہ کہ طرفین میں سے ایک کوئی چیز اپنے لیے خریدے، پھر دوسرے کو اس کے ایک حصہ میں اس کے مقابل ثمن کے عوض شریک کرلے، مثلاً کوئی زمین ایک لاکھ میں خریدے، پھر آدھی زمین میں دوسرے کو پچاس ہزار کے عوض شریک کرلے۔

۱۰۴- وضیعہ ایسی بیع ہے جس میں طرفین کا اس پر اتفاق ہوتا ہے کہ بائع مبیع کو اس کی لاگت سے کم کے عوض فروخت کرے گا۔

یہ تینوں اقسام بیوع الامانۃ کہلاتے ہیں؛ کیوں کہ ان کے اکثر احکام کا مدار لاگت کے بیان میں صدق بیانی پر ہے، اور لاگت کے بیان میں مرابحہ کے جو احکام سطور ذیل میں آرہے ہیں وہ تولیہ اور وضیعہ پر بھی منطبق ہوں گے۔

۱۰۵- مرابحہ کے جواز کی شرائط درج ذیل ہیں:

الف: رأس المال نقد ہونے کی صورت میں مرابحہ کا جواز تو واضح ہے، مثلاً بائع نے کوئی چیز سو درہم میں خریدی تو وہ اس کو دس کے نفع کے ساتھ مرابحۃً فروخت کرسکتا ہے؛ لیکن راس المال اگر عرض ہو تو راس المال کا ذوات الامثال میں سے ہونا شرط ہے، یعنی وہ مکیلی ہو، جیسے: پٹرول، یا موزونی ہو، جیسے: زرعی اشیاء، یا عددی متقارب ہو، جیسے: ہمارے زمانے میں برتن، چنانچہ جو شخص اس قسم کا راس المال خریدے تو اس کو مرابحۃً فروخت کرنا جائز ہے، مثلاً اس نے ایک کلو گیہوں کے عوض کپڑا

خریدا تو وہ مشتری سے کہہ سکتا ہے: میں نے تجھے یہ کپڑا ثمن اول (ایک کلو گیہوں) اور مزید ایک درہم یا پاؤ کلو گیہوں کے عوض فروخت کیا۔
اور اگر راس المال ذوات الامثال میں سے نہ ہو، مثلاً اس نے کپڑا بکری کے عوض خریدا، تو مرابحۃً اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اس وقت بیع مساومہ کرنا واجب ہوگا، یعنی لاگت اور ربح بیان کیے بغیر۔

ب: مرابحہ کے جواز کی دوسری شرط یہ ہے کہ مشتری ثانی کو راس المال کی مقدار معلوم ہو، اگر اس کو علم نہ ہو تو بیع فاسد ہوگی، تا آں کہ مجلس ہی میں اس کو معلوم ہو جائے، اور معلوم ہونے کے بعد خیار حاصل ہوگا، چاہے تو بیع کرے یا چھوڑ دے۔

ج: مرابحہ کے جواز کی تیسری شرط یہ ہے کہ ربح معلوم ہو، اور ربح نقود میں سے ایک مستقل رقم یا معلوم عرض یا راس المال کا فیصد بھی ہو سکتا ہے۔

د: مرابحہ کے جواز کی چوتھی شرط یہ ہے کہ راس المال سے اسی کا ہم جنس ربوی مال نہ خریدا گیا ہو، اس طرح کہ گیہوں گیہوں کے عوض برابر وزن کے ساتھ خریدے، تو اس کو مرابحۃً فروخت کرنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ اس عقد میں ربح سود ہو جائے گا، اسی طرح وضیعۃً فروخت کرنا بھی درست نہیں ہے؛ کیوں کہ تماثل مفقود ہے؛ لیکن تولیہ جائز ہے؛ کیوں کہ تولیہ ثمن اول کے عوض بلا کم و کاست بیع کا نام ہے؛ لہٰذا ربویات کے باہمی تبادلے میں جو تماثل کی شرط ہے وہ مفقود نہیں ہوگی۔

ہ: پانچویں شرط یہ ہے کہ عقد اول صحیح ہو، اگر وہ فاسد ہو تو مرابحہ جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ مرابحہ ثمن اول کے عوض مزید ربح کے ساتھ بیچنے کا نام ہے، اور بیع فاسد اگر چہ حنفیہ کے نزدیک فی الجملہ مفیدِ ملک ہے؛ لیکن مبیع کی قیمت یا مثل کے عوض ہے، نہ کہ ثمن کے عوض؛ کیوں کہ ثمن کی تعیین

فاسد ہو چکی ہے۔

١٠٦- اصل رأس المال وہی ہے جو عقد کی وجہ سے واجب یا اس کے ساتھ ملحق ہو، وہ نہیں ہے جو مشتری نے بطورِ استبدال دیا ہو، چنانچہ اگر عقد کسی ایک کرنسی پر واقع ہو، مثلاً دس درہم پر؛ لیکن مشتری نے اس کو ایک دینار دیا اور بائع نے قبول کرلیا، تو مرابحہ دس درہم پر جاری ہوگا، نہ کہ دینار پر؛ کیوں کہ بیع کا ثمن دس دراہم تھے، پھر ان کے مابین ایک دوسرا عقد ہوا جس میں دراہم کے بدلے دینار دیا گیا، اور مرابحہ کی بنیاد اصل عقد اول پر ہوتی ہے، نہ اس عقد کے بعد ہونے والے استبدال پر۔

١٠٧- اگر عقد کسی دوسرے ملک کی کرنسی پر واقع ہو، مثلاً سو ڈالر پر، تو اگر ربح کی تحدید ایک مستقل رقم کی بنیاد پر ہو، مثلاً بائع کہے: میں نے تجھے ثمن اول اور پاکستانی سو روپے کے عوض فروخت کیا، تو مرابحہ کا ثمن سو ڈالر اور پاکستانی سو روپے ہوں گے، اور اگر ربح کی تحدید فیصد کے لحاظ سے ہو، مثلاً بائع کہے: ثمن اول اور دس فیصد مزید کے عوض فروخت کیا، تو مرابحہ کا ثمن ایک سو دس ڈالر ہوں گے، چنانچہ اگر ڈالر کے ذریعے خرید کر اپنے ملک درآمد کرنے والا شخص سامان کو مرابحۃً فروخت کرنا چاہے تو اس کے لیے اسی طرح مرابحۃً فروخت کرنا جائز ہوگا، یہ ناجائز ہے کہ مرابحہ کا کل ثمن ڈالر کے علاوہ کوئی اور کرنسی ہو؛ لیکن جب مرابحہ میں ڈالر کے ذریعے ثمن کی تحدید کرلی جائے، جیسے: مذکورہ مثال میں ایک سو دس ڈالر، پھر ثمن کی ادائیگی کے وقت عاقدین اس کو پاکستانی روپوں سے بدلنے پر راضی ہو جائیں تو اس کے جواز کی تین شرطیں ہیں:

الف: عقدِ مرابحہ میں استبدال مشروط نہ ہو۔

ب: استبدال ادائیگی کے دن کی قیمت کے ذریعے ہو، نہ کہ وجوب کے دن کی قیمت کے ذریعے۔

ج: کل ثمن یا اس مقدار کا تصفیہ کرلیا جائے جس کے استبدال کا ارادہ ہے، اور جس مقدار کے استبدال کا ارادہ ہے اس میں سے کچھ بھی ذمہ میں باقی نہ رہے، چنانچہ اگر ثمن ایک سو دس ڈالر ہو، اور کل ثمن کا پاکستانی روپوں سے استبدال مقصود ہو، اور ادائیگی کے دن استبدال کی قیمت ایک ڈالر کی پچاس پاکستانی روپے ہوں تو پانچ ہزار پانچ سو کے عوض استبدال جائز ہے؛ لیکن اسی مجلس میں ان تمام روپوں کی ادائیگی ضروری ہے، مجلس کے بعد تک انہیں مؤجل نہ کیا جائے۔

اور اگر طرفین صرف نصف ثمن کا استبدال کرنا چاہیں یعنی بعینہٖ پچپن ڈالر لینا اور باقی پچپن کو پاکستانی روپوں سے بدلنا چاہیں، تو استبدال کی قیمت دو ہزار سات سو پچاس ہوگی، یہ بھی جائز ہے، بشرطیکہ یہ دو ہزار سات سو پچاس روپے اسی مجلس میں ادا کر دیے جائیں، مجلس کے بعد تک مؤخر نہ کیا جائے۔

۱۰۸- رأس المال کے ساتھ وہ خرچے بھی لاحق ہوں گے جنہیں بائع سامان کی خریداری اور حصول یابی میں برداشت کرتا ہے، جیسے ٹرانسپورٹ اور ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے اور منتقل کرنے کے خرچے، اور ذخیرہ اندوزی کا خرچہ جب کہ اس پر اجرت دینی پڑی ہو، دلال کی اجرت، مبیع کی تبدیلی کے خرچے، جیسے: کپڑا رنگنا یا سلنا، گھر کو پینٹ کرنا، یا درخت لگانا، اور مبیع کی حفاظت وصیانت کے خرچے جب کہ مبیع کو اس کی ضرورت ہو، بشرطیکہ یہ براہ راست مالی خرچے ہوں جو دوسرے کو دیے گئے ہوں؛ لہٰذا مرابحہ میں کسی ایسے کام کا عوض لینا جائز نہیں ہے جو اس نے خود کیا ہو یا اپنے ذاتی نوکر سے کرایا ہو جسے خاص اس کام کے لیے اجرت پر نہیں لیا گیا، اسی طرح رأس المال کے ساتھ حکومت کو ادا کیے جانے والے ٹیکس یا کسٹم ہاؤز یا سڑکوں پر دیے جانے والے پیسے بھی

لاحق ہوں گے، اور ان خرچوں کے اضافہ کے بعد بائع یہ نہیں کہے گا کہ میں نے اتنے میں یہ سامان خریدا ہے؛ بلکہ کہے گا: مجھے یہ سامان اتنے میں پڑا ہے، یا اتنی لاگت میں ملا ہے۔

۱۰۹- اگر بائع کو مبیع ہبہ، یا وراثت یا وصیت میں ملی ہو اور وہ اس کی قیمت لگا کر اس قیمت پر مرابحۃً فروخت کرنا چاہے تو یہ جائز ہے، اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ کہے: اس کی قیمت اتنی ہے اور میں اس پر اتنا ربح لے رہا ہوں۔

۱۱۰- مرابحۃً بیچنے والے پر ہر ایسی چیز مشتری کے سامنے بیان کرنا ضروری ہے جو اس کی رغبت پر اثر انداز ہو سکتی ہو، مثلاً اگر بائع نے وہ چیز ادھار خریدی ہو تو مشتری کے سامنے یہ بات بیان کر دینا ضروری ہے۔

۱۱۱- اگر بائع مرابحہ میں کذب بیانی سے کام لے یا ضروری امر بیان نہ کرے تو یہ خیانت ہے، اگر بیع کے بعد خیانت کا علم ہو تو اگر صفتِ ثمن میں خیانت ہو کہ بائع نے مبیع ادھار خریدی تھی پھر یہ بات بیان کیے بغیر مرابحۃً یا تولیۃً فروخت کر دی تو مشتری کو خیار حاصل ہوگا، چاہے تو متفق علیہ ثمن کے عوض لے لے اور اگر چاہے تو بائع کو واپس کر دے۔

۱۱۲- اگر ثمن کی مقدار میں خیانت ہو کہ بائع نے مرابحہ یا تولیہ میں کہا ہو: میں نے مبیع دس میں خریدی ہے، حالاں کہ اس نے نو میں خریدی تھی تو مرابحہ اور تولیہ دونوں میں خیانت کے بقدر ثمن کم کر دیا جائے گا، اور یہ مقدار تولیہ میں ایک درہم اور مرابحہ میں ایک درہم مع ربح ہوگی۔

۱۱۳- مرابحہ نقد بھی ہو سکتا ہے اور ادھار بھی، اور ربح ثمن کی ادائیگی کے زمانے کے ساتھ مربوط ہو سکتا ہے؛ لیکن عقدِ مرابحہ میں بلا تردد ثمن اور اجل کی تعیین ضروری ہے، جیسا کہ بیع مؤجل کا حکم ہے، پھر اجل کے بالمقابل ربح اگر چہ ثمن کی تعیین کے وقت ملحوظ ہے؛ لیکن ثمن کے متعین ہونے کے بعد سارا کا سارا ثمن مبیع کے

مقابل ہے نہ کہ اجل کے؛ یہی وجہ ہے کہ اجل میں مزید مہلت کی خاطر ثمن میں اضافہ کرنا اور اجل میں کمی کے مقابلے ثمن میں کمی کرنا ناجائز ہے۔

****

بدلین کی نوعیت کے لحاظ سے بیع کی تیسری تقسیم

۱۱۴- بدلین کی نوعیت کے لحاظ سے بیع کی تین قسمیں ہیں:

الف: بیع مطلق: رائج اثمان جیسے دینار، درہم اور فلوس کے عوض عین کی بیع، خواہ حال ہو یا مؤجل، اور جب بھی لفظِ بیع مطلقاً بولا جائے تو عام حالات میں یہی قسم مراد ہوتی ہے، اور بیع کے وہ تمام احکام جو ہم ذکر کر چکے ہیں اس قسم پر جاری ہوں گے۔

ب: عروض کی عروض کے عوض بیع، یہ اصطلاح میں مقایضہ کہلاتی ہے۔

ج: نقود کی نقود کے عوض بیع، یہ اصطلاح میں صرف کہلاتا ہے۔

۱۱۵- مقایضہ: عین کی عین کے عوض بیع، یعنی مال کا مال سے اس طرح تبادلہ کہ دونوں بدل نقد نہ ہوں، مثلاً کپڑا کپڑے کے عوض، زمین زمین کے عوض یا جانور جانور کے عوض فروخت کیا جائے۔

۱۱۶- مقایضہ کے اندر بدلین میں سے کسی کو بھی مبیع یا ثمن قرار دیا جاسکتا ہے، اور چوں کہ ہر ایک میں مبیع بننے کی صلاحیت ہے تو عقدِ بیع کے وقت دونوں کا متعین ہونا بھی ضروری ہے، چنانچہ اگر کوئی ایک بدل دین ہو، مثلاً ایک متعین گھوڑا ایک ٹن گیہوں دین کے عوض فروخت کرے تو یہ مقایضہ نہیں کہلائے گا؛ بلکہ سلم ہوگا، جس میں سلم کی شرائط کی رعایت کی جائے گی۔

۱۱۷- نقود کے عوض عروض کی بیع میں اصل یہ ہے کہ مشتری کے قبضے کے بعد اگر مبیع ہلاک ہو جائے تو اقالہ نہیں کیا جا سکتا؛ البتہ مقایضہ کے اندر بدلین میں سے ایک اگر ہلاک ہو جائے تو باقی مبیع میں اقالہ کیا جا سکتا ہے، چنانچہ اقالہ اس طرح ہوگا کہ مشتری ہلاک شدہ کی قیمت دے اگر وہ ذوات القیم میں سے ہو، یا مثل دے اگر ذوات الامثال میں سے ہو، اور اس کو سپرد کر کے بائع سے عین واپس لے لے۔

۱۱۸- اگر اموال ربویہ کے علاوہ میں مقایضہ ہو تو قدر یا قیمت میں بدلین کے اندر تساوی شرط نہیں ہے اور نہ بیع کا حال ہونا ضروری ہے؛ بلکہ مذکورہ فروق کی رعایت کے ساتھ اس پر بیع کے تمام احکام منطبق ہوں گے، اور اگر اموال ربویہ کے اندر بیع مقایضہ کی جائے تو اس پر ربا کے احکام جاری ہوں گے۔

******

بیع کے اندر ربا

۱۱۹- اگر مقایضہ کے اندر بدلین ربوی ہوں، اور جنس و قدر دونوں میں متحد ہوں (مطلب یہ کہ دونوں مکیلی یا موزونی ہوں اور ہم جنس ہوں) تو بدلین کا قدر یعنی کیل یا وزن کے لحاظ سے مساوی ہونا اور عقد کا حال ہونا ضروری ہے، اگر کمی بیشی کے ساتھ عقد ہو، مثلاً ایک کلو گوشت اسی جنس کے ڈیڑھ کلو گوشت کے عوض فروخت کیا جائے، یا ایک لیٹر پٹرول ڈیڑھ لیٹر پٹرول کے عوض بیچا جائے تو یہ ربا الفضل ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے، اسی طرح اگر ایک کلو گوشت اسی جنس کے ایک کلو کے عوض بیچا جائے؛ لیکن ایک حال اور دوسرا موٴجل ہو، یا ایک لیٹر پٹرول ایک لیٹر پٹرول کے عوض بیچا جائے اور ایک حال اور دوسرا موٴجل ہو تو یہ

ربا النسیئہ ہونے کی بنا پر ممنوع ہے۔

۱۲۰- اگر مکیلی یا موزونی چیزیں ــــ جو قدر میں متحد ہوں ــــ ان کے مخالف جنس کے عوض فروخت کی جائیں، مثلاً: جو گیہوں کے عوض، تو مقدار میں کمی بیشی جائز ہے؛ لیکن نسیئہ ناجائز ہے، اور عقد کا حال ہونا واجب ہے۔

۱۲۱- اگر عددیات یا مذروعات انہی کے جنس کے عوض بیچے جائیں تو تفاضل جائز ہے، مثلاً: ایک کتاب دو کتاب کے عوض یا ایک کپڑا دو کپڑوں کے عوض؛ لیکن نسیئہ ناجائز ہے۔

۱۲۲- مذکورہ احکام میں جنس کے متحد ہونے سے مراد دو چیزوں کا ماہیت، نام، مادہ اور مقاصد کے لحاظ سے ایک ہونا ہے، نیز دونوں میں سے کسی ایک میں زائد صنعت نہ ہو، اگر ماہیت مختلف ہو، جیسے جو اور گیہوں، یا مادہ مختلف ہو جیسے انگور اور کھجور کا سرکہ، یا مقاصد مختلف ہوں، جیسے: بکری کے بال اور بھیڑ کا اون، یا ایک میں زائد صنعت ہو، جیسے: روٹی اور آٹا، یا دونوں میں صنعت کا اختلاف ہو، جیسے: جاپانی اور انگریزی کپڑا، تو تمام ایسی دو چیزوں کی جنس الگ الگ شمار کی جائے گی۔

۱۲۳- کیل اور وزن میں ہر زمانہ اور ہر جگہ کے عرف کا اعتبار ہوگا، مثلاً گیہوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں کیلی تھا؛ لیکن موجودہ دور میں وزنی ہو گیا ہے، پس وہ وزنی ہی شمار ہوگا۔

۱۲۴- اگر دو چیزیں موزونی ہوں؛ لیکن ان کا آلۂ وزن مختلف ہو، جیسے لوہا اور سونا کہ دونوں کا آلۂ وزن مختلف ہے تو ایسی دو چیزیں قدر میں متحد شمار نہیں ہوں گی۔

۱۲۵- ربوی اموال میں تفاضل کا احتمال ہونے کی وجہ سے اندازہ سے فروخت کرنا ناجائز ہے۔

۱۲۶- اگر مبیع ربوی اور غیر ربوی اشیاء سے مخلوط ہو، اور ثمن بھی ربوی ہو؛ لیکن مخلوط نہ ہو، جیسے: سونے کا زیور جس میں سونے کے علاوہ چیز بھی استعمال کی گئی ہو، (مثلاً:

گلے کا ہار جس میں موتیاں جڑی ہوں) اور اس کو خالص سونے کے عوض فروخت کیا جائے تو بیع درست ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ خالص سونا دوسری چیز میں موجود سونے کی مقدار سے زائد ہو، چنانچہ خالص سونے کی زائد مقدار اس چیز کے مقابل ہوگی جو سونے کے علاوہ ہے؛ لہٰذا سونے کے سونے سے تبادلے میں تفاضل نہیں ہوگا، اگر خالص سونا مرکب سونے کی مقدار کے مساوی یا کم ہو تو بیع ناجائز ہے۔

****

بیع صرف

۱۲۷- بیع صرف مطلق اثمان کے باہمی تبادلے کا نام ہے، یعنی سونے کو سونے کے عوض، چاندی کو چاندی کے عوض یا ان دونوں میں سے ایک کو دوسرے کے عوض فروخت کرنا، اس کا حکم یہ ہے کہ بدلین اگر جنس واحد ہوں تو تماثل ضروری ہے، اور نسیئہ بہر صورت ناجائز ہے، خواہ ایک جنس ہو یا دو جنس، اسی طرح اندازہ سے بیچنا بھی ناجائز ہے، اور مجلسِ عقد میں باہمی قبضہ ضروری ہے، اور ڈھالے ہوئے اور بنا ڈھالے ہوئے دونوں کا حکم ایک ہے، چنانچہ اگر ایک کو دوسرے کے عوض بیچا جائے تو تساوی اور مجلسِ عقد میں باہمی قبضہ ضروری ہے۔

۱۲۸- اگر سونا یا چاندی میں کھوٹ ہو؛ لیکن اس کی مقدار کم ہو تو یہ خالص کے حکم میں ہے؛ لہٰذا خالص کے عوض اس کو بیچنا درست نہیں ہے، اسی طرح خود ان کی آپس میں بیع بھی ناجائز ہے؛ اگر چہ کھوٹ کی مقدار میں تفاوت ہو؛ الَّا یہ کہ تساوی ملحوظ ہو، اور مجلس میں باہمی قبضہ کر لیا جائے۔

۱۲۹- بیع صرف کے اندر تقابض میں حسی قبضہ ضروری ہے، تخلیہ اس کے قائم مقام نہیں ہوگا، جیسا کہ صرف کے علاوہ میں قائم مقام ہوتا ہے۔

۱۳۰- بیع صرف میں خیارِ شرط لگانا ناجائز ہے۔

۱۳۱- کاغذی کرنسی اگر جنس واحد ہو تو اس کی آپس میں تفاضل اور نسیہ کے ساتھ بیع ناجائز ہے؛ لہٰذا ایک روپے کی دو روپے کے عوض یا ایک روپے کی ایک روپے مؤجل کے عوض بیع ربا ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، اور اگر جنس مختلف ہو، مثلاً پاکستانی روپے سعودی ریال کے عوض فروخت کیے جائیں تو ان میں تفاضل جائز ہے، اور نسیہ بھی جائز ہے، بشرطیکہ کوئی ایک عاقد اپنی خریدی ہوئی کرنسی پر قبضہ کرلے، اور تبادلہ عقد کے دن کی قیمت کے عوض انجام پائے۔

۱۳۲- سود کے حرام ہونے کے سلسلے میں دارالاسلام اور دارالحرب برابر ہیں۔

****

بیع کے آثار مرتب ہونے کے لحاظ سے بیع کی تقسیم
بیع صحیح نافذ (جس میں خیار نہ ہو) کے احکام

۱۳۳- بیع صحیح وہ ہے جو جائز ہو، انعقاد کی تمام شرطیں اس میں پائی جائیں اور اس سے کوئی محظور لازم نہ آئے، اس کا حکم یہ ہے کہ محض ایجاب وقبول سے مشتری کی جانب ملکیت منتقل ہوجاتی ہے، بشرطیکہ بیع سلم نہ ہو، اور بائع پر مبیع اور مشتری پر ثمن کی سپردگی لازم ہوتی ہے، جب کہ بیع حال ہو اور بائع کو یہ حق ہوتا ہے کہ ثمن کی وصولی کے لیے مبیع روکے رکھے۔

۱۳۴- مبیع کا ضمان مشتری کی جانب اس وقت منتقل ہوگا جب کہ مشتری مبیع پر قبضہ

کر لے یا بائع تخلیہ کر کے مشتری کو جب چاہے قبضہ کی قدرت دے دے، چنانچہ اگر مشتری کے قبضہ یا بائع کی جانب سے تخلیہ سے قبل مبیع آسمانی آفت یا بائع کے فعل سے ہلاک ہوجائے تو بیع فسخ ہوجائے گی، اور بائع نے اگر ثمن لے لیا ہے تو واپس کرنا ضروری ہوگا، اور اگر مشتری کے فعل سے ہلاک ہوئی ہو تو بیع فسخ نہیں ہوگی؛ بلکہ مشتری پر ثمن لازم ہوگا، اور اگر کسی اجنبی کے فعل سے مبیع ہلاک ہو تو اس پر ضمان لازم ہوگا، اگر مبیع ذوات الامثال میں سے ہو تو مثل اور ذوات القیم میں سے ہے تو قیمت، اور مشتری کو اختیار ہوگا، چاہے تو عقد فسخ کردے، اس صورت میں بائع اجنبی سے ضمان وصول کرے گا، اور چاہے تو بیع باقی رکھے، چنانچہ وہ خود اجنبی سے ضمان لے گا۔

۱۳۵- اگر مشتری کے قبضے سے قبل مبیع ہلاک ہوجائے اور یہ نقصان قدر میں ہوا ہو، یعنی کیل یا وزن یا عدد میں کمی آگئی ہو تو ہلاک شدہ کے بقدر عقد فسخ ہوجائے گا، اور اس کے مقابل ثمن ساقط ہوجائے گا، اور مشتری کو اختیار ہوگا، اگر چاہے تو باقی مقدار اس کے حصہ ثمن کے عوض لے لے اور چاہے تو بیع کو فسخ کردے، اور اگر نقصان وصف میں ہوا ہو تو ثمن میں سے کچھ ساقط نہ ہوگا؛ لیکن مشتری کو اختیار ہوگا، چاہے تو کل ثمن کے عوض لے لے یا بیع فسخ کردے۔

۱۳۶- ہر وہ چیز جس کو مبیع کا نام شامل ہو اور وہ عرف میں اس کے اجزاء میں سے شمار کی جاتی ہو تو وہ بیع میں داخل ہوگی؛ اگرچہ صراحۃً اس کا ذکر نہ کیا گیا ہو، مثلاً کوئی گھر یا فلیٹ بیچے تو اس میں تمام کمرے، بیٹھک، مطبخ، بیت الخلاء، نالیاں اور بجلی کنکشن سب داخل ہوں گے؛ لیکن پنکھے، اے سی، موبائل فون اور گھر کے فرنیچر وغیرہ داخل نہیں ہوں گے؛ اِلَّا یہ کہ اس کا عرف ہو یا صراحت کردی گئی ہو۔

۱۳۷- ہر وہ چیز جو مبیع کے ساتھ اتصال قرار کے طور پر متصل ہو وہ مبیع کے تابع ہوگی اور بیع میں صراحت یا عرف کے بغیر بھی داخل ہوگی، اور جس چیز کو اس لیے بنایا گیا

ہو کہ بعد میں مبیع سے اس کو جدا کرلیا جائے تو یہ اتصال قرار نہیں ہے، اور جس کو باقی رکھنے کے لیے بنایا گیا ہو تو یہ اتصال قرار ہے، چنانچہ اگر ایسی زمین بیچے جس میں درخت ہوں تو درخت بھی بیع میں داخل ہوں گے؛ کیوں کہ وہ زمین کے ساتھ اتصال قرار کے طور پر متصل ہیں، برخلاف کھیتی کے؛ کیوں کہ کھیتی بعد میں کاٹنے کے لیے کی گئی ہے؛ الّا یہ کہ بیع میں داخل ہونے کی صراحت کردی جائے۔

۱۳۸- ہر وہ چیز جو مبیع کے مرافق اور اس کے منافع میں سے ہو تو وہ بیع میں داخل ہوگی، جیسے: حق مرور اور حق شرب۔

۱۳۹- مبیع میں جو بھی زیادتی عقد کے بعد مشتری کے قبضے سے قبل ہو، خواہ متصل ہو یا منفصل، متولد ہو یا غیر متولد، مثلاً: ایسا درخت بیچا جائے جس پر پھل نہ ہوں اور عقد کے بعد مشتری کے قبضے سے قبل پھل آجائیں یا غیر حاملہ جانور بیچا جائے اور قبضے سے قبل اس کا حمل ظاہر ہو جائے تو اس زیادتی کا مبیع مالک ہوگا؛ کیوں کہ وہ مبیع کا تبعاً جزو ہے، چنانچہ بائع کو ثمن کی وصولی کے لیے ان زوائد کو بھی روکنے کا حق ہوگا، جیسا کہ اصل کو روکنے کا حق ہوتا ہے، اور اگر بائع انہیں تلف کردے تو اس کا حصہ ثمن ساقط ہو جائے گا، اور اگر آسمانی آفت کی وجہ سے ہلاک ہو تو ثمن میں سے کچھ بھی ساقط نہ ہوگا، اور مشتری کو خیارِ فسخ نہیں ملے گا۔

۱۴۰- عاقدین عقد کے مکمل ہونے کے بعد ثمن میں کمی یا زیادتی، اسی طرح مبیع میں اضافہ پر اتفاق کر سکتے ہیں، اور یہ کمی زیادتی اصلِ عقد کے ساتھ لاحق ہوگی، گویا کہ بیع اسی مقدار پر ہوئی ہے جو کمی زیادتی کے بعد حاصل ہوئی ہے۔

******

بیع صحیح جس میں خیار ہو

۱۴۱- کبھی بیع صحیح ہوتی ہے؛ لیکن اس میں عاقدین میں سے کسی کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے، ان خیارات کی متعدد قسمیں ہیں: خیارِ رؤیت، خیارِ عیب اور خیارِ مغبون، یہ خیارات حکمِ شرع سے ثابت ہوتے ہیں، اور خیارِ شرط، خیارِ فواتِ وصف، خیارِ نقد اور خیارِ تعیین، یہ خیارات عقد میں شرط لگانے سے ثابت ہوتے ہیں۔

******

خیارِ رؤیت

۱۴۲- اگر عقد کسی غائب چیز پر واقع ہو تو خیارِ رؤیت کا ثبوت ہوتا ہے، یہ ایسا حق ہے جس کی بنا پر مشتری کو معقود علیہ دیکھنے کے وقت عقد فسخ کرنے یا باقی رکھنے کا اختیار ہوتا ہے، اور مشتری کو رؤیت سے قبل فسخ کا اختیار نہیں ہوگا؛ البتہ رؤیت کے بعد مقامی بیوع میں مطلقاً فسخ کرنے کی اجازت ہوگی؛ اور اگر دو ملکوں کے درمیان بحری یا بری یا فضائی ٹرانسپورٹ کے ذریعے بیع ہو تو مشتری کو خیارِ رؤیت حاصل ہونے کی شرط یہ ہے کہ مبیع ان صفات کے خلاف ہو جن پر عقد واقع ہوا تھا، اگر مطابق ہو تو خیار حاصل نہیں ہوگا۔

۱۴۳- جس رؤیت سے خیار ساقط ہو جاتا ہے اس سے ایسی رؤیت مراد ہے جس سے خریداری کا مقصد معلوم ہو جائے۔

خیارِ عیب

۱۴۴- خیارِ عیب: خریدتے وقت کسی ایسے عیب کے پائے جانے کی وجہ سے مبیع کی واپسی کا خیار ہے جو مشتری کو معلوم نہیں تھا۔

۱۴۵- خیار کے ثبوت کے لیے وہ عیب معتبر ہوگا جو تاجرین کے عرف میں عیب شمار ہوتا ہو، اور خیار کے ثبوت کے لیے درج ذیل شرائط پائے جانے ضروری ہیں:

الف: عیب اس وقت پیدا ہوا ہو جب کہ مبیع بائع کے ضمان میں تھی، اگر مشتری کی جانب ضمان کی منتقلی کے بعد عیب پیدا ہوا ہو؛ اگرچہ تخلیہ کے ذریعے ہو تو خیار حاصل نہیں ہوگا۔

ب: مبیع کی واپسی تک عیب باقی رہے، اگر واپس کرنے سے قبل عیب زائل ہوگیا، مثلاً: جانور بیمار تھا اور لوٹانے سے پہلے تندرست ہوگیا تو خیار حاصل نہیں ہوگا۔

ج: مبیع کے ضمان میں داخل ہونے سے قبل مشتری کو عیب کا علم نہ ہو۔

د: مشتری سے کسی ایسے فعل کا صدور نہ ہو جو عیب پر صراحۃً یا دلالۃً رضامندی کی دلیل ہو، مثلاً: وہ اس میں ایسا کوئی تصرف کردے جو رضامندی پر دلالت کرے۔

ہ: فسخ کا مطالبہ کرنے میں مشتری اتنی تاخیر نہ کرے کہ تاجروں کے عرف میں اس سے خیار ساقط ہوجاتا ہو۔

و: بائع نے اپنے لیے عیب سے بری ہونے کی شرط نہ لگائی ہو، اگر اس نے مشتری کی رضامندی سے یہ شرط لگائی ہو تو خیارِ عیب ساقط ہوجائے گا، براءت میں وہ عیب بھی داخل ہوگا جو بیع کے بعد قبضہ سے قبل پیدا ہو۔

۱۴۶- خیارِ عیب کا مقتضی یہ ہے کہ مشتری کو اختیار ہوگا کہ وہ مبیع بائع کو لوٹا دے، اور اس سے ثمن کی واپسی کا مطالبہ کرے؛ الّا یہ کہ عاقدین کا اس پر اتفاق ہو جائے کہ مشتری مبیع کو اپنے ہی پاس رکھے گا اور بائع عیب کی وجہ سے مبیع کی قیمت میں جو کمی آئی ہے اس کے بقدر ثمن میں کمی کر دے گا، یا جتنی مقدار کی کمی پر ان کا اتفاق ہو، بشرطیکہ اس اتفاق میں صلح کے تمام شرعی شرائط ملحوظ ہوں۔

۱۴۷- اگر مشتری کے خصومت کرنے سے قبل بائع عیب زائل کر دے تو خیار ساقط ہو جائے گا۔

۱۴۸- اگر بائع مشتری کے سامنے یہ پیش کش رکھے کہ وہ دوسرا صحیح سالم عین لا کر دے گا تو مشتری اس پیش کش کو قبول بھی کر سکتا ہے اور مسترد بھی۔

۱۴۹- خیارِ عیب کی بنا پر مبیع کی واپسی کا حق درج ذیل موانع میں سے کسی مانع کے پائے جانے کی صورت میں ساقط ہو جاتا ہے:

الف: سپردگی سے قبل مبیع بائع کے پاس ہلاک ہو جائے، اس حالت میں عقد فسخ ہو جائے گا اور بائع پر ثمن لوٹانا ضروری ہوگا۔

ب: مشتری کے قبضے کے بعد کسی آسمانی آفت کی وجہ سے مبیع ہلاک ہو جائے، اس حالت میں مشتری کو بائع سے ارش کے مطالبے کا حق ہوگا، ارش: عیب دار اور غیر عیب دار کے درمیان قیمت کا فرق ہے۔

ج: مشتری کے مبیع کو استعمال کرنے سے مبیع ہلاک ہو جائے، جس طرح عادۃً اس مبیع کا استعمال ہوتا ہے، مثلاً مبیع کھانا تھی جسے اس نے کھا لیا، تو اس حالت میں بائع سے ارش کے مطالبے کا حق ہوگا۔

د: ایسے استعمال سے مبیع ہلاک ہو جائے جس کی عادت نہ ہو، مثلاً مبیع برتن تھی جس کو اس نے توڑ دیا تو اس حالت میں مشتری سے ارش لینے کا حق ہوگا۔

ہ: مشتری کے پاس کسی جدید عیب کا پیدا ہو جانا، اس حالت میں مبیع واپس

کرنے کا حق نہیں ہوگا؛ البتہ قدیم عیب کا ارش بائع سے لے سکتا ہے؛ الّا یہ کہ مشتری جدید عیب سمیت مبیع لینے پر راضی ہو جائے۔

ہ: مشتری نے بیع یا ہبہ یا صلح کے ذریعے مبیع کی ملکیت کسی اور کی جانب منتقل نہ کردی ہو، اس حالت میں نہ واپس کرنے کا حق ہوگا اور نہ ارش کے مطالبے کا۔

١٥٠- اگر مشتری کے قبضے سے قبل مبیع میں ایسی زیادتی پیدا ہو جائے جو مبیع سے متصل اور متولد ہو، جیسے: جانور کا موٹاپا، پھر مشتری کو قدیم عیب کا علم ہو تو خیارِ عیب کی وجہ سے مشتری کو مبیع واپس کرنے کا حق ہوگا، اور اس زیادتی کے عوض کے مطالبے کا حق نہ ہوگا، اور اگر مشتری کے قبضے کے بعد زیادتی ہوئی ہو تو یہ اختیار ہوگا کہ بلا عوض مبیع کو مع زیادتی واپس کردے یا اپنے پاس رکھ کر ارش کا مطالبہ کرے۔

١٥١- اگر مبیع میں ایسی زیادتی ہوئی ہو جو منفصل اور غیر متولد ہو، مثلاً: کار خرید کر اسے کرایہ پر دیا اور کرایہ کمایا، پھر عیب کا پتہ چلا تو یہ کمائی مانعِ رد نہیں ہے؛ بلکہ اس کو مبیع لوٹا کر ثمن واپس لینے کا حق ہوگا، اور واپسی سے قبل کمائی گئی اجرت اس کے لیے حلال ہوگی۔

١٥٢- اگر مشتری کے پاس مبیع میں ہونے والی زیادتی متصل غیر متولد ہو مثلاً: مبیع کپڑا تھی جس کو اس نے سل دیا یا رنگ دیا، یا زمین تھی جس میں اس نے عمارت بنادی یا درخت لگا دیے، پھر مبیع میں عیب کا علم ہوا تو واپسی کا خیار ساقط ہو جائے گا؛ البتہ وہ بائع سے ارش کا مطالبہ کرسکتا ہے، اور اگر مبیع کو عیب دار کیے بغیر مبیع سے زیادتی زائل کی جاسکتی ہو تو مشتری کو زیادتی اپنے پاس رکھ کر زیادتی لوٹانے کا حق ہوگا، یہ جائز نہیں ہے کہ زیادتی سمیت مبیع بائع کو از راہِ تبرع دے دے؛ کیوں کہ یہ ایسی زیادتی ہے جس کا استحقاق عقد کی وجہ سے ہوا ہے اور بلا عوض ہے، اور ایسی زیادتی سود کے ساتھ لاحق ہوتی ہے؛ الّا یہ کہ عاقدین کا اس پر

اتفاق ہوجائے کہ مشتری زیادتی بھی واپس کردے گا اور بائع اس کی قیمت دے گا۔

۱۵۴- اگر بائع عیب میں تدلیس سے کام لے، اور مشتری مبیع واپس کرنا چاہے تو واپسی کا خرچہ اور لاگت بائع برداشت کرے گا، جب کہ مبیع اس ملک میں ہو جس میں عقد ہوا تھا، یا بائع کو علم ہو کہ مشتری دوسرے ملک میں مبیع منتقل کرے گا، بہر حال اگر مشتری مبیع دوسرے ملک لے جائے جس میں عقد نہیں ہوا تھا اور بائع کو اس کا علم بھی نہ ہو، یا بائع مدلس نہ ہو تو مشتری کو خیار ہوگا، چاہے تو اپنے خرچے پر مبیع واپس کرے اور چاہے تو ارش کا مطالبہ کرے۔

۱۵۵- اگر مبیع کا بعض حصہ عیب دار پائے تو اگر مبیع ایک ہی چیز ہو یا ایک چیز کے درجہ میں ہو، جیسے: دو جوتے، یا ایک ڈھیر یا ایک کھلونا یا ایک کارٹون، تو مشتری کو کل لینے یا واپس کرنے کا اختیار ہوگا، صرف عیب دار حصہ واپس کرنے کا حق نہ ہوگا، اور اگر حقیقۃً وحکماً دو چیزیں ہوں، جیسے دو کپڑے یا دو فون، تو وہ عیب دار واپس کرکے صحیح سالم اس کے حصۂ ثمن کے عوض رکھ سکتا ہے۔

۱۵۶- خیارِ عیب کی وجہ سے مبیع واپس کرنے سے قبل اگر مشتری کا انتقال ہوگیا تو یہ خیار اس کے ورثہ کی جانب منتقل ہوگا، خواہ مشتری اپنی حیات میں عیب سے واقف تھا، یا نہ تھا؛ بلکہ ورثہ کو موت کے بعد علم ہوا۔

۱۵۷- اگر عاقدین کا اختلاف ہوجائے، مشتری بائع کے پاس عیب پیدا ہونے کا دعوے دار ہو اور بائع منکر ہو، تو مشتری پر بینہ اور بائع پر یمین لازم ہوگی۔

******

خیارِ فواتِ وصف

۱۵۸- اگر مشتری مبیع میں کسی وصف کی شرط لگائے پھر معلوم ہو کہ وہ وصف موجود نہیں ہے، مثلاً: بکری میں یہ شرط لگائی کہ وہ بہت زیادہ دودھ دینے والی ہو، پھر پتہ چلے کہ وہ زیادہ دودھ نہیں دیتی، تو اس کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوگا؛ اگر چہ اس وصف کا نہ پایا جانا تاجرین کے عرف میں عیب شمار نہ کیا جاتا ہو، یہ خیار خیارِ فواتِ وصف یا خیارِ خلف کہلاتا ہے۔

۱۵۹- خیارِ عیب اور خیارِ فواتِ وصف کے درمیان فرق یہ ہے کہ خیارِ عیب ایسے عیب کے ساتھ خاص ہے جو تاجرین کے عرف میں مبیع کے اندر نقص شمار کیا جاتا ہو، اور خیارِ فواتِ وصف مشتری کو صرف کسی مرغوب فیہ وصف کے فوت ہونے سے حاصل ہوتا ہے؛ اگر چہ وہ تاجرین کے یہاں عیب شمار نہ ہوتا ہو، نیز خیارِ عیب کا ثبوت حکمِ شرع سے ہوتا ہے، اور خیارِ فواتِ وصف عقد میں شرط لگانے سے حاصل ہوتا ہے۔

۱۶۰- وصف کی شرط عقدِ بیع میں صراحۃً بھی لگائی جاسکتی ہے، اور عرف یا دلالتِ حال کی وجہ سے بھی، مثلاً: قربانی کے ایام میں ایسے بازار سے جانور خریدا جائے جو قربانی کے جانور بیچنے کے لیے خاص ہو، تو یہاں جانور کے اندر قربانی کے قابل ہونا دلالتِ حال کی وجہ سے مشروط ہے۔

۱۶۱- خیارِ فواتِ وصف کے ثبوت کے لیے درج ذیل شرائط پائے جانے ضروری ہیں:

الف: وصف مرغوب فیہ کی عقد میں شرط لگائی گئی ہو۔

ب: اس وصف کا مقصد جائز اور مشروع ہو۔

ج: وصف مشروط میں غرر نہ ہو، اگر غرر ہو، مثلاً: کوئی خالی فلیٹ اس شرط کے

ساتھ خریدا جائے کہ اس کا اتنا متعین کرایہ ملے گا، یا تجارتی مقامات اس شرط پر خریدے جائیں کہ ان سے اتنی متعین آمدنی حاصل ہوگی، تو یہ شرط فاسد ہے جس سے بیع فاسد ہو جائے گی۔

۱۶۲- خیارِ فواتِ وصف کا مقتضی یہ ہے کہ مشروط وصف نہ پائے جانے کے وقت مشتری کو مبیع لوٹا کر ثمن واپس لینے کا حق ہوگا، اور اگر خیارِ عیب میں ذکر کردہ موانعِ رد میں سے کسی مانع کی وجہ سے لوٹانا متعذر ہو جائے تو اس مبیع جس کے اندر یہ وصف نہیں ہے اور وہ مبیع جس کے اندر وہ وصف ہے، دونوں کے درمیان قیمت کے فرق کے مطالبے کا حق ہوگا۔

۱۶۳- اگر مبیع واپس کرنا ممکن ہو تو صرف مبیع لوٹانے یا بیع فسخ کرنے کا حق ہوگا، یہ اختیار نہ ہوگا کہ وصف فوت ہونے سے جتنی قیمت کم ہوئی ہے اس کا بائع سے مطالبہ کرے؛ اِلَّا یہ کہ عاقدین اس پر رضامند ہوں۔

۱۶۴- بیع میں مبیع کے اندر جتنی مقدار کی شرط لگائی گئی تھی مشتری مبیع اس سے کم پائے تو اگر مبیع کے اجزاء پر ثمن کو تقسیم کیا جا سکتا ہو تو خیار حاصل ہوگا، یا تو بیع کو فسخ کردے، یا اتنی مقدار اس کے حصہ ثمن کے عوض لے لے۔

****

خیارِ مغبون

۱۶۴- مغبون وہ شخص ہے جس نے کوئی چیز عادت سے بڑھ کر زائد ثمن کے عوض خرید لی ہو، یا کوئی چیز خلاف عادت بازاری قیمت سے بہت کم ثمن کے عوض بیچ دی ہو، تو اگر غبن فریق ثانی کی جانب سے تغیر یا تدلیس کی بنا پر ہوا ہو تو مغبون کو بیع فسخ

کرنے کا اختیار ہوگا، اور تغریر مبیع کی قیمت یا وصف کے بیان میں کذب بیانی کا نام ہے، اور تدلیس ایسا فعل ہے جس کی وجہ سے سامنے والے کو مبیع پہچاننے یا ثمن کا اندازہ کرنے میں دھوکہ ہوتا ہے۔

******

خیارِ شرط

۱۶۶- خیارِ شرط ایسا حق ہے جس کی عاقدین میں سے کوئی ایک یا دونوں بیع کو باقی رکھنے یا فسخ کرنے کے لیے شرط لگاتے ہیں، اس کو خیارِ تروّی بھی کہا جاتا ہے۔

۱۶۷- خیارِ شرط کا معلوم مدت کے ساتھ مقید ہونا ضروری ہے؛ البتہ مبیع کے اختلاف سے مدت میں تبدیلی آسکتی ہے؛ لیکن مدت اتنی طویل نہ ہونی چاہیے کہ اس سے عقد نہ کرنے کا پتہ چلے، نیز اس طرح کی مبیع میں غور وفکر کے لیے اتنی مدت درکار بھی نہ ہو۔

۱۶۸- جب تنہا مشتری کے لیے خیارِ شرط ہو تو مبیع بائع کی ملکیت سے نکل کر مشتری کی ملکیت میں چلی جائے گی، پھر اگر مبیع مشتری کے پاس ہلاک ہوجائے تو اس کا متعینہ ثمن بائع کو سپرد کرنا لازم ہوگا۔

۱۶۹- جب تنہا بائع کے لیے خیارِ شرط ہو تو مبیع اس کی ملکیت سے نہیں نکلے گی؛ بلکہ اسی کی ملکیت میں برقرار رہے گی، پھر اگر مشتری کے قبضے کے بعد مبیع مشتری کے پاس ہلاک ہوجائے تو مشتری پر متعینہ ثمن لازم نہیں ہوگا؛ بلکہ مبیع کی قبضہ کے دن کی قیمت لازم ہوگی۔

۱۷۰- اگر بائع ومشتری دونوں کے لیے خیارِ شرط ہو، تو مبیع بائع کی ملک اور ثمن مشتری کی

ملک میں برقرار رہے گا، اگر بائع مبیع میں تصرف کردے تو یہ فسخ کہلائے گا، اور اگر مشتری ثمن میں تصرف کردے تو بھی یہی حکم ہے، جب کہ ثمن عین ہو، اور خیار کے دوران مشتری کے مبیع کے اندر اور بائع کے ثمن کے اندر تصرفات باطل ہوں گے۔

١٧١- خیارِ شرط درج ذیل امور سے ساقط ہوجاتا ہے:

الف: جس کو خیار حاصل ہے اس کی طرف سے اجازت مل جانے سے، مثلاً: وہ کہے: میں نے بیع کو نافذ کردیا یا خیار کو ساقط کردیا۔

ب: جس کو خیار حاصل ہے وہ ایسا تصرف کردے جو بیع کے جواز کی دلیل ہو، چنانچہ اگر مشتری کو خیار حاصل ہو اور وہ مبیع کو بیچ دے یا ہبہ کردے یا کرایہ پر دے دے یا رہن پر رکھ دے تو یہ مشتری کی جانب سے بیع کی اجازت شمار ہوگی اور اس کا خیار ساقط ہوجائے گا، اور اگر بائع کو خیار حاصل ہو اور وہ ثمن ـــ جو کہ عین تھا ـــ میں مالکوں کی طرح تصرف کردے، مثلاً اس کو بیچ دے یا بھاؤ تاؤ کرے یا کرایہ یا رہن پر رکھ دے وغیرہ، تو بائع کا خیار ساقط ہوجائے گا، اور اگر ثمن نقود میں سے ہو تو اس میں تصرف کی مثال یہ ہے کہ بائع مشتری کو ثمن سے بری کردے یا اس سے کوئی چیز خرید لے یا اس کا کچھ حصہ مشتری کو ہبہ کردے تو یہ بیع کی اجازت شمار ہوگی۔

ج: متعینہ مدت گزر جانے سے بھی خیار ساقط ہوجائے گا؛ کیوں کہ خیار مؤقت ہوتا ہے، اور مؤقت شئ کی ایک غایت ہوتی ہے جس پر جا کر وہ ختم ہوجاتی ہے۔

د: خیارِ عیب میں ذکر کردہ موانعِ رد میں سے کوئی مانع پایا جائے۔

ہ: اگر مشتری کے قبضے میں مبیع عیب دار ہوجائے تو یہ مانعِ رد ہے، اس سے خیار ساقط ہوجائے گا اور بیع تام ہوجائے گی؛ اِلّا یہ کہ نقصان بائع کے

فعل کی وجہ سے ہوا ہو، تو مشتری کو خیار ہوگا، چاہے تو بائع کو مبیع لوٹا دے
یا اپنے پاس رکھ کر بائع سے ارش وصول کر لے۔

****

خیارِ تعیین

۱۷۲- ایک سے زائد اشیاء جن پر عقد بطورِ تردد واقع ہوا ہے عاقد کو ان میں سے کسی ایک کی تعیین کا ملنے والا حق خیارِ تعیین کہلاتا ہے، اس طرح کہ مشتری دو چیزیں لے اور ان میں سے کسی ایک کو خریدے اور معلوم مدت تک اپنے لیے خیارِ تعیین کی شرط لگائے، مثلاً: کہے: میں نے تجھ سے یہ دو کپڑے خریدے اور میں تین دن کے اندر ان میں سے ایک کو متعین کرلوں گا، اور مشتری اس کو قبول کرلے۔

۱۷۳- خیارِ تعیین کی وجہ سے عقد جائز ہونے کے لیے درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

الف: صلبِ عقد میں خیار کی شرط لگائی جائے، اگر دو بکریوں میں سے ایک کی بیع ہو اور عاقدین خیار کا ذکر کیے بغیر علاحدہ ہوجائیں تو بیع باطل ہوجائے گی۔

ب: خیار کا محل ایسی چیز ہو جو ذوات القیم یا ذوات الامثال میں سے ہو، مثلاً: ایک کلو گیہوں، ایک کلو جو اور ایک کلو دال میں سے کوئی ایک' ایک کلو فروخت کیا جائے اور ہر ایک کا ثمن بیان کردیا جائے، اور متحد الجنس میں بھی خیارِ تعیین کی شرط لگائی جاسکتی ہے، بشرطیکہ انواع واوصاف میں تفاوت ہو، خواہ ذوات القیم میں سے ہو یا ذوات الامثال میں سے۔

د: خیار کی ایک معلوم مدت متعین کی جائے؛ اگرچہ تین دن سے زائد ہو، بشرطیکہ خلافِ عرف طویل مدت نہ ہو۔

۱۷۴- خیارِ تعیین کی مدت ختم ہونے کے بعد بیع فسخ نہیں ہوگی؛ بلکہ صاحبِ خیار کو تعیین پر مجبور کیا جائے گا۔

۱۷۵- اگر مشتری کے لیے خیارِ تعیین ہو اور (تعیین کے لیے لی گئی) دو (چیزوں) میں سے ایک ہلاک یا عیب دار ہو جائے تو اس میں اس کے حصہ ثمن کے عوض بیع لازم ہو جائے گی، اور مشتری کا یہ دعویٰ نا قابلِ قبول ہوگا کہ میں نے وہ مبیع منتخب کی تھی جو صحیح سالم موجود ہے، گویا عیب دار ہو جانے سے دلالۃً تعیین ہو جائے گی، اور دوسری چیز بطورِ امانت باقی رہے گی، حتی کہ اگر پہلی چیز کے ہلاک ہونے کے بعد دوسری چیز بھی مشتری کی تعدی کے بغیر ہلاک یا عیب دار ہو جائے تو اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہوگا۔

اور اگر مشتری کے قبضے میں دونوں چیزیں ایک ساتھ ہلاک ہو جائیں تو خیار خواہ مشتری کے لیے ہو یا بائع کے لیے، مشتری پر ہر ایک کے ثمن کا نصف لازم ہوگا؛ کیوں کہ دونوں چیزیں بطورِ امانت بھی ہیں اور بطورِ ضمان بھی، یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب کہ دو چیزیں ہلاک تو یکے بعد دیگرے ہوئی ہوں؛ لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ پہلے کون ہلاک ہوئی۔

****

خیارِ نقد

۱۷۷- اس شرط کے ساتھ بیع کرنا کہ مشتری معلوم مدت کے اندر ثمن ادا کر دے گا، اگر

اس نے ادا نہیں کیا تو بیع نہیں ہوگی خیارِ نقد کہلاتا ہے، یہ شرط جائز ہے، اور مشتری کے متعینہ مدت میں ثمن ادا نہ کرنے کی صورت میں بیع فاسد ہو جائے گی۔

۱۷۸- اگر مشتری نے مبیع فروخت کردی اور متعینہ مدت میں ثمن ادا نہیں کیا تو بیع درست ہے اور اس پر ثمن لازم ہوگا۔

۱۷۹- اگر مبیع میں کوئی عیب کسی کے تصرف کے بغیر پیدا ہو جائے، اس کے بعد کچھ دن گزر جائیں اور مشتری ثمن ادا نہ کرے تو بائع کو اختیار ہوگا: چاہے تو مبیع کو نقصان سمیت لے لے، اور ثمن میں سے اس کو کچھ نہیں ملے گا، اور چاہے تو مبیع (مشتری کے پاس ہی) رہنے دے اور ثمن لے لے۔

۱۸۰- مدتِ خیار کے دوران صاحب خیار کے مرجانے سے بیع باطل ہو جائے گی اور اس میں وراثت جاری نہ ہوگی۔

******

بیع باطل

۱۸۱- بیع باطل ایسی بیع جو اصلاً اور وصفاً درست نہ ہو، اور بیع فاسد ایسی بیع ہے جو صرف وصفاً درست نہ ہو، اور فقہائے احناف کے کلام کے مطابق بیع تب باطل ہوتی ہے جب کہ بیع کے رکن یا محل میں کوئی خلل پایا جائے، بیع کے رکن سے ایجاب و قبول، اور بیع کے محل سے مبیع اور ثمن مراد ہے۔

۱۸۲- بیع باطل کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم ایسی بیع جو ایجاب وقبول میں کوتاہی کی وجہ سے باطل ہو، اس کی درج

ذیل صورتیں ہیں:

الف: عاقدین میں سے ایک مجنون یا صبی غیر ممیز ہو۔

ب: بیع کسی شرط پر معلق ہو یا مستقبل کی جانب منسوب ہو؛ کیوں کہ بیع نہ تعلیق کو قبول کرتا ہے اور نہ اضافت کو، پس ایجاب معدوم ہو جائے گا اور اس لحاظ سے بیع باطل ہو جائے گی۔

ج: جانبین سے ایک ہی شخص عاقد ہو؛ کیوں کہ ایک ہی شخص عقد کے دونوں جانب کا ذمہ نہیں لے سکتا۔

د: قبول ایجاب کے موافق نہ ہو، یا خیارِ قبول ساقط ہونے کے بعد بیع قبول کی گئی ہو۔

دوسری قسم ایسی بیع ہے جو شرعاً مبیع یا ثمن کے مال ہونے کی وجہ سے باطل ہو، اس میں درج ذیل صورتیں داخل ہیں:

الف: شراب، خنزیر، مردار، بہتا ہوا خون، آزاد اور ہر ایسی چیز کی بیع جو شریعت میں مال شمار نہیں کی جاتی۔

ب: معدوم کی بیع، ایسی چیز کی بیع جو شرعاً مال متقوم نہ ہو اور غیر مملوک کی بیع۔

ج: تھن میں دودھ کی بیع اور بکری کی پیٹھ پر اون کی بیع۔

۱۸۳- اگر عقد کے اندر مبیع وہ نہ ہو جس کا نام لیا گیا تھا، مثلاً: بائع کہے: میں نے تجھے یہ یاقوت فروخت کیا اور وہ شیشہ نکلا، یا کہا: میں نے تجھے یہ ریشم فروخت کیا اور وہ کاٹن نکلا تو بیع باطل ہے؛ کیوں کہ نوع مختلف ہے، اور اگر نوع ایک ہو؛ لیکن صناعت مختلف ہو، مثلاً جاپانی کپڑا کہہ کر فروخت کیا جائے؛ مگر وہ کوریا کا نکلے، تو بیع درست ہے اور مشتری کو خیار ہوگا؛ کیوں کہ مخصوص صناعت ایک مرغوب فیہ امر ہے جو کہ یہاں فوت ہو گیا ہے؛ لہٰذا خیارِ فواتِ وصف حاصل ہوگا۔

۱۸۴- اگر ایک صفقہ میں دو چیزوں کی بیع کی جائے، ایک ایسی چیز ہو جس کی بیع باطل

ہے اور دوسری ایسی چیز ہو جس کی بیع درست ہے، تو اگر دونوں میں سے ایک مجہول ہو، مثلاً گھوڑی اور اس کا حمل ایک صفقہ میں فروخت کیا جائے تو کل میں بیع باطل ہے، یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب کہ ایک مبیع معدوم ہو۔

۱۸۵- اگر (مذکورہ صورت میں) دونوں مبیع موجود اور معلوم ہوں تو وہ چیز جس کی بیع باطل ہے دو طرح کی ہوسکتی ہے:

الف: کسی بھی مجتہد کے یہاں اس کی بیع درست نہ ہو، جیسے: آزاد، مردار، شراب اور خنزیر۔

ب: جس میں بیع درست ہونے کا امکان ہو:

یا تو اس وجہ سے بیع کی درستگی کسی کی اجازت پر موقوف ہو، مثلاً: غیر مملوکہ چیز فروخت کی جائے۔

یا اس وجہ سے کہ مسئلہ مجتہد فیہ ہو، بعض ائمہ کے قول کے مطابق بیع درست ہو اور قضائے قاضی بھی، مثلاً: ایسے جانور کی بیع جس کو ذبح کرتے وقت عمداً اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو۔

یا بعض حالات میں اس کی بیع درست قرار پاتی ہو، جیسے وقف۔

پس اگر پہلی قسم کے ساتھ ایسی چیز ملا کر بیچی جائے جس کی بیع درست ہے، جیسے: شیرۂ انگور اور شراب یا ذبیحہ بکری اور مردار بکری ایک صفقہ میں فروخت کی جائے تو کل میں بیع باطل ہو جائے گی، جب کہ دونوں کا ثمن مستقل بیان نہ کیا گیا ہو، اور اگر ہر ایک کا مستقل ثمن بیان کر دیا گیا ہو تو جس چیز کی بیع درست ہے اس میں بیع اس کے ثمن کے عوض صحیح ہوگی، جیسے: مذکورہ مثالوں میں شیرۂ انگور اور ذبیحہ بکری۔

اور اگر دوسری قسم کے ساتھ ایسی چیز ملا کر بیچی جائے جس کی بیع درست ہے تو اس کی بیع اس کے حصۂ ثمن کے عوض درست ہوگی، اس قسم کی متعدد انواع ہیں:

الف: بائع اپنی مملوکہ اور دوسرے کی مملوکہ چیز کو صفقہ واحدہ میں فروخت

کردے، تو یہ اگرچہ دوسرے کی مملوک شئ کی بیع ہے جوکہ ناجائز ہے؛ لیکن اس میں مالک کی طرف سے اجازت کا بھی احتمال ہے، اور اسی وجہ سے یہ دوسری قسم میں داخل ہے؛ لہٰذا بائع جس چیز کا مالک ہے اس کی بیع اس کے حصہ ثمن کے عوض درست ہوگی، اور دوسرے کی مملوکہ چیز میں بیع باطل ہوجائے گی جب کہ دوسرے نے بیع کی اجازت نہ دی ہو۔

ب: ایسی دو چیزیں ملاکر فروخت کرے جن میں سے ایک کی بیع بالاجماع درست ہو اور دوسرے کی بعض کے نزدیک درست اور بعض کے نزدیک باطل ہو، مثلاً: ایسی دو بکریاں بیچے جن میں سے ایک ذبیحہ ہو اور دوسری پر عمداً اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، تو متروک التسمیہ بکری اگرچہ حنفیہ کے نزدیک حلال نہیں ہے؛ لیکن شوافع کے نزدیک حلال ہے، یہی وجہ ہے کہ قاضی اس کو درست قرار دے سکتا ہے، اور اسی وجہ سے یہ دوسری قسم میں داخل ہے، اس نوع کا حکم یہ ہے کہ ذبیحہ بکری میں اس کے حصہ ثمن کے عوض بیع درست ہوگی۔

ج: ایسی دو چیزیں ملاکر فروخت کرے جن میں سے ایک کی بیع درست ہو اور دوسرے کی عام حالات میں درست نہ ہو؛ البتہ بعض حالات میں درست ہوسکتی ہو، جیسے: صفقہ واحدہ میں مملوکہ زمین اور وقف شدہ زمین فروخت کرے تو وقف کی بیع عام حالات میں درست نہیں ہے؛ البتہ استبدال کے ذریعہ اس کی شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے موقوفہ زمین بیچی جاسکتی ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ دوسری قسم میں داخل ہے، پس اگر مملوکہ زمین کے ساتھ موقوفہ زمین ملاکر فروخت کی جائے تو مملوکہ میں اس کے حصہ ثمن کے عوض بیع درست ہے، اور یہ حکم عام ہے، خواہ عقد کے اندر ہر ایک کا مستقلاً ثمن ذکر کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو؛ البتہ اگر ذکر نہ کیا جائے تو

مجموعی ثمن ان دونوں زمینوں کی قیمت پر تقسیم کیا جائے گا، پس جتنا حصہ مملوکہ زمین کا لگے گا وہی اس کا ثمن ہوگا، اسی طرح اگر صفقہ واحدہ میں سو دراہم کے عوض مملوک کپڑا اور غیر مملوک کپڑا فروخت کرے، مملوک کی قیمت چالیس اور غیر مملوک کی دس ہو تو سو کے پانچ حصے کیے جائیں گے، ایک حصہ یعنی بیس غیر مملوک کا، اور چار حصے یعنی اسّی مملوک کے ہوں گے؛ لہٰذا مملوک کپڑے میں بیع اسّی دراہم کے عوض درست ہوگی، اور غیر مملوک میں باطل ہوجائے گی۔

۱۸۶- بیع باطل کا حکم یہ ہے کہ اس پر بیع کے آثار میں سے کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا، حتی کہ مشتری قبضہ کے باوجود مبیع کا مالک نہیں ہوگا؛ لیکن اگر بیع باطل میں مبیع پر قبضہ کرنے کے بعد مشتری کے پاس وہ ہلاک ہوجائے تو مشتری ضامن ہوگا۔

****

بیع فاسد

۱۸۷- بیع فاسد وہ ہے جس میں وصف کے اندر فساد درآیا ہو نہ کہ اصل کے اندر، اور اصل کے صحیح ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عاقدین ایجاب وقبول کے اہل ہوں، اور عوضین کو فی الجملہ مال شمار کیا جاسکتا ہو، اور مبیع بائع کی زیر ملکیت ہو؛ لیکن فساد کسی اور سبب سے آیا ہو، اور فساد کے درج ذیل اسباب ہوسکتے ہیں:

۱۸۸- فساد ثمن کے اندر کسی چیز کی وجہ سے ہو، اس کی دو صورتیں ہیں:

الف: ثمن میں ایسی جہالت ہو جو مفضی الی النزاع ہو، خواہ جہالت ثمن کی جنس میں ہو یا وصف میں یا مقدار میں یا اجل میں۔

ب: جن اشیاء میں بازاری قیمت متعین نہیں ہوتی یا آحاد کے بدلنے سے قیمتیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں ان میں ثمن کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔

۱۸۹- فساد مبیع کے اندر کسی چیز کی وجہ سے ہو، اس کی درج ذیل صورتیں ہیں:

الف: مبیع میں ایسی جہالت ہو جو مفضی الی النزاع ہو، ایسی جہالت عام طور پر بیع کو فاسد کر دیتی ہے، خواہ یہ مبیع کی جنس میں ہو یا مقدار میں یا تعیین میں۔

ب: مبیع غیر مقدور التسلیم ہو، پھر اگر وہ بائع کی ملکیت میں ہی نہ ہو تو بیع باطل ہے، مثلاً: فضا میں اڑتے غیر مملوک پرندہ کی بیع کرے، اور اگر وہ اس کا مملوک ہو اور ہوا میں اڑ رہا ہو تو اگر پرندہ کی عادت ہو کہ وہ لوٹ آتا ہو تو بیع جائز ہے، اور اگر لوٹ آنا اس کی عادت نہ ہو تو بیع فاسد ہے۔

ج: مبیع بائع کے قبضے میں نہ ہو، بایں طور کہ بائع کی جانب اس کا ضمان منتقل نہ ہو، پس غیر مقبوض کی بیع فاسد ہے۔

۱۹۰- فساد عقد کے اندر کسی چیز کی وجہ سے آیا ہو، یعنی عقد میں ایسی شرط لگائی جائے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور اس کا عرف ظاہر نہ ہو، یہی حکم ایک صفقہ میں دوسرے صفقہ کی شرط لگانے کا بھی ہے۔

۱۹۱- بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ عاقدین پر اس کا فسخ کرنا واجب ہے، لیکن مشتری کے مبیع پر قبضہ کر لینے کے بعد اس کو ملک خبیث حاصل ہوگی، اور اس پر درج ذیل امور متفرع ہوتے ہیں:

الف: اسی طرح کی بیع کرنا ناجائز ہے؛ کیوں کہ یہ غیر مشروع طریقہ پر منعقد ہوئی ہے، اور عاقدین پر بیع نافذ کرنے سے رکنا واجب ہے۔

ب: اگر مشتری نے بیع فاسد کی وجہ سے حاصل ہونے والی مبیع پر قبضہ نہیں کیا تو وہ اس کا مالک نہیں ہوگا اور نہ اس میں اس کا تصرف نافذ ہوگا، سوائے

اس تصرف کے جو قبضہ کے حکم میں ہو، مثلاً: مشتری بائع کو بیع فاسد کے طور پر خریدے ہوئے گیہوں کو پیسنے کا حکم دے دے۔

۱۹۲- اگر مشتری نے مبیع پر حقیقی یا حکمی قبضہ کرلیا ہو تو عاقدین پر فسخ کرنا واجب ہے۔

۱۹۳- اگر مشتری نے مبیع پر قبضہ کرلیا تو اس کو ملک خبیث حاصل ہوگی، اس سے کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں ہوگا، کھا کر ہو یا پی کر یا پہن کر یا کوئی اور تصرف کرکے؛ البتہ اگر مُفسِد کا ازالہ کرکے عقد جدید کرے تو جائز ہے۔

۱۹۴- چوں کہ مشتری بیع فاسد میں قبضہ کے ذریعہ مبیع کا مالک ہوجاتا ہے؛ اگرچہ کہ ملک خبیث حاصل ہوتی ہے، تو مبیع میں اس کے تصرفات بھی نافذ ہوں گے، مثلاً: وہ کسی تیسرے شخص کو فروخت کردے؛ لیکن نفع حلال نہیں ہوگا؛ بلکہ اس کا صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

۱۹۵- اگر مشتری کے قبضہ میں مبیع نہ رہے، بایں طور کہ وہ اس کے پاس ہلاک ہوجائے، یا وہ اس میں ایسا تصرف کردے جو مانع رد ہو تو وہ ثمن واپس لے کر بائع کو مبیع کی قیمت یا مثل دے گا۔

۱۹۶) بیع فاسد میں مبیع کی واپسی ممکن نہ ہونے کے درج ذیل اسباب ہیں:

الف: مبیع مشتری کے قبضہ میں ہلاک ہوجائے۔

ب: مشتری مبیع میں ایسا تصرف کردے جس سے مبیع کے اندر اس کی ملکیت زائل ہوجائے، مثلاً: کسی کو مبیع فروخت کردے، اور یہ بیع صحیح اور باتّ ہو، اس میں کسی قسم کا خیار مشروط نہ ہو، یا کسی اور کو ہبہ کردے اور سامنے والا اس پر قبضہ بھی کرلے اور وہ موہوب شئ واپس نہ لے، یا صحیح طور پر اس کو وقف کردے، یا اس مبیع کے متعلق صحیح طور پر وصیت کرکے مرجائے۔

ج: مشتری کسی تیسرے کے پاس اس کو بطورِ رہن رکھ دے، اور واپس نہ

لے، اگر وہ مرتہن کے پاس سے رہن چھڑالے تو بیع فسخ کر کے مبیع لوٹانا لازم ہوگا۔

د: مشتری مبیع میں ایسا کوئی اضافہ کردے جو اس سے متصل ہو؛ لیکن متولد نہ ہو، مثلاً: مبیع کپڑا تھی، اور اس نے اس کو رنگ دیا یا سل دیا یا مبیع زمین تھی اور مشتری نے اس میں درخت لگا دیے، یا عمارت بنا دیا۔

۱۹۷- اور اگر مشتری کے قبضہ میں مبیع کے اندر کوئی نقص پیدا ہو جائے تو سببِ نقص کے بدلنے سے حکم بھی مختلف ہوگا، اس کی تین قسمیں ہیں:

الف: نقص مشتری کے فعل سے آیا ہو، مثلاً: بیع فاسد کے طور پر خریدا ہوا کپڑا کاٹ دے، یا مبیع کے فعل سے، مثلاً: مبیع جانور میں اسی کے فعل سے یا آسمانی آفت کی وجہ سے نقص آجائے، جیسے: جانور میں ایسا عیب پیدا ہو جائے جس سے اس کی قیمت کم ہو جاتی ہو، تو بائع جانور واپس لینے کے ساتھ ساتھ ارش بھی لے گا، اگر مشتری ایسا کرنا چاہے تو اس کو اس پر مجبور کیا جائے گا، پھر اگر مبیع ارش سمیت واپس کرنے کے بعد عیب زائل ہو جائے تو بائع پر مشتری کو اس سے لیا ہوا ارش لوٹا دینا لازم ہوگا۔

ب: اگر بائع کے فعل سے مبیع میں نقص آئے، تو اس فعل کی وجہ سے بائع کو مبیع واپس لینے والا شمار کیا جائے گا، اور اگر مبیع مشتری کے قبضہ میں ہو تو مشتری اس نقص کے ساتھ ہی لوٹا دے گا اور وہ ضامن بھی نہیں ہوگا، حتی کہ اگر مبیع مشتری کے پاس ہلاک ہو جائے اور مشتری نے بائع کو مبیع واپس لینے سے روکا بھی نہیں تھا تو یہ بائع کے ضمان سے ہلاک شمار ہوگی۔

ج: کسی اجنبی کے فعل سے نقص پیدا ہو تو بائع کو اختیار ہوگا، چاہے تو مبیع ارش سمیت مشتری سے وصول کرلے اور مشتری اجنبی سے ارش لے گا، یا

بائع اجنبی سے ارش لے لے، اور اس صورت میں اجنبی مشتری سے کوئی چیز نہیں لے گا۔

****

بیع موقوف

۱۹۸- بیع موقوف ایسی بیع ہے جس کا نافذ ہونا غیر عاقد کی اجازت پر موقوف ہو۔

۱۹۹- فضولی ایسا شخص ہے جو دوسرے کے حق میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرے، فضولی کی بیع مجیز کی اجازت پر موقوف ہوگی؛ لہٰذا اگر فضولی دوسرے کا مال بیچ دے تو مالک کی اجازت پر بیع موقوف ہوگی، اگر وہ اجازت دے دے تو عقد کے وقت سے بیع نافذ ہوگی۔

۲۰۰- اگر صبی ممیز اپنا مال ولی کی اجازت کے بغیر فروخت کرے تو اس کا حکم فضولی کی بیع کے حکم کی مانند ہے کہ بیع ولی کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

۲۰۱- فضولی کی بیع درست ہونے کے لیے اس میں درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:

الف: عقد کے وقت اس کی اجازت دینے والا کوئی ہو، اگر کوئی بھی نہ ہو تو بیع باطل ہوجائے گی، مثلاً: صبی اپنا مال بہت ہی زیادہ چھوٹ کے ساتھ فروخت کرے؛ کیوں کہ اس کا ولی اس کی اجازت نہیں دے سکتا؛ اس لیے کہ یہ اس کے حق میں محض نقصان دہ ہے، پھر اگر صبی بالغ ہوجائے اور اس کے بعد بیع کی اجازت دے تو یہ جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ عقد کے وقت وہ موجود نہیں تھا۔

ب: بیع اس طرح کرے کہ وہ مبیع کے مالک کی جانب سے فروخت کررہا ہے

نہ کہ اپنے لیے، اگر وہ اپنے لیے بیع کرے تو یہ بالکل منعقد نہیں ہوگی؛ کیوں کہ یہ غیر مملوک کی بیع ہے۔

ج: اجازت ملنے تک عاقدین، معقود علیہ اور مالک باقی رہیں، اگر بائع یا فضولی ہلاک ہوجائے تو بیع باطل ہوجائے گی، یہی حکم ہے جب کہ مبیع ہلاک ہوجائے یا اس میں ایسا تغیر آجائے کہ وہ کوئی دوسری چیز بن جائے، اور اگر ثمن کوئی متعین عرض ہو تو اس کا باقی رہنا بھی شرط ہے، جیسا کہ مقایضہ میں ہوتا ہے؛ کیوں کہ وہ من وجہٍ مبیع ہے، اور اگر مالک کا انتقال ہوجائے تو اجازت کا حق اس کے ورثہ کی جانب منتقل نہیں ہوگا؛ بلکہ بیع باطل ہوجائے گی۔

د: اجازت دینے والے مالک کو اجازت کے وقت مبیع کے باقی رہنے کا علم ہو، اگر مالک کو یہ علم نہ ہو کہ مبیع علیٰ حالہٖ باقی ہے تو اجازت صحیح نہیں ہوگی۔

ہ: مالک کی اجازت سے پہلے بائع یا فضولی نے بیع فسخ نہ کی ہو؛ اس لیے کہ اجازت سے قبل دونوں کو عقد فسخ کرنے کا اختیار ہے؛ کیوں کہ عقد کے لازم ہونے سے قبل فسخ کرنا ہے۔

۲۰۲- مالک کی جانب سے اجازت قولی بھی ہوتی ہے کہ ایسا جملہ بولے جو رضامندی پر دلالت کرے، جیسے: میں نے اجازت دی، اور کبھی فعلی ہوتی ہے، مثلاً: ثمن یا اس کا کچھ حصہ لے لے، یا مشتری کو ہبہ کردے؛ البتہ مجلس عقد میں موجودگی اور بیع کے وقت خاموشی اجازت شمار نہیں ہوگی؛ کیوں کہ خاموشی اجازت نہیں کہلاتی۔

۲۰۳-اگر مالک فضولی کی بیع کی اجازت دے دے تو فضولی تمام احکام میں مالک کا وکیل ہوجائے گا؛ لہٰذا اگر ثمن پر قبضہ کرنے کے بعد اس کی تعدی کے بغیر وہ اس

کے پاس ہلاک ہوجائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا، خواہ ثمن اجازت ملنے سے پہلے ہلاک ہوا ہو یا اجازت ملنے کے بعد؛ کیوں کہ فضولی بعد میں ملنے والی اجازت کی بنا پر وکیل بن گیا ہے،؛ لہٰذا قبضہ ہی کے وقت سے ثمن اس کے پاس امانت ہوگا، پس وہ اجازت دینے والے کے ہی ضمان سے ہلاک ہوگا؛ اگر چہ اجازت ہلاک ہونے کے بعد دی گئی ہو۔

۲۰۴- اگر مالک شخص معنوی ہو تو اس شخص کی اجازت کا اعتبار ہوگا جو بیع کے تصرفات میں اس شخص معنوی کا نمائندہ ہو، مثلاً وقف کا متولی؛ لہٰذا اگر فضولی ایسی چیز فروخت کرے جس کو متولی بھی بیچنے کا مالک نہیں تو بیع باطل ہوگی، جیسے: مسجد کی بیع، اور اگر ایسی چیز بیچے جس کی بیع کا متولی مالک ہے مثلاً: وقف کے مملوکات جو خود وقف نہیں ہیں، یا وہ وقف جس میں واقف نے استبدال کی شرط لگائی ہو، تو یہاں متولی کی اجازت پر بیع موقوف ہوگی، اور اگر وقف کے دو متولی ہوں اور ایک دوسرے کی موجودگی میں فروخت کرے تو دوسرے کی اجازت پر بیع موقوف ہوگی۔

۲۰۵- اسی طرح کمپنیوں کا مال اگر فضولی فروخت کرے تو اجازت کا اختیار اسی کو ہوگا جو کمپنی کے نظام کے تحت بیچنے کا حق دار ہو، اور مبیع کی نوعیت کے لحاظ سے اجازت دینے والے مختلف ہو سکتے ہیں؛ اس لیے کہ معمولی چیزوں کی بیع کا حق بعض تنخواہ داروں کو بھی ہوتا ہے، بعض کا انتظامی کمیٹی کو اور بعض کے لیے مجلس ادارت یا عمومی کمیٹی کو۔

۲۰۶- جس شخص کو اجازت کا حق حاصل ہے وہ اگر اجازت نہ دے تو بیع باطل ہے، اور اگر فضولی نے ثمن پر قبضہ کر لیا ہو تو مشتری کو واپس کرنا ضروری ہے اگر وہ موجود ہو، اور اگر مالک کی اجازت سے قبل ثمن فضولی کے پاس ہلاک ہوجائے، اور مشتری کو معلوم تھا کہ جس کو وہ ثمن دے رہا ہے وہ فضولی ہے، تو فضولی بلا تعدی

ہلاکت کی صورت میں ضامن نہیں ہوگا؛ کیوں کہ وہ امین ہے، اور اگر مشتری کو فضولی ہونے کا علم نہیں تھا، اور ثمن ہلاک ہوگیا ہو تو فضولی ضامن ہوگا اور اس پر مثل واپس کرنا ضروری ہوگا۔

بیع مکروہ

۲۰۷- بیع مکروہ سے مراد ایسی بیع ہے جس سے شارع نے صلب عقد سے خارج کسی سبب کی بنا پر منع کیا ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ عاقد گنہگار ہوگا؛ البتہ بیع معصیت کے ساتھ نافذ ہوجائے گی، اور تمام میں کراہت تحریمی ہوگی، اور بیع کو دیانۃً فسخ کرنا واجب ہے، نہ کہ قضاءً۔

۲۰۸- بیع مکروہ کی ایک قسم محلہ کی مسجد میں اذان جمعہ سے لے کر نماز کی ادائیگی تک کے دوران کی جانے والی بیع ہے، اور اس میں اذان اول کا اعتبار ہوگا۔(۱)

---

(۱) آج کل تقریباً تمام مساجد میں جمعہ سے قبل اردو بیان کا سلسلہ بھی چل پڑا ہے جو کہ ایک اچھی چیز ہے؛ لیکن غلط طریقہ یہ اپنایا گیا کہ بیان سے قبل ہی اذان دے دی جاتی ہے، اور اذان و نماز کے درمیان ایک گھنٹہ یا اس سے زائد کا وقفہ ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ اذان اول سنتے ہی سعی واجب ہوجاتی ہے؛ لیکن اتنی تاخیر کی وجہ سے اکثریت مساجد کا رخ اس وقت کرتی ہے جب خطبۂ جمعہ شروع ہونے میں چند منٹ باقی رہ جاتے ہیں، اور ایک واجب عمل (سعی) کو وہ مسلسل ترک کرتے ہیں، اس گناہ میں مساجد کی انتظامی کمیٹی بھی شریک ہے، انہیں اس رواج کو ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

آج کل نماز جمعہ سے قبل تقریر کا دستور ہوگیا ہے، اس کی وجہ سے جو لوگ اذان اول سن کر فوراً جمعہ کی تیاری میں مشغول نہیں ہوتے ان کے اس گناہ کا سبب مسجد کی منتظمہ ہے؛ اس لیے منتظمہ بھی سخت گنہگار ہوگی، منتظمہ پر لازم ہے کہ اذان اول و خطبہ کے درمیان زیادہ فصل نہ رکھیں۔

(احسن الفتاوی ۴/ ۱۱۴)

۲۰۹- بیع کی ممانعت ان افراد کے ساتھ خاص ہے جن پر جمعہ واجب ہو؛ لہٰذا عورتوں، مسافرین اور بچوں کے لیے بیع مکروہ نہیں ہے؛ اس لیے کہ نہی کی علت سعی واجب کو ترک کرنا ہے؛ لہٰذا جو سعی کا مخاطب نہیں ہے اس کو نہی بھی شامل نہیں ہوگی۔

۲۱۰- حرمت سے ایسی چیز کی بیع مستثنیٰ ہوگی جس کی نمازِ جمعہ کے لیے ضرورت ہو، جیسے: پانی، اسی طرح ہر ایسی چیز جو نماز یا سعی میں معاون ہوں، جیسے: جائے نماز، تو راستہ میں ان کی خرید وفروخت جائز ہوگی۔

۲۱۱- حرمت سے یہ صورت بھی مستثنیٰ ہے کہ عاقدین جمعہ کے لیے چلتے ہوئے بیع کریں؛ کیوں کہ اس سے سعی میں خلل نہیں آتا۔

۲۱۲- اذانِ اول کے وقت تجارتی دکانیں بند کر دی جائیں؛ اگرچہ تاجرین باری باری جمعہ کی نماز ادا کر سکتے ہیں۔

۲۱۳- مکروہ بیوع میں سے وہ بیع ہے جس میں دوسرے کے بھاؤ تاؤ پر بھاؤ تاؤ کیا گیا ہو، اس کی صورت یہ ہے کہ عاقدین کا ثمن پر اتفاق ہو جائے اور بیع کی جانب ان کا میلان ہو جائے، پھر دوسرا آئے اور وہ مالک کو زائد یا اس کے مثل رقم دے دے، یہ نہیں کہ وہ شخص ذی وجاہت ہو اور اس کی وجاہت کی بنا پر اس کو فروخت کر دیا گیا ہو۔

۲۱۴- اپنے بھائی کی بیع پر بیع کرنا بھی مکروہ ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ عاقدین کا سامان کے ثمن پر اتفاق ہو جائے، پھر دوسرا آ کر کہے: میں تجھے یہی سامان اس سے کم ثمن میں فروخت کروں گا، اس سے سامان کے مالک کو ضرر لاحق ہوگا، یا کوئی شخص خیارِ شرط کے ساتھ کوئی سامان خرید لے، پھر دوسرا آ کر اس سے کہے کہ تم یہ بیع فسخ کر دو، میں تجھے یہی چیز اس سے کم ثمن میں دوں گا، اس حکم میں شراء علی شراء البعض بھی داخل ہے، وہ یہ کہ بائع کے لیے خیار ہو اور کوئی اس سے آ کر کہے کہ تم یہ بیع فسخ کر دو، میں اس سے زائد ثمن کے عوض تم سے خرید لوں گا۔

۲۱۵- نجش (جیم کے سکون کے ساتھ، ایک قول فتحہ کا بھی ہے) کا معنی یہ ہے کہ آدمی سامان کے ثمن میں اضافہ کر دے، اور ایسا اس سامان میں خود کی دلچسپی کی وجہ سے نہ ہو؛ بلکہ دوسرے کو دھوکہ دینا ہو کہ وہ اس سامان میں دلچسپی لے اور زائد ثمن کے عوض خرید لے، یہ حرام ہے، پھر اگر ناجش نے یہ فعل از خود کیا ہو، بائع کو اس کا علم نہ ہو یا بائع نے اس کو یہ حکم نہ دیا ہو، تو تنہا ناجش ہی گنہگار ہوگا، اور اگر بائع کے ساتھ سمجھوتہ بھی کیا گیا ہو تو دونوں گنہگار ہوں گے؛ البتہ اگر کوئی شخص کسی کو دیکھے کہ اس کو بیع میں غبن ہو رہا ہے تو اتنی حد تک نجش جائز ہے کہ سامان کا ثمن قیمت کے مساوی ہو جائے۔

۲۱۶- مکروہ بیوع میں سے ایک شہری کی دیہاتی سے خرید وفروخت ہے، اس کی شکل یہ ہے کہ شہری دلال' دیہاتی کو بیع سے روک دے اور کہے: تم مت بیچو، میں اچھے طریقہ سے بیچوں گا، چنانچہ وہ اس کا وکیل بن کر مہنگے داموں میں فروخت کرے، اگر وہ خود دیہاتی کو بیع کرنے دیتا تو سستے میں لوگ خرید سکتے، چوں کہ نہی کی علت اہل شہر کو ضرر لاحق ہونا ہے؛ اس لیے کراہت اس صورت کے ساتھ خاص ہے جس میں اہل شہر کو ضرر پہونچتا ہو، بایں طور کہ بازار میں مہنگائی بڑھ جائے، اور جہاں اہل شہر کو ضرر نہ ہو اور شہری کا مقصد صرف دیہاتی کی مدد کرنا ہو، قیمت سے اس کا لینا دینا نہ ہو تو یہ جائز ہے۔

۲۱۷- مکروہ بیوع میں سے ایک تلقی جلب بھی ہے، جلب سے مراد وہ سوار افراد ہیں جو شہر تک سامان لے جاتے ہیں، اور تلقی سے مراد یہ ہے کہ اہل شہر میں سے کوئی ان کے شہر پہونچنے سے قبل ہی ان کے پاس جائے اور ان سے سامان خرید لے، یہ دو حالتوں میں ممنوع ہے:

پہلی حالت یہ کہ اہل شہر کو ان سامانوں کی ضرورت ہو اور یہ شخص سامان خرید کر اہل شہر کو مہنگے داموں میں فروخت کرے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ ان لوگوں کو قیمت کا علم نہ ہو اور یہ شخص ان سے سستے داموں میں خرید لے۔

اس بیع کی ممانعت کی علت بھی ضرر ہے، خواہ اہلِ شہر کو لاحق ہو، جیسا کہ پہلی صورت میں، یا قافلہ والوں کو، جیسا کہ دوسری صورت میں ہے۔

اور تلقی بالجلب کے طور پر سامان کی خریداری نافذ ہو جائے گی؛ لیکن بائع اگر بازار میں آئے اور اس کو مشتری کی جانب سے غبن کا علم ہو تو اس کو بیع برقرار رکھنے یا فسخ کر دینے کا اختیار ہوگا۔

۲۱۸- احتکار یہ ہے کہ ضرورت کی چیزیں مہنگائی کے انتظار میں آدمی اپنے پاس ذخیرہ کرلے اور ان کی بیع نہ کرے، یہ ہر اس چیز میں ممنوع ہے جس کی لوگوں کو ضرورت ہو، اور اہلِ شہر کو اس سے نقصان ہو، خواہ اس نے اپنی کھیتی سے ذخیرہ کیا ہو یا کسی دوسرے بازار سے خریدا ہو۔

۲۱۹- جو شخص ممنوعہ چیزوں کا احتکار کرے تو حکومت کی جانب سے بازار میں انہیں لانے پر مجبور کیا جائے گا، اگر وہ قاضی کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بازار نہ لائے تو قاضی حسبِ مصلحت اس کی تعزیر کرے گا اور اس کا ذخیرہ شدہ غلہ فروخت کر دے گا۔

۲۲۰- احتکار کے حکم میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ ایک کارخانے والے یا ایک سامان کے تاجرین ایک کمیٹی (cartel) بناتے ہیں جو سامانوں کی ایک قیمت متعین کر دیتی ہے، بشرطیکہ اس میں احتکار کی مانند ضرر لاحق ہو؛ لہٰذا حکومت کو ایسی کمیٹی نہیں بننی دینی چاہیے۔

۲۲۱- تسعیر یہ ہے کہ حاکم وقت تاجرین کو متعینہ قیمت پر سامان کی فروختگی کا پابند کر دے، اصلاً یہ ناجائز ہے؛ لیکن اگر حاکم کو محسوس ہو کہ سامان والے، بالخصوص غلہ والے قیمت سے زائد غبن فاحش کے طور پر فروخت کر رہے ہیں، اور

مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا حاکم کے پاس صرف تسعیر ہی واحد راہ ہو، تو اہل رائے اور ذی بصیرت افراد کے مشورہ سے تسعیر کی جاسکتی ہے، اگر تسعیر کے باوجود کوئی زائد ثمن میں فروخت کرے تو قاضی اس کو جائز قرار دے گا، اور جو امام المسلمین کی متعین کردہ قیمت کے عوض فروخت کرے تو یہ بھی درست ہے؛ کیوں کہ وہ بیع پر مکرَہ نہیں ہے۔

******

بین الاقوامی تجارت سے متعلق مسائل

بذریعۂ ڈاک تجارت

۲۲۲- اگر دو ملکوں کے درمیان فون کے ذریعہ بات کرکے یا فیکس یا ٹیلی گراف کے ذریعہ خط وکتابت کرکے تجارت کی جائے، اور مبیع بائع کی زیرِ ملکیت ہو تو اس طریقہ سے ایجاب وقبول کے ذریعہ بیع منعقد ہوجائے گی، پھر اگر بائع کی جانب سے سامان وی پی (valued parcel) کے ذریعہ بھیجا جائے، مطلب یہ ہے کہ پوسٹ آفس کا نمائندہ مشتری سے ثمن وصول کرنے کے بعد اس کو مبیع دے دیتا ہے، تو پوسٹ آفس بائع کا وکیل بن کر مشتری کو سامان سپرد کرتا ہے اور اس سے ثمن حاصل کرتا ہے، اور اس کا تصرف بائع کی جانب منسوب ہوتا ہے، پھر جب اس نے مشتری کی جانب مبیع سپرد کردی تو ضمان مشتری کی جانب منتقل ہوجائے گا۔

۲۲۳- اگر عاقدین کے درمیان رابطے کے وقت مبیع بائع کی ملکیت میں نہ ہو اور بائع ۲۲۲ فقرہ میں مذکور طریقہ سے مشتری کو سامان بھیجے، تو مشتری کی جانب سامان

کی سپردگی کے وقت بیع تام ہوگی، اسی طرح اگر مشتری نے مبیع لینے سے قبل پوسٹ آفس کے نمائندہ کو ثمن حوالہ کر دیا تو بیع تام ہو جائے گی، معلوم ہوا کہ بیع کے تام ہونے کا نقطہ ثمن یا مبیع کی سپردگی ہے، خواہ جس کی بھی پہلے سپردگی ہو۔

۲۲۴-اگر مبیع بذریعۂ ڈاک مشتری تک مبیع پہونچنے سے قبل ہلاک ہو جائے یا اس میں کوئی نقص آجائے تو بائع ضامن ہوگا؛ کیوں کہ مبیع کا ضمان مشتری کی جانب سامان کی وصولی کے بعد ہی منتقل ہوتا ہے، اور نقصان کی تلافی کے لیے بائع پوسٹ آفس سے رجوع کرے گا۔

۲۲۵- پوسٹ آفس کا مبیع پر قبضہ قبضۂ امانت ہوگا؛ اس لیے کہ وہ بائع کا وکیل ہے، اور وکیل کا قبضہ قبضۂ امانت ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر پوسٹ آفس کی تعدی کے بغیر مبیع ہلاک ہو جائے، اس طرح کہ مطلوبہ حفاظت کے بعد بھی چور چوری کر لیں، یا راستے میں مبیع خراب ہو جائے، حالاں کہ پوسٹ آفس کے نمائندے کی طرف سے کوئی تعدی نہ ہوئی ہو اور نہ ڈاک کے عام قواعد کی خلاف ورزی ہوئی ہو، تو یہ بائع کا نقصان شمار ہوگا، پوسٹ آفس اس کا ضامن نہیں ہوگا۔

۲۲۶- اگر سامان بیمہ (Insurance) کے طور پر بھیجا جائے، یعنی پوسٹ آفس اس بات کا التزام کرے کہ وہ پارسل بھیجے گا اور وہ اس کا ضامن ہوگا، یہ اس بنا پر جائز ہے کہ یہ مودع بالاجر ہے اور اس پر ضمان کی شرط لگائی گئی ہے؛ لیکن وہ اس صورت میں ضامن ہوتا ہے جب کہ چیز ایسے سبب سے تلف ہوئی ہو جس سے بچا جا سکتا تھا، اگر الظروف القاہرۃ (force majure) کی وجہ سے بچنا ممکن نہ ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔

۲۲۷-پوسٹ آفس جب مشتری سے ثمن وصول کر لیتا ہے تو بعینہ وہ نقود بائع کو نہیں دیتا؛ بلکہ اپنے اور دیگر لوگوں کے اموال کے ساتھ ملا دیتا ہے، پھر بائع کو اس کا مثل دیتا ہے، پس یہ قرض مضمون کے حکم میں ہے، اسی وجہ سے وہ ان نقود کا ضامن

ہوگا، اور پوسٹ آفس جو فیس کا مطالبہ کرتا ہے وہ انتظامی امور کی اجرت ہے، جیسا کہ ہم منی آرڈر کے سلسلے میں ذکر کر چکے ہیں۔

*****

بذریعۂ بینک تجارت

۲۲۸- بینک میں ایل سی (Letter Of Credit) کھلوا کر بیع کرنا جائز ہے، اور بینک کو ایل سی کی فیس بھی دی جاسکتی ہے، یہ فیس ان خدمات کے مقابل ہوگی جو بینک انجام دیتا ہے، بشرطیکہ یہ سودی نفع دینے کو مستلزم نہ ہو۔

۲۲۹- ایل سی پر مزید رقم طلب کرنا سود ہونے کی وجہ سے شرعاً ممنوع ہے۔

۲۳۰- اگر مبیع بائع کی زیر ملکیت ہو، تو عاقدین کے درمیان خط وکتابت یا زبانی بات چیت کے ذریعہ بیع کی جاسکتی ہے، پھر مبیع وثمن کا تبادلہ کسی بھی متفق علیہ طریقہ سے ہوسکتا ہے، جس میں ایل سی بھی ہے۔

۲۳۱- اگر مبیع بائع کی ملکیت میں نہ ہو، یا بیع کا تام ہونا کسی چیز پر موقوف ہو تو معاہدۂ بیع شرعاً مواعدہ کے حکم میں ہوگا، اور بیع تب تام ہوگی جب کہ مبیع بائع کی ملکیت میں آجائے، یا وہ چیز متحقق ہوجائے جس پر بیع موقوف تھی، یا تو ایجاب وقبول کے ذریعہ یا تعاطی کے ذریعہ، اور ایل سی کی صورت میں تعاطی کا تحقق بائع کے ٹرانسپورٹ کمپنی کو سامان سپرد کردینے سے ہوگا؛ کیوں کہ تعاطی جانب واحد سے بھی ہوسکتا ہے۔

۲۳۲- اگر مشتری یا اس کا وکیل مبیع کی وصولی کے لیے بائع کے پاس موجود ہو، تو جیسے ہی بائع سامان اور مشتری کے درمیان تخلیہ کردے گا تو مبیع کا ضمان بائع سے مشتری

کی جانب منتقل ہوگا۔

۲۳۳-اگر بائع کے ملک میں مشتری یا اس کا وکیل مبیع کی وصولی کے لیے موجود نہ ہو؛ تو مبیع کا ضمان مشتری کی جانب اس وقت منتقل ہوگا جب کہ بائع سامان بندرگاہ یا ٹرانسپورٹ کمپنی کے حوالہ کردے، جیسا کہ بین الاقوامی تجارات کا عرف اور اصطلاحات ہیں، خواہ مشتری نے ہی کمپنی کی تعیین کی ہو یا مشتری کے حکم یا اجازت سے بائع نے کمپنی متعین کی ہو۔

۲۳۴-ٹرانسپورٹ کے خرچوں کا تحمل وہ کرے گا جس پر عقد میں عاقدین کا اتفاق ہو۔

۲۳۵-اگر بائع کی جانب سے سامان ٹرانسپورٹ کمپنی کے حوالہ کردیا جائے، اور ٹرانسپورٹ کمپنی مبیع کے قبضہ میں مشتری کا وکیل بن جائے تو مشتری کی جانب ضمان منتقل ہوجائے گا؛ لیکن مشتری کو کسی تیسرے کو بیچنے کی اجازت نہ ہوگی، حتی کہ سامان بندرگاہ تک پہونچ جائے، اور وہ خود یا وکیل کے ذریعہ سے اس پر قبضہ کرلے۔

فہرستِ مراجع وماخذ

۱- ابحاث ہیئۃ کبار العلماء، الریاسۃ العامۃ لادارات البحوث العلمیۃ، ریاض
۲- اتحاف الخیرۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرۃ، علامہ شہاب الدین بوصیریؒ (م:۸۴۰ھ) دار الوطن للنشر، ریاض
۳- الاحادیث المختارۃ، علامہ ضیاء الدین مقدسیؒ (م:۶۴۳ھ) دار خضر للطباعۃ والنشر، بیروت
۴- احسن الفتاوی، مفتی رشید احمد لدھیانویؒ (م:۱۴۲۲ھ) مکتبہ زکریا دیوبند
۵- احکام القرآن، علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ (م:۳۷۰ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت
۶- احکام القرآن، مفتی شفیع احمد عثمانیؒ (م:۱۳۹۶ھ) ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کراچی
۷- احیاء علوم الدین، علامہ ابو حامد غزالیؒ (م:۵۰۵ھ) دار المعرفۃ بیروت
۸- اخبار مکۃ، علامہ ابو الولید احمد ازرقیؒ (م:۲۵۰ھ) دار الاندلس للنشر بیروت
۹- الاختیار لتعلیل المختار، علامہ مجد الدین موصلیؒ (م:۶۸۳ھ) مطبعۃ الحلبی القاہرۃ
۱۰- الآداب الشرعیۃ والمنح المرعیۃ، علامہ محمد بن مفلح مقدسیؒ (م:۷۶۳ھ) عالم الکتب
۱۱- انوار البروق فی انواء الفروق، علامہ شہاب الدین قرافیؒ (م:۶۸۴ھ) مع: ادرار الشروق علی انواء الفروق، علامہ قاسم ابن شاطؒ (م:۷۲۳ھ) مع: تہذیب الفروق والقواعد السنیۃ فی الاسرار الفقہیۃ، علامہ محمد بن علیؒ (م:۱۳۶۷ھ) عالم الکتب
۱۲- الاذکار، علامہ یحیی بن شرف نوویؒ (م:۶۷۶ھ) دار الفکر للطباعۃ والنشر بیروت
۱۳- الاستذکار، علامہ ابن عبد البر مالکیؒ (م:۴۶۳ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت
۱۴- الاشباہ والنظائر، علامہ زین الدین ابن نجیمؒ (م:۹۷۰ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت
۱۵- الاشباہ والنظائر، علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م:۹۱۱ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت

۱۶- الاشراف علی مذہب اہل العلم، علامہ ابن منذرؒ (م:۳۱۹ھ) وزارۃ الاوقاف قطر
۱۷- الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، علامہ ابن حجر عسقلانیؒ (م:۸۵۲ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت
۱۸- اصول الافتاء وآدابہ، مفتی محمد تقی عثمانی، معارف القرآن، کراچی
۱۹- اصول الکرخی مع تاسیس النظر، امام عبید اللہ کرخیؒ (م:۳۴۰ھ) وعلامہ ابوزید دبوسیؒ (م:۴۳۰ھ) محمد سعید اینڈ سنز کراچی
۲۰- اعلاء السنن، علامہ ظفر احمد عثمانیؒ (م:۱۳۹۴ھ) مکتبہ اشرفیہ دیوبند
۲۱- اعلام الموقعین، علامہ ابن قیم جوزیؒ (م:۷۵۱ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت
۲۲- الاقناع مع کشاف القناع، علامہ موسی بن احمد حجاویؒ (م:۹۶۸ھ) وعلامہ منصور بہوتیؒ (م:۱۰۵۱ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت
۲۳- اکمال اکمال المعلم، علامہ محمد ابی وشانیؒ (م:۸۲۷ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت
۲۴- امداد الاحکام، علامہ ظفر احمد عثمانیؒ (م:۱۳۹۴ھ) مکتبہ دار العلوم کراچی
۲۵- امداد الفتاوی، مولانا اشرف علی تھانویؒ (م:۱۳۶۲ھ) مکتبہ زکریا دیوبند
۲۶- الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف، علامہ علاء الدین مرداویؒ (م:۸۸۵ھ) دار احیاء التراث العربی
۲۷- اوجز المسالک، مولانا زکریا کاندھلویؒ (م:۱۴۰۲ھ) ادارۂ تالیفات اشرفیہ
۲۸- البحر الرائق، علامہ زین الدین ابن نجیمؒ (م:۹۷۰ھ) دار الکتاب الاسلامی
۲۹- بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ، مفتی محمد تقی عثمانی، وزارۃ الاوقاف قطر
۳۰- بدایۃ المجتہد، علامہ ابن رشد حفیدؒ (م:۵۹۵ھ) دار الحدیث القاہرۃ
۳۱- بدائع الصنائع، علامہ علاء الدین کاسانیؒ (م:۵۸۷ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت
۳۲- البیان فی مذہب الامام الشافعی، علامہ ابوحسین عمرانیؒ (م:۵۵۸ھ) دار المنہاج جدۃ
۳۳- البیان والتحصیل، علامہ ابن رشد قرطبیؒ (م:۵۲۰ھ) دار الغرب الاسلامی بیروت
۳۴- تاج العروس، علامہ مرتضی زبیدیؒ (م:۱۲۰۵ھ) دار الہدایۃ

۳۵- التاج والاکلیل، علامہ مواق مالکیؒ (م:۸۹۷ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت
۳۶- تبصرۃ الحکام، علامہ ابن فرحون یعمریؒ (م:۷۹۹ھ) مکتبۃ الکلیات الازہریۃ
۳۷- تبیین الحقائق ومعہ حاشیۃ الشلبی، علامہ فخر الدین زیلعیؒ (م:۷۴۳ھ) وعلامہ شہاب الدین شلبیؒ (م:۱۰۲۱ھ) المطبعۃ الکبری الامیریۃ القاہرۃ
۳۸- تحذیر الاخوان عن الربا فی الہندوستان، مولانا اشرف علی تھانویؒ (م:۱۳۶۲ھ) اشرف المطابع تھانہ بھون
۳۹- تحریر الکلام، علامہ شمس الدین حطابؒ (م:۹۵۴ھ) دار الفکر
۴۰- التحریر والتنویر، علامہ محمد طاہر ابن عاشورؒ (م:۱۳۹۳ھ) الدار التونسیۃ للنشر، تونس
۴۱- تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج ومعہ حاشیتا الشروانی والعبادی، علامہ ابن حجر ہیتمیؒ (م:۹۷۴ھ) وعلامہ عبدالحمید شروانیؒ وعلامہ ابن قاسم عبادیؒ (م:۹۹۲ھ) المکتبۃ التجاریۃ الکبری مصر
۴۲- تفسیر القرطبی، علامہ شمس الدین قرطبیؒ (م:۶۷۱ھ) دار الکتب المصریۃ
۴۳- تفسیر المنار، علامہ رشید بن رضا قلمونیؒ (م:۱۳۵۴ھ) الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب
۴۴- تفسیر معارف القرآن، مفتی شفیع احمد عثمانیؒ (م:۱۳۹۶ھ) معارف القرآن، کراچی
۴۵- التقریر والتحبیر، علامہ ابن امیر حاجؒ (م:۸۷۹ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت
۴۶- تکملہ فتح الملہم، مفتی محمد تقی عثمانی، مکتبہ اشرفیہ دیو بند
۴۷- التلخیص الحبیر، علامہ ابن حجر عسقلانیؒ (م:۸۵۲ھ) دار الکتب العلمیۃ
۴۸- تلخیص المنذری، علامہ زکی الدین منذریؒ (م:۶۵۶ھ) مکتبہ اثریہ، پاکستان
۴۹- تنویر الابصار مع الدر المختار ورد المحتار، علامہ خطیب تمرتاشیؒ (م:۱۰۰۴ھ) وعلامہ علاء الدین حصکفیؒ (م:۱۰۸۸ھ) وعلامہ ابن عابدین شامیؒ (م:۱۲۵۲ھ) دار الفکر بیروت
۵۰- تہذیب التہذیب، علامہ ابن حجر عسقلانیؒ (م:۸۵۲ھ) مطبعۃ دائرۃ المعارف الہند
۵۱- تہذیب السنن، علامہ ابن قیم جوزیؒ (م:۷۵۱ھ) مکتبہ اثریہ، پاکستان

۵۲- جامع الاصول، علامہ ابن اثیر جزریؒ (م:۶۰۶ھ) مکتبۃ الحلوانی

۵۳- جامع الترمذی، امام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ (م:۲۷۹ھ) دار الغرب الاسلامی

۵۴- جامع الفصولین، علامہ ابن قاضی سماوہؒ (م:۸۲۳ھ) اسلامی کتب خانہ کراچی

۵۵- جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع عثمانیؒ (م:۱۳۹۶ھ) مکتبہ زکریا دیوبند

۵۶- الجوہر النقی، علامہ علاء الدین ماردینیؒ (م:۷۵۰ھ) دار الفکر

۵۷- الجوہرۃ النیرۃ، علامہ ابوبکر زبیدیؒ (م:۸۰۰ھ) المطبعۃ الخیریۃ

۵۸- حاشیۃ البجیرمی علی الخطیب، علامہ سلیمان بجیرمیؒ (م:۱۲۲۱ھ) دار الفکر

۵۹- حاشیۃ البجیرمی علی شرح منہج الطلاب، علامہ سلیمان بجیرمیؒ (م:۱۲۲۱ھ) مطبعۃ الحلبی

۶۰- حاشیۃ السندی علی ابن ماجہ، علامہ نور الدین سندیؒ (م:۱۱۳۸ھ) دار الجیل بیروت

۶۱- الحاوی الکبیر، علامہ ابوحسن علی ماوردیؒ (م:۴۵۰ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت

۶۲- الحاوی للفتاوی، علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م:۹۱۱ھ) دار الفکر بیروت

۶۳- حجۃ اللہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م:۱۱۷۶ھ) دار الجیل، بیروت

۶۴- الحیلۃ الناجزۃ، مولانا اشرف علی تھانویؒ (م:۱۳۶۲ھ) دار الاشاعت کراچی

۶۵- شرح مختصر خلیل، علامہ محمد بن عبداللہ خرشیؒ (م:۱۱۰۱ھ) دار الفکر بیروت

۶۶- خلاصۃ الفتاوی، علامہ طاہر بخاریؒ (م:۵۴۲ھ) مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۶۷- دائرۃ المعارف، معلم پطرس بستانیؒ (م:۱۳۰۰ھ) دار المعرفۃ بیروت

۶۸- مجمع الانہر و بہامشہ الدر المنتقی، علامہ داماد آفندیؒ (م:۱۰۷۸ھ) علامہ علاء الدین حصکفیؒ (م:۱۰۸۸ھ) داراحیاء التراث العربی، مکتبہ فقیہ الامت دیوبند

۶۹- درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام، علامہ علی حیدر آفندیؒ (م:۱۳۵۳ھ) دار الجیل بیروت

۷۰- دلائل النبوۃ، علامہ ابوبکر بیہقیؒ (م:۴۵۸ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت

۷۱- الدیباج المذہب، علامہ ابن فرحون یعمریؒ (م:۷۹۹ھ) دار التراث القاہرۃ

۷۲- الذخیرۃ، علامہ ابوعباس قرافیؒ (م:۶۸۴ھ) دار الغرب الاسلامی بیروت

۷۳- روح المعانی، علامہ شہاب الدین آلوسیؒ (م:۱۲۷۰ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت
۷۴- روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتیین، علامہ یحییٰ بن شرف نوویؒ (م:۶۷۶ھ) المکتب الاسلامی بیروت
۷۵- الروضۃ الندیۃ، علامہ صدیق قنوجیؒ (م:۱۳۰۷ھ) دار المعرفۃ بیروت
۷۶- زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، علامہ ابن قیم جوزیؒ (م:۷۵۱ھ) موسسۃ الرسالۃ بیروت
۷۷- سنن ابن ماجہ، امام ابن ماجہ قزوینیؒ (م:۲۷۳ھ) دار احیاء الکتب بیروت
۷۸- سنن ابی داؤد، امام ابو داؤد سجستانیؒ (م:۲۷۵ھ) المکتبۃ العصریۃ بیروت
۷۹- سنن الدارقطنی، امام ابوحسن دارقطنیؒ (م:۳۸۵ھ) موسسۃ الرسالۃ بیروت
۸۰- سنن الدارمی، امام ابومحمد دارمیؒ (م:۲۵۵ھ) دار المغنی للنشر
۸۱- السنن الکبری، علامہ ابوبکر بیہقیؒ (م:۴۵۸ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت
۸۲- سنن النسائی، امام احمد بن شعیب نسائیؒ (م:۳۰۳ھ) مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب
۸۳- سنن سعید بن منصور، امام سعید بن منصور خراسانیؒ (م:۲۲۷ھ) الدار السلفیۃ الہند
۸۴- السیرۃ النبویۃ، علامہ ابن ہشام حمیریؒ (م:۲۱۳ھ) مطبعۃ الحلبی
۸۵- شرح مختصر خلیل، علامہ سید عبدالباقی زرقانیؒ (م:۱۰۹۹ھ) دار الفکر بیروت
۸۶- شرح مختصر الخرقی، علامہ شمس الدین زرکشیؒ (م:۷۷۲ھ) دار العبیکان
۸۷- شرح السیر الکبیر، شمس الائمہ سرخسیؒ (م:۴۸۳ھ) الشرکۃ الشرقیۃ للاعلانات
۸۸- الشرح الکبیر ومعہ حاشیۃ الدسوقی، علامہ احمد دردیرؒ (م:۱۲۰۱ھ) وعلامہ ابن عرفہ دسوقیؒ (م:۱۲۳۰ھ) دار الفکر
۸۹- الشرح الصغیر ومعہ حاشیۃ الصاوی، علامہ احمد دردیرؒ (م:۱۲۰۱ھ) وعلامہ احمد صاویؒ (م:۱۲۴۱ھ) دار المعارف
۹۰- شرح القواعد الفقہیۃ، علامہ محمد بن احمد زرقاءؒ (م:۱۳۵۷ھ) دار القلم دمشق
۹۱- الشرح الکبیر علی متن المقنع، علامہ ابن قدامہ مقدسیؒ (م:۶۸۲ھ) دار الکتاب العربی

۹۲- شرح المحلی علی منہاج الطالبین ومعہ حاشیتا قلیوبی وعمیرۃ، علامہ جلال الدین محلیؒ (م:۸۶۴ھ) وعلامہ احمد سلامہ قلیوبیؒ (م:۱۰۶۹ھ) وعلامہ احمد برلسی عمیرہؒ (م:۹۵۷ھ) دار الفکر بیروت

۹۳- الشرح الممتع علی زاد المستنقع، علامہ محمد بن صالح عثیمینؒ (م:۱۴۲۱ھ) دار ابن الجوزی

۹۴- شرح مجلۃ الاحکام العدلیۃ، علامہ خالد اتاسیؒ (م:۱۳۲۶ھ) مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۹۵- شرح معانی الآثار، امام ابوجعفر طحاویؒ (م:۳۲۱ھ) عالم الکتب

۹۶- شرح منتہی الارادات، علامہ منصور بہوتیؒ (م:۱۰۵۱ھ) عالم الکتب

۹۷- شرح تحفۃ الحکام، علامہ میارہ فاسیؒ (م:۱۰۷۲ھ) دار المعرفۃ بیروت

۹۸- شفاء الغرام باخبار البلد الحرام، علامہ تقی الدین فاسیؒ (م:۸۳۲ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت

۹۹- صحیح ابن حبان، امام محمد بن حبان دارمیؒ (م:۳۵۴ھ) موسسۃ الرسالۃ بیروت

۱۰۰- صحیح ابن خزیمۃ، امام ابن خزیمہ نیشاپوریؒ (م:۳۱۱ھ) المکتب الاسلامی بیروت

۱۰۱- صحیح البخاری، امام محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ (م:۲۵۶ھ) دار طوق النجاۃ

۱۰۲- صحیح مسلم، امام مسلم بن حجاج قشیریؒ (م:۲۶۱ھ) دار احیاء التراث العربی بیروت

۱۰۳- الطبقات الکبری، علامہ ابن سعدؒ (م:۲۳۰ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت

۱۰۴- الطرق الحکمیۃ، علامہ ابن قیم جوزیؒ (م:۷۵۱ھ) مکتبۃ دار البیان

۱۰۵- عارضۃ الاحوذی، علامہ ابوبکر ابن عربیؒ (م:۵۴۳ھ) مصر

۱۰۶- عطر ہدایۃ، علامہ فتح محمد لکھنویؒ، نشر القرآن، دیوبند

۱۰۷- عقد البیع، علامہ مصطفی زرقاءؒ، دار القلم دمشق

۱۰۸- العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ، علامہ ابن عابدین شامیؒ (م:۱۲۵۲ھ) دار المعرفۃ بیروت

۱۰۹- عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، علامہ بدر الدین عینیؒ (۸۵۵ھ) دار احیاء التراث العربی بیروت

۱۱۰- العنایۃ، علامہ اکمل الدین بابرتیؒ (م:۷۸۶ھ) دار الفکر

۱۱۱- الغرر البہیۃ فی شرح البہجۃ الوردیۃ، علامہ ابویحیی سنیکیؒ (م:۹۲۶ھ) المطبعۃ المیمنیۃ
۱۱۲- فتاوی ابن رشد، علامہ ابن رشد قرطبیؒ (م:۵۲۰ھ) دار الغرب الاسلامی بیروت
۱۱۳- فتاوی بزازیہ علی ہامش الہندیۃ، علامہ محمد کردری بزازیؒ (م:۸۲۷ھ) مکتبہ زکریا دیوبند
۱۱۴- فتاوی تاتارخانیہ، علامہ عالم بن علاء انصاریؒ (۷۸۶ھ) مکتبہ فاروقیہ کوئٹہ
۱۱۵- فتاوی خانیہ علی ہامش الہندیۃ، علامہ فخر الدین قاضی خان اوزجندیؒ (م:۵۹۲ھ) مکتبہ زکریا دیوبند
۱۱۶- فتاوی ہندیہ، لجنۃ علماء برئاسۃ نظام الدین بلخیؒ، دار الفکر
۱۱۷- فتاوی دار العلوم دیوبند، مکتبہ دار العلوم دیوبند
۱۱۸- فتاوی رشیدیہ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م:۱۳۲۳ھ) مکتبہ زکریا دیوبند
۱۱۹- فتاوی قاسمیہ، مفتی شبیر احمد قاسمی، مکتبہ اشرفیہ دیوبند
۱۲۰- فتح الباری، علامہ ابن حجر عسقلانیؒ (م:۸۵۲ھ) دار المعرفۃ بیروت
۱۲۱- فتح الجواد بشرح الارشاد، علامہ ابن حجر ہیتمیؒ (م:۹۷۴ھ) مصطفی بابی حلبی
۱۲۲- فتح العزیز بشرح الوجیز، علامہ عبد الکریم رافعیؒ (م:۶۲۳ھ) دار الفکر
۱۲۳- فتح العلی المالک، علامہ محمد بن علیشؒ (م:۱۲۹۹) دار المعرفۃ بیروت
۱۲۴- فتح القدیر، علامہ کمال الدین ابن ہمامؒ (م:۸۶۱ھ) دار الفکر
۱۲۵- فتح القدیر، علامہ محمد بن علی شوکانیؒ (م:۱۲۵۰ھ) دار ابن کثیر دمشق
۱۲۶- الفقہ الاسلامی وادلتہ، علامہ وہبہ بن مصطفیٰ زحیلیؒ (م:۱۴۳۶ھ) دار الفکر دمشق
۱۲۷- فقہی مقالات، مفتی محمد تقی عثمانی، زم زم بک ڈپو دیوبند
۱۲۸- فیض الباری، علامہ انور شاہ کشمیریؒ (م:۱۳۵۱ھ) مکتبہ حقانیہ پشاور
۱۲۹- فیض القدیر، علامہ عبد الرؤوف مناویؒ (م:۱۰۳۱ھ) المکتبۃ التجاریۃ الکبری مصر
۱۳۰- قانون المعاہدۃ الباکستانی
۱۳۱- قرارات وتوصیات مجمع الفقہ الاسلامی الدولی، الامانۃ العامۃ للاوقاف بالشارقۃ

۱۳۲- قواعد الاحکام فی مصالح الانام، علامہ عز الدین بن عبد السلامؒ (م: ۶۶۰ھ) مکتبۃ الکلیات الازہریۃ القاہرۃ
۱۳۳- القوانین الفقہیۃ، علامہ ابوقاسم ابن جزیؒ (م: ۷۴۱ھ)
۱۳۴- الکافی فی فقہ اہل المدینۃ، علامہ ابن عبد البر قرطبیؒ (م: ۴۶۳ھ) مکتبۃ الریاض
۱۳۵- الکافی فی فقہ الامام احمد، علامہ ابن قدامہ مقدسیؒ (م: ۶۲۰ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت
۱۳۶- کتاب الآثار، امام محمد بن حسن شیبانیؒ (م: ۱۸۹) مکتبہ دار الایمان سہارنپور
۱۳۷- کتاب الاصل المعروف بالمبسوط، امام محمد بن حسن شیبانیؒ (م: ۱۸۹ھ) ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی
۱۳۸- کتاب الام، امام محمد بن ادریس شافعیؒ (م: ۲۰۴ھ) دار المعرفۃ بیروت
۱۳۹- کتاب الاموال، امام قاسم بن سلام ہرویؒ (م: ۲۲۴ھ) دار الفکر بیروت
۱۴۰- الحجۃ علی اہل المدینۃ، امام محمد بن حسن شیبانیؒ (م: ۱۸۹ھ) عالم الکتب بیروت
۱۴۱- کتاب الخراج، امام یعقوب ابو یوسفؒ (م: ۱۸۲ھ) المکتبۃ الازہریۃ قاہرۃ
۱۴۲- کتاب الفروع، علامہ ابن مفلحؒ (م: ۷۶۳ھ) مؤسسۃ الرسالۃ بیروت
۱۴۳- کشف الاستار، علامہ نور الدین ہیثمیؒ (م: ۸۰۷ھ) مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت
۱۴۴- الکفایۃ علی ہامش فتح القدیر، علامہ سعدی آفندیؒ (م: ۹۴۵ھ) مکتبہ زکریا دیوبند
۱۴۵- الکوکب الدری، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م: ۱۳۲۳ھ) ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کراچی
۱۴۶- لسان العرب، علامہ ابن منظور انصاریؒ (م: ۷۱۱ھ) دار صادر بیروت
۱۴۷- لغت نامہ دہ خدا، شیخ علی اکبرؒ، دانش گاہ تہران
۱۴۸- المبدع فی شرح المقنع، علامہ ابن مفلحؒ (م: ۸۸۴ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت
۱۴۹- المبسوط، شمس الائمہ سرخسیؒ (م: ۴۸۳ھ) دار المعرفۃ بیروت
۱۵۰- مجلۃ الاحکام العدلیۃ، لجنۃ من عدۃ فقہاء فی الخلافۃ العثمانیۃ، نور محمد کارخانہ تجارت

کتب آرام باغ، کراچی
۱۵۱- مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی الدولی، منظمۃ المؤتمر الاسلامي بجدۃ، المکتبۃ الشاملۃ
۱۵۲- مجمع الزوائد، علامہ نور الدین علی ہیثمیؒ (م:۸۰۷ھ) مکتبۃ القدسی، القاہرۃ
۱۵۳- المجموع معہ متن المہذب وتکملۃ السبکی والمطیعی، امام یحییٰ بن شرف نوویؒ (م:۶۷۶ھ) وعلامہ ابو اسحاق شیرازیؒ (م:۴۷۶ھ) وعلامہ تقی الدین سبکیؒ (م:۷۵۶ھ) و علامہ نجیب بن ابراہیم مطیعیؒ (م:۱۴۰۷ھ) دار الفکر
۱۵۴- مجموع الفتاوی، علامہ تقی الدین ابن تیمیہؒ (م:۷۲۸ھ) مجمع الملک فہد، سعودیۃ
۱۵۵- مجموعۃ رسائل ابن عابدین، علامہ ابن عابدین شامیؒ (م:۱۲۵۲ھ) نسخہ پر مکتبہ کا نام موجود نہیں ہے۔
۱۵۶- المحلی بالآثار، علامہ ابن حزم ظاہریؒ (م:۴۵۶ھ) دار الفکر بیروت
۱۵۷- المحیط البرہانی، علامہ ابن مازہ بخاریؒ (م:۶۱۶ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت
۱۵۸- مختصر اختلاف العلماء، امام ابو جعفر طحاویؒ (م:۳۲۱ھ) دار البشائر الاسلامیۃ بیروت
۱۵۹- المدخل الفقہی العام، شیخ مصطفی احمد زرقاءؒ، مطابع الف باء الادیب دمشق
۱۶۰- المدونۃ الکبری، امام مالک بن انس اصبحیؒ (م:۱۷۹ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت
۱۶۱- المذکرات الایضاحیۃ للقانون الاردنی، غیر مطبوع
۱۶۲- مرقاۃ المفاتیح، ملا علی قاریؒ (م:۱۰۱۴ھ) دار الفکر، بیروت
۱۶۳- مسائل الامام احمد واسحاق بن راہویہ، علامہ کوسج مروزیؒ (م:۲۵۱ھ) عمادۃ البحث العلمی، سعودیۃ
۱۶۴- المستدرک علی الصحیحین، امام ابو عبد اللہ حاکم نیشا پوریؒ (م:۴۰۵ھ) دار الکتب العلمیۃ بیروت
۱۶۵- مسند الامام ابی یعلی، امام ابو یعلی احمد موصلیؒ (م:۳۰۷ھ) دار المامون للتراث دمشق
۱۶۶- مسند احمد، امام احمد بن حنبلؒ (م:۲۴۱ھ) موسسۃ الرسالۃ بیروت

۱۶۷- مسند البزار، امام ابوبکر احمد بزارؒ (م: ۲۹۲ھ) مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورۃ
۱۶۸- مصادر الحق، ڈاکٹر عبدالرزاق سنہوریؒ (م: ۱۳۹۱ھ) داراحیاء التراث العربی بیروت
۱۶۹- مصنف ابن ابی شیبۃ، امام ابوبکر بن ابی شیبہؒ (م: ۲۳۵ھ) مکتبۃ الرشد ریاض
۱۷۰- مصنف عبدالرزاق، امام ابوبکر عبدالرزاق صنعانیؒ (م: ۲۱۱ھ) المجلس العلمی ہند
۱۷۱- المعاییر الشرعیۃ، ھیئۃ المحاسبۃ والمراجعۃ للمؤسسات المالیۃ الاسلامیۃ بحرین
۱۷۲- المعجم الکبیر، امام ابوقاسم طبرانیؒ (م: ۳۶۰ھ) مکتبۃ ابن تیمیۃ القاہرۃ
۱۷۳- معرفۃ السنن والآثار، امام ابوبکر بیہقیؒ (م: ۴۵۸ھ) دارالوعی، حلب
۱۷۴- معرفۃ علوم الحدیث، امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوریؒ (م: ۴۰۵ھ) دارالکتب العلمیۃ بیروت
۱۷۵- مغنی المحتاج، شمس الدین خطیب شربینیؒ (م: ۹۷۷ھ) دارالکتب العلمیۃ بیروت
۱۷۶- المغنی، علامہ ابن قدامہ مقدسیؒ (م: ۶۲۰ھ) مکتبۃ القاہرۃ
۱۷۷- المقدمات الممہدات، علامہ ابن رشد قرطبیؒ (م: ۵۲۰ھ) دارالغرب الاسلامی بیروت
۱۷۸- المنتقی، امام ابن جارود نیشاپوریؒ (م: ۳۰۷ھ) مؤسسۃ الکتاب الثقافیۃ بیروت
۱۷۹- المنثور فی القواعد الفقہیۃ، علامہ بدرالدین زرکشیؒ (م: ۷۹۴ھ) وزارۃ الاوقاف الکویتیۃ
۱۸۰- منح الجلیل، علامہ علیش ابوعبداللہؒ (م: ۱۲۹۹ھ) دارالفکر بیروت
۱۸۱- مواہب الجلیل، شمس الدین حطاب رعینیؒ (م: ۹۵۴ھ) دارالفکر
۱۸۲- موسوعۃ الفقہ الاسلامی، موسوعۃ جمال عبدالناصر فی الفقہ الاسلامی، المجلس الاعلی للشؤون الاسلامیۃ القاہرۃ
۱۸۳- الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیۃ الکویت
۱۸۴- المؤطا، امام مالک بن انس اصبحیؒ (م: ۱۷۹ھ) مؤسسۃ زاید بن سلطان ابوظبی الامارات
۱۸۵- المؤطا، امام محمد بن حسن شیبانیؒ (م: ۱۸۹ھ) المکتبۃ العلمیۃ
۱۸۶- میزان الاعتدال، علامہ شمس الدین ذہبیؒ (م: ۷۴۸ھ) دارالمعرفۃ بیروت

۱۸۷- النتف فی الفتاوی، علامہ ابو الحسن علی سغدیؒ (م: ۴۶۱ھ) دار الفرقان بیروت
۱۸۸- نسمات الاسحار، علامہ ابن عابدین شامیؒ (م: ۱۲۵۲ھ) ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کراچی
۱۸۹- نصب الرایۃ، علامہ جمال الدین زیلعیؒ (م: ۷۶۲ھ) موسسۃ الریان بیروت
۱۹۰- نظریۃ الضرورۃ الشرعیۃ، علامہ وہبہ بن مصطفی زحیلیؒ (م: ۱۴۳۶ھ) موسسۃ الرسالۃ بیروت
۱۹۱- نظریۃ العقد، ڈاکٹر عبد الرزاق سنہوریؒ (م: ۱۳۹۱ھ) داراحیاء التراث العربی بیروت
۱۹۲- نہایۃ المحتاج ومعہ حاشیۃ الشبر املسی، علامہ شہاب الدین رملیؒ (م: ۱۰۰۴ھ) و علامہ نور الدین شبراملسیؒ (م: ۱۰۸۷ھ) دار الفکر، بیروت
۱۹۳- نہایۃ المطلب فی درایۃ المذہب، امام الحرمین جوینیؒ (م: ۴۷۸ھ) دار المنہاج
۱۹۴- النہر الفائق، علامہ عمر ابن نجیمؒ (م: ۱۰۰۵ھ) قدیمی کتب خانہ کراچی
۱۹۵- نیل الاوطار، علامہ محمد بن علی شوکانیؒ (م: ۱۲۵۰ھ) دار الحدیث مصر
۱۹۶- الہدایۃ، امام برہان الدین مرغینانیؒ (م: ۵۹۳ھ) داراحیاء التراث العربی بیروت
۱۹۷- الوسیط فی المذہب، امام ابو حامد غزالی طوسیؒ (م: ۵۰۵ھ) دار السلام القاہرۃ
۱۹۸- الوسیط فی شرح القانون المدنی، ڈاکٹر عبد الرزاق سنہوریؒ (م: ۱۳۹۱ھ) داراحیاء التراث العربی بیروت
۱۹۹- الیاقوت النفیس فی مذہب ابن ادریس، علامہ سید احمد شاطریؒ (م: ۱۳۶۰ھ) دار الشروق جدۃ

200- Auctions (Bidding Agreements) Act 1927
201- Black's Law Dictionary, Fifth Edition, St Paul Minn. Publishing Company 1979
202- Chitty: On Contracts, General Editor: A.G. Guest, 24th ED. 1977

203- Companies Act 2006

204- Contract Act 1872

205- Contract Law, by Neil Andrews, Chapter 10, Cambridge University Press, 2011

206- Corpus Juris Secondum, The American Law Book Company

207- Documentary Credits, Raymond Jack, Butterwoths, London, Dublin, Edinburgh, 1991

208- Land Acquisition Act 1894

209- Oxford Dictionary of Finance and Banking

210- Pollock & Mulla: On The Sale of Goods Act, by Satish J Shah, LexisNexis, EighthEdition 2011

211- Preemption Act of 1841

212- TheSale of Goods Act

213- Specific Relief Act 1877